



فتاویٰ محسوسہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجتہد

زیر نگرانی

دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	باب القرض (قرض کا بیان)	
۳۲	قرض ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنا.....	۱
۳۴	قرض کی واپسی کے لئے اقساط مقرر کرنا.....	۲
۳۵	حج کے لئے پراویڈنٹ فنڈ سے قرضہ لینا.....	۳
۳۶	ادائے قرض کے لئے میعاد مقرر کرنا.....	۴
۳۷	قرض کو بیوی کے رخصت نہ کرنے کی وجہ سے روکنا.....	۵
۳۹	قرض خواہ کا مقروض کو رسوا کرنا.....	۶
	باب القمار (جوئے کا بیان)	
۴۱	بلا تعین قیمت قسطوں پر سامان بیچنا.....	۷

۲۲ جانبین سے شرط لگانے کا حکم	۸
<h2>کتاب الدعویٰ والتحکیم</h2>		
<h3>باب الدعویٰ</h3>		
<h4>(دعویٰ کا بیان)</h4>		
۲۳ خرچہ مقدمہ کس کے ذمہ ہے؟	۹
۲۵ قاضی کو ایک فریق پر اختیار حاصل نہ ہونا	۱۰
۲۶ کیا مقدمہ کے خلاف اپیل کے لئے تین ماہ کی تحدید ہے؟	۱۱
۲۷ دارالقضاء کا قیام، ایک قاضی کے ہوتے ہوئے دوسرے کا تقرر کرنا	۱۲
۵۲ ثبوت دین کے لئے مدعی علیہ سے حلف لینا	۱۳
<h2>باب التحکیم</h2>		
<h3>(حکم مقرر کرنے کا بیان)</h3>		
۵۳ تحکیم کا طریقہ	۱۴
<h2>کتاب الہبۃ</h2>		
<h3>(ہبہ کا بیان)</h3>		
۵۷ چھوٹی بچی کو زمین ہبہ کر کے اس کا قبضہ نہ دینا	۱۵
۵۹ مشترک مکان کو تقسیم کے بغیر ہبہ کرنا	۱۶
۶۰ اپنی جائیداد کو اسے کے نام کرنا	۱۷
۶۲ وارثوں کو ہبہ کرنا	۱۸

۶۴ زندگی میں اولاد کو جائیداد ہبہ کرنے کی ایک صورت کا حکم	۱۹
۶۷ مرض الموت میں وارث کے لئے ہبہ	۲۰
۶۸ ہبہ میں واپسی کی شرط	۲۱
۷۱ عمری	۲۲

کتاب الضمان والودیعة

باب فی الضمان

(ضمان کا بیان)

۷۴ ہوٹل کے برتن اپنے کمرہ سے گم ہونے پر ضمان کا حکم	۲۳
۷۵ بیمار لڑکی کی شادی کی، مرگئی تو ذمہ دار کون ہوگا؟	۲۴
۷۵ چمڑے کے وزن کے دوران کان اور دم وغیرہ کو توڑنے کا حکم	۲۵
۷۶ نابالغ نے ڈھیلا مار کر گھوڑی کی آنکھ پھوڑ دی، اس کے تاوان کا حکم	۲۶
۷۷ سامان کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر بے احتیاطی کرنا	۲۷
۷۸ دھوبی نے کپڑا گم کر دیا	۲۸

باب فی الودیعة

(امانت کا بیان)

۸۰ بچوں کی امانت خود ان پر صرف کرنا	۲۹
۸۰ بالغ ہونے پر بچوں کی امانت، ان کی شادی میں خرچ کرنا	۳۰
۸۱ لا وارث غیر مسلم کی امانت کا حکم	۳۱
۸۳ شی مستعار کا عوض ادا کر چکنے کے بعد وہ ملی تو کیا حکم ہے؟	۳۲
۸۴ عید گاہ کا روپیہ کاروبار میں لگانا	۳۳

کتاب الرهن

(رہن کا بیان)

۸۶	صاف لفظوں میں امانت کہنا اور معاملہ گروی کا کرنا	۳۴
۸۹	زمین رہن رکھ کر معاوضہ وصول کرنا	۳۵
۹۰	شی مرہون سے نفع اٹھانا	۳۶
۹۱	رہن پر نفع	۳۷
۹۲	ناریل رہن رکھ کر اس کی آمدنی کھانا	۳۸
۹۳	فک رہن کی تاریخ مقرر کرنا اور اس میں توسیع کرنا	۳۹

کتاب الصيد والذبائح

باب الصيد

(شکار کرنے کا بیان)

۹۵	بندوق سے کئے ہوئے شکار کا حکم	۴۰
۹۷	مچھلی گڑھے میں ڈالی جائے، تو اس کا مالک کون ہے؟	۴۱
۹۸	مچھلیوں کے شکار کے لئے تالاب خریدنا	۴۲
۹۹	کانٹے میں مچھلی پکڑنا	۴۳
۱۰۰	معلم کتے کا شکار کھانا	۴۴

باب الذبائح

الفصل الأول في من يصح ذبحه ومن لا يصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

۱۰۲	بے وضو انڈرویر پہن کر ذبح کرنا	۴۵
-----	--------------------------------	----

۱۰۲ نشہ باز قصاب کا ذبیحہ	۴۶
۱۰۳ دیوبندیوں کو خارج از اسلام کہنے والے کا ذبیحہ و قربانی	۴۷
۱۰۴ مجہول الاسلام کا ذبیحہ	۴۸
۱۰۵ اہل کتاب کا ذبیحہ	۴۹
۱۰۵ اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم	۵۰
۱۱۱ ذبیحہ یہود	۵۱

الفصل الثانی فی سنن الذبح وادابہ و مکروہاتہ

(ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

۱۱۲ بائیں ہاتھ سے ذبح کرنا	۵۲
۱۱۲ ذبح فوق العقدہ کا حکم	۵۳
۱۱۴ گائے کو ذبح کرنے سے پہلے کھال چیرنا	۵۴
۱۱۶ کیا ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے؟	۵۵

الفصل الثالث فی مایصح ذبحہ و مالا یصح

(ذبح صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

۱۱۷ دیوار کے نیچے دب کر مرنے والی بکری کا ذبح کرنا	۵۶
-----	------------------------------------------------------	----

الفصل الرابع فی مایصح أکله من اللحوم و مالا یصح

(حلال اور حرام گوشت کا بیان)

۱۱۸ چوری شدہ بھیڑ کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا	۵۷
۱۲۰ بذریعہ انجکشن پیدا ہونے والے جانور کو کھانے کا حکم	۵۸
۱۲۱ امریکن گائے کا حکم	۵۹

کتاب الأضحیۃ

باب من یجب علیہ الأضحیۃ ومن لا یجب

(قربانی کے وجوب و عدم وجوب کا بیان)

۱۲۲	قرآن وحدیث سے قربانی کا ثبوت	۶۰
۱۲۶	کتنے نوٹ پر قربانی واجب ہے؟	۶۱
۱۲۶	ملازم کی تنخواہ پر قربانی کا وجوب	۶۲
۱۲۷	قربانی کے جانور کی قیمت زیادہ ہو اور مقدار نصاب کم ہو، تو کیا کیا جائے؟	۶۳
۱۳۰	دوسرے کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنا	۶۴
۱۳۱	کسی کے کہنے سے اپنا جانور اس کی طرف سے مفت قربان کرنا	۶۵
۱۳۲	کیا حرام مال ملک میں ہو تب بھی قربانی واجب ہوگی؟	۶۶

باب فیما یجوز من الأضحیۃ وما لا یجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز اور ناجائز جانور کا بیان)

۱۳۳	بکری، ہرن کے جوڑے سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی کرنا	۶۷
۱۳۴	دیوانہ جانور کی قربانی	۶۸
۱۳۵	کیا انڈے کی بھی قربانی ہوتی ہے؟	۶۹

باب ما یكون عیبا فی الأضحیۃ وما لا یكون

(قربانی میں عیب کا بیان)

۱۳۷	جس بکرے کے دانت گھس گئے ہوں، اس کی قربانی کا حکم	۷۰
-----	--------------------------------------------------	----

باب الشریکۃ فی الأضحیۃ

(قربانی میں شرکت کا بیان)

۷۱ ایک گائے کی قربانی میں ساتواں حصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رکھنا ۱۳۸

باب فی قسمة اللحم ومصرفه وبيعه

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

۷۲ قربانی کا گوشت ہندو کو دینا ۱۴۰

باب فی مصرف جلد الأضحیۃ

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

۷۳ چرم قربانی کی قیمت کنواں بنوانے میں استعمال کرنا ۱۴۱

باب المتفرقات

۷۴ جس چھری سے قربانی کی جائے، کیا اس میں تین سوراخ کا ہونا ضروری ہے؟ ۱۴۳

۷۵ خطرہ جان کے وقت قربانی نہ کرنا ۱۴۳

۷۶ خنزیر کے بال سے برش بنانے والے کارخانہ میں ملازم کی تنخواہ سے قربانی کا حکم ۱۴۴

۷۷ قربانی کے جانور سے اتاری ہوئی اون کا حکم ۱۴۵

کتاب العقیقۃ

(عقیقہ کا بیان)

۷۸ عقیقہ کا دن ۱۴۶

۱۴۷	شادی میں عقیقہ کرنا	۷۹
۱۴۸	عقیقے میں گائے، بھینس کو ذبح کرنا	۸۰
۱۴۹	عقیقہ میں لڑکے کا ایک حصہ رکھنا	۸۱
۱۵۰	کیا ماں باپ عقیقہ کا کھانا کھا سکتے ہیں؟	۸۲
۱۵۱	ایضاً	۸۳

کتاب الحظر والإباحة

باب الأكل والشرب

الفصل الأول في الأكل مع الكفار

(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

۱۵۳	غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا	۸۴
-----	-----------------------------	----

الفصل الثاني في سنن الأكل وأدابه

(کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

۱۵۶	انڈا توڑتے ہوئے کیا پڑھے؟	۸۵
۱۵۶	کچی پیاز کھانے میں ملا کر کھانا	۸۶
۱۵۷	عقیقہ کا کھانا چماروں کے ہاتھوں سے کھلوانا	۸۷
۱۵۹	کیا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہیے	۸۸
۱۶۰	ننگے سر کھانا اور کھانا کھانے کی حالت میں سلام کرنا	۸۹
۱۶۲	بازار جانا اور دکان پر بضرورت بیٹھنا، چلتے پھرتے کھانے کا حکم	۹۰

باب الضیافات والہدایا

الفصل الأول فی ثبوت الدعوة وقبولہ

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

۱۶۴ دعوت میں کھانا اجازت سے شروع کیا جائے	۹۱
۱۶۴ کام سیکھنے کے لئے دوست احباب کے اصرار پر مٹھائی کھانا	۹۲
۱۶۵ گانے، ہاجہ والی تقریب سے کھانا گھر پر منگوا کر کھانا	۹۳
۱۶۶ ہاجہ والی شادی میں کھانا کھانا	۹۴
۱۶۷ جہاں عزت کا خطرہ ہو وہاں کھانے کے لئے جانا	۹۵
۱۶۸ قرض کی ادائیگی نہ کرنے والے کی دعوت میں شرکت کا حکم	۹۶
۱۷۰ دوسرے کی افطاری قبول کرنے سے پرہیز کرنا	۹۷
۱۷۱ دعوت عامہ میں طعام کی تقسیم و تفریق	۹۸
۱۷۲ سود خور عالم کی دعوت کرے اور یہ کہہ دے کہ ”یہ کھانا حرام کا ہے“ تو کیا حکم ہے؟	۹۹

الفصل الثاني فی الہدایا

(ہدیہ دینے کا بیان)

۱۷۴ طلبہ کا ہدیہ استاد کے لئے	۱۰۰
۱۷۴ حرام کمائی سے دیئے گئے ہدایا وغیرہ کا حکم	۱۰۱

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الأول فی المسکرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

۱۷۹ فوٹن پین کی روشنائی	۱۰۲
-----	---------------------------	-----

۱۸۰ کوکا کولا اور شراب ملی ہوئی دوا کا حکم	۱۰۳
۱۸۰ پوست کا ڈوڈا پینا	۱۰۴
۱۸۱ کھجور اور تار کا عرق پینے کا حکم	۱۰۵
<p style="text-align: center;">الفصل الثاني في الطيب (خوشبو کا بیان)</p>		
۱۸۲ سینٹ کا استعمال	۱۰۶
<p style="text-align: center;">الفصل الثالث في المأكولات وغيرها (کھانے کی اشیاء وغیرہ کا بیان)</p>		
۱۸۳ کتے کا جھوٹا گھی استعمال کرنا	۱۰۷
۱۸۴ اسکول میں بچوں کے لئے جو دودھ ملتا ہے، اس کا پینا	۱۰۸
۱۸۴ بریڈ روٹی کا استعمال	۱۰۹
۱۸۵ ڈبے کا گوشت	۱۱۰
۱۸۵ ڈبوں میں بند گوشت کا حکم	۱۱۱
<p style="text-align: center;">باب الانتفاع بالحيوانات الفصل الأول في الطيور (پرندوں کا بیان)</p>		
۱۸۷ طوطا حلال ہے؟	۱۱۲
<p style="text-align: center;">الفصل الثاني في المواشي (مویشیوں کا بیان)</p>		
۱۸۸ خرگوش کی حلت	۱۱۳

۱۸۸ شیر کی زخمی کی ہوئی بکری کو ذبح کر کے کھانا	۱۱۴
۱۸۹ امریکن گائے کا استعمال	۱۱۵
۱۹۰ ہرن کو بکری کے ساتھ جوڑنا	۱۱۶

الفصل الثالث في الحيوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اور ان کے اجزاء کا بیان)

۱۹۱ خنزیر کا گوشت کھانے والے کا حکم	۱۱۷
۱۹۲ صابن میں مردار جانور کی چربی	۱۱۸
۱۹۵ خنزیر کی چربی صابن میں ملانا	۱۱۹

باب التداوي والمعالجة

الفصل الأول في ما يتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاطِ حمل اور موانعِ حمل کا بیان)

۱۹۷ نسبندی کا آپریشن	۱۲۰
۱۹۸ فیملی پلاننگ یا نسل کشی	۱۲۱
۲۰۳ خاندانی منصوبہ بندی	۱۲۲
۲۰۴ محکمہ نسبندی میں ملازمت	۱۲۳
۲۰۶ آپریشن سے جنس تبدیل کرنے کا حکم	۱۲۴
۲۰۸ حاملہ کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالنا	۱۲۵

الفصل الثاني في التداوي بالمحرم وغيره

(حرام و حلال سے دوا کرنے کا بیان)

۲۰۹ ”بولِ فیل“ برائے علاج	۱۲۶
-----	-----------------------------	-----

۲۱۰ خراطین و خاکستہ دوائی کا استعمال	۱۲۷
۲۱۱ ڈاکٹری دوائی میں شراب کی آمیزش	۱۲۸
۲۱۱ خنزیر کی چربی والا تیل دوا کے طور پر استعمال کرنا	۱۲۹

باب المال الحرام و مصرفه

(مال حرام اور اس کے مصرف کا بیان)

۲۱۳ مشتبہ مال سے بچنا	۱۳۰
۲۱۴ مشتبہ مال سے بنے مکان میں رہائش	۱۳۱
۲۱۴ چوری کا مال خریدنا	۱۳۲
۲۱۵ جو کپڑا درزی بچالے اس کا حکم	۱۳۳
۲۱۶ شراب کی کمائی کا مصرف	۱۳۴
۲۱۸ آتش بازی کا سامان رکھنے والے کے لئے بکس بنانے کی کمائی کا حکم	۱۳۵

باب الرشوة

(رشوت کا بیان)

۲۲۰ رشوت اور شراب کی رقم کا حکم	۱۳۶
۲۲۱ سیمنٹ کی تجارت اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا	۱۳۷
۲۲۳ سرکاری ہسپتال سے رشوت دے کر دوائیاں لینا	۱۳۸
۲۲۴ محصول کم کرنے کے لئے رشوت کا مشورہ دینا	۱۳۹
۲۲۵ کیا داخلہ فیس رشوت میں داخل ہے؟	۱۴۰
۲۲۶ رشوت دے کر حاصل کی گئی ملازمت کا حکم	۱۴۱

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول في الكذب والنميمة والبهتان (جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

۲۲۷ کسی پر جھوٹا الزام لگانا	۱۴۲
۲۲۸ مسجد میں فاسق کی تعریف کرنا	۱۴۳
۲۲۹ بیع میں دھوکہ دینا	۱۴۴
۲۳۰ بڑے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر فروخت کرنا	۱۴۵
۲۳۱ چنگی کو بچا لینا	۱۴۶
۲۳۲ اچھے علاج کے حصول کے لئے حیلہ کرنا	۱۴۷
۲۳۳ ٹیکس سے بچنے کے لئے دو حساب رکھنا	۱۴۸

الفصل الثاني في الغيبة والحسد (غیبت اور حسد کا بیان)

۲۳۵ غیبت کی چند صورتوں کا حکم	۱۴۹
۲۳۷ جب کوئی عالم خلاف سنت میں مبتلا ہو، تو کیا کیا جائے؟	۱۵۰
۲۳۸ کسی کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے کے عیب کو ظاہر کرنا	۱۵۱

الفصل الثالث في نقض الوعد (وعدہ خلافی کا بیان)

۲۳۹ زمین دوسرے کو دینے کا وعدہ کر کے انکار کرنا	۱۵۲
-----	---------------------------------------------------	-----

الفصل الرابع في ترك الموالاة (قطع تعلقی کا بیان)

۲۴۱ جو شخص غلط فتویٰ دے اس سے تعلق رکھنا	۱۵۳
-----	--------------------------------------------	-----

۲۴۲	غیر حاضری کی بناء پر برادری سے خارج کرنا	۱۵۴
۲۴۳	چھوٹی بڑی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کرنا	۱۵۵
۲۴۴	مسلمان کا بائیکاٹ کرنا	۱۵۶
۲۴۴	کبار میں مبتلا رشتہ داروں کے ساتھ تعلق	۱۵۷
۲۴۵	اہل محلہ کا کسی مسلمان کی تجہیز و تکفین سے بائیکاٹ کرنا	۱۵۸
الفصل الخامس في إيداء المسلم (مسلمان کو اذیت پہنچانے کا بیان)		
۲۴۷	اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا	۱۵۹
۲۴۸	کسی مستند عالم کو برا کہنا	۱۶۰
۲۴۸	مسلمان یتیموں کو پریشان کرنا	۱۶۱
۲۴۹	اپنی نالی سے دوسرے کو اذیت دینا	۱۶۲
۲۵۰	مدرسہ کے مدرس کو نوکر کہنا	
باب المعاصي والتوبة (گناہ اور توبہ کا بیان)		
۲۵۱	کسی کا راستہ اور پانی بند کرنا	۱۶۳
۲۵۱	گالی کے بدلے گالی	۱۶۴
۲۵۲	نکاح کی عملی صورت سمجھانے پر ایک استاذ کا دوسرے کو گالی دینا	۱۶۵
۲۵۳	فتنہ و فساد پیدا کرنے والے کا حکم	۱۶۶
۲۵۳	زنا حق العبد ہے یا حق اللہ؟	۱۶۷
۲۵۴	گالی دینے والے کی نماز روزہ کا حکم	۱۶۸
۲۵۵	شراب و جوا	۱۶۹
۲۵۶	خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے کا حکم	۱۷۰

۲۵۷	خدا اور رسول کے حکم کے خلاف حکم کرنے کا کسی کو حق نہیں	۱۷۱
۲۵۷	خدا اور رسول کے خلاف کہنے کا کسی کو حق نہیں	۱۷۲
۲۵۸	زبردستی زنا	۱۷۳
۲۵۹	قوم میں تفرقہ ڈلوانا	۱۷۴
۲۶۰	ایک امیر کے حالات	۱۷۵
۲۶۲	زنا بالجبر کو منع نہ کرنے کی صورت میں کون لوگ گنہگار ہیں؟	۱۷۶
۲۶۳	ظالم سے انتقام	۱۷۷
۲۶۴	گالی کی معافی اور از خود قوم کا سردار بننا	۱۷۸
۲۶۵	سخت گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا	۱۷۹
۲۶۶	کسی بزرگ سے سوء ظن	۱۸۰
۲۶۷	خنزیر کھالیا تو کیا حکم ہے؟	۱۸۱
۲۶۸	یتیموں کے مال میں بے جا تصرف کرنے والے کی سزا	۱۸۲
۲۶۸	یتیموں کا مال غصب کرنے والے کا حکم	۱۸۳
۲۶۹	یتیموں کا مال مسجد اور مدرسہ میں دینا	۱۸۴
۲۷۰	یتیموں کا مال ناحق کھانا	۱۸۵
۲۷۰	زنا کے معاف کرانے کا طریقہ	۱۸۶
۲۷۱	توبہ کی تعریف	۱۸۷
۲۷۲	حرمات کے حکم سے پہلے صحابہ مکلف نہیں تھے	۱۸۸
۲۷۳	اپنے فعل کی تہمت خدا پر لگانا	۱۸۹
۲۷۳	مسلمانوں کو سور کا گوشت دھوکہ سے بیچنا	۱۹۰

باب أحكام الزوجین

(میاں بیوی کے حقوق کا بیان)

۲۷۵	شوہر کی اجازت کے بغیر ماں کے گھر جانا	۱۹۱
-----	---------------------------------------	-----

۱۹۲	شوہر کو بھیا کہنا.....	۲۷۶
۱۹۳	خواب کی وجہ سے میاں بیوی کا ایک دوسرے سے بدظن ہونا.....	۲۷۷
۱۹۴	بیوی کا شوہر کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی اجرت کا مطالبہ کرنا.....	۲۷۸
۱۹۵	گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت کرنا.....	۲۷۹
۱۹۶	عورت کی بدتمیزی و بدکلامی پر شوہر کے مارنے کا حکم.....	۲۸۱
۱۹۷	بیوی کے زیور کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟.....	۲۸۳
۱۹۸	بیوی کا علیحدہ مکان کے لئے مطالبہ کرنا.....	۲۸۴
۱۹۹	بیوی کے لئے الگ مکان.....	۲۸۵
۲۰۰	بیوی کے ساتھ زیادتی کی مکافات.....	۲۸۶
۲۰۱	عورت کا شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف کرنا.....	۲۸۷
فصل فی الجماع و متعلقاتہ (ہمبستری وغیرہ کا بیان)		
۲۰۲	وطی میں بیوی کا حق شوہر پر.....	۲۸۹
۲۰۳	ہمبستری کے وقت کی دعا.....	۲۹۰
۲۰۴	یہ دعا کرنا کہ ”یا اللہ! صالح اولاد دے یا اس سے محروم رکھ“.....	۲۹۱
۲۰۵	بیوی سے ہمبستری کا طریقہ.....	۲۹۱
۲۰۶	بیوی کو برہنہ کر کے اس کا پستان منہ میں لے کر سونا.....	۲۹۲
۲۰۷	حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے کس حصہ کو دیکھنا درست ہے؟.....	۲۹۲
۲۰۸	حالت حیض میں بیوی کے عضو مخصوص کو دیکھنا اور چھونا.....	۲۹۴
۲۰۹	کیا لونڈیوں کے ساتھ صحبت بلا نکاح درست ہے؟.....	۲۹۵
باب حقوق الوالدین وغیرہا (والدین کے حقوق کا بیان)		
۲۱۰	والدین کے حقوق.....	۲۹۷

۳۰۰ کیا والدین کا درجہ استاذ اور پیر سے زیادہ ہے؟	۲۱۱
۳۰۱ والد کی نافرمانی	۲۱۲
۳۰۱ صاحب حق کی طرف حق پہنچانے کی صورت نہ ہو، تو کیا کیا جائے؟	۲۱۳
۳۰۲ والد کی غلط رائے قابل عمل نہیں	۲۱۴
۳۰۲ باپ کو دھکا اور گالیاں دینا	۲۱۵
۳۰۶ بیٹے کو بیٹا نہ ماننے والے باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے؟	۲۱۶
۳۰۷ والد کے گناہ پر ان کی اصلاح کا طریقہ	۲۱۷
۳۰۸ والد پر خرچ کی ہوئی رقم کو ترکہ میں محسوب کرنا	۲۱۸
۳۰۹ جیسا خود کھائے ویسا باپ کو کھلائے	۲۱۹
۳۱۰ بچپن کی چوری کا گناہ کس پر ہے؟	۲۲۰
۳۱۰ بچپن کے بد نیک کام کا عذاب و ثواب	۲۲۱
۳۱۱ بچہ کوئی چیز بازار سے خرید لایا اس میں سے ماں باپ وغیرہ کو کھانا	۲۲۲
۳۱۲ نابالغ بچوں سے تربیت کے لئے خدمت لینا	۲۲۳
۳۱۳ چوری حق اللہ ہے یا حق العبد؟	۲۲۴
۳۱۳ استاذ کا شاگرد کو معاف نہ کرنا	۲۲۵
۳۱۴ اپنے افلاس کی وجہ سے زمین ایک بیٹے کے نام کرنا	۲۲۶
۳۱۶ حقوق العباد میں ہونے والی کوتاہی	۲۲۷
۳۱۷ حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا	۲۲۸
۳۱۸ حقہ پینا اور قرض لے کر دوسروں کی خدمت کرنا	۲۲۹
۳۱۹ یتیموں کی مدد کرنا	۲۳۰
۳۲۰ کیا یتیم کو اپنا حق وصول کرنے کا حق ہے؟	۲۳۱
۳۲۰ ایک لڑکی کو دینا دوسری کو نہ دینا	۲۳۲
۳۲۲ چور ڈاکو پڑوسی پر احسان کرنا	۲۳۳

باب السلام والقیام والمصافحة

الفصل الأول في السلام وإجابته

(سلام اور اس کے جواب کا بیان)

۲۳۴ مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے خارج ہوتے وقت سلام	۳۲۳
۲۳۵ استنجا خشک کرتے ہوئے سلام وکلام	۳۲۴
۲۳۶ نامحرم کو سلام کرنا	۳۲۶
۲۳۷ چھینک پر الحمد للہ رب العالمین کہنا	۳۲۶

الفصل الثاني في المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

۲۳۸ ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا	۳۲۸
-----	-------------------------------	-----

الفصل الثالث في القیام والتقبیل

(قیام اور تقبیل کا بیان)

۲۳۹ پیر کی قدم بوسی کرنا	۳۳۰
۲۴۰ جھک کر سلام کرنا اور پیروں پر سر رکھنا	۳۳۱

باب الترضی والترحم

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

۲۴۱ حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ علیہما الصلوٰۃ والسلام کہنا	۳۳۲
۲۴۲ غیر مسلم کا درود شریف پڑھنا	۳۳۳

باب الحجاب

الفصل الأول في ثبوت السترو وجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

۳۳۳ نامحرم عورتوں کی جگہ پر جانا	۲۴۳
۳۳۵ پرانی وضع کا برقعہ	۲۴۴
۳۳۵ فیشی مروجہ برقعہ	۲۴۵
۳۳۶ دو بھائیوں کا ایک مکان میں رہنا	۲۴۶

فصل في ما يتعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

۳۳۸ مردوں کا ٹیپ عورتوں کے لئے عورتوں کا مردوں کے لئے	۲۴۷
۳۳۹ ریڈیو پر عورت کی آواز نسری	۲۴۸

الفصل الثاني فيمن يجب عنه الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

۳۴۱ دیور سے پردہ	۲۴۹
۳۴۳ پھوپھی زاد خالہ زاد وغیرہ سے پردہ	۲۵۰
۳۴۴ خالہ زاد ماموں زاد بھائی وغیرہ سے پردہ	۲۵۱
۳۴۵ سوتیلی والدہ کے ساتھ سفر کرنا	۲۵۲

الفصل الثالث في الخلوة والاختلاط بالأجنبية ومسها

(اجنبی عورتوں سے تنہائی، میل جول اور مس کا بیان)

۳۴۷ چوڑیاں پہنانے کا پیشہ	۲۵۳
-----	-----------------------------	-----

الفصل الرابع في النظر إلى العورة وإفشاءها (اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)	
۳۴۹	برہنہ ورزش کرنا..... ۲۵۴
۳۵۰	دوران کاشت یا مچھلی کا شکار کرتے وقت اگر ستر کھل جائے، تو کیا کرے؟..... ۲۵۵
باب اللباس الفصل الأول في القميص والسروال والإزار (قمیص اور شلوار کا بیان)	
۳۵۱	لباس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طرز عمل..... ۲۵۶
۳۵۲	کیا نصف ساق تک کرتا پہننا ثابت ہے؟..... ۲۵۷
الفصل الثاني في لبس البنطلون والصُدرة وغيرهما (پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)	
۳۵۵	پرانے غیر ملکی کپڑوں کے استعمال کا حکم..... ۲۵۸
۳۵۶	کیا ثانی عیسائیوں کا شعار ہے؟..... ۲۵۹
الفصل الثالث في العمامة والقلنسوة (گپڑی اور ٹوپی کا بیان)	
۳۵۸	ٹوپی کس طرح ہو؟..... ۲۶۰
۳۵۹	رام پوری کیپ کا استعمال..... ۲۶۱
۳۵۹	لمبی ٹوپی کا ثبوت..... ۲۶۲
الفصل الرابع في لباس النساء (عورتوں کے لباس کا بیان)	
۳۶۲	جار جٹ کا استعمال..... ۲۶۳

۳۶۲ عورت کا جالی دار دوپٹہ استعمال کرنا	۲۶۴
۳۶۳ ساڑھی کا استعمال	۲۶۵
۳۶۴ ساڑھی پہن کر نماز پڑھنا	۲۶۶
۳۶۵ عورت مرد کے لئے چھینٹ کا کپڑا استعمال کرنا	۲۶۷
۳۶۶ عورت کے لئے سیاہ لباس	۲۶۸
<p>الفصل الخامس في الثياب المحرمة وغيرها (نا جائز لباس کا بیان)</p>		
۳۶۷ ریشم ملی ہوئی ٹرائلین کا استعمال کرنا	۲۶۹
۳۶۷ مرد کے لئے کس رنگ کا کپڑا منع ہے؟	۲۷۰
<p>الفصل السادس في أشياء الزينة (زیب و زینت کی اشیاء کا بیان)</p>		
۳۶۹ پھولوں کے ہار اور گجرے کا استعمال	۲۷۱
<p>باب استعمال الذهب والفضة الفصل الأول في الخاتم (انگوٹھی کا بیان)</p>		
۳۷۱ انگوٹھی یا گھڑی کس ہاتھ میں پہنے	۲۷۲
<p>الفصل الثاني فيما يتعلق بساعة الوقت (گھڑی کے استعمال کا بیان)</p>		
۳۷۲ گھڑی کی چین	۲۷۳
۳۷۳ سونے کا پانی چڑھائی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال کرنا	۲۷۴

الفصل الثالث في الحلیة للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

۳۷۵ شادی کے موقع پر مخصوص ہار پہننا	۲۷۵
۳۷۷ شادی میں دولہن کو پوت کا ہار پہننا	۲۷۶
۳۷۷ عورتوں کا بالوں میں کلپ لگانا	۲۷۷
۳۷۸ لڑکیوں کے ناک کان چھیدنا	۲۷۸

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

۳۷۹ محمد ہر مرنام رکھنا	۲۷۹
۳۸۰ غلام اولیاء نام رکھنا	۲۸۰
۳۸۰ تارہ نام تبدیل کرنا	۲۸۱
۳۸۱ قصابوں کا اپنے آپ کو قریش کہنا	۲۸۲
۳۸۲ اپنے سے زیادہ عمر والے کو چچا ماموں وغیرہ کہنا	۲۸۳

باب خصال الفطرة

الفصل الأول في اللحية والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

۳۸۳ داڑھی کٹانے اور منڈانے میں فرق	۲۸۴
۳۸۴ حلقوم کے بالوں کا حکم	۲۸۵
۳۸۵ مونچھیں مونڈنا	۲۸۶
۳۸۶ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت وحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی کیا ناف تک تھی؟ ..	۲۸۷

۲۸۸	موئے زیر ناف بالوں کو صاف کرنا اور ڈاڑھی کے بالوں کو بڑھانا، اس میں کیا حکم ہے؟.....	۳۸۷
۲۸۹	ذبیحہ حلال، جھٹکا حرام کیوں ہے؟.....	۳۸۷
۲۹۰	حقیقی بہن اور خالہ زاد پھوپھی زاد بہن میں کیا فرق ہے؟.....	۳۸۸
الفصل الثانی فی الشعر (بالوں کا بیان)		
۲۹۱	صرف آگے کے بال کٹانا.....	۳۹۱
۲۹۲	مانگ کہاں نکالے.....	۳۹۱
۲۹۳	ختنہ کے لئے ڈاکٹر کا مسلم ہونا شرط نہیں.....	۳۹۲
۲۹۴	منگل اور ہفتہ کے دن اصلاح بنوانا.....	۳۹۲
۲۹۵	بال صفا صابن کا استعمال.....	۳۹۳
الفصل الثالث فی تقليم الأظفار (ناخن کاٹنے کا بیان)		
۲۹۶	مغرب کے بعد ناخن کاٹنے کا حکم.....	۳۹۵
الفصل الرابع فی الختان (ختنہ کا بیان)		
۲۹۷	عورتوں کا ختنہ.....	۳۹۶
۲۹۸	لڑکی کا ختنہ.....	۳۹۶
۲۹۹	نومسلم کا ختنہ.....	۳۹۷
باب الصورة والملاهي الفصل الأول فی الصورة (تصویر کا بیان)		
۳۰۰	دینی کلینڈر میں آیات لکھنا اور فوٹو لگانا.....	۳۹۹

اولاد کو برابر دے (۱)۔ لڑکے اور لڑکی ہر دو کا حصہ برابر رکھے، ایسا نہ کرے کہ لڑکے کو لڑکی سے دوہرا حصہ دے، یہ حکم میراث کا ہے۔

”وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به يسوي بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى. ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز، وأثم“ (درمختار: ۵۱۳/۴) (۲)۔

اگر مرض الموت میں رہے تو وہ وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت بحق وارث درست نہیں۔

”وکوبہ غیر وارث وقت الموت“ (درمختار مع هامش الشامی

نعمانیہ: ۳۱۶/۵) (۳)۔

(۱) ”ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كان سواءً يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم يعطي الابنة ما يعطي للابن وعليه الفتوى. هكذا في فتاوى قاضي خان، وهو المختار، كذا في الظهيرية، رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء، ويكون آثماً فيما صنع، كذا في فتاوى قاضي خان.“ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الہبۃ، الباب السادس في الہبۃ للصغير: ۳۹۱/۴، رشیدیہ)

”وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوى بينهم يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى، ولو وهب في صحته كل المال للولد جاز وأثم فيها.“ (الدر المختار، كتاب الہبۃ: ۲۹۶/۵، سعید)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الہبۃ: ۳۹۹/۳، ۴۰۰، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الہبۃ، فصل في هبة الوالد لولده، والہبۃ للصغير: ۲۷۹/۳، رشیدیہ)

(۲) (الدر المختار، كتاب الہبۃ: ۲۹۶/۵، سعید)

(۳) (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۲۴۹/۲، سعید)

”عن عمرو بن خارجه رضي الله تعالى عنه قال: خطب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم =

پس اگر والد نے تندرستی کی حالت میں مرض الموت سے پہلے دو لڑکیوں اور تین لڑکوں کو زمین طریقہ مذکورہ پر دی ہے اور ہر ایک کا قبضہ اس کے حصہ پر کرایا ہے، تو وہ ہبہ صحیح معتبر ہو گیا (۱)۔ اس میں وراثت جاری نہ ہوگی، جس کو کم ملا ہے، اس کو مطالبہ کا حق نہیں ہوگا۔ ہاں! اگر والد کا مقصود لڑکیوں کو نقصان پہونچانا تھا، تو اس سے گناہ ہوا (۲)، اگر زبانی ہبہ تو کیا، مگر بطریق معروف قبضہ نہیں کرایا، تو وہ ہبہ تام نہ ہوا (۳)، اس میں وراثت جاری ہوگی۔

اور وراثت میں لڑکے کا حصہ لڑکی سے دوہرا ہوگا، مثلاً: اگر ورثاء صرف یہی دو لڑکی اور تین لڑکے ہوں، بیوی اور والدین کا پہلے انتقال ہو چکا ہے، تو مرحوم کا ترکہ جس میں وہ زمین بھی داخل ہے، جس پر ہبہ کے بعد قبضہ کرایا، مرض الموت میں ہبہ کیا ہے، آٹھ حصے بنا کر دو، دو حصے تینوں لڑکیوں کو ملیں گے، ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۸۹ھ۔

زندگی میں اولاد کو جائیداد ہبہ کرنے کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۱۲۲]: زید نے دو نکاح کئے، پہلی بیوی سے دو لڑکے اور چار لڑکیاں اور دوسری بیوی

= فقال: إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه، ولا وصية لوارث“ الحديث. (سنن النسائي، كتاب الہبۃ، باب إبطال الوصية للوارث: ۱۳۱/۲، قدیمی)

(و کذا فی شرح المجلة لسليم رستم باز، کتاب الہبۃ، الفصل الثاني في هبة المريض، رقم المادة: ۸۷۹: ۱/۳۸۳، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۱) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۶۳

(۲) راجع رقم الحاشية: ۲، ص: ۶۳

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱، ص: ۶۳

(۴) قال الله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ الْإُنثَى﴾ (النساء: ۱۱)

”قال رحمه الله تعالى: (وعصبهما الابن وله مثل حظهما) معناه إذا اختلط البنون والبنات

عصب البنات، فيكون للابن مثل حظهما“، (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۷۵/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی فی الميراث، ص: ۹، سعید)

سے ایک لڑکا ہے، زید کے دو مکان ہیں، ایک نیا ایک پرانا ہے۔ زید نے پرانے مکان کا تمام سامان اپنی پہلی بیوی کی اولاد میں تقسیم کر دیا تھا اور مکان پر خود قابض رہے تھے اور مکان میں خود تصرف کرتے رہے، پہلی بیوی کے دو لڑکوں کو کچھ حصہ رہنے کے لئے دیا، اس کا کرایہ بھی ان سے وصول کرتے رہے، کچھ حصہ جو دوسرے کرایہ داروں کو دیا تھا، اس کا کرایہ بھی خود ہی وصول کرتے رہے۔

پھر پرانے حصہ کا کچھ دوسری بیوی کے لڑکے کو اس کی شادی کے دو تین سال بعد ہبہ کر دیا اور ہبہ کئے ہوئے حصہ پر بھی قبضہ دے دیا، وہ دوسری بیوی سے پیدا شدہ زید کا لڑکا زید کے دیئے ہوئے پرانے مکان کے حصے میں اپنی بیوی کے ساتھ رہنے لگا اور کچھ اس میں کا حصہ کرایہ پردے دیا، کرایہ خود لڑکا وصول کرتا ہے، زید نے کرایہ داروں سے کہہ بھی دیا کہ اس حصہ کا مالک یہ دوسری بیوی والا لڑکا ہے، اس کو کرایہ دیا کرو، البتہ باقی حصے پر خود تازندگی قابض اور متصرف رہا۔

دوسرے نئے مکان کو زید نے حج سے واپسی کے بعد دوسری بیوی کے نام سرکاری طور پر باقاعدہ رجسٹری بھی کرادیا اور بیوی کی اجازت سے کچھ حصہ کرایہ پر اٹھا دیا، وہ کرایہ بیوی کے پاس آتا رہا۔ زید کے انتقال سے چند ماہ قبل اس کی دوسری بیوی مر گئی، اس کے مرنے کے بعد زید نے یہ تحریر دوسری بیوی کے لڑکے سے لکھوائی اور پڑھنے کے بعد دستخط کر دیئے، تحریر میں لکھا ہے کہ میں اپنا حق شوہری اپنی دوسری بیوی کی اولاد کو دیتا ہوں، زید کے انتقال کے کئی سال بعد مکان کی تقسیم کا مسئلہ اٹھا، اب زید کی پہلی بیوی کے لڑکے نے ایک سادہ کاغذ پر لکھی ہوئی ایک تحریر پیش کی ہے اور کہنے پر کہ دوسری بیوی کے جب کوئی اولاد نہ ہوئی تھی اور نہ زید حج کے لئے گیا تھا، اس وقت کی یہ تحریر ہے، جس میں یہ لکھا ہے کہ (میں اپنا پرانا مکان پہلی بیوی کی اولاد کو دیتا ہوں اور دوسرا مکان دوسری بیوی کو دیتا ہوں اور جو گرجہستی از سر نو باقی ہے، یہ آئندہ بٹے گی، اس کی مالک دوسری بیوی ہوگی)۔

پس پہلی بیوی کی اولاد کا کوئی حق نہیں رہے گا، زید کی اس تحریر کا کوئی علم اس کی زندگی میں دوسری بیوی کے لڑکے کو نہیں تھا، اب دریافت طلب یہ امور ہیں، زید کی طرف منسوب یہ قدیم تحریر معتبر ہے یا نہیں؟ اور اس کے مطابق یہ ہبہ صحیح ہو یا نہیں؟

۲..... زید کے مکان جدید قدیم میں سے کس کا ہبہ صحیح مانا جائے گا؟ اور کون سے مکان کو جائیداد متروکہ مان کر ورثاء میں تقسیم کیا جائے گا؟

۳..... زید کے انتقال پر یہ ورثاء ہیں، پہلی بیوی کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں، دوسری بیوی کا ایک لڑکا ہے، ہر ایک کو کتنا کتنا حصہ ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس قدیم تحریر کے تسلیم کرنے میں تامل ہے، وہ یہ کہ جن پرانے مکان کے متعلق پہلی بیوی کے لڑکوں کو دینا تحریر ہے، زید کا عمل اس سے انکار کرتا ہے، کیونکہ زندگی بھر اس مکان پر خود قابض و متصرف رہا اور کرایہ وصول کرتا رہا، حتیٰ کہ اپنے لڑکوں کو جو حصہ دینے کے لئے دیا، ان سے بھی کرایہ وصول کیا جیسا کہ دوسرے کرایہ داروں سے، اگر واقعہ یہ تحریر زید کی ہو اور اس نے ہبہ کر بھی دیا ہو، تب بھی موہوب لہ کا قبضہ و تصرف نہ ہونے کی وجہ سے ہبہ تام نہیں ہوا (۱)، پس یہ مکان زید کا ترکہ ہے۔

۲..... جن مکان کے ہبہ کے بعد قبضہ بھی کر دیا اور اپنا قبضہ ہٹا لیا، وہ ہبہ صحیح ہے (۲)۔

۳..... زید کا کل ترکہ جس میں مکان، دکان، جائیداد، گھر کا سامان اور نقد سب شامل ہیں، بعد اداۓ دین مہر وغیرہ ۸۰/ حصے بنا کر ۱۰ حصے مذکورہ بیوہ کو ملیں گے (۳)، سات سات حصے چاروں لڑکیوں کو ملیں گے، چودہ چودہ حصے پہلی بیوی کے دونوں لڑکوں کو ملیں گے اور چودہ حصے دوسری بیوی کے لڑکے کو ملیں گے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
امامہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۰ھ/۱۲/۲۲۔

(۱) "ولا یتیم حکم الہبۃ إلا مقبوضۃ"۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الہبۃ، الباب الثانی فیما یجوز والہبۃ الخ: ۳/۷۷، رشیدیہ)

"وتتم الہبۃ بالقبض الکامل"۔ (الدرالمختار، کتاب الہبۃ: ۵/۶۹۰، سعید)

(و کذا فی الہدایۃ، کتاب الہبۃ: ۳/۲۸۱، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۲) راجع رقم الحاشیۃ: ۱

(۳) "وللزوجة الربع) أي: للزوجة نصف ما للزوج فيكون لها الربع حيث لا ولد، ومع الولد، أو ولد

الابن وإن سفل الثمن"۔ (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشیدیہ)

(و کذا فی الدرالمختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۷۰، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض: ۶/۴۵۰، رشیدیہ)

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذكر مثل حظ الانثیین﴾ (النساء: ۱۱) =

مرض الموت میں وارث کے لئے ہبہ

سوال [۱۱۱۲۵]: زید کا انتقال ہوا، زید کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے، دوسری بیوی ہندہ جس سے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، ہندہ کے بڑے لڑکے نے خفیہ طور پر ایک کھیت اپنے چھوٹے بھائی کے نام مرتے وقت ہبہ کرالیا، تاکہ پہلی بیوی کا لڑکا محروم رہ جائے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ اس کھیت میں پہلی بیوی کا لڑکا وارث ہے یا نہیں؟ یہ لڑکا بھی زید کا ہی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرض الموت میں جو ہبہ کیا جائے، وہ وصیت کے حکم میں ہے، جو شخص شرعی وراثت کا مستحق ہو، اس کے حق میں وصیت معتبر نہیں، جب تک دیگر ورثاء اجازت نہ دیں (۱)، لہذا یہ وصیت معتبر نہیں، سب ترکہ کی طرح اس کھیت میں بھی سب لڑکے چاہے کسی بیوی سے ہوں برابر کے شریک ہیں، باپ اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اگر کسی لڑکے کو کچھ جائیداد جداگانہ دینا چاہے، تو دے سکتا ہے، بشرطیکہ دوسرے ورثاء کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو، ورنہ گنہگار ہوگا، ایسی حالت میں سب کو برابر دے، حتیٰ کہ لڑکی کو بھی لڑکے کے برابر دے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۷ھ۔

= "وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين". (الفتاوى

العالمکیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبات: ۶/۲۲۷، رشیدیہ)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۲۸۰، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۱) "إذا وهب واحد في مرض موته شيئاً لأحد ورثته وبعد وفاته لم يجر سائر الورثة لاتصح تلك الهبة

أصلاً". (شرح المجلة لسليم رستم باز، کتاب الہبة، الفصل الثانی فی ہبة المریض، رقم المادة: ۸۷۹:

۱/۲۸۳، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

"ولا لوارثه وقاتله مباشرة) (إلا بإجازة ورثته) لقوله عليه الصلاة والسلام: "لا وصية

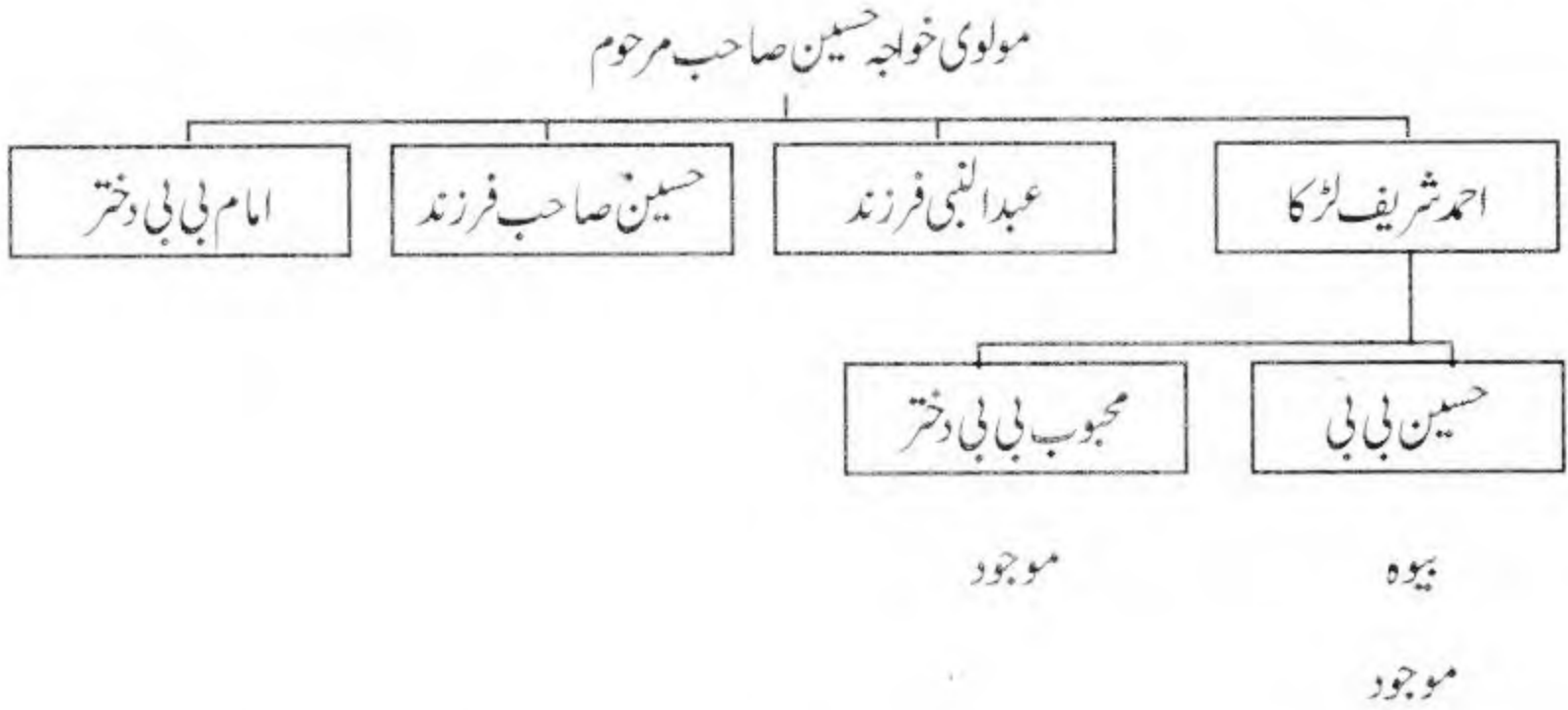
لوارث إلا أن يجيزها الورثة". (الدر المختار، کتاب الوصایا: ۶/۲۵۵، ۶۵۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشیدیہ)

(۲) "ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبي حنيفة =

ہبہ میں واپسی کی شرط

سوال [۱۱۱۴۶]: ذیل میں ایک مسئلہ درج کیا جاتا ہے، اس کا شرعی طور پر جواب دیا جائے، تو باعثِ شکر ہوگا۔



اس مسئلہ کے واقعات یہ ہیں کہ مولوی خواجہ حسین نے اپنے لڑکے احمد شریف کے انتقال کے بعد اپنی بیوی کے نام میں ایکڑ زمین کر دی، اس شرط پر کہ بہوتا حیات اس سے منفع ہو اور بعد وفات اراضی واپس کر دے، اب خواجہ حسین کا انتقال ہو گیا، تو بہو بہہ شدہ زمین اپنی لڑکی محبوب بی بی کے نام منتقل کرنا چاہتی ہے، تو یہ درست ہے یا نہیں؟ خواجہ حسین کی پوتی محبوب بی بی وارث ہے یا نہیں؟ خواجہ حسین کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا۔

= رحمہ اللہ تعالیٰ: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كان سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمہ اللہ تعالیٰ: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطي الابنة ما يعطي للابن، وعليه الفتوى. هكذا في فتاوى قاضي خان، وهو المختار، كذا في الظهيرية. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الہبۃ، الباب السادس في الہبۃ للصغير: ۳/ ۳۹۱، رشیدیہ)

”وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوى بينهم، يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى.“

(الدر المختار، كتاب الہبۃ: ۵/ ۶۹۶، سعید)

(و كذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الہبۃ، فصل في هبة الوالد لولده والہبۃ للصغير: ۳/ ۲۷۹، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مولوی خواجہ حسین صاحب نے بیس ایکڑ زمین جو اپنی بہو (بڑے لڑکے احمد شریف مرحوم کی زوجہ) کے نام ہبہ کر کے اس کا پورا قبضہ کرادیا ہے، یہ ہبہ شرعاً صحیح ہو گیا بیوہ اس کی مالک ہو گئی (۱)، یہ شرط کہ بعد وفات زمین واپس کر دی جائے، شرعاً معتبر نہیں (۲)، ابھی تو بیوہ حیات ہے اور وہ خود مالک ہے، اس سے واپس لینے کا حق نہیں (۳)، وہ جس کو چاہے، دے سکتی ہے، کسی کو روکنے کا اختیار نہیں (۴)، بیوہ کی وفات کے بعد بھی کسی کو

(۱) ”یملک الموهوب له بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك، لالصحة الهبة“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، کتاب الہبۃ، الباب الثالث في أحكام الهبة: ۱/۳۷۳، رقم المادة: ۸۶۱، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

”لا يجوز الهبة، إلا مقبوضاً، والمراد نفي الملك؛ لأن الجواز بدونه ثابت“۔ (الهداية، کتاب الہبۃ: ۳/۲۸۱، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(و کذا في مجمع الأنهر، کتاب الہبۃ: ۳/۳۹۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) ”قال أصحابنا جميعاً: إذا وهب و شرط فيها شرطاً فاسداً فالهبة جائزة، والشرط باطل“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الہبۃ، الباب الثامن الخ: ۳/۳۹۶، رشیدیہ)

”و حکمها: أنها لا تبطل بالشروط الفاسدة، فهبة عبد علي أن يعتقه تصح، ويبطل الشرط“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبۃ: ۵/۲۸۸، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب المتفرقات: ۲/۳۱۲، رشیدیہ)

(۳) ”عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة المصابيح، کتاب البیوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

”ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه“۔ (شرح الحموي، کتاب الغصب: ۲/۴۴۴، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا في القواعد الكلية الملحقه بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد کتب خانہ)

(۴) ”وکل يتصرف في ملكه كيف شاء“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۲۵۳، رقم المادة: ۱۱۹۲، دار الكتب العلمية بيروت)

”لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً، إلا إذا أضر بغيره ضرراً فاحشاً“۔ (شرح المجلة =

واپس لینے کا اختیار نہیں۔

”جواز العمری للمعمر له، ولورثته بعده لبطلان الشرط“ (درمختار)

العمری ہی أن يجعل وراثته عمره، فإذا مات ترد عليه اه“ شامی:

۵/۲۰۵ (۱)۔

البتہ خواجہ حسین صاحب کے ترکہ سے ان کی پوتی محبوب بی بی کو میراث نہیں ملے گی (۲)، اگر خواجہ حسین کے والدین اور بیوی پہلے وفات پا چکے ہیں، تو ان کا ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا، کہ پانچ حصے بنا کر دو، دو حصے دونوں لڑکوں کو (عبدالنبی و حسین احمد) کو ملیں گے اور ایک حصہ ان کی لڑکی (امام بی بی) کو ملے گا (۳)، اگر

= لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۲۵۷، رقم المادة:

۱۱۹۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في ردالمحتار، باب كتاب القاضي إلى القاضي: ۵/۴۴۸، سعيد)

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الہبة، فصل في مسائل متفرقة: ۵/۷۰۷، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الہبة، فصل في مسائل متفرقة: ۳/۴۰۸،

دارالمعرفة بيروت)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الہبة، الباب الأول الخ: ۴/۳۷۵، رشیدیہ)

(۲) قال رحمه الله تعالى: (ويحجب بالابن أي: ولد الابن يحجب بالابن، ذكورهم وإناثهم فيه سواء؛

لأن الابن أقرب، وهم عصبة فلا يرثون معه بالعصوبة، وكذا بالفرض؛ لأن بنات الابن يدلن به فلا يرثن

مع الابن“۔ (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۹/۳۷۵، رشیدیہ)

”ولبنت الابن السدس سهمان، ولو كان مع بنت الابن ابن عصبها، سقطت“۔ (الفتاوى

العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الرابع في الحجب: ۶/۴۵۲، رشیدیہ)

(و كذا في الدرالمختار، كتاب الفرائض، فصل في العصبات: ۶/۷۸۳، سعيد)

(۳) قال الله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (النساء: ۱۱)

”وإذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون البنات، فيكون للابن مثل حظ الأنثيين“۔ (الفتاوى

العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثالث في العصبات: ۶/۴۴۸، رشیدیہ)

(و كذا في تبیین الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۸۰، دارالكتب العلمية بيروت)

ان کے ذمہ کوئی قرضہ ہو، تو اس کی ادائیگی مقدم ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۸۷ھ۔

عمری

سوال [۱۱۱۴]: ہندہ کے لطن سے زید کے تین بچے (دو لڑکے ایک لڑکی پیدا ہوئی) اس کے بعد ہندہ کا انتقال ہو گیا، تو زید نے دوسری شادی کی، اس سے چار لڑکے ہوئے، زید نے دوسری بیوی کو کچھ زمین دی اور کہا کہ جب تک تم زندہ رہو گی، اس زمین سے کھاؤ گی اور بعد میں یہ زمین میری اولاد کی ہو جائے گی، اس کے بعد زید کا انتقال ہوا، پھر دوسری بیوی کا انتقال ہوا، تو اس زمین کی مستحق زید کی دونوں بیویوں کی اولاد ہوگی یا صرف دوسری بیوی کی اولاد؟ اول بیوی کی اولاد کو کوئی زمین نہیں دی جائے گی یا کوئی تیسرا اس زمین کا مستحق ہوگا؟ مدلل مفصل تحریر فرمائیں۔ والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس زمین پر دوسری بیوی کا قبضہ کرادیا اور اپنا قبضہ اٹھالیا، تو وہ زمین اس دوسری بیوی کی ہوگئی (۲)،

(۱) "قال رحمه الله تعالى: (يبدأ من تركه الميت بتجهيزه) (ثم بدینه) لقوله تعالى: ﴿من بعد وصية يوصون بها أو دين﴾ (النساء: ۱۲) ولأن الدين واجب ابتداءً والوصية تبرع، والبداءة بالواجب أولى". (البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، ۳۶۶، رشیدیہ)

"(يبدأ من تركه الميت الخالية عن تعلق حق الغير) (بتجهيزه) (ثم) تقدم (ديونه التي لها مطالب من جهة العباد)". (الدر المختار، كتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، ۷۶۰، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول الخ: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

(۲) "يملك الموهوب له بالقبض، فالقبض شرط لثبوت الملك، لالصحة الهبة". (شرح المجلة لسليم

رستم باز، كتاب الهبة، الباب الثالث في أحكام الهبة: ۴۷۳/۱، رقم المادة: ۸۶۱، مكتبه حنفیه كوئٹہ)

"تسقط الهبة بالإيجاب والقبول، وتتم بالقبض الكامل". (شرح المجلة لسليم رستم باز،

كتاب الهبة، الباب الأول، رقم المادة: ۸۳۷: ۴۶۲/۱، مكتبه حنفیه كوئٹہ)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الهبة: ۶۹۰/۵، سعید) =

اس کے انتقال کے بعد اس کے وارثوں کو ملے گی، اگر اس کے وارث صرف چار لڑکے ہیں، تو وہ چاروں اس میں برابر کے حصہ دار ہوں گے (۱)، پہلی بیوی ہندہ کے لطن سے جو تین بچے ہیں، ان کو اس میں حصہ نہیں ملے گا (۲)۔

”وأعمرتک هذا الشیء؛ لأن العمری تملیک للحال فتثبت الہبۃ، ویبطل ما اقتضاه من شرط الرجوع، وكذلك لو شرط الرجوع صریحاً یبطل شرطه أيضاً، كما لو قال: وهبتک هذا العبد حیاتک وحیاتہ، أو أعمرتک داری هذه حیاتک أو أعطیتها حیاتک، أو وهبت هذا العبد حیاتک فإذا مت فہولی،

= (و کذا فی البحر الرائق، کتاب الہبۃ: ۷/۴۸۳، رشیدیہ)

(۱) ”والعصبۃ أربعۃ أصناف: عصبۃ بنفسہ، وهو جزء المیت، وأصلہ، وجزء أبیہ، وجزء جدہ الأقرب“.

(البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشیدیہ)

”فالنسبۃ ثلاثۃ أنواع: عصبۃ بنفسہ، وهو کل ذکر لا یدخل فی نسبہ إلى المیت أنشی، وهم

أربعۃ أصناف: جزء المیت، وأصلہ، وجزء أبیہ، وجزء جدہ، کذا فی التبیین“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ،

کتاب الفرائض، الباب الثالث فی العصبۃ: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

”إذا اجتمع جماعۃ من العصبۃ فی درجۃ واحدۃ، یقسم المال علیہم باعتبار أبدانہم لكل

واحد سہم“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، باب العصبۃ: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض، فصل فی العصبۃ: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۸۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الفرائض، باب العصبۃ: ۲/۵۶۳، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)

(۲) ان بچوں میں چونکہ استحقاق ارث کے اسباب ثلاثہ نہیں پائے جاتے، اس وجہ سے محروم ہیں۔

”ویستحق الإرث بأحدی خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابۃ، والسبب وهو الزوجیۃ،

والولاء“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعید)

، (و کذا فی الاختیار لتعلیل المختار، کتاب الفرائض: ۲/۵۵۵، حقانیہ پشاور)

أو إذا مت فهو لورثتي، هذا تملك صحيح و شرط باطل “بحر الرائق، كتاب

الهبة: ٢٨٥/٧، مطبوعه ايج ايم سعيد كمپنى (١).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمد وغفر له، دارالعلوم دیوبند، ٢٠/٣/٩٦ھ۔



(١) (البحر الرائق، كتاب الهبة: ٢٨٢/٤، رشيديه)

” (جاز العمرى) للمعمر له، ولورثته بعده، لبطلان الشرط“. (الدر المختار، كتاب الهبة:

٤٠٤/٥، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على الدر المختار، كتاب الهبة، فصل في مسائل متفرقة: ٣٠٨/٣،

دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ٣٤٥/٢، رشيديه)

کتاب الضمان والودیعة

باب فی الضمان

(ضمان کا بیان)

ہوٹل کے برتن اپنے کمرہ سے گم ہونے پر ضمان کا حکم

سوال [۱۱۱۲۸]: ہمارے ہوٹل سے ایک صاحب چائے لے گئے اور چائے کا دور چلنے کے بعد پیالیاں اور پرچیس کمرہ کے باہر رکھ دیئے، جسے کوئی شخص اٹھا لے گیا، کیا اس طرح غیر ذمہ دار جگہ پر رکھنے سے چائے پینے والوں پر ضمان لازم آئے گا یا نہیں؟ براہ کرم جواب سے مطلع فرمائیں۔ والسلام۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر چائے اپنے کمرہ پر ہوٹل سے کہیں الگ منگا کر پی اور پھر اپنے کمرہ کے باہر پیالیاں رکھ دیں، جو کہ غائب ہو گئیں تو ان صاحب پر ضمان لازم ہوگا، اگر ہوٹل میں ہی پی ہے اور ایسی جگہ رکھ دیں کہ ہوٹل کے ملازم اٹھا لے اور اطلاع کر دے، پھر غائب ہو گئیں، تو ان پر ضمان لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۶/۹۵ھ۔

(۱) مذکورہ صورت بظاہر عاریت کی ہے اور عاریت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ خود بخود ہلاک ہو جائے تو اس پر ضمان نہیں، البتہ اگر عاریت لینے والا اس کو ضائع کر دے، تو اس پر ضمان لازم آئے گا۔

”(وتصح بأعرتک)؛ لأنه صریح (وأطعمتک أرضی) (ومنحتک) (و) داری لک (عمری) (ولا تضمن بالهلاک من غیر تعد)“. (الدر المختار). ”(قوله (بالهلاک) هذا إذا كانت مطلقة، فلو مقيدة كأن يعيره يوماً فلو لم يردّها بعد مضیه، ضمن إذا هلكت، كما في شرح المجمع، وهو المختار، كما في العمادية“. (رد المختار، کتاب العاریة: ۵/۶۷۸، ۶۷۹ سعید) =

بیمار لڑکی کی شادی کی، مرگئی تو ذمہ دار کون ہوگا؟

سوال [۱۱۱۴۹]: زید نے اپنی لڑکی کا مورخہ ۱۸ / دسمبر ۱۹۷۷ء کو عمر کے ساتھ نکاح پڑھا دیا تھا، جو صرف تین مہینے ۱۸ / دن زندہ رہ کر یکم اپریل ۱۹۷۸ء کو بی دو خانہ میں انتقال کر گئی۔
۲..... زید کو یہ معلوم تھا کہ اس کی لڑکی بی بی کی مریضہ ہے، تیسرے درجہ میں بیمار ہے، یہ سب جانتے ہوئے شادی کرادی، اس بچی کے موت کا ذمہ دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۲،۱..... جب کہ اس لڑکی کو کسی نے قتل نہیں کیا، تو اس کی موت کا کوئی ذمہ دار نہیں، علاج کی کوشش کے باوجود نہیں بچی، تو کسی کا کیا قصور۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۹۹ھ۔

چمڑے کے وزن کے دوران کان اور دم وغیرہ کو تولنے کا حکم

سوال [۱۱۱۵۰]: ایک شخص نے ۶۰ / روپے فی من کے حساب سے چمڑا خریدا، دستور یہ ہے کہ چمڑے میں کان اور دم اور گوشت جو کہ چمڑہ میں رہ جاتا ہے، وہ صاف کر کے جب تولا جاتا ہے، لیکن فروخت کرنے والے نے بغیر صاف کئے ہی تول شروع کر دیا، خریدنے والے نے کہا بھی، کہ صاف کرا کر تولو، تو یہ جواب دیا کہ کوئی حرج نہیں، دو کلو فی من اوپر تول دیں گے، حالانکہ ایک چمڑا میں سے آلائش اور دم کان وغیرہ سب چار کلو کے قریب نکلتے ہیں۔

اس اعتبار سے ایک من پر تقریباً ۱۲ / کلو آلائش ہوئے، کیونکہ ایک من میں تین چمڑے چڑھتے ہیں، حالانکہ وہ بیچنے والا صرف دو کلو زائد تولتا ہے، خریدنے والے اس کا روبرو سے ناواقف تھا، سوال یہ ہے کہ اس خسارہ کی ذمہ داری خریدنے والے پر آتی ہے یا فروخت کرنے والے پر؟

= ”رجل استعار قلادة ذهب فقلدها صبيا فسرق، فإن كان الصبي يضبط حفظ ماعليه لا يضمن

والا يضمن، كذا في محيط السرخسي“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، كتاب العارية، الباب الخامس في

تضييع العارية الخ: ۳۶۸/۴، رشیدیہ)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب العارية: ۴۷۸/۷، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ نقصان بیچنے اور تولنے والے سے وصول کیا جائے کہ اس نے نقصان پہنچایا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۸/۸۶ھ۔

نابالغ نے ڈھیلا مار کر گھوڑی کی آنکھ پھوڑ دی، اس کے تاوان کا حکم

سوال [۱۱۱۵۱]: زید کے پاس ایک گھوڑی تھی، جس پر سوار ہو کر نماز جمعہ پڑھانے جا رہا تھا، ایک روز وہ گھوڑی بکر کے دروازے پر چلی گئی، بکر موجود نہیں تھا، اس کا نابالغ لڑکا کھیل رہا تھا، اس نے ایک ڈھیلا مار دیا، جو اس کی آنکھ پر جا لگا اور آنکھ پھوٹ گئی، زید کہتا ہے کہ ہم کو تاوان دے، بکر کہتا ہے کہ طفلِ صغیر نے مار دیا ہے، تاوان کیوں دوں، میرا کوئی اشارہ بھی نہیں تھا اور نہ ہی موجود تھا، پھر کس طرح ہم پر تاوان عائد ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نابالغ لڑکے نے ڈھیلا مار کر گھوڑی کی آنکھ پھوڑ دی ہے تو بھی اس کا ضمان لازم ہوگا، ضمان کی مقدار گھوڑی کی چوتھائی قیمت ہے۔

”الصبي المحجور مواخذ بأفعاله فيضمن ما أتلفه من المال

للحال“ (درمختار مع هامش الشامي، كتاب الحجر، وضمن في فق عين

..... حمار و بغل و فرس ربع القيمة: ۵/۹۲ (۲) (درمختار مع

(۱) ”إذا اجتمع المباشر والمتسبب أضيف الحكم إلى المباشر، قوله: ”إذا اجتمع المباشر والمتسبب

الخ، حد المباشر أن يحصل التلف بفعله من غير أن يتخلل بين فعله، والتلف فعل مختار“ (شرح

الحموي على الأشباه، القاعدة التاسعة عشر: ۱/۳۰۴، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الإجارة، مسائل شتى: ۸۸/۶، سعيد)

(و كذا في القواعد الفقهية، ص: ۱۱۷، رقم القاعدة: ۳۰۱، مير محمد كتب خانہ كراچی)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحجر: ۶/۱۳۶، سعيد) =

الشامی: ۵/۳۹۱ (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۶ھ۔

سامان کی حفاظت کی ذمہ داری لے کر بے احتیاطی کرنا

سوال [۱۱۱۵۲]: فریق نمبر ۱ کا ایک جگہ سامان رکھا ہوا ہے، فریق نمبر ۲ نے اس سے آکر دریافت کیا کہ تمہارا سامان کہاں رکھا ہے، میں بھی وہیں آکر اپنا سامان رکھ دوں، فریق نمبر ۱ نے بتایا، فریق نمبر ۲ نے اپنا سامان بھی وہیں رکھ دیا اور فریق نمبر ۱ کو اپنا سامان دکھلا دیا، پھر اس سے اجازت چاہی کہ میں کھانا کھانے جا رہا ہوں، تم اپنے سامان کے ساتھ میرے سامان کی بھی حفاظت کرنا، کہیں چھوڑ کر مت جانا، فریق نمبر ۱ نے اجازت دے دی کہ جاؤ! ہم سامان دیکھیں گے، اس کے بعد فریق نمبر ۲ چلا گیا، آکر دیکھا کہ فریق نمبر ۱ سامان سے کچھ فاصلہ پر بیٹھا ہوا ہے، کہ جہاں سے سامان نظر نہیں آتا تھا، پھر سامان کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ فریق نمبر ۲ کا سامان غائب ہے اور فریق نمبر ۱ کا سامان موجود ہے، اس صورت میں کیا حکم شرعی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اپنے سامان کی طرح فریق نمبر ۱ نے باوجود وعدہ کرنے اور ذمہ داری لینے کے حفاظت نہیں کی

(و کذا فی دررالحکام فی شرح غرر الأحکام، کتاب الحجر: ۲/۲۷۷، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الإکراه، باب الحجر: ۸/۱۳۳، رشیدیہ)

(۱) (الدرا المختار مع ردالمحتار، کتاب الدیات، باب جناية البهيمه: ۶/۶۱۰، سعید)

”فی عین بدنة الجزار، والحمار، والفرس ربع القيمة“۔ (البحر الرائق، کتاب الدیات، باب

جناية البهيمه: ۹/۱۳۹، رشیدیہ)

”وضمن (فی عین بقر جزار و جزروہ) أي: إبله (والحمار، والبغل، والفرس ربع القيمة)“۔ (دررالحکام

فی شرح غرر الأحکام، کتاب الدیات، باب جناية البهيمه: ۲/۱۱۳، میر محمد کتب خانہ کراچی)

اور سامان ضائع ہو گیا، تو ضمان لازم ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۰/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

دھوبی نے کپڑا گم کر دیا

سوال [۱۱۱۵۳]: دھوبی کو کپڑا دھونے کے لئے دیا، اس نے گم کر دیا اس پر تاوان ہے یا نہیں؟ اگر

ہے تو اس کی کیا صورتیں ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دھوبی کی بے پرواہی سے کپڑا گم ہو گیا تو اس کا ضمان لینا درست ہے، لیکن اگر دھوبی بے اختیار

تھا، مثلاً: ایک دم پانی زیادہ آگیا اور کوشش کے باوجود وہ حفاظت نہ کر سکا، تو اس پر ضمان نہیں (۲)۔ فقط واللہ

(۱) "ولو قال المودع: وضعت الودیعة بین یدی، فقمت، ونسيتها، فضاعت ضمن، وبه یفتی".

(الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الودیعة، الباب الرابع فیما یكون تضییعاً للودیعة: ۳/۳۲۲، رشیدیہ)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، فصل فیما یضمن المودع: ۳/۳۷۷، رشیدیہ)

(وکذا فی البزازیة علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الودیعة، الفصل الثانی فیما یكون إضاعة: ۶/۲۰، رشیدیہ)

(۲) "ولا یضمن ما هلك فی یدہ، وإن شرط علیہ الضمان، وبه یفتی، كما فی عامة المعترات، وبه جزم

أصحاب المتون، فكان هو المذهب وأفتی المتأخرون بالصلح علی نصف القيمة ویضمن ما

هلك بعمله کتخريق الثوب من دقه.

(قوله: ولا یضمن) اعلم أن الهلاك إما بفعل الأجير أولاً، والأول إما بالتعدي أولاً، والثاني إما أن

يمكن الاحتراز عنه أولاً، ففي الأول بقسمیه یضمن اتفاقاً، وفي ثاني الثاني لا یضمن اتفاقاً، وفي أوله لا یضمن

عند الإمام مطلقاً، ویضمن عندهما مطلقاً. (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ۶/۲۵، سعید)

"والمتاع فی یدہ غیره مضمون بالهلاك سواء هلك بسبب يمكن التحرز عنه كالسرقة أو

بمألا يمكن كالحريق الغالب، وهذا عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وهو القياس، وقالوا: یضمن إلا إذا

هلك بأمر لا يمكن التحرز عنه وبقولهما یفتی اليوم لتغير أحوال الناس، وبه تحصل صيانة أموالهم" =

تعالى اعلم -

حرره العبد محمود غفر له، دارالعلوم ديوبند، ١٣/١/٨٩ هـ -

الجواب صحيح: بنده نظام الدين، دارالعلوم ديوبند، ١٣/١/٨٩ هـ -



= (تبين الحقائق، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ١٣٤/٦ - ١٣٩، دارالكتب العلمية بيروت)

”المأجور أمانة في يد المستأجر لا يلزم الضمان إذا تلف المأجور في يد المستأجر ما لم

يكن بتقصيره أو تعديه أو مخالفته لمأذونيته“. (شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الإجارة، الفصل

الثاني في ضمان الأجير: ٢/٤٠٣، رقم المادة: ٢٠٠، ٢٠١، رشيدية)

(وكذا في الهدايه، كتاب الإجارة، باب ضمان الأجير: ٣/٣١٠، ٣١١، رحمانيه لاهور)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الإجارة، الجنس الثاني في القصار: ٣/١٣٦، امجد اكيڈمی لاهور)

باب فی الودیعة

(امانت کا بیان)

بچوں کی امانت خود ان پر صرف کرنا

سوال [۱۱۱۵۴]: نابالغ بچوں و بچیوں کا جو مال ہے، اس میں تایا و چچا شرعاً تصرف کر سکتے ہیں بحیثیت ولی؟ نیز نابالغ بچوں و بچیوں کی جو امانت دادایا تایا و چچا کے پاس ہو اور بعد از بلوغ مطالبہ پر وہ یہ کہیں کہ وہ امانت ہم نے تم ہی لوگوں پر خرچ کر دی ہے، تو اس جواب سے یہ لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے، یا پھر امانت واجب الاداء ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان بچوں کی ضروریات، کھانا، کپڑے وغیرہ پر ان کا پیسہ خرچ کیا جاسکتا ہے، اسی طرح جو ان کی امانت ہے، اس کو بھی خرچ کیا جاسکتا ہے اور اس پر کوئی پکڑ نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۱۴۰۰ھ۔

بالغ ہونے پر بچوں کی امانت، ان کی شادی میں خرچ کرنا

سوال [۱۱۱۵۵]: یتیم پوتے و پوتیوں یا بھتیجے و بھتیجیوں کی شادی کرانا بھی دادایا تایا و چچا کے ذمہ

(۱) ”وإن كان للصغير عقار، أو أرضية، أو ثياب، واحتيج إلى ذلك للنفقة، كان للأب أن يبيع ذلك كله، وينفق عليه كذا في الذخيرة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر فی النفقات، الفصل الرابع فی نفقة الأولاد: ۵۶۲/۱، رشیدیہ)

”وقيد بالفقير؛ لأن الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله“۔ (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب

النفقة: ۳۴۱/۲، رشیدیہ)

(و كذا في رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۶۱۲/۳، سعید)

ہے، بعد از بلوغ دادایا تیا و چچا نے اپنی یتیم پوتیوں و بھتیجیوں کی شادی میں انہیں یتیم بچوں کا مال خرچ کیا ہے، بعد میں مطالبہ پر اس خرچ کا حوالہ دے دیا، جب کہ اس خرچ کے وقت ان یتیم بچوں کی اجازت بھی نہیں لی تھی، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالغ ہونے پر ان کا مال بغیر ان کی اجازت شادی وغیرہ میں دادا خرچ کرے نہ تیا و چچا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۰ھ۔

لا وارث غیر مسلم کی امانت کا حکم

سوال [۱۱۱۵۶]: زید کے پاس ایک غیر مسلم کی امانت رکھی تھی، غیر مسلم مر گیا، کوئی وارث بھی

(۱) یتیم بچہ جب عاقل بالغ ہو جائے، تو شرعاً ان کا مال ان کو واپس کیا جائے گا، اب اس کے مال میں کسی کو بھی کسی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔

قال الله تعالى: ﴿وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ (النساء: ۶)

”﴿فَإِنْ آنَسْتُمْ﴾ أي: أحسستهم..... ﴿مِنْهُمْ رُشْدًا﴾ أي: اهتداء إلى ضبط الأموال، وحسن التصرف فيها، قيل: صلاحاً في دينهم، وحفظاً لأموالهم..... ﴿فادفعوا إليهم أموالهم﴾ أي: من غير تأخير عن حد البلوغ كما تدل عليه الفاء“۔ (روح المعاني، النساء: ۶: ۲۰۵/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في تفسير ابن كثير، النساء: ۶: ۱/۶۰۰-۶۰۲، دار السلام رياض)

”عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ رواه البيهقي في شعب الإيمان۔ (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۲۵۵/۱، قديمي)

”ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه“۔ (شرح الحموي على الأشباه، كتاب الغصب: ۴۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في القواعد الكلية، الملحق بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانہ)

نہیں، اب اس امانت کا مصرف کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب امانت رکنے والا مرگیا، کوئی وارث بھی نہیں، تو اس امانت کی رقم کو غریبوں پر صدقہ کر دیا

جائے (۱)، دینی مدرسہ کے طالب علم بھی اس کا مصرف ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”للمودع صرف وديعة مات ربها ولا وارث لنفسه أو غيره من المصارف“، (الدرالمختار). ”إذا كان عنده وديعة فمات المودع بلا وارث، له أن يصرف الوديعة إلى نفسه في زماننا هذا؛ لأنه لو أعطها لبيت المال لضاع؛ لأنهم لا يصرفون مصارفه، فإذا كان من أهله صرفه إلى نفسه، وإن لم يكن من المصارف صرفه إلى مصرف“، (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب العشر، مطلب هل يجب العشر على المزارعين الخ: ۳۳۶/۲، سعيد)

(و كذا في البزازیة علی هامش الفتاوی العالمگیریة، كتاب الزكاة، الباب الثاني في مصرف: ۸۸/۲، ۸۹، رشیدیہ)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الزكاة، باب العشر: ۴۲۲/۱، دارالمعرفة بيروت)
(۲) ”قلت: ورأيت في جامع الفتاوى ونصه في المبسوط: لا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً إلا إلى طالب العلم والغازي ومنقطع الحج، لقوله عليه السلام: ”يجوز دفع الزكاة لطالب العلم، وإن كان له نفقه أربعين سنة“..... قلت: وهو كذلك، والأوجه تقييده بالفقير“، (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب مصرف: ۳۴۰/۲، سعيد)

”قوله: (ومنقطع الغزاة) وهو المراد بقوله تعالى: ﴿وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾..... وقيل: طلبة العلم واقتصر عليه في الفتاوى الظهيرية، وفسره في البدائع بجميع القرب، فدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالى وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً“، (البحر الرائق، كتاب الزكاة، باب مصرف: ۴۲۲/۲، رشیدیہ)
(و كذا في النهر الفائق، كتاب الزكاة، باب مصرف: ۴۶۱/۱، رشیدیہ)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الزكاة، باب في بيان أحكام مصرف: ۳۲۳-۳۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

شی مستعار کا عوض ادا کر چکنے کے بعد وہ ملی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۱۵۷]: شی مستعار اگر باوجود پوری حفاظت کے غائب ہوگئی، غائب ہو جانے کی وجہ سے غائب شدہ چیز کا عوض دے دیا گیا، لیکن عوض دینے کے بعد اصل چیز دستیاب ہوگئی، اب اصل چیز کو دے کر عوض واپس لینا چاہیے، کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہی ہے کہ عوض لے کر وہ چیز واپس دے دی جائے (۱)، اگر اس پر سمجھوتہ نہ ہو سکے، تو عوض کے مقابلہ میں شی مستعار پر مستعیر کی ملک ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۹۴ھ۔

(۱) عاریت کا حکم امانت کا ہوتا ہے اور امانت میں وہ چیز جو امانت رکھی گئی ہے، اس کا واپس کرنا ضروری ہوتا ہے۔

”و حکمها کونھا أمانة“۔ (البحر الرائق، کتاب العاریة: ۷/۴۷۶، رشیدیہ)

”والعاریة أمانة إن هلكت من غیر تعد لم یضمنها“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب العاریة،

الباب الثانی: ۴/۳۶۳، رشیدیہ)

قال الله تعالى: ﴿إِن اللّٰهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ (النساء: ۵۸)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أد الأمانة

إلى من أئتمنك، ولا تخن من خانك“۔ (سنن أبي داود، کتاب البيوع، باب فی الرجل يأخذ حقه:

۲/۱۴۲، إمدادیہ ملتان)

(و کذا فی فیض القدیر، رقم الحدیث: ۳۰۸: ۱/۴۲۶، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ)

(۲) اس صورت میں گویا کہ معیر نے مستعیر کو وہ چیز بیچ دی، لہذا معیر بائع اور مستعیر مشتری ہوگا اور بیع میں بیع پر مشتری کی ملک ثابت ہو جاتی ہے۔

”وأما حكمه: فثبت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً“۔

(حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب البيوع: ۳/۴، دارالمعرفة بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب البيوع، الباب الأول فی تعریف البیع الخ: ۳/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب البيوع، مطلب: شرائط البیع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعید)

عید گاہ کاروپہ کاروبار میں لگانا

سوال [۱۱۱۵۸]: زاہد علی نے چار ہزار روپیہ عید گاہ کے لئے چندہ کیا تھا، ابھی یہ روپیہ ان کے پاس تھا کہ انہوں نے اس کو کاروبار میں لگا دیا، عید گاہ کا کچھ کام شروع ہوا تھا، کچھ بند ہوا کچھ ہوا، اب لوگوں نے ان کو کہا کہ تم حساب دو، مگر انہوں نے حساب نہیں دیا، ایسی صورت میں اب شرعاً کیا حکم ہے؟ کہ ان کا بایکاٹ کرنا کیسا ہے، اگر ان کے پاس فوری طور پر روپیہ نہ ہو، تو کیا کچھ حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عید گاہ کے لئے جو روپیہ بطور چندہ جمع کر کے ایک شخص کے حوالہ کیا گیا تھا، وہ روپیہ امانت تھا اور وہ شخص امین تھا (۱)، اس کو وہ روپیہ کاروبار میں لگانا جائز نہیں تھا، یہ خیانت ہے اور ایسا کرنے سے وہ شخص خائن ہوا، اس کے ذمہ روپیہ اور اس کا حساب دینا ضروری ہے (۲)، اگر ترک تعلقات (حقہ، پانی بند) کرنے سے وصول کر سکتا ہو، تو اس کی اجازت ہے (۳)، لیکن اگر وہ غریب ہے، یکدم سب روپیہ نہیں دے سکتا، تو حسب

(۱) ”أما تفسیرھا شرعاً، فالإيداع هو تسليط الغير على حفظ ماله، والوديعة ما يترك عند الأمين، كذا في الكنز“. (الفتاوى العالمگیریة، کتاب الوديعة، الباب الأول في تفسیر الإيداع والوديعة وركنها وشرائطها وحكمها: ۳۳۸/۴، رشیدیہ)

”(هو) لغة: من الودع، أي: الترك، وشرعاً: (تسليط الغير على حفظ ماله صريحاً أو دلالة) (والوديعة: ما يترك عند الأمين)“. (الدر المختار، کتاب الإيداع: ۶۶۲/۵، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، کتاب الوديعة: ۴۶۴/۷، رشیدیہ)

(۲) ”وأما حكمها: فوجوب الحفاظ على المودع، وصيرورة المال أمانة في يده، ووجوب أدائه عند طلب مالكه، كذا في الشمني“. (الفتاوى العالمگیریة، کتاب الوديعة، الباب الأول في تفسیر الإيداع الخ: ۳۳۸/۴، رشیدیہ)

”(وهي أمانة) هذا حكمها مع وجوب الحفاظ والأداء عند الطلب“. (الدر المختار، کتاب الإيداع: ۶۶۳/۵، ۶۶۴، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، کتاب الوديعة: ۴۶۵/۷، رشیدیہ)

(۳) ”عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: =

مصلح اس کو کچھ مہلت دی جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔



= ”لا یحل للرجل أن یهجر أخاه فوق ثلاث لیال۔

قولہ: (فوق ثلاث لیال) أي: بأیامها ولا یجوز فوقها إلا إذا كان الہجران فی حق من حقوق اللہ تعالیٰ، فیجوز فوق ذلك“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب ما ینہی من التہاجر والتقاطع وإتباع العورات: ۲۳۰/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح الباری، کتاب الأدب، باب ما یجوز من الہجران لمن عصی: ۶۰۹/۱۰، ۶۱۰، قدیمی)
(و کذا فی عمدۃ القارئ، کتاب الأدب، باب ما ینہی من التحاسد والتدابیر الخ: ۱۳۷/۲۲، مطبعة منیریة بیروت)

کتاب الرهن

(رہن کا بیان)

صاف لفظوں میں امانت کہنا اور معاملہ گروی کا کرنا

سوال [۱۱۱۵۹]: ایک شخص مسمیٰ حسن بھائی فاضل بھائی نے اپنی حیات میں چند مکانات مسمیٰ عبدالرسول محمد عمر کے پاس رکھے اور لکھا کہ یہ مکانات تمہارے پاس امانت رکھتا ہوں اور عبدالرسول کا قرضہ حسن بھائی کے ذمہ تھا، اول حسن بھائی کے ذمہ تھا، اول حسن بھائی نے انتقال کیا، اس وقت ان کے حقیقی بھائی یسین بھائی کا لڑکا عمر بھائی اور بیوی عظیم بوچھوڑے۔ بعد میں عظیم بو نے انتقال کیا، انہوں نے ایک ابن ابی العم عمر بھائی مذکور الصدر اور دو علاقہ بہن کی لڑکیاں بنت الاخت لاب عابدہ، زاہدہ چھوڑ دیں۔ بعد میں عابدہ نے انتقال کیا، اس نے ایک لڑکا غلام نبی اور دو لڑکیاں مسماۃ سلطان بو اور مریم چھوڑے۔ بعد میں زاہدہ نے انتقال کیا، اس نے بھی ایک لڑکا محمد صدیق اور دو لڑکیاں مریم اور غفور بوچھوڑے۔ بعد میں سلطان بو بنت عابدہ نے انتقال کیا، ایک بھائی غلام نبی اور بہن مریم چھوڑے۔

بعد میں غلام نبی نے انتقال کیا، بہن مریم چھوڑے۔ مریم نے انتقال کیا، دو لڑکے غلام رسول اور افضل بھائی چھوڑے۔ بعد میں غلام رسول نے انتقال کیا، ایک بیوی سلطان بو اور دو لڑکے علی میاں اور نبی میاں چھوڑے۔ مریم کے دوسرے لڑکے افضل بھائی نے انتقال کیا، بیوی عائشہ اور چار لڑکے حسن اور عبدالقادر، عبدالرحمن، فاضل اور ایک لڑکی مریم چھوڑے۔

زاہدہ جو میت ثانی عظیم بو کی بنت الاخت تھی نے انتقال کیا، ایک لڑکا محمد صدیق اور دو لڑکیاں مریم اور غفور بوچھوڑے۔ مریم نے انتقال کیا، ایک لڑکی حلیم بو اور دو لڑکے فاضل بھائی اور رحیم بھائی چھوڑے۔ بعد میں فاضل بھائی نے انتقال کیا، بیوی وزیر بو اور لڑکا غلام حسین اور عبدالرحمن چھوڑے۔ محمد صدیق نے انتقال کیا، اس

وقت ایک لڑکی زینت بی اور بہن غفور بوتھے۔ بعد میں غفور بوگزری، دولڑ کے محمد عمر اور چاند بھائی اور تین لڑکیاں آمنہ، بی سلام، بی مریم چھوڑیں۔ بی مریم گزری شوہر عبدالنبی دو بھائی محمد عمر اور چاند بھائی اور دو بہنیں آمنہ، بی سلام چھوڑے۔ عبدالنبی شوہر بی مریم نے انتقال کیا، دو بھتیجے اور دو بھتیجی اور دونو اسی چھوڑے۔ بی سلام گزری، لڑکا رسول میاں اور لڑکی مریم چھوڑے، عمر بھائی اور یاسین بھائی جو میت اول کا ابن الاخ ہے اور میت ثانی عظیم بو زوجہ میت اول کا ابن ابی العم ہے، جس نے عظیم بو جو میت ثانی ہے، ان کی بھانجیاں عابدہ اور زابدہ اور ان کی اولاد عابدہ کی اولاد سلطان بو، مریم، غلام نبی اور زابدہ کی اولاد مریم اور محمد صدیق کے بعد انتقال کیا۔

سوائے زابدہ کی لڑکی غفور بو کے وہ حیات تھی، عمر بھائی نے انتقال کیا، اس وقت ان کی دولڑکیاں آمنہ اور خدیجہ اور ایک ابن الاخ عثمان عرف نور محمد حیات تھے۔ اول آمنہ نے انتقال کیا، اس نے شوہر محمد طاہر اور علانی بہن خدیجہ چھوڑے۔ بعد میں خدیجہ گزری اس نے تین لڑکے عبداللہ اور عبدالقادر اور محمد جود یوانہ ہے، چھوڑے۔ بعد میں خدیجہ کے لڑکے عبدالقادر نے انتقال کیا، بیوی، ایک حقیقی بھائی عبداللہ بعد اخیانی محمد چھوڑے۔

اس کے بعد عمر بھائی کا ابن الاخ عثمان عرف نور محمد نے انتقال کیا، اس نے عورت قمر النساء ماں حفیظہ اور چار لڑکے جن میں تین نابالغ ہیں اور چار لڑکیاں جن میں دو نابالغ ہیں، چھوڑے۔

اس میں وضاحت طلب امور یہ ہے کہ یہ مکانات حسن بھائی مرحوم کے جو عبدالرسول اور بعد میں ان کی اولاد کے قبضہ میں امانت ہیں، یا رہن گروی اور قانون سرکاری جو ایک مدت بعد مالک یا ورثاء مالک کو رہن والی چیز واپس نہیں ملتی یا رہن رکھنے والا واپس نہیں کرتا، یہ شرعاً کیسا ہے؟ ان مکانات کی آمدنی اور مرمت کا کیا حکم ہے؟

۲..... ورثاء عبدالرسول کو یہ مکانات ہبہ یا فروخت کرنے کا حق ہے؟

۳..... ورثاء عبدالرسول مرحوم کو مکانات کی تخمیناً قیمت ورثاء حسن بھائی کو دینی چاہیے یا مکانات واپس کرنے چاہئیں، کیونکہ ورثاء حسن بھائی میں نابالغ اور دیوانہ بھی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... صاف صاف لفظوں میں تو امانت کہا ہے، لیکن قرضہ ذمہ میں ہونا رہن کا قرینہ ہے، اس کے باوجود واپس نہ دینے کا اختیار نہیں۔ قرضہ کل ادائیگی اور مکانات کی واپسی لازم ہے، قانونی آڑ لے کر گروی

مکانات کی واپسی سے مدت متعینہ گزر جانے پر آدمی سبکدوش نہیں ہو جاتا (۱)۔

۲..... آمدنی بھی مالک کی ہے، مرمت بھی مالک کے ذمہ ہے (۲)، جس کے پاس کہہ کر گروی رکھا

ہے، نہ اس کو انتفاع کا حق ہے نہ آمدنی کا (۳)، نہ اس کے ذمہ مرمت لازم ہے (۴)۔

۳..... ان کو حق نہیں، اس لئے کہ وہ مالک نہیں (۵)۔

(۱) ”ویؤمر المرتہن بإحضار دینہ، والراہن بأداء دینہ أولاً“۔ (البحر الرائق، کتاب الرهن: ۴۳۷/۸، رشیدیہ)

”وإذا طلب دینہ، أمر بإحضار الرهن، فإذا حضره أمر الراهن بتسليم كل دینہ أولاً، ثم أمر

المرتہن بتسليم الرهن“۔ (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الرهن: ۲۷۴/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا في الهدایة، کتاب الرهن: ۵۱۷/۴، شرکت علمیہ ملتان)

(۲) ”والأصل فيه: أن ما يحتاج إليه لمصلحة الرهن بنفسه وتبقيته فعلى الراهن، سواء كان في الرهن

فضل أو لم يكن؛ لأن العين باقية على ملكه، وكذا منافعه مملوكة له، فيكون إصلاحه وتبقيته عليه“۔

(الفتاویٰ العالمکیریہ، کتاب الرهن، الباب الرابع: ۴۵۴/۵، رشیدیہ)

”ونفقة الرهن والخراج والعشر (على الراهن) والأصل فيه: أن كل ما يحتاج إليه لمصلحة

الرهن بنفسه وتبقيته فعلى الراهن؛ لأنه ملكه“۔ (الدر المختار، کتاب الرهن: ۴۸۷/۶، سعید)

(و کذا في حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الرهن: ۴۳۸/۴، ۲۳۹، دار المعرفۃ بیروت)

(۳) ”لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه

يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا، وهذا أمر عظيم“۔ (الدر المختار، کتاب الرهن:

۴۸۲/۶، سعید)

(و کذا في شرح الملحة لخالدة الأتاسي، رقم المادة: ۷۵۰، ۱۹۶/۳، ۱۹۷، مکتبہ حقانیہ پشاور)

(و کذا في الفتاویٰ الکاملیہ، کتاب الرهن، ص: ۲۴۴، حقانیہ پشاور)

(۴) راجع رقم الحاشیة: ۲

(۵) ”عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم:

”ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“، رواه البيهقي في شعب الإيمان. (مشكاة

المصابيح، کتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قديمی)

”ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه“۔ (شرح الحموي على الأشباه، کتاب الغصب:

۴۴۴/۲، إدارة القرآن کراچی)

۴..... اپنے مورث کا دیا ہوا قرضہ وصول کر لینا چاہیے اور مکانات واپس کر دیں۔ اس مسئلہ میں نابالغ، دیوانہ اور عقل مند بالغ سب کا یہی حکم ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۶ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

زمین رہن رکھ کر معاوضہ وصول کرنا

سوال [۱۱۱۶۰]: روپیہ قرض دے کر زمین میں رہن رکھ کر استفادہ کرنا اور لگان گورنمنٹ کو خود ادا کرتے رہنا، یہ جائز ہے یا نہیں؟
۲..... بعض لوگوں کی عادت یہ ہے کہ روپیہ قرض دے کر پھر اس قرض خواہ کو زمین کھیتی کرنے کے لئے ۵، ۱۰ من کے بدلہ لکھ دیتے ہیں، خواہ زمین میں کچھ پیدا ہو یا نہ ہو، یہ کیسا ہے؟
۳۔ بعض لوگ رہن رکھ کر استفادہ حاصل کرنے کی وجہ سے کچھ عدد سالانہ اس روپیہ سے کاٹ دیتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... یہ صورت جائز نہیں (۲)۔

= (و كذا في القواعد الكلية، الملحقه بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانہ)

(۱) "لا يسطل الرهن بموت الراهن، ولا بموت المرتهن، ولا بموتيهما، ويبقى الرهن رهنا عند الورثة".

(الدرالمختار، كتاب الرهن، باب التصرف في الرهن الخ: ۲/۵۲۰، سعيد)

"أما حكمه فملك العين المرهونة في حق الحبس، حتى يكون أحق بإمساكه إلى وقت إيفاء

الدين". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرهن، الفصل الأول: ۵/۴۳۳، رشيدية)

(و كذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الرهن، ص: ۲۴۴، حقانيہ پشاور)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الرهن: ۸/۴۶۷، رشيدية)

(۲) "وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندي، وكان من كبار علماء سمرقند؛ أنه لا يحل له أن ينتفع

بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فتبقى له

المنفعة فضلاً، فيكون ربا". (ردالمحتار، كتاب الرهن: ۶/۴۸۲، سعيد) =

۲..... یہ پانچ دس من غلہ اگر صحیح حساب سے محسوب کر لیں، تو درست ہے، ورنہ نہیں، یعنی غلہ وصول کرتے وقت جو نرخ ہو، اسی نرخ سے قیمت لگا کر یہ سمجھیں کہ گویا کہ ہم نے اپنے قرض میں سے اتنا وصول کر لیا ہے (۱)۔

۳..... ایسی زمین کا جو سالانہ کرایہ بغیر کسی دباؤ کے ہوتا ہے، اگر اتنی مقدار وصول کردہ روپیہ سے کاٹ دیں، تو جائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۸/۸۹ھ۔

شی مرہون سے نفع اٹھانا

سوال [۱۱۱۶۱]: اگر تیس روپے میں گھڑی رہن رکھی، تو اس گھڑی کو استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

= ”ولیس للمرتھن الانتفاع بالرهن، ولا إجارته، ولا إعارته“۔ (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الرهن: ۲/۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الرهن: ۸/۸، رشیدیہ)

(۱) ”وجد دنائیر مدیونہ ولہ علیہ درہم، لہ أن يأخذہ لاتحادہما جنسا فی الثمنیۃ، قال الحموی..... إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان فی زمانہم لمطاوعتہم فی الحقوق، والفتویٰ الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أي مال کان، لا سیما فی دیارنا لمدائمتہم العقوق“۔ (ردالمحتار، کتاب الحجر: ۱۵۱/۶، سعید)

(وکذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحجر: ۸۶/۳، دارالمعرفۃ بیروت)

(وکذا فی الفقہ الإسلامی وأدلّته، کتاب السرقة: ۵۴۵/۷، رشیدیہ)

(۲) ”وتصح إجارة أرض للزراعة مع بیان ما یزرع فیہا، أو قال: علی أن أزرع فیہا ما أشاء، کي لا تقع المنازعة“۔ (الدر المختار، کتاب الإجارة، باب ما یجوز من الإجارة وما یكون خلافاً فیہا: ۲۹/۶، سعید)
”قولہ: (والأراضی للزراعة أن بین ما یزرع فیہا، أو قال: علی أن أزرع فیہا ما أشاء) أي: صح ذلک للإجماع العملي علیہ“۔ (البحر الرائق، کتاب الإجارة، باب ما یجوز من الإجارة وما یكون خلافاً فیہا: ۵۱۸/۷، رشیدیہ)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الإجارة، باب ما یجوز من الإجارة وما لا یجوز: ۳۷۶/۲، دار إحياء التراث العربی بیروت)

جب کہ آئندہ واپسی کی امید نہ ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تیس روپے دے کر جو گھڑی رہن رکھی ہے، اس کو استعمال کرنے کا حق نہیں (۱)، مالک سے معاملہ کر لیا جائے، جب وہ تیس روپیہ کے عوض یا جس نرخ پر فروخت کر دے، تب خریدار کو استعمال کرنا درست ہوگا (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

رہن پر نفع

سوال [۱۱۱۶۲]: اگر کسی نے کوئی چیز سو روپے کی زید کو دے کر زید سے پچاس روپے اس شرط پر

(۱) ”أنه لا يحل له أن يتنفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن إذن له الرهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا“۔ (الدر المختار، کتاب الرهن: ۶/۴۸۲، سعید)
”وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته“۔ (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الرهن: ۴/۲۷۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الرهن: ۸/۴۳۸، رشیدیہ)

(۲) جب انہوں نے وہ گھڑی تیس روپے کے عوض خرید لی، تو اس پر ان کی ملکیت ثابت ہوئی، لہذا اب وہ جس طرح چاہے، استعمال کر سکتا ہے۔

”و حکمہ: ثبوت الملك للمشتري في المبيع، وللبيع في الثمن، إذا كان البيع باتاً“۔ (حاشیۃ الشلبی علی التبیین، کتاب البیوع: ۴/۲۷۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت)
”و حکمہ ثبوت الملك أي: في البدلين لكل منهما في بدل“۔ (رد المحتار، کتاب البیوع: ۴/۵۰۶، سعید)

”و کل يتصرف في ملكه كيف شاء“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)
(و کذا في شرح المجلة لسليم رستم باز، الباب الثالث في المسائل المتعلقة بالحيطان والجيران: ۱/۶۵۴، رقم المادة: ۱۱۹۴، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

لئے ہیں کہ اگر ایک سال کے اندر اندر پچاس روپے نہ لوٹائے، تو وہ سو روپے کی چیز زید کے لئے ہو جائے گی یا ایسا کہیں کہ ایک سال کے لئے گروی رکھا، تو اب سال ختم ہو جاتا ہے، لیکن روپیہ واپس نہیں کیا، تو کیا کرنا پڑے گا اور صاحب مقروض کو اتنی ہمت نہیں، جس سے وہ پچاس روپیہ ادا کر کے اپنی چیز لے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح تو یہ معاملہ درست نہیں ہوا، اب جب کہ قرض واپس کرنے کا وقت آیا اور اس کے پاس روپیہ دینے کو نہیں ہے، تو اب معاملہ کر لے کہ ہماری فلاں چیز جو آپ کے پاس ہے، اس کی قیمت یہ ہے، آپ کا قرض اتنا ہے، وہ چیز آپ خرید لیں تاکہ آپ کا قرض ادا ہو جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۴۰۰ھ۔

ناریل رہن رکھ کر اس کی آمدنی کھانا

سوال [۱۱۱۶۳]: زید نے ناریل کا درخت گروی رکھ کر پانچ سال کی مدت پر پانچ سو روپیہ لیا، مدت گزرنے کے بعد پانچ سو روپیہ دیا، اب درمیانی سال کی آمدنی، یعنی ناریل کی آمد بلا قیمت بکر کھاتا رہا، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناریل گروی رکھ کر اس کی آمدنی کھانا جائز نہیں، یہ سود کے حکم میں ہے۔

وفي الأشباه: "كل قرض جر نفعاً، حرام" درمختار مع هامشه،

(۱) "وجد دنایر مدیونہ ولہ علیہ درہم، لہ أن يأخذہ لا تحادہما جنساً فی الثمنیۃ، قال الحموی إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان فی زمانہم لمطاوعتہم فی الحقوق، والفتویٰ الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من أي مال کان، لا سیما فی دیارنا لمدائمتہم العقوق". (ردالمحتار، کتاب الحجر: ۱۵۱/۶، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب الحجر: ۸۶/۴، دارالمعرفۃ بیروت)

(و کذا فی الفقہ الإسلامی وأدلّته، کتاب السرقة: ۵۴۵۱/۷، رشیدیہ)

ص: ۱۹۴، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ پاکستان (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فک رہن کی تاریخ مقرر کرنا اور اس میں توسیع کرنا

سوال [۱۱۱۶۴]: زید نے اپنا ایک مکان بکر کے پاس رہن با قبضہ مبلغ تین سو روپیہ پر دو سال کے لئے رکھ دیا اور فسخ رہن کی تاریخ مقرر کر کے دستاویز پر تحریر کر دیا، اگر متعینہ وقت پر نہ دے سکا، تو یہ رہن نامہ بیع نامہ متصور ہوگا، جب مدت رہن ختم ہونے لگی تو زید نے مزید تین سو روپیہ بکر سے لے کر فسخ رہن کی تاریخ میں اضافہ کر لیا اور جب مزید توسیع قریب الختم ہونے کو آئی، تو پھر مبلغ دو سو روپیہ بکر سے لے کر پھر دستاویز تحریر کر دی کہ اگر میں ۱۹۶۴ء تک زمین فسخ نہ کرا سکوں، تو یہی رہن بیع نامہ ہوگا۔

چنانچہ ۶۴ء شروع ہو گیا اور اب ۷۰ء شروع ہو گیا ہے، اب چاہتا ہے کہ مکان بکر سے واپس لے لے، تو شرعاً اس کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں؟ اور یہ مکان بکر کی ملکیت میں آیا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر رہن کی تاریخ معینہ گزر جانے پر بیع نامہ تصور کرنے کی تصریح شرعاً صحیح نہیں، شرعاً بیع نہیں (۲)،

(۱) (الدر المختار، کتاب البیوع، باب المزابحة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۶، سعید)

”كل قرض جر منفعة، فهو وجه من وجوه الربا“۔ (تكملة فتح الملہم، کتاب المساقاة

والمزارعة: ۱/۵۷۵، دارالعلوم کراچی)

(وکذا في إعلاء السنن، کتاب الحوالة، باب: كل قرض جر منفعة فهو ربا: ۱۳/۴۹۹، إدارة القرآن کراچی)

”وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندي، وكان من كبار علماء سمرقند؛ أنه لا يحل له أن

ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فبقی

له المنفعة فضلاً، فيكون ربا“۔ (ردالمحتار، کتاب الرهن: ۲/۴۸۲، سعید)

(وکذا في ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الرهن: ۴/۲۷۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الرهن: ۸/۴۳۸، رشیدیہ)

(۲) بیع کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماضی یا حال کے صیغے کے ساتھ ہو اور بیع حتمی ہو، یہ نہیں کہ اگر یوں ہے تو بیع ہے، ورنہ نہیں۔ =

زید قرض واپس کر کے بکر سے مکان بصورت فک رہن واپس لے سکتا ہے، بکر نے اس مدت رہن میں مکان سے نفع حاصل کیا، تو وہ ناجائز ہوا، سود ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔



= ”قال أصحابنا رحمه الله تعالى: كل لفظين يثبتان عن التملك والتملك على صيغة الماضي أو الحال ينعقد بهما البيع، كذا في المحيط: وأما تمحض للاستقبال كالمقرون بالسين وسوف أو الأمر فلا ينعقد به، إلا إذا دل الأمر على المعنى المذكور“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب البیوع، الباب الثاني في ما يرجع إلى انعقاد البيع الخ: ۴/۳، رشیدیہ)

”لانعقاده بكل لفظين يثبتان عن معنى التملك والتملك ما ضيين أو حالين كما في الخانية وإنما قيده به في الهداية لإخراج المستقبل فقط أمراً أو مضارعاً مبدؤ بالسين أو سوف كما في الخانية، ما لم يؤد معناه“۔ (البحر الرائق، کتاب البیوع: ۴۲۲/۵، ۴۲۳، رشیدیہ)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب البیوع: ۵۱۰/۴، ۵۱۱، سعید)

(۱) ”وعن عبد الله محمد بن أسلم السمرقندي، وكان من كبار علماء سمرقند؛ أنه لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه، وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً فبقى له المنفعة فضلاً، فيكون ربا“۔ (رد المحتار، کتاب الرهن: ۲۸۲/۶، سعید)

”وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن ولا إجارته ولا إعارته“۔ (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر،

کتاب الرهن: ۲۷۳/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و كذا في البحر الرائق، کتاب الرهن: ۲۳۸/۸، رشیدیہ)

کتاب الصيد والذبائح

باب الصيد

(شکار کرنے کا بیان)

بندوق سے کئے ہوئے شکار کا حکم

سوال [۱۱۱۶۵]: ایک شخص نے مرغ کا شکار کیا اور شکار کیا بندوق سے اور بغیر تکبیر کے مرغ پر بندوق چلائی اور مرغ ایک فائر سے مر گیا، بندوق سے گولی لگنے کے بعد کچھ دیر کے لئے مرغ غم ہو گیا، تلاش کرنے کے بعد مرغ مرا ہوا ملا، اس مرے ہوئے مرغ کو ذبح کیا اور کچھ لوگوں نے کھایا، ذبح کے وقت مرغ میں سے قدرے کچھ گرم گرم خون بھی نکلا ہے، بغیر تکبیر کے بندوق چلانا اور مرغ کا مرا ہوا ملنا، پھر ذبح کرنا، کیا یہ مرغ حرام ہے؟

کیا بندوق تیر کے حکم میں ہے یا بندوق اور تیر آپس میں شرعی اعتبار سے مغائر ہیں؟ قرآن میں تیر سے شکار کیا ہوا اگر مرا مل جائے، تو حلال ہے، کیا یہ صحیح ہے اور کیا بندوق کا بھی یہی حکم ہے؟ جب کہ بندوق سے ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔

جن لوگوں نے یہ مرغ کھایا ہے، حلال کھایا یا حرام؟ اور ”حرمت علیکم المیتة“ کے حکم میں یہ مرغ ہے یا نہیں؟ اگر یہ حرام ہے، تو پھر جن لوگوں نے کھایا، اس کا کفارہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بندوق میں جو گولی ہوتی ہے، یا چھرے ہوتے ہیں، وہ چاقو یا تیر کی طرح دھار دار نہیں ہوتے، وہ تیر کے حکم میں نہیں، اگر بسم اللہ پڑھ کر بندوق چلائی اور اس سے جانور مر جائے، ذبح کی نوبت نہ آئے، تو وہ جانور

حلال نہیں (۱)، اگر اس کو زندہ پالیا اور شرعی طریقہ پر ذبح کر لیا، تو وہ حلال ہوگا (۲)، اگر وہ مرچکا تھا، پھر ملا، تو ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا (۳)۔

اس صورت میں اس کے غائب ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا، ذبح کرنے سے پہلے اگر اس کی موت و حیات مشکوک ہو اور ذبح کرنے پر اس میں کوئی حرکت نہ ہو، جیسے زندہ جانور کو ذبح کرتے وقت حرکت ہوتی ہے اور نہ اس طرح اس میں سے خون نکلے، تو وہ حلال نہیں، محض خون نکلنا علامت حیات نہیں، مگر خون اگر اس طرح جوش کے ساتھ نکلے، جس طرح زندہ سے نکلتا ہے، تو وہ علامت حیات ہے۔

(۱) ”..... (أو قتله معراض بعرضه) وهو سهم لا ريش له (أو بندقة ثقيلة ذات حدة) حرم لقتلها بالثقل لا بالحد“ (الدرالمختار). ”(قوله: أو بندقة) قال قاضي خان: لا يحل صيد البندقية، والحجر، والمعرض، والعصار، وما أشبه ذلك، وإن جرح؛ لأنه لا يخرق“ (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۷۱، سعيد)

”ولا يؤكل ما أصابته البندقية فمات بها، كذا في الكافي“ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد، الباب الرابع في بيان شرائط الصيد: ۵/۴۲۵، رشیدیہ)

(و كذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد والذباح: ۳/۳۶۰، رشیدیہ)
(۲) ”وإن أدرك المرسل الصيد حيا، وجب عليه أن يزكيه. وإن ترك تذكيته حتى مات حرم أكله. وكذا البازي والسهم؛ لأنه ترك زكاة الاختيار مع القدرة عليها وكذا المتردية والنطيحة والموقوذة والذي بقر الذئب بطنه وفيه حياة خفية أو بينة يحل إذا زكاه وعليه الفتوى، كذا في الكافي“ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصيد، الباب الخامس فيما لا يقبل الزكاة من الحيوان وفيما يقبل: ۵/۴۲۷، ۴۲۸، رشیدیہ)

”ويخالف جميع ذلك ما في الزيلعي حيث قال ما حاصله: إذا أدركه حيا ولم يزكه حرم، إن تمكن من ذبحه ثم قال: فلا يحل إلا بالزكاة سواء كانت خفية أو بينة بجرح المعلم أو غيره من السباع، وعليه الفتوى لقوله تعالى: ﴿إلا ما ذكيتم﴾ فيتناول كل حي مطلقاً، وكذا قوله عليه السلام: ”فإن أدركته حيا فاذبحه. مطلق، والحديث صحيح، رواه البخاري ومسلم وأحمد“ (ردالمحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۷۰، سعيد)

(و كذا في المحررات، كتاب الصيد: ۸/۴۱۲، رشیدیہ)

(۳) راجع رقم الحاشية: ۱

قال في البزازیة: ”وفي شرح الطحطاوي خروج الدم لا يدل عليه الحياة،

إلا إذا كان يخرج كما يخرج من الحي عند الإمام، وهو ظاهر الرواية اه“ شامی:

۱۹۶/۵ (۱). قلت: وفي الصيد بالبندقية مذکورة فیها فی: ۳۰۴/۵ (۲).

اس تفصیل پر آپ اپنے مرغے کا مسئلہ منطبق کر لیں، اگر دیدہ و دانستہ حرام جانور کا گوشت کھائے، تو

توبہ لازم ہے (۳)۔ کوئی مالی کفارہ لازم نہیں ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مچھلی گڑھے میں ڈالی جائے، تو اس کا مالک کون ہے؟

سوال [۱۱۱۶۶]: وارثت علی نے اپنے روپیہ سے گرام سماج کے گڑھے میں سبھاپتی (۴) پر دھان

یا صدر مجلس کی رائے سے اور ان کے بار بار اصرار اور کہنے پر چھ ہزار مچھلی، چار روپیہ فی ہزار کی در (۵) سے سبھاپتی

ہی کے ذریعہ خرید کر چلایا (۶) تھا، پتی نے یہ بھی کہا تھا کہ ٹھیک لگان (۷) پر گرام سماج کے سرکاری کاغذات میں

(۱) (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعید)

”وإن ذبح شاة أو بقرة فخرج منها دم، ولم تتحرك، وخروجه مثل ما يخرج من الحي أكلت

عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وبه نأخذ“. (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الذبائح، الباب الأول فی رکنہ

وشرائطہ و حکمہ وأنواعہ: ۲۸۶/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، باب فی الزکاة: ۳۶۷/۳، رشیدیہ)

(۲) راجع رقم الحاشیہ: ۱، ص: ۹۶

(۳) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا﴾ (التحریم: ۸)

”واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها،

سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة“. (روح المعاني: ۱۵۹۸۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”التوبة واجبة من كل ذنب“. (رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۵، قدیمی)

(۴) ”سبھاپتی: میر محفل، میر مجلس، صدر جلسہ، سر پنچ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۰، فیروز سنز لاہور)

(۵) ”در: شرح، نرخ، بھاؤ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۵۵، فیروز سنز لاہور)

(۶) ”چلانا: زندہ کرنا، جان ڈالنا، تازگی بخشنا، موت سے بچانا“۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۹۵، فیروز سنز لاہور)

(۷) ”لگان: معاملہ، زمین کا خراج، باج، کر، سرکاری محصول“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۱، فیروز سنز لاہور)

اس گڑھے کی مچھلی وراثت علی کے نام درج کر دیا جائے، مچھلی جلانے کے لئے اور پہلے ہی سے وراثت علی اس گڑھے کی جل کھمبی اور پانی کے روک تھام کا بندوبست کر لیا تھا اور مچھلی چھوڑنے کے بعد بھی اس گڑھے کی جل کھمبی نکالنا اور دیکھ ریکھ برابر کرتا چلا آیا۔

کچھ دنوں کے بعد سبھاپتی رائے (۱) علی سے ناراض ہو گئے اور گڑھے کا ٹھیکہ پٹہ یا لگان گرام سماج کے کاغذات میں وراثت علی کے نام درج کرنے سے انکار کر دیا، تب بھی گڑھے کی مچھلی کے دیکھ ریکھ وراثت علی کرتا رہا، ابھی چند دنوں کی بات ہے کہ سبھاریت نے دو سال کی ڈالی ہوئی مچھلیوں کو گاؤں والوں کو ابھار کر اور خود کھڑے ہو کر تمام مچھلیوں کو پکڑوا لیا اور ڈھائی روپیہ فی کلو کے حساب سے فروخت کر کے تمام روپے گرام سماج میں جمع کرالیا، یہ روپیہ گرام سماج میں خرچ کرنا جائز ہے یا کہ وراثت علی کو پانے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ مچھلی وراثت علی نے خرید کر گڑھے میں ڈالی اور اس کی حفاظت کی، وہ اس کی ہی ملک ہے، دوسرے کی ملک نہیں، اس کی قیمت کا حق دار بھی وراثت علی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲/۸۹ھ۔

مچھلیوں کے شکار کے لئے تالاب خریدنا

سوال [۱۱۱۶]: بستی یا گاؤں کے تالاب کو مچھلیوں کے لئے خریدنا کیسا ہے؟

۲..... تالاب خریدنے کے بعد مچھلیاں کس طرح پکڑیں؟

(۱) "رائے: راجا، شہزادہ، سردار"۔ (فیروز اللغات، ص: ۷۳۳، فیروز سنز لاہور)

(۲) "وأما حكمه: فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً". (حاشية

الطحطاوي على الدر المختار، كتاب البيوع: ۳/۴، دارالمعرفة بيروت)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول في تعريف البيع الخ: ۲/۳، رشيدية)

(و كذا في رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب: شرائط البيع أنواع أربعة: ۴/۵۰۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....مچھلیوں کے لئے تالاب کی خریداری کا جو بعض جگہ رواج ہے، وہ درست نہیں ہے۔

۲.....مچھلیاں پکڑنا ہر شخص کو درست ہے (۱)، خواہ تالاب ٹھیکہ پر لیا ہو یا نہ لیا ہو، ہاں! اگر کسی نے اپنے ذاتی تالاب میں مچھلیاں لا کر ڈالی ہوں، اس طرح پر کہ جب دل چاہے ان کو پکڑ لے، کوئی دشواری پیش نہ آئے، جیسے اپنے مکان میں گڑھا کھود کر اس میں پانی بھر کر اس میں مچھلیاں ڈال دی جائیں، تو ایسی مچھلیوں کو بغیر مالک کی اجازت کے پکڑنا درست نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۶ھ۔

کانٹے میں مچھلی پکڑنا

سوال [۱۱۱۶۸]: بعض جگہ لوگ اپنی ذاتی تالاب میں سے شوق سے مچھلی پکڑتے ہیں اور جب

(۱) دریا، تالاب یا نہر سے مچھلیاں پکڑنا ہر کسی کے لئے درست ہے۔ اس لئے کہ یہ مباح الاصل ہے۔

قال الله تعالى: ﴿أَحْلَلْ لَكُمْ صَيْدَ الْبَحْرِ وَطَعَامَهُ مَتَاعاً لَكُمْ وَلِلْغِيَاةِ﴾ (المائدة: ۹۶)

”أي: ما يصاد في الماء، بحراً كان أو نهراً أو غيراً، أو هو ما يكون توالده ومثواه في الماء

ما كولاً كان أو غيره، كما في البدائع“ (روح المعاني: ۳۰/۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”حفر حفيرة فوق فيها صيد فإن كان اتخذها للصيد ملكه، وليس لأحد أخذه، وإن لم يتخذها

له فهو لمن أخذه“۔ (البحر الرائق، كتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۱۲۰/۶، رشیدیہ)

(۲) ”والحاصل كما في الفتح: أنه إذا دخل السمك في حظيرة، فإما أن يعدها لذلك أولاً، ففي الأول

يملك، وليس لأحد أخذه“۔ (رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۶۱/۵، سعید)

”بيع السمك في البحر أو البر لا يجوز، فإن كانت له حظيرة فدخلها السمك، فإما أن

يكون أعدها لذلك أولاً، فإن كان أعدها لذلك فما دخلها ملكه، وليس لأحد أن يأخذها“۔ (الفتاوى

العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب التاسع فيما يجوز بيعه وما لا يجوز، الفصل الرابع في بيع الحيوانات:

۱۱۳/۳، رشیدیہ)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳۷۴/۶، ۳۷۵، رشیدیہ)

بڑی مچھلی کانٹے میں لگ جاتی ہے تو اس کو فوراً پانی سے اوپر اٹھانا مشکل ہے، اس لئے جب وہ مچھلی بھاگتی ہے، تو ڈور کو ڈھیل دینا پڑتا ہے، بعدہ اس کو آہستہ آہستہ کھینچنا پڑتا ہے، اس طرح کافی دیر تک ہوتا رہتا ہے، جب وہ مچھلی تھک جاتی ہے، تو اس کو پانی سے اٹھانا پڑتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے، وہ لوگ یہ علت بیان کرتے ہیں کہ اس کو تکلیف ہوتی ہے، اس لئے تحریر فرمائیں، کہ کیا اس طرح مچھلی پکڑنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ بڑی مچھلی کانٹے میں پھنستی ہے تو فوراً اس کو ڈور سے کھینچنا دشوار ہے، اس لئے ڈھیل دیتے ہیں، جب وہ تھک جاتی ہے، اس کو کھینچ لیتے ہیں، شرعاً اس میں مضائقہ نہیں، یہ ایسا ہے جیسا کہ خشکی کے جانور کو بھگاتے ہیں، جب وہ بھاگتے بھاگتے تھک جاتا ہے اور گر جاتا ہے، تو اس کو پکڑ لیتے ہیں، ہاں! بلاوجہ تکلیف دینا غلط ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱۲/۹۸ھ۔

معلم کتے کا شکار کھانا

سوال [۱۱۱۶۹]: معلوم ہوا کہ معلم کتا (جو شکار پر چھوڑے جانے کے باوجود مالک کے واپس بلانے پر لوٹ آئے اور شکار کو نہ کھائے، بلکہ مالک کو لا کر دے) ایسا سندھا ہوا کتا اگر شکار پکڑ کر لا دے، مثلاً: خرگوش اور اس کتے کو ”بسم اللہ اکبر“ کہہ کر چھوڑا گیا ہو اور کتے کے پکڑنے سے خرگوش زخمی ہو جائے اور خون بہنے لگے، اللہ دے صاحب کہتے ہیں، اگر وہ خرگوش زندہ ہے، تو مالک کو ذبح کرنا چاہیے اور اگر مر گیا ہے، تب بھی

(۱) ”وکرہ کل تعذیب بلا فائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد“۔ (ردالمحتار، کتاب الذبائح: ۲۹۶/۲، سعید)

”وکل طریق أدى الحيوان إلى تعذیب أكثر من اللازم لإزهاق روحه، فهو داخل في النهي، ومأمور بالاجتناب عنه“۔ (تكملة فتح الملهم، کتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح، القتل، وتحديد الشفرة: ۵۴۰/۳، مکتبہ دارالعلوم دیوبند)

”ویکرہ تعلیم البازی بالطیر الحي لتعذیبه“۔ (الدرالمختار، کتاب الصيد: ۴۷۴/۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الذبائح، الباب الأول: ۲۸۸/۵، رشیدیہ)

وہ حلال ہے۔ اس کا کھانا جائز ہے۔

سوال یہ ہے کہ اللہ دے صاحب کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے؟ اور قرآن کی کون سی آیت سے یہ ثابت ہے، اس کا حوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اللہ دے صاحب نے اس مسئلہ میں جو کچھ کہا، وہ صحیح ہے۔ سورہ مائدہ میں ہے:

﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أَحَلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتِ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ

..... فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾ (الاية: ۴: ۶/۱۰۸) (۱)۔

اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہے، احکام القرآن نیز کتب فقہ، شامی وغیرہ میں بصراحت یہ مذکور ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۳۹۹ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) (المائدة: ۴)

(۲) ”عن عدي بن حاتم رضي الله تعالى عنه قال: قلت: يا رسول الله! إنا نرسل كلاباً لنا معلّمة، قال: كل ما أمسكن عليك، قلت: يا رسول الله! وإن قتلن؟ قال: ”وإن قتلن“ (جامع الترمذي، أبواب الصيد، باب ما جاء ما يؤكل من صيد الكلب وما لا يؤكل: ۱/۲۷۱، سعيد)

(و كذا في أحكام القرآن للجصاص، المائدة: ۴: ۲/۲۲۲-۲۵۶، قديمي)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الصيد: ۲/۲۶۳-۲۶۵، سعيد)

(و كذا في كتاب الآثار، باب صيد الكلب، ص: ۱۸۱، إدارة القرآن كراچی)

باب الذبائح

الفصل الأول في من يصح ذبحه ومن لا يصح

(ذبح کرنے والے کا بیان)

بے وضو انڈرویئر پہن کر ذبح کرنا

سوال [۱۱۱۷۰]: ایک شخص بلا وضو ہے، انڈرویئر (۱) پہنے ہوئے ہے، ایک بکری کو ذبح کرتا ہے،

جب کہ وضو کے لئے پانی، پہننے کے لئے پاجامہ موجود ہے، ذبح جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک مسلمان جب ”بسم اللہ اللہ اکبر“ پڑھ کر بکری کو ذبح کرے، تو اس کا ذبیحہ مذکورہ سوالی حالت

کے ساتھ بھی حلال ہے، حرام نہیں (۲)۔ فقط۔

نشہ باز قصاب کا ذبیحہ

سوال [۱۱۱۷۱]: جاہل قصاب نشہ باز اگر مویشی ذبح کرے اور خریدار انجان گوشت خرید لے، تو

(۱) ”انڈرویئر: زیر جامہ، پتلون وغیرہ کے نیچے پہننے کا کپڑا“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۶، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بَآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ۝ وَمَالِكُمْ أَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ

اسم اللہ علیہ وقد فصل لكم ما حرم عليكم إلا ما اضطررتم إليه، وإن كثيراً لیضنون بأهوائهم بغير علم،

إن ربك هو أعلم بالمعتدين﴾ (الأنعام: ۱۱۹، ۱۲۰)

”وتحل ذبیحہ مسلم“۔ (ملتی الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الذبائح: ۵۳/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الذبائح: ۴۴۹/۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی التفت فی الفتاویٰ، کتاب الذبائح، ص: ۱۲۷، سعید)

ذبیحہ درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نشہ بازی گناہ ہے (۱)، تاہم اگر ہوش و حواس درست رہتے ہوئے شریعت کے مطابق ذبح کیا ہو تو وہ جانور حلال ہے، اس کا گوشت لینا اور کھانا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

دیوبندیوں کو خارج از اسلام کہنے والے کا ذبیحہ و قربانی

سوال [۱۱۱۷۲]: ایک بریلوی عقائد کا آدمی، جو کہ دیوبندیوں کو خارج از اسلام سمجھتا ہے، اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا جائز ہے کہ ناجائز؟ اور اس کو قربانی کے حصوں میں شریک کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

علماء دیوبند کو جو شخص خارج از اسلام سمجھتا ہے، نہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ کھایا جائے، نہ اس کو قربانی کے

(۱) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ (المائدہ: ۹۰)

”کل مسکر حرام“۔ (صحیح البخاری، کتاب الأدب: ۲/۹۰۴، قدیمی)

”قال عليه السلام: “کل مسکر خمر، وکل مسکر حرام“۔ (مشکاۃ المصابیح، باب بیان الخمر ووعید شاربہا: ۲/۳۱۷، قدیمی)

”الشراب مایسکر، والمحرم منها أربعة: الخمر..... والطلاء..... والسكر..... ونقیع الذییب“۔ (البحر الرائق، کتاب الأشربة: ۸/۴۲۸، رشیدیہ)

(۲) ”فإن ذبح کل مسلم وکل کتابی حلال، رجلاً کان أو أنثی..... براً کان أو فاجراً“۔ (النتف فی الفتاویٰ، کتاب الذبائح، ص: ۱۲۷، سعید)

”وتحل ذبیحة مسلم وکتابی، ذمی أو حربی ولو امرأة أو صبیاً أو مجنوناً یعقلان“۔ (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الذبائح: ۲/۱۵۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الذبائح: ۸/۳۰۶، رشیدیہ)

حصوں میں شریک کیا جائے، ورنہ خود اس کی قربانی تو خراب و مردار ہو ہی جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۵ھ۔

مجہول الاسلام کا ذبیحہ

سوال [۱۱۱۷۳]: اگر کسی مسلمان شخص کی بکری کوئی آدمی ذبح کرتا ہو، وہ مسلمان اس کو دیکھ لے اور یہ معلوم نہ ہوا کہ وہ ذبح کرنے والا مسلمان تھا یا نہیں یا کہ کسی اور مذہب سے تعلق رکھتا تھا اور وہ ذبح کرتے ہی بھاگ گیا تھا، آیا اس آدمی کا ذبیحہ اس کے لئے کھانا جائز ہے یا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دل گواہی دے، کہ وہ مسلمان تھا اور شریعت کے مطابق ذبح کیا ہے تو کھانا درست ہے (۲) (غیر مسلم عام طور سے ذبح نہیں کرتے ہیں)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۷/۸۵ھ۔

(۱) ”﴿وَأَمَّا شُرَاطُ الذَّكَاءِ فَأَنْوَاعٌ﴾ (ومنها) أن يكون مسلماً أو كتابياً، فلا تؤكل ذبيحة أهل الشرك والمرتد“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الذبائح، الباب الأول فی رکنہ وشرائطہ الخ: ۲۸۵/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الذبائح: ۲۹۶/۶، ۲۹۷، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الذبائح: ۳۰۶/۸، ۳۰۷، رشیدیہ)

(۲) ”الیقین لا یزول بالشک“۔ (القواعد الفقہیہ، الرسالة الثالثہ، ص: ۱۴۳، رقم القاعدة: ۴۲۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

”قوله: یقین لا یزول بالشک، قيل: لا شک مع یقین فکیف یرتفع ما لا وجود له، ويمكن أن یقال، الأصل المتیقن لا ینزلہ شک طارئ علیہ فالأول مثل أن یجد شاة مذبوحہ فی بلد فیہا مسلمون ومجوس فلا تحل، حتی یعلم أنها زکاة مسلم؛ لأنها أصلها حرام، وشککنا فی الزکاة المبیحہ، فلو کان الغالب فیہا المسلمون، جاز الأکل عملاً بالغالب المفید للطہوریۃ“۔ (الأشباه والنظائر:

اہل کتاب کا ذبیحہ

سوال [۱۱۱۷۲]: امریکہ میں حلال گوشت نہیں ملتا، بلکہ مشین کے ذریعہ کاٹا جاتا ہے اور تیار کیا جاتا ہے، میرا گزارہ پھل وغیرہ پر ہے، کافی احتیاط کرتا ہوں بلکہ بھوکا رہ جاتا ہے، امریکہ میں یہودی کافی تعداد میں آباد ہیں، یہ لوگ سُر بھی نہیں کھاتے، ان کے نزدیک ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کے مطابق کچھ پڑھ کر مشین کے اندر دے دیتے ہیں اور وہ مشین جانور کو ذبح کر دیتی ہے، اس حالت میں یہ ذبیحہ کھا سکتا ہوں یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی مجبوری کی حالت میں آپ کے لئے وہاں گنجائش ہے کہ اہل کتاب (یہودی یا نصرانی) کا ذبیحہ استعمال کر لیں (۱)، بشرطیکہ یہ ثابت نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں اور یہ ثابت ہو کہ مشین کو حرکت دینے سے ذبح کی رگیں دھار دار آلہ سے کٹ جاتی ہے، تب جان نکلتی ہے، نیز مشین کو حرکت دیتے وقت وہ اللہ کا نام لیتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم

سوال [۱۱۱۷۵]: اہل کتاب کے ذبیحہ کا کھانا مسلمان کے لئے مغرب ممالک میں جائز ہے، بعض اس کو ناجائز سمجھتے ہیں، اس لئے کہ یہ اپنے ادیان صحیحہ پر نہیں ہیں، لیکن یہ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے

(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ لغير الله فمن اضطر غير باغ ولا عاد فلا إثم عليه إن الله غفور رحيم﴾ (البقرة: ۱۷۳)

”الضرورات تبيح المحظورات“، (شرح المجلة لخالل الأتاسي، رقم المادة: ۲۱: ۵۵/۱، رشیدیہ)

(و کذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الخامسة، ص: ۸۷، إدارة القرآن کراچی)

(۲) اس بارے میں فتاویٰ محمودیہ جلد ۱، کتاب الذبائح، عنوان: مشین اور یہودی کا ذبیحہ، کے تحت مفصل بحث کی گئی ہے، ملاحظہ

فرمائیں: فتاویٰ محمودیہ، باب الذبائح، عنوان: مشین اور یہودی کا ذبیحہ: ۲۳۲/۱۷، ۲۳۳، ادارہ الفاروق کراچی)

زمانہ میں بھی ادیان صحیح پر نہیں تھے اور اس وقت اس کے ذبیحہ کو جائز قرار دیا گیا تھا۔ بعض اس لئے ناجائز کہتے ہیں کہ ان کے ذبح کرنے کا طریقہ وہ نہیں جو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا، لیکن قرآن میں اس کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ بعض اس لئے ناجائز سمجھتے ہیں کہ آج کل یہ لوگ اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ اس سے خون نہیں بہنے دیتے، اس لئے یہ مخلوق یا موقوفہ ہے، نہ کہ ذبیحہ۔

یورپ اور امریکہ میں بے شمار مسلمان ایسے ہیں، جو گوشت کھانے سے پرہیز کرتے ہیں، ناجائز سمجھ کر یا احتیاط کے طور پر، لیکن اکثریت ان لوگوں کی ہے، جو ان علماء کے فتوؤں پر عمل کر کے کھاتے ہیں، جو اسے حلال سمجھتے ہیں اور اس کو رخصت کا درجہ دیتے ہیں، بعض وہ ہے، جو یہود کا ذبح کیا ہوا گوشت کھاتے ہیں، اس لئے کہ وہ اب تک اپنے پرانے طریقے پر ذبح کر رہے ہیں، لیکن ان کا گوشت ویسے بھی مہنگا ہوتا ہے اور کبھی تو ایسے قصائی ہوتے ہیں کہ جب وہ جان لیتے ہیں کہ یہ مسلمان ہے، تو اسے اور مہنگا دیتے ہیں۔

یہ خلاصہ ہے اس استفتاء کا جو جنیوا و سوئزر لینڈ کے اسلامک سینٹر سے شائع ہونے والے رسالے ”اسلون“ میں عربی میں چھپا ہے، جلد نمبر ۸، عدد ۹، ۱۰، جلد و عدد ۱ تا ۳، اس کے جواب میں کئی حضرات نے تفصیلات لکھی ہیں، ان کا تلخیص، درج ذیل ہے:

۱- الأستاذ الشيخ عبد الله القليل مفتی الأردن:

انہوں نے جائز قرار دیا ہے، دلائل یہ ہیں:

اہل کتاب سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو ادیان صحیح پر تھے، اس لئے کہ نزول آیت

﴿وَأَطِيعُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (۱) کے وقت کوئی بھی اہل کتاب میں سے

اپنے دین صحیح پر نہیں تھا، تو پھر یہ آیت کیوں نازل ہوئی اور اگر مراد یہ لیا جائے کہ وہ جو دین صحیح

پر ہوں تو وہ تو مسلمان ہو جائیں گے، اس لئے کہ اس کا دین صحیح تو یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور اسی آیت میں ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا﴾

الکتاب (۲) ہے اور اس کے متعلق علماء کا متفقہ فتویٰ ہے، کہ ان کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

(۱) (المائدة: ۵)

(۲) (المائدة: ۳)

اب اس طرح چونکہ آیت میں طعام مطلق ہے، اس لئے خاص قسم کے ذبح کی قید لگانی بھی درست نہیں، اس لئے جو بھی ان کا طعام ہے، وہ جائز ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کو علم تھا کہ ایک زمانہ میں ان کے ذبح کا طریقہ بدل جائے گا، اگر خاص ذبح مراد ہوتا، تو اس کی تصریح ہوتی (خلاصہ اسلون سوم صفر ۱۳۸۴ھ، جولائی ص: ۹۶۲ تا ۸۹۶۷)۔

۲- الشیخ أبی بکر محمو غمو قاضی القضاة نائجریا:

جائز قرار دیتے ہیں۔ دلائل:

۱- اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے چند چیزیں حرام قرار دیں۔

﴿حرمت علیکم المتیة..... فإن الله غفور رحیم﴾ (۱)۔ ﴿الیوم

أحل لکم الطیبات وطعام الذین أوتوا الكتاب حل لکم﴾ (۲)

پہلی آیت کی رو سے چند اقسام کا گوشت ہم پر حرام کیا گیا، اس کی حرمت کو نظر انداز کرنا بلا ضرورت جائز نہیں ہے۔

دوسری آیت میں ہمارے لئے طیبات کو حلال قرار دیا گیا ہے اور اس پر ﴿وطعام الذین أوتوا الكتاب﴾ (۳) حکم کو عطف کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کا طعام یوں تو طیبات میں سے نہیں، لیکن آسانی پیدا کرنے کے لئے اسے ہمارے لئے حلال قرار دیا گیا، اس لئے ضروری نہیں ہے کہ توہمات کی وجہ سے ہم اس کی تحقیق و تفتیش کریں اور اللہ کی دی ہوئی آسانی میں اپنے لئے مشکلات پیدا کریں۔

۲- یہ قرآن کے معجزات میں سے ہے کہ اس نے مسلمانوں کے آئندہ مشکلات کو سامنے رکھا ہے، اس وجہ سے جہاں کفار سے ہمیں متنبہ کیا ہے، وہاں ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات اور ان کے طعام کو ہمارے لئے جائز قرار دیا گیا ہے، مسلمان مجبور ہوں گے، اس

(۱) (المائدة: ۳)

(۲) (المائدة: ۵)

(۳) (المائدة: ۵)

لئے طعام کو دونوں جانب سے حلال قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَطَعَامَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَّ لَكُمْ وَطَعَامَكُمْ حَلَّ لَهُمْ﴾ (۱) لیکن عورتوں کا سفر کرنا ضروری نہیں تھا، اس لئے اس کے نکاح کو کافر شوہر کے ساتھ ناجائز قرار دیا ہے۔
آخر میں وہ کہتے ہیں:

”ونملي الجملة فقد ظهر منها تقدم أن طعام أهل الكتاب أحل للمسلمين للضرورة التي منهم في عدم تناوله، توسيعاً ورحمةً بهم من الله الكريم؛ لأنه من الطيبات، ولأنه يوافق الشريعة في الإسلام حجة الخ“.

۳- الأستاذ الشيخ محمد جواد العقيلي رئيس المجلس العلمي وعميد كلية الشريعة بجامعة القرويين:

ان کی ابتداء یہ ہے کہ:

”أكل المسلم كان في ديار الغرب أو غيرها ذبائح أهل الكتاب الموجودين الآن يهوداً كانوا أو نصارى، هو حلال طيب“.

دلائل:

﴿وَطَعَامَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَّ لَكُمْ﴾.

”روى ابن جرير وابن المنذر وابن أبي الحاکم والنحاس والبيهقي في سننه عن ابن عباس في قوله: ﴿وَطَعَامَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَّ لَكُمْ﴾ أي: وأكل النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من الشاة المسمومة التي احلها اليهودية.
آخر میں وہ لکھتے ہیں:

”نعم! ما أكلوه على غير وجه الزكاة كالخنق فإنه لا يحل

للمسلمين أكله إذ هو ميتة المسلمين“.

اور بھی کئی علماء سے دریافت کیا ہے اور یہ سلسلہ ابھی جاری رہے گا، میں آپ کے فتویٰ کی نقل بھی عربی

میں ان کو ان شاء اللہ اور اگر آپ نے اس کا جواب عربی میں ہی دے دیا، تو اس کی نقل، بلکہ اس کی فوٹو کاپی ان کو بھیج دوں گا، جو ان مسلمانوں کی رہنمائی کر دے گا، جو امام ابوحنیفہ کے پیرو ہیں، یہاں ان ممالک میں جانور ذبح کرتے ہیں، عیسائی اگر بجلی کی مشینوں سے بھی گردن کاٹ لیتے ہیں، کبھی سر پر ٹوکا مار کر قتل کر دیتے ہیں، ہر صورت میں خون بہانے کو وہ شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔ بینوا تو جروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(سئل): فی ذبیحة الذمی کتابی هل تحل مطلقاً أم لا؟

(الجواب): تحل ذبیحة الكتابي؛ لأن من شرطها كون الذابح صاحب ملة التوحيد حقيقة كالمسلم، أو دعوى كالكتابي، ولأنه مؤمن بكتاب من كتب الله تعالى، وتحل منا كحته، فصار كالمسلم في ذلك، ولا فرق في الكتابي بين أن يكون ذمياً يهودياً أو نصرانياً، حربياً أو عربياً أو تغلبياً، لإطلاق قوله تعالى: ﴿وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم﴾ والمراد بطعامهم مذكاهم.

قال البخاري رحمه الله تعالى في صحيحه:

”قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: طعامهم ذبائحهم“ (۱).

ولأن مطلق الطعام غير المزكى يحل أي كافر كان بالإجماع، فوجب تخصيصه بالمزكي، وهذا إذا لم يسمع من الكتاب أنه سمي غير الله تعالى كالمسيح، والعزير، وأما لو سمع فلا تحل ذبيحته؛ لقوله تعالى: ﴿وما أهل لغير الله به﴾.

وهو كالمسلم في ذلك. وهل يشترط في اليهودي أن يكون إسرائيلياً، وفي النصراني أن لا يعتقد أن المسيح إله؟ مقتضى إطلاق الهداية وغيرها عدم الاشتراط، وبه أفتى الجدل في الإسرائيلي، وشرط في المستصفي لحل منا كحتهم عدم اعتقاد النصراني ذلك، وكذلك في المبسوط، فإنه قال: ويجب أن لا يأكلوا ذبائح أهل الكتاب إن اعتقدوا أن المسيح إله، وأن عزيراً إله، ولا يتزوجوا نساءهم.

لكن في مبسوط شمس الأئمة:

”وتحل ذبیحة النصرانی مطلقاً سواء قالت ثالث ثلاثة أولاً، ومقتضى

(۱) (كتاب الذبائح والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب وشحومها من أهل الحرب وغيرهم: ۸۲۸/۲، قديمی)

الدلائل وإطلاق الآية الجواز، كما ذكره التمرتاشي في فتاواه، والأولى أن لا يأكل ذبيحتهم ولا يتزوج منهم إلا لضرورة كما حققه الكمال ابن الهمام. والله ولي الإنعام، والحمد لله على دين الإسلام، والصلاة والسلام على محمد سيد الأنام اهـ. (تنقيح الفتاوى الحامدية: ۲/ ۲۳۸) (۱).

وأيضاً صرح بحل ذبيحة أهل الكتاب فقيه الحنفية أبو بكر ابن مسعود الكاساني في بدائع الصنائع: ۵/ ۴۳ (۲).

”ومن اللازم أن يذبح بحيث تقطع عروق الذبح، وهو المرئ، والحلقوم،

(۱) (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الذبائح: ۲/ ۲۳۱، ۲۳۲، حقايقه پشاور)

”(ومنها) أن يكون مسلماً أو كتابياً وتؤكل ذبيحة أهل الكتاب ويستوي فيه أهل الحرب منهم وغيرهم، وكذا يستوي فيه نصارى بني تغلب وغيرهم؛ لأنهم على دين نصارى العرب ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه، ولم يسمع منه شيء أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالى وحده؛ لأنه إذا لم يسمع منه شيئاً يحمل على أنه قد سمي الله تعالى تحسناً للظن به كما بالمسلم، ولو سمع منه ذكر اسم الله تعالى لكنه عني بالله عز وجل المسيح عليه السلام، قالوا: تؤكل إلا إذا نص، فقال: بسم الله الذي، هو ثالث ثلاثة فلا يحل، فأما إذا سمع منه أنه سمي المسيح عليه السلام وحده أو سمي الله سبحانه وسمى المسيح لا تؤكل ذبيحته“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول الخ: ۵/ ۲۸۵، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الذبائح: ۶/ ۲۹۷، سعيد)

(۲) ”وتؤكل ذبيحة أهل الكتاب لقوله تعالى: ﴿وَأَطِيعُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ والكتاب حل لكم“ والمراد منه ذبائحهم؛ إذ لو لم يكن المراد ذلك لم يكن للتخصيص بأهل الكتاب معنى؛ لأن غير الذبائح من أطعمة الكفرة مأكول وكذا يستوي فيه نصارى بني تغلب وغيرهم؛ لأنهم على دين النصارى، إلا أنهم نصارى العرب فيتناولهم عموم الآية الشريفة ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شيء أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالى وحده؛ لأنه إذا لم يسمع منه شيئاً يحمل على أنه قد سمي الله تبارك وتعالى، وجرّد التسمية تحسناً للظن به كما بالمسلم، ولو سمع منه ذكر اسم الله تعالى، لكنه عني بالله عز وجل المسيح عليه السلام، قالوا: تؤكل لأنه أظهر تسمية هي تسمية المسلمين، إلا إذا نص فقال: بسم الله الذي هو ثالث ثلاثة فلا يحل“. (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، ذبائح النصارى: ۳/ ۱۶۳، ۱۶۵، رشيديه)

والود جان. وأما إذا مات الحيوان قبل قطع العروق فلا سبيل إلى حله.

فقط واللہ تعالیٰ اعلم.

حرره العبد محمود عفا اللہ عنہ، الافتاء بدارالعلوم دیوبند.

ذبیحہ یہودی

سوال [۱۱۱۷۶]: لندن میں انگریزی دکانوں پر بغیر ذبح کئے ہوئے گوشت بکتا ہے، میں نے سنا ہے کہ امریکہ اور خصوصاً شکاگو اور نیویارک میں یہودی اپنے طریقہ پر جانور کو ذبح کرتے ہیں اور اسی قسم کے گوشت کو ”کوثر میٹ“ کہتے ہیں، کیا یہ ”کوثر میٹ“ مسلمان کے لئے کھانا جائز ہے یا نہیں؟ میرا تعلق اہل سنت والجماعت سے ہے۔ براہ کرم میرے لئے حکم صادر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر صورت یہ ہے کہ آپ خود مرغ وغیرہ ذبح کر کے پکوالیا کریں، اگر یہ صورت ممکن نہ ہو اور تحقیق ہو جائے، یہودی ذبح کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام نہیں لیتے، تو ان کا ذبیحہ بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

(۱) ”قال الله تبارك وتعالى: ﴿وَأَطِيعُوا الَّذِينَ آمَنُوا لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ حَلالٌ لَهُمْ﴾ قال الزهري: لا بأس بذبيحة نصارى العرب، وإن سمعته سمي لغير الله، فلا تأكل، وإن لم تسمعه، فقد أحله الله، وعلم كفرهم وقال ابن عباس رضي الله تعالى عنه: طعامهم ذبائحهم“ (صحيح البخاري، باب ذبائح أهل الكتاب: ۸۲۸/۲، قديمي)
”ثم إنما تؤكل ذبيحة الكتابي إذا لم يشهد ذبحه ولم يسمع منه شيء، أو شهد وسمع منه تسمية الله تعالى وحده إلا إذا نص فقال: بسم الله الذي هو ثالث ثلاثة فلا يحل. فأما إذا سمع منه أنه سمي المسيح عليه السلام وحده، أو سمي الله سبحانه وسمى المسيح لا تؤكل ذبيحته“ (الفتاوى العالمية، كتاب الذبائح، الباب الأول في ركنه وشرائطه وحكمه وأنواعه: ۲۸۵/۵، رشيدية)
(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الذبائح: ۱۴۹/۴، دار المعرفة بيروت)
(وكذا في الدر المختار، كتاب الذبائح: ۲۹۷/۶، سعيد)

الفصل الثانی فی سنن الذبح وادابہ ومکروہاتہ (ذبح کی سنتیں، آداب اور مکروہات کا بیان)

بائیں ہاتھ سے ذبح کرنا

سوال [۱۱۱۷]: ایک عالم ہیں کہ وہ داہنے ہاتھ میں چھری پکڑ کر ذبح نہیں کر سکتے، بایں ہاتھ سے ذبح کرتے ہیں، کیا ایسا ذبیحہ جائز ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

داہنے ہاتھ سے ذبح کرنا واجب نہیں، صرف بہتر ہے (۱)، لہذا بائیں ہاتھ سے ذبح کیا ہوا بھی حلال ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۳ھ۔

ذبح فوق العقدہ کا حکم

سوال [۱۱۱۸]: بکرنے ایک مرغ کو ذبح کیا اور اس کا حلقوم منہ کی جانب نہ رہا، بلکہ پیچھے ہٹ گیا، تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ مرغ حلال ہے یا مکروہ ہے یا حرام ہے؟ اس کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟ اور حلقوم کے

(۱) ”وعن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت: كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: يحب التيمن ما استطاع في شأنه كله، في طهوره وترجله وتنعله“۔ (صحيح البخاري، كتاب الصلاة، باب التيمن في دخول المسجد وغيره: ۶۱/۱، قديمی)

”لأن عرف الشرع البدأة باليمين“۔ (رد المحتار، كتاب الطهارة، أركان الوضوء أربعة:

۱۱۲/۱، سعيد)

(وصحيح مسلم، كتاب الطهارة، باب النهي عن الاستنجاء باليمين: ۱۳۲/۱، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء، الفصل الأول، ص: ۴۶، قديمی)

آگے کو کٹ جانے، پیچھے کو کٹ جانے کی کیا وجہ ہیں کہ اس کا اعتبار کیا جاتا ہے، نیز ذبح کے شرائط و واجبات بھی تحریر فرمادیں اور مسئلہ کو مدلل تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلقوم، مری اور ودجان اگر کٹ جائیں اور ذابح اہل دین ہو اور عمداً بسم اللہ ترک نہ کریں، تو شرعاً ذبیحہ درست ہوتا ہے (۱)، اگر حلقوم نہ کٹے تو درست نہیں (۲)، اگر ذبیحہ فوق العقدہ یا تحت العقدہ ہو اور مذکورہ رگیں کٹ جائیں، تو ذبح میں کوئی اشکال نہیں (۳)، بعض فقہاء کی رائے ہے کہ کٹ جاتی ہیں، بعض کی رائے ہے کہ نہیں کٹتیں۔ زیلعی کے حاشیہ میں غایۃ التحقيق شرح ہدایہ سے اس کے متعلق بحث منقول ہے (۴)۔

(۱) ”ذکاة (الاختیار ذبح بین الحلق واللہ) (وعروقه الحلقوم) کله (والمرئ) هو مجرى الطعام والشراب (والودجان) مجرى الدم (وشرط كون الذابح مسلماً حلالاً) (وتارک تسمیة عمداً) (فإن ترکھا ناسیاً حل)“۔ (الدر المختار، کتاب الذبائح: ۲۹۴/۲-۲۹۹، سعید)
(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الذبائح: ۱۵۰/۳-۱۵۲، دار المعرفۃ بیروت)
(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الذبائح: ۳۰۶/۸-۳۰۸، رشیدیہ)

(۲) راجع الحاشیة المتقدمة انفاً

(۳) ”فأما فی البقر أسفل الحلق وأعلاه والمقصود تسبیل الدم، والعروق من أسفل الحلق إلى أعلاه، فالمقصود يحصل بالقطع فی أي موضع کان منه، فلهذا حل، وهو معنی قوله علیه الصلاة والسلام: ”الذکاة ما بین اللہ واللحیین“۔ (المبسوط للسرخسی، کتاب الذبائح: ۵/۶، مکتبہ غفرانیہ کوئٹہ)

”وفی فوائد الرستغنی: لو ذبح وبقیت عقدة الحلقوم بما یلی الصدر تؤکل. وکذا إذا بقیت العقدة بما یلی الرأس، والقول بالحرمة قول العوام، وليس بمعتبر؛ لأن الشرط قطع أكثر الأوداج وقد وجد، ألا یرى إلى قوله فی الجامع الصغير، لا بأس بالذبح فی الحلق کله، أسفله وأعلاه وأوسطه“۔ (البرازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الذبائح، الفصل الأول فی مسائلہ: ۳۰۶/۶، رشیدیہ)

(۴) ”قال الإتقانی رحمہ اللہ تعالیٰ: بعد حکایة قول الرستغنی، ویجوز أکلها سواء بقیت العقدة مما یلی الرأس أو مما یلی الصدر، وإنما المعتبر عندنا قطع أكثر الأوداج مانصه: وهذا صحیح؛ لأنه لا اعتبار لكون العقدة فوق أو من تحت، ألا ترى إلى قوله محمد بن الحسن فی الجامع الصغير، لا بأس بالذبح فی الحلق کله أسفل الحلق أو أوسطه أو أعلاه، فإذا ذبح فی الأعلى لا بد أن تبقى العقدة من =

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اختلاف نقل کر کے فیصلہ ارباب بصیرت کی رائے پر چھوڑ دیا ہے کہ اگر وہ کہیں کہ کٹ جاتی ہیں، تو ذبیحہ درست ہے، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

گائے کو ذبح کرنے سے پہلے کھال چیرنا

سوال [۱۱۱۷۹]: اگر ذبح کرتے وقت گائے کے پہلے حلق میں سے چمڑے کو چیر دیا، پھر اندر سے

= تحت، ولم يلتفت إلى العقدة لا في كلام الله ولا في كلام رسوله، بل الزكاة بين اللبنة واللحيتين بالحديث، وقد حصلت لا سيما على مذهب أبي حنيفة رضي الله تعالى عنه، فإنه يكتفي بالثلاث من الأربع، أي: ثلاث كانت، ويجوز ترك الحلقوم أصلاً، وبالطريق الأولى أن يحل الذبيح إذا قطع الحلقوم وبقيت العقدة إلى أسفل الحلقوم. وبلغنا أن واحداً ممن يتسمى فقيهاً في زعم العوام، وقد كان مشتهراً بينهم أمر برمي الذبيح إلى الكلاب حيث بقيت العقدة إلى الصدر، لا إلى ما يلي الرأس، فيأليت شعري! ممن أخذ هذا من كتاب الله ولا أثر له فيه؟ أو من حديث رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ولم يسمع له فيه نبأ؟ أو من إجماع الأمة ولم يقل به أحد من الصحابة والتابعين؟ أو من إمامه الذي هو أبو حنيفة ولم ينقل عنه ذلك أصلاً؟ بل المنقول عنه وعن أصحابه ما ذكرناه أو ارتكب الرجل هواه، فضل وأضل، قال الله: ﴿ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله﴾ واستحى عن الرجوع عن الباطل إلى الحق وهو صريح في مخالفة ما ذهب إليه الشارح الزيلعي رحمه الله تعالى. (حاشية الشلبي على هامش تبين الحقائق للزيلعي، كتاب الذبائح: ۲/۴۵۶، عباس أحمد الباز)

(و کذا فی الباب فی شرح الکتاب، کتاب الصيد والذبائح: ۳/۱۱۷، میر محمد کتب خانہ کراچی)
(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الذبائح، الفصل الأول فی مسائله: ۲/۳۰۶، رشیدیہ)

(۱) ”أقول: والتحرير نلتمام أن يقال: إن كان بالذبح فوق العقدة حصل قطع ثلاثة من العروق، فالحق ما قاله شراح الهداية تبعاً للرسغفني، وإلا فالحق خلافه، إذا لم يوجد شرط الحل باتفاق أهل المذهب، ويظهر ذلك بالمشاهدة أو سؤال أهل الخبرة، فاعتنم هذا المقال ودع عنك الجدال.“ (رد المحتار، كتاب الذبائح: ۲/۲۹۵، سعيد)

ذبح کیا تو یہ ذبیحہ کیسا ہے؟ چونکہ ہمارے ملک ہندوستان میں گائے ممنوع ہے، اس وجہ سے ایسا نہ کیا جائے، تو چمڑا دیکھ کر اور پکڑ کر مقدمہ چل سکتا ہے اور اگر چیر دیا تو پھر زیادہ خطرہ نہیں ہے، نیز اس طریقے سے گائے کو قربانی کے واسطے ذبح کرنا کیسا ہے؟ کیا وہ قربانی قبول ہوگی یا نہیں؟ مفصل جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ذبیحہ درست ہے، مگر یہ فعل مکروہ ہے، اس طریقہ میں جانور کو قدر ضرورت سے زیادہ اپنی غرض سے تکلیف دی جاتی ہے (۱)، جس جانور کے ذبح پر پابندی اور قانونی خطرہ ہے، اس خطرہ کو رکھنا دانش مندی نہیں، قربانی حلال ہو ہی جائے گی۔

شعار وہ احکام ہیں، جن کو علی الاعلان اظہار شوکت کے طور پر کیا جائے، نہ مقدمہ کے ڈر سے چھپ کر غلط طریقہ پر (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”وكره كل تعذيب بلا فائدة، مثل قطع الرأس والسلخ قبل أن تبرد“۔ (رد المحتار، كتاب الذبائح: ۲۹۶/۲، سعید)

”ويكره أن يجر ما يريد ذبحه، وأن يسلخ قبل أن يبرد، ويؤكل في جميع ذلك؛ لأن الكراهة لمعنى زائد، وهو زيادة الألم فلا يوجب الحرمة“۔ (البحر الرائق، كتاب الذبائح: ۳۱۱/۸، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الذبائح، الباب الأول الخ: ۲۸۸/۵، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَالْبَدَن جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ﴾ (الحج: ۳۶)

وقال الله تعالى: ﴿وَمَنْ يَعْظُمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (الحج: ۳۲)

اس بارے میں تفصیلی بحث امداد الاحکام میں موجود ہے، ملاحظہ فرمائیں: (إمداد الأحكام، كتاب الصيد والذبائح

والأضحية، عنوان: گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں اسلامی شعار ہے: ۱۹۱/۴-۱۹۳، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(و كذا في كفايت المفتي، كتاب الأضحية والذبح: ۱۸۸/۸، دارالاشاعت کراچی)

(و كذا في مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی، مکتوبہ: ہشتادویکم، ذبح بقرة در ہندوستان

از أعظم شعار اسلام است، حصہ دوم، دفتر اول: ۱/۵، ۷۶، گارڈن ایسٹ کراچی)

کیا ذبح کرنے سے جانور کو تکلیف ہوتی ہے؟

سوال [۱۱۱۸۰]: ہم ایک جانور کو ذبح کرتے ہیں، پھر اس کو کھاتے ہیں کہ ہمارا مذہب یہ کہتا ہے کہ اس کو کھاؤ، تمہارے لئے جائز ہے، لیکن یہ ایک جانور کو تکلیف دینا کیوں ہے؟ ہمیں امید ہے کہ اطمینان بخش جواب سے نوازیں گے۔

سعید احمد بھٹ ما جری گارڈن سہارنپور

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانور کو بل میں جوتے ہیں، اس کی ناک میں سوراخ کرتے ہیں، اس سے بھی اس کو تکلیف ہوتی ہے، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ بچہ پیدا ہونے سے بھی تو عورت کو تکلیف ہوتی ہے، اس کے اسباب سے بھی پرہیز کرنا چاہیے اور بھی ہزار قسم کی چیزیں زندگی میں پھیلی ہوئی ہیں، جن سے تکلیف ہوتی ہے، ان سب کو بھی ترک کر دینا چاہیے۔ ایک ذبح کر دینے سے ہی کیوں جذبہٴ رحم جوش میں آتا ہے، حالانکہ تحقیق یہ ہے کہ بسم اللہ اللہ اکبر پڑھ کر تیز چھری سے جانور کو ذبح کرنے سے تکلیف بہت کم ہوتی ہے، جھٹکے کرنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۹۴ھ۔



الفصل الثالث في ما يصح ذبحه وما لا يصح (ذبح صحیح اور غیر صحیح کا بیان)

دیوار کے نیچے دب کر مرنے والی بکری کا ذبح کرنا

سوال [۱۱۱۸۱]: اگر بکری پر دیوار گر گئی، بدن دب گیا، صرف پیر نظر آرہے ہیں، اگر اینٹ وغیرہ اٹھائی جائے تو بکری کے مرجانے کا اندیشہ ہے، اگر پیر پر بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا، تو درست ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ بکری ابھی زندہ ہے، تو بسم اللہ پڑھ کر بھالا (۱) مار کر اس کو ذبح کیا جاسکتا ہے، اگر اس کی موت کنویں میں ڈوب کر یا دیوار کے نیچے دب کر واقع ہو، تو اس کے پیر پر مارنے سے وہ حلال نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد عقی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”بھالا: برچھا، نیزہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۴۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”المرتدية، والمنخنقة، والموقوذة، والشاة المريضة، والنطيحة، ومشقوقة البطن إذا ذبحت، ينظر: إن فيها حياة مستقرة، حلت بالذبح بالإجماع، وإن لم تكن الحياة فيها مستقرة، تحل بالذبح، سواء عاش أو لا يعيش عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وهو الصحيح، وعليه الفتوى، كذا في محيط السرخسي. وأما خروج الدم بعد الذبح فيما لا يحل إلا بالذبح، فهل هو من شرائط الحل فلا رواية فيه عن أصحابنا، وذكر في بعض الفتاوى أنه لا بد من أحد الشئينين، إما التحرك وإما خروج الدم، فإن لم يوجد، لا تحل، كذا في البدائع“۔ (الفتاوى العالمگیریة، کتاب الذبائح، الباب الأول الخ: ۲۸۶/۵، رشیدیہ)

(و کذا في الدر المختار، کتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعید)

(و کذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، کتاب الذبائح: ۱۵۸/۴، دارالمعرفة بیروت)

(و کذا في بدائع الصنائع، کتاب الذبائح والصیود، الزکاة الاضطرابیة: ۱۷۳/۴، ۱۷۴، رشیدیہ)

الفصل الرابع في ما يصح أكله من اللحوم وما لا يصح (حلال اور حرام گوشت کا بیان)

چوری شدہ بھیڑ کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنا

سوال [۱۱۱۸۲]: ایک شخص نے ایک بھیڑ چوری کیا اور گھرا لیا، جس شخص نے چوری کی، اس نے اس بھیڑ کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت شخص مذکور نے ”بسم اللہ، اللہ اکبر“ پڑھا، اس پڑھنے سے شخص مذکور کافر ہو جائے گا یا گنہگار، اگر اس نے تکبیر نہیں پڑھی، تو مذبح حلال ہے یا مردار؟

الجواب حامداً ومصلياً:

چوری کی بھیڑ کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنے سے وہ شخص کافر نہیں ہوا (۱)، لیکن ادائے ضمان سے پہلے یا اذن مالک سے پہلے اس کا کھانا ملک غیر ہونے کی وجہ سے جائز نہیں (۲)۔ چوری حرام ہے،

(۱) ”(قوله: لکفره بتسميته على الحرام القطعي) المعتمد أنه لا يكفر بذلك، إلا إذا استحل، ولا يلزم من تسميته على الحرام اعتقاد الحل“۔ (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، کتاب الصيد: ۲۳۳/۴، دار المعرفة بيروت)

”سئل أيضاً عن غصب طعاماً فقال عند أكله ”بسم الله“ لا يكفر، ولو ذكر عند شرب الخمر؟ قال: إن كان على وجه الاستخفاف يكفر، وكذا عند الزنا“۔ (الفتاوى التاتارخانية، کتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يتعلق بالأذکار: ۳۳۹/۵، قدیمی)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، مقدمة، ص: ۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) ”عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ رواه البيهقي في شعب الإيمان“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني، ص: ۲۵۵، قدیمی)

”ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه“۔ (شرح الحموي على الأشباه، کتاب الغصب: =

اس کی وجہ سے سارق مرتکب کبیرہ ہوا (۱)، فعل معصیت پر بسم اللہ پڑھنا جرم ہے، کفر نہیں، حرام قطعی بعینہ کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہے (۲)۔

”وتارة يكون الإتيان بها (أي: بالتسمية) حراماً كما عند الزنا، ووطي الحائض، وشرب الخمر، وأكل المغصوب، أو مسروق قبل الاستحلال، أو أداء الضمان، والصحيح أنه إن استحل ذلك عند فعل المعصية كفر، وإلا لا، وتلزمه التوبة إلا إذا كان على وجه الاستخفاف. فيكفر أيضاً. ومما فرع على القول الضعيف في آخر كتاب الصيد من الدر المختار: أن السارق لو ذبح شاة المسروقة، ووجد لها صاحبها لا تؤكل، لكفر السارق بتسميته على المحرم القطعي بلا تملك، ولا إذن شرعي. واعلم أن المستحل لا يكفر إلا إذا كان المحرم حراماً لعينه، وثبتت حرمة

= ۴۴۴/۲، إدارة القرآن کراچی)

(و كذا في القواعد الكلية الملحقه بمجموعة قواعد الفقه، ص: ۹۶، مير محمد كتب خانہ)
(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لا يزني الزاني وهو مؤمن ولا يسرق السارق وهو مؤمن متفق عليه“. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول: ۱/۱، قديمي)

”تنبيه: عد السرقة هو ما اتفقوا عليه وهو صريح هذه الأحاديث، والظاهر أنه لا فرق في كونها كبيرة بين الموجبة للقطع وعدم الموجبة له“. (الزواج عن اقتراف الكبائر، كتاب الحدود، الكبيرة التاسعة والستون بعد الثلاثمائة، السرقة: ۲/۲۳۷، دار الفكر بيروت)

(و كذا في رد المحتار، كتاب السرقة: ۴/۸۲، سعيد)

(۲) ”والأصل: أن من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره، كمال الغير لا يكفر، وإن كان لعينه، فإن كان دليلاً قطعياً كفر، وإلا فلا“. (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۲، ۸۳، المطبع اليوسفي لکنو)
”من اعتقد الحرام حلالاً، أو على القلب يكفر“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير،

موجبات الكفر الخ: ۲/۲۷۲، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۵/۲۰۶، رشيدية)

بدلیل قطعی، وإلا فلا، صرح به في الدرر عن الفتاوى في آخر كتاب
الحظر، فينبغي أن تؤكل هذه الشاة، ويؤيده قولهم تصح التضحية بشاة
الغصب، لكنه لا يحل له تناول، والانتفاع على المفتي به، وإن ملكها قبل
أداء الضمان، أو رضا مالکها بأدائه، أو إبرائه، أو تضمين القاضي؛ لأن الحل
قضية أخرى غير الملك“ (۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۹۱ھ۔

بذریعہ انجکشن پیدا ہونے والے جانور کو کھانے کا حکم

سوال [۱۱۱۸۳]: نسل کی تبدیلی جانوروں کی بغیر زرمادہ کی صحبت کے اس طریقہ سے کی جائے
کہ زرمادہ تولید اگر انسان نکال کر مادہ کی بچہ دانی میں ڈال دے، اس ڈالنے کا کیا حکم ہے؟ پھر اس بچہ کا کیا حکم
ہے؟ لبن و لحم کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ خلاف فطرت ہے، مگر جب کہ زرمادہ دونوں حلال ہیں، تو ان کے مادہ منویہ سے پیدا شدہ بچہ
حلال ہوگا اور دونوں کا لبن و لحم بھی حلال ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

(۱) (حاشیة الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) ”وفي الخانية وغيرها: لبن المأكول حلال“۔ (رد المحتار، كتاب الأشربة: ۶/۵۶، سعيد)

”واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج، الإباحة..... إنما تثبت الحرمة بعارض نص
مطلق أو خبر مروي، فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة، فهي على الإباحة“۔ (مجمع الأنهر في
شرح ملتقى الأبحر، كتاب الأشربة: ۲/۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”واعلم أن الأصل في الأشياء كلها سوى الفروج الإباحة. قال الله تعالى: ﴿هو الذي خلق لكم
ما في الأرض جميعاً﴾ وقال تعالى: ﴿كلوا مما في الأرض حلالاً طيباً﴾ وإنما تثبت الحرمة بعارض نص =

امر یکن گائے کا حکم

سوال [۱۱۱۸۴]: خچر حرام ہے یا حلال؟ اس کے حرام ہونے کی علت کیا ہے، امر یکن گائے کے لئے مشہور ہے کہ وہ گائے اور خنزیر کے اختلاط سے پیدا ہوتی ہے، تو اس کا کیا حکم ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جانوروں میں بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، یعنی اگر ماں حلال ہو، تو بچہ بھی حلال ہے، اگر ماں حرام ہو، تو بچہ بھی حرام ہے (۱)۔ اگر گدھی کے ساتھ گھوڑا طی کرے، اس سے خچر پیدا ہو، تو وہ ماں کے تابع ہو کر حرام ہوگا (۲)، اگر گائے کے ساتھ گدھا طی کرے، اس سے خچر پیدا ہو، تو وہ ماں کے تابع ہو کر حلال ہوگا (۳)، اب امید ہے کہ امر یکن گائے کا سوال اور اس پر اشکال بھی حل ہو جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۱ھ۔



= مطلق، أو خبر مروي فما لم يوجد شيء من الدلائل المحرمة فهي على الإباحة“۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الأشربة: ۳۲۱/۴، دارالمعرفة بیروت)

(۱) ”والمولود بین الأهل والوحشی یتبع الأم“۔ (الدر المختار، کتاب الأضحیۃ: ۳۲۲/۶، سعید)

”فإن مولوداً من الوحشی والإنسی، فالعبرة للأم، فإن كانت أهلیة تجوز“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریۃ، کتاب الأضحیۃ، الباب الخامس: ۲۹۷/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الأضحیۃ: ۳۲۴/۸، رشیدیہ)

(۲) راجع رقم الحاشیۃ: ۱

(۳) راجع رقم الحاشیۃ: ۱

کتاب الأضحیۃ

باب من یجب علیہ الأضحیۃ ومن لا یجب

(قربانی کے وجوب و عدم وجوب کا بیان)

قرآن وحدیث سے قربانی کا ثبوت

سوال [۱۱۱۸۵]: قربانی کا مسئلہ آج کل عام دلچسپی کا موضوع بنا ہوا ہے، کچھ لوگ سرے سے اس کا انکار کر رہے ہیں، تو کچھ لوگ اسے قرآن مجید سے ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہیں، اس سلسلہ میں خاصا تفریط سے کام لیا جا رہا ہے، عوام اس مسئلہ کی صحیح شرعی حیثیت سے آگاہ نہیں، جہاں تک میرا خیال ہے، قرآن مجید میں قطعیت کے ساتھ یہ حکم ہی نہیں آیا، نہ حج کے دنوں میں مکہ شریف کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ان تمام مسلمانوں کے لئے قربانی کرنا لازم ہے، سورہ الحج ملاحظہ ہو: ﴿ذٰلِكَ وَمِنْ یُعَظَّمُ شَعَائِرَ اللّٰهِ﴾ (۱).....

”قربانی دلوں کی پرہیزگاری میں داخل ہے، ان (چار پایوں میں) ایک قربت خاص تک تم لوگوں کے لئے فائدے ہیں، تم خانہ کعبہ کے پاس جا کر ان کو حلال کرو، ہم نے قربانی قرار دی ہے، تاکہ خدا نے جو ان کو مویشی چوپائے دے رکھے ہیں، قربانی کرنے کے وقت خدا کا نام لیں۔“ قرآن مجید کے اس مطلب کو اگر سامنے رکھا جائے، تو قربانی ان لوگوں پر ہے جو چوپائے پال رکھے ہیں، قرآن کریم کی آیات بتاتی ہیں کہ قربانی خانہ کعبہ کے پاس جا کر کرو، اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص حج کرے اس پر قربانی واجب ہے، غیر حاجیوں پر قربانی واجب نہیں، قرآن میں قربانی کا ذکر حج کے ساتھ آیا ہے۔

..... اب بتائیے کہ کیا قربانی ان لوگوں پر بھی واجب ہے جو مویشی پالتے ہیں۔

۲۔ خانہ کعبہ میں قربانی جائز ہے دوسری جگہ میں نہیں؟

۳۔ اگر قربانی کا روپیہ قومی فلاح و بہبودی اور غریب پروری پر صرف کریں تو کیا خلاف دالش مندی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسائل کے واسطے ماخذ قرآن کریم ہے، یہ تو اصل سرچشمہ ہے اور حدیث سے بھی مسائل ثابت ہوتے ہیں (۱)، قرآن کریم میں حکم ہے کہ جو حکم تم کو رسول دیں، اس کو عمل کے لئے قبول کرو اور جس چیز سے منع کریں، اس سے باز رہو (۲)، نیز قرآن پاک میں ہے کہ ہم نے جس رسول کو بھیجا، اس لئے بھیجا کہ اس کی اطاعت کی جائے (۳)۔

نیز ارشاد ہے، جو رسول کی اطاعت کرتا ہے، اس نے اللہ کی اطاعت کی (۴)، اس واسطے حدیث شریف سے قطع نظر کر لینا اور یہ مطالبہ کرنا کہ ہر چیز قطعیت کے ساتھ قرآن کریم سے ہی ثابت کی جائے، یہ مطالبہ غلط ہے اور نہایت خطرناک ہے (۵)، نمازوں کی رکعات فجر کی دو، ظہر کی چار، عصر کی چار، مغرب کی تین،

(۱) ”اعلم أن أصول الشرع ثلاثة الكتاب، والسنة، وإجماع الأمة بدل من ثلاثة أو بيان له، والمراد من الكتاب بعض الكتاب، وهو مقدار خمس مائة آية؛ لأنه أصل الشرع والباقي قصص ونحوها“۔ (نور الأنوار، ص: ۱۰، ۱۱، مکتبہ رحمانیہ)

”وبعد فإن أصول الفقه أربعة: كتاب الله تعالى، وسنة رسوله، وإجماع الأمة، والقياس“۔

(أصول الشاشي، ص: ۵، مکتبہ الحرم)

(و كذا في كشف الأسرار شرح أصول البزدوي: ۱/ ۳۳، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وما أتكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا﴾ (الحشر: ۷)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وما أرسلنا من رسول إلا ليطاع بإذن الله﴾ (النساء: ۶۴)

(۴) قال الله تعالى: ﴿من يطع الرسول فقد أطاع الله﴾ (النساء: ۸۰)

(۵) ”عن عبيد الله بن أبي رافع، عن أبيه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لا ألفين أحدكم

متكثراً على أريكته يأتيه الأمر مما أمرت به، أو نهيت عنه فيقول: لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه“۔

(سنن ابن ماجه، باب: اتباع سنة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۳، قديمي)

”(ألا): في تكرير كلمة التنبيه توبيخ وتقريع نشأ من غضب عظيم على من ترك السنة والعمل

بالحديث استغناء بالكتاب“۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الإيمان، الفصل الثاني: ۱/ ۴۰، رشيدية)

عشاء کی چار کو قطعیت کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ بلکہ پانچ وقت کی نماز کو بھی کیا قطعیت کے ساتھ قرآن کریم سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟ بیت اللہ کا طواف کیا اس کے سات شوط کو قرآن کریم سے ثابت کیا جاسکتا ہے؟

قرآن کریم کا مطلب وہ ہے جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سمجھا اور اس پر عمل کیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کو سمجھایا اور اس پر عمل کرایا، سورہ کوثر میں مذکور ہے:

﴿فصل لربک﴾ الخ الآية (۱۷).

حضرت حسن اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”صلوة يوم النحر ونحر البدن“ (۲)، یعنی اس جگہ صلوٰۃ سے صلوٰۃ عید الاضحیٰ اور نحر سے قربانی مراد ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

”خرج علينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يوم الأضحى إلى

البقيع، فبدأ فصلى ركعتين، ثم أقبل علينا بوجهه، وقال: إن أول نسكنا في

يومنا هذا أن نبدأ بالصلوة، ثم نرجع فننحر“ (۳) الخ.

= (و جامع الترمذي، كتاب العلم، باب: ما نهى عنه أن يقال عند حديث النبي صلى الله تعالى عليه وسلم،

رقم: ۲۶۶۳: ۳/۴۶۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) (الكوثر: ۲)

(۲) (أحكام القرآن، الكوثر: ۵/۱۱۳، إدارة القرآن كراچی)

”﴿فصل لربک وانحر﴾..... قال ابن عباس وعطاء ومجاهد وعكرمة والحسن: یعنی بذلك

نحر البدن ونحوها“ (تفسیر ابن کثیر، الكوثر: ۴/۵۵۸، سهیل اکیڈمی لاہور)

(و كذا في تفسير الماوردي، الكوثر: ۴/۵۳۱، التراث الإسلامي)

(۳) (صحيح البخاري، كتاب العيدين، باب استقبال الإمام الناس الخ: ۱/۱۳۳، قديمی)

(و كذا في شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، ص: ۳۲۹، سعيد)

(و كذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث البراء بن عازب (رضي الله تعالى عنه): ۴/۳۹۰، دار

إحياء التراث العربي بيروت)

یعنی: ”حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یوم الاضحیٰ میں بقیع کی طرف

تشریف لائے، پس دو رکعت نماز پڑھی، پھر ارشاد فرمایا کہ ہمارے اس دن میں ہمارا پہلا

نسک یہ ہے کہ نماز پڑھیں، پھر لوٹیں اور قربانی کریں۔“

یہ واقعہ حج کا نہیں ہے، بلکہ مدینہ طیبہ کا واقعہ ہے، بقیع مدینہ طیبہ کے قبرستان کا نام ہے، حضرت ابن عمر

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت امام ترمذی نے روایت کی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ میں

دس سال قیام کیا اور قربانی فرمایا کرتے تھے (۱)، پس یہ کہنا کہ بغیر حج کے قربانی کا ثبوت نہیں، غلط ہے (۲)۔

۱..... قربانی ہر صاحب نصاب پر واجب ہے، چاہے مولیٰ پال رکھا ہو یا نہیں (۳)۔

۲..... یہ حکم ہر جگہ کے لئے مسلمانوں کے لئے ہے، مکہ مکرمہ کے ساتھ خاص نہیں (۴)۔

۳..... اس سے قربانی کا واجب ادا نہیں ہوگا، اگرچہ غریبوں کی امداد ہو جائے گی (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امامہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

(۱) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: أقام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بالمدينة عشر

سنين يضحي، هذا حديث حسن“۔ (جامع الترمذي، كتاب الأضاحي، باب: ۱/۲۷۷، سعيد)

(و كذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب في الأضحية: ۵۲۲/۳، رشيدية)

(و كذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عمر بن الخطاب (رضي الله تعالى عنهما)، رقم

الحديث: ۴۹۳۵: ۲/۱۲۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) ”(فتجب) التضحية أي: إراقة الدم..... (على حر مسلم مقيم)..... (موسر) يسار الفطرة“

(الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۱۳-۳۱۵، سعيد)

”قال رحمه الله تعالى: (تجب على حر مسلم مقيم)..... دليل الوجوب قوله صلى الله تعالى

عليه وسلم: ”من وجد سعة ولم يضح فلا يقر بن مصلانا) رواه أحمد وابن ماجه..... وباليصار؛ لأنها لا

تجب إلا على القادر وهو الغني دون الفقير“۔ (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۳۱۸/۸، رشيدية)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول الخ: ۲۹۲/۵، رشيدية)

(۴) راجع رقم الحاشية: ۱۲

(۵) ”وهي في الشرع اسم لحيوان مخصوص بسن مخصوص يذبح بنية القرية في يوم مخصوص عند =

کتنے نوٹ پر قربانی واجب ہے؟

سوال [۱۱۱۸۶]: آج کل ہندی نوٹوں کے اعتبار سے کتنے نوٹوں کی ملکیت پر قربانی کا

وجوب ہوگا؟

ملازم کی تنخواہ پر قربانی کا وجوب

سوال [۱۱۱۸۷]: بعض ملازمین جن کی بڑی تنخواہیں ہوتی ہیں، قربانی کے ایام تنخواہ کی

وصول یا بی پر صاحبِ نصاب ہو جاتے ہیں، لیکن آخر ماہ تک ان کے پاس کچھ نہیں بچتا، اگر یہ لوگ قربانی کر دیں، تو آخر ماہ تنگی اور قرض کی صورت پیش آئے گی، سونے چاندی کے قسم کے بھی صاحبِ نصاب کرنے والی چیزیں ان کے پاس نہیں ہے، ایسے حضرات کے لئے قربانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

..... جب نوٹ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کی مقدار میں ہوں، تو ان کو صاحبِ نصاب

کہا جائے گا اور قربانی لازم ہوگی، بشرطیکہ یہ نصاب حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو، اس نصاب پر سال بھی گزرنا لازم نہیں (۱)۔

= وجود شرائطها وسببها، كذا في التبیین. (وأما ركنها) فذبح مايجوز ذبحه في الأضحية، بنية الأضحية

في أيامها؛ لأن ركن الشيء ما يقوم به ذلك الشيء، والأضحية إنما تقوم بهذا الفعل، فكان ركنها، كذا

في النهاية“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الأول الخ: ۵/ ۲۹۱، رشیدیہ)

”وعند الفقهاء كما في النهاية: اسم لحيوان مخصوص، وهي الشاة فصاعداً من هذا الأنواع

الأربعة، والجذع من الضأن تذبح بنية القرية في يوم مخصوص“ وفي الأضحية اجتمع المعنيان،

فإنه يتصرف بإراقة الدم“. (البحر الرائق، كتاب الأضحية: ۸/ ۳۱۷، رشیدیہ)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/ ۳۱۱، ۳۱۲، سعید)

(۱) ”أما شرائط الوجوب: منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب

الزكاة والموسر في ظاهر الرواية: من له ما تادرهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك، سوى

مسكنه، ومتاع مسكنه. ومر كوبه، وخادمه في حاجته التي لا يستغنى عنها“. (الفتاوى العالمكيرية، =

۲..... اگر گزارہ اس تنخواہ پر ہے اور قربانی کرنے سے مہینہ ختم ہونے تک گزارہ دشوار ہو جائے گا، تو قربانی لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔
الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

قربانی کے جانور کی قیمت زیادہ ہو اور مقدار نصاب کم ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۱۸۸]: غیر مقلد کے ایک اخبار میں یوں لکھا ہوا پایا کہ حنفی مذہب میں قربانی اس پر واجب ہے جو نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو، فرق اتنا ہے کہ زکوٰۃ سال بھر تک صاحبِ نصاب ہونے پر ہے، قربانی کے واسطے نہیں، اگر کوئی شخص ساٹھ ستر روپیوں کا مالک ہے، صاحبِ نصاب ہونے کے باعث اس پر قربانی واجب ہے، لیکن کسی سے اتنے داموں پر قربانی کا جانور ملنا محال ہے، قربانی کرے، تو کل سرمایہ ہاتھ سے جاتا ہے، نہ کرے تو ترک واجب کے گناہ کا مرتکب، اس لئے حدیث میں ہے ”من وجد سعة“ الحدیث اس پر عمل کرنا بہتر نہیں کہ جو قربانی کرنے کی استطاعت رکھتا ہو، مہربانی کر کے مسئلہ کی اہمیت سے مطلع فرمائیں اور ان کے اس حدیث کے پیش کرنے کا کیا جواب ہے؟

= کتاب الأضحیۃ، الباب الأول: ۲۹۲/۵، رشیدیہ

”(تجب)..... (علی کل) حر (مسلم) ولو صغيراً مجنوناً..... (ذی نصاب فاضل عن حاجتہ الأصلیۃ) کدینہ وحوائج عیالہ (وإن لم ینم) کما مر (وبہ) أي: بهذا النصاب (تحرم الصدقة) کما مر، وتجب الأضحیۃ“۔ (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب صدقة الفطر: ۳۵۸/۲-۳۶۰، رشیدیہ)
”(قوله وشرائطها) أي: شرائط وجوبها..... قوله والیسار، ولا العقل، والبلوغ؛ لما فیہا من خلاف کما یأتی، والمعتبر وجود هذه الشرائط آخر الوقت، وإن لم تکن فی أوله کما سیأتی“۔
(ردالمحتار، کتاب الأضحیۃ: ۳۱۲/۲، سعید)

(وکذا فی خلاصۃ الفتاوی، الفصل الثانی، نصاب الأضحیۃ: ۳۰۹/۲، امجد اکیڈمی لاہور)

(۱) راجع الحاشیۃ المتقدمة انفاً

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی ہے، اگر حاجت اصلیہ سے زائد کسی کے پاس قربانی کے ایام میں ہو، تو اس پر قربانی واجب ہے (۱)، ۵۰، ۶۰، ۷۰ روپیہ میں کبڑا (قربانی کے قابل بھینس نہ) آتا ہے، جس میں سات آدمی شریک ہو کر قربانی کر لیتے ہیں، نصاب کی قیمت تو اس سے بہت زیادہ ہے، اتنے میں ہی سات آدمی اپنا واجب ادا کر لیتے ہیں (۲)۔ اور کسی کا سرمایہ ختم نہیں ہوتا ہے، یہی ”من وجد سعة“ الحدیث (۳) کا مصداق ہے، ورنہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو دیکھا ہے کہ ان کے پاس حج کی گنجائش نہیں

(۱) ”أما شرائط الوجوب: منها اليسار وهو ما يتعلق به وجوب صدقة الفطر دون ما يتعلق به وجوب الزكاة... والموسر في ظاهر الرواية: من له مائت درهم، أو عشرون ديناراً، أو شيء يبلغ ذلك، سوى مسكنه، ومتاع مسكنه، ومركوبه، وخادمه في حاجته التي لا يستغنى عنها“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، كتاب الأضحیۃ، الباب الأول: ۲۹۲/۵، رشیدیہ)

(و كذا في خلاصة الفتاوى، الفصل الثاني، نصاب الأضحیۃ: ۳۰۹/۴، امجد اکیڈمی لاہور)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الزكاة، باب صدقة الفطر: ۳۵۸/۲-۳۶۰، سعید)

(۲) ”عن جابر رضي الله تعالى عنه، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: البقرة عن سبعة، والجزور عن سبعة“۔ (مشكاة المصابيح، باب في الأضحیۃ، الفصل الأول: ۱۲۷/۱، قدیمی)

”وأما وجه ذلك من طريق النظر، فإننا قد رأيناهم قد أجمعوا أن البقرة لا تجزئ في الأضحیۃ عن الأكثر من سبعة، وهي من البدن باتفاقهم، فالنظر على ذلك أن تكون الناقة مثلها، لا تجزئ عن أكثر من سبعة اهـ“۔ (شرح معانی الآثار، باب البدنة عن كم تجزئ في الضحايا والهدايا: ۳۳۱/۲، سعید)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في محل إقامة الواجب: ۳۰۱/۶، دار الكتب العلمية بیروت)

(و كذا في إعلاء السنن، باب أن البدنة على سبعة: ۲۰۶/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

(۳) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من وجد سعة فلم يضح، فلا يقربن مصلانا“۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۸۰۷۴: ۲/۶۱۷، دار إحياء التراث العربي بیروت)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الأضاحي، باب الأضاحي واجبة هي أم لا، ص: ۲۲۶، قدیمی)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الأضحیۃ: ۳۱۸/۸، رشیدیہ)

ہوتی، زکوٰۃ، فطرہ، قربانی کی گنجائش نہیں ہوتی، اس لئے کہ نفس کا بخل روکتا ہے۔

لہذا شریعت نے ”من وجد سعة“ الحدیث (۱) کی حد مقرر کر دی ہے اور وہ وہی ہے جس کو احناف نے اختیار کیا ہے، محض گوشت خوری کی نیت سے قربانی کے جانور میں اگر کوئی شریک ہوگا تو اس سے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی خراب ہو جاوے گی (۲)۔ اگر ثواب کی نیت سے شریک ہو اور قیمت بعد میں دے دے تو مضائقہ نہیں ہے، مگر قیمت دینے کی صورت مسئلہ درست نہیں ہے۔

قربانی کے بڑے جانور میں عقیقہ کی نیت سے بھی شرکت درست ہے (۳)، عقیقہ کے دن کی تعیین مستحب ہے، لازم نہیں (۴)، اگر ایام قربانی میں وہ دن آئے، تب بھی گنجائش ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۶/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۶ھ۔

(۱) راجع الحاشیة المتقدمة انفاً

(۲) ”وإن كان شريك الستة نصرانياً ومريد اللحم لم تجز عن واحد منهم“۔ (البحر الرائق، کتاب الأضحية: ۳۲۵/۸، رشیدیہ)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن الخ: ۲۰۴/۵، رشیدیہ)

(۳) ”ولو أرادوا القرية الأضحية أو غيرها من القرب أجزأهم..... وسواء اتفقت جهات القرية أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحية وبعضهم جزاء الصيد..... وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد، ولد له من قبل، كذا ذكر محمد رحمه الله تعالى في نواذر الضحايا“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، الباب الثامن الخ: ۳۰۴/۵، رشیدیہ)

”ولو نوى بعض الشركاء الأضحية، وبعضهم هدي المتعة..... وبعضهم دم العقيقة لولادة ولد، ولد له في عامه ذلك جاز عن الكل في ظاهر الرواية“۔ (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الأضحية، فصل فيما يجوز في الضحايا وما لا يجوز: ۳۵۰/۳، رشیدیہ)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الأضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۶/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(۴) ”عن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: الغلام مرتين بعقيقته، =

دوسرے کی طرف سے بلا اجازت قربانی کرنا

سوال [۱۱۱۸۹]: مشترک کاروبار اور مشترک آمدنی اور مشترک اخراجات کی بناء پر قربانی اور زکوٰۃ واجبہ کی ادائیگی کی یہ شکل ہوتی ہے، حساب جانچ کر مشترک زکوٰۃ ادا کر دیتا ہے، قربانی کی شکل یہ ہوتی ہے، خاندان میں کوئی ایک فرد قربانی کے حصوں کا حساب لگا کر مشترک طور پر قربانی کے لئے بیل بکرے وغیرہ خرید لیتا ہے، جن کے خریدنے میں اہل حصص کی رضامندی ہوتی ہے، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صاحب حصہ سفر میں ہوتے ہیں اور ان کی طرف سے مکان پر اعزاء قربانی کر دیتے ہیں، تو یہ قربانی درست ہوتی ہے یا نہیں؟

بہشتی زیور، حصہ سوم کی اس عبارت کا مطلب ہے کہ اگر کوئی شخص یہاں پر موجود نہیں ہے اور کسی دوسرے شخص نے بغیر اس کے امر کے قربانی کر دی، تو یہ قربانی صحیح نہیں ہوئی اور اگر کسی جانور میں کسی غائب کا حصہ بدون اس کے امر کے تجویز کر دیا، تو ان حصہ داروں کی قربانی بھی صحیح نہیں ہوئی (۱)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب سب کی اجازت اور رضامندی سے ایسا ہوتا ہے تو زکوٰۃ اور قربانی سب درست ہے (۲)، بہشتی

= یدبح عنہ یوم السابع، وبسمی، ویحلق رأسہ۔ قال الإمام الترمذی: والعمل علی هذا عند أهل العلم، يستحبون أن یدبح عن الغلام العقیقة یوم السابع، فإن لم یتہیا یوم السابع فیوم الرابع عشر، فإن لم یتہیا عقیق عنہ إحدى وعشرین۔ (جامع الترمذی، أبواب الأضاحی، باب ماجاء فی العقیقة: ۱/۸۷، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقة: ۱/۱۵، إدارة القرآن کراچی)

(۵) راجع رقم الحاشیة: ۳، ص: ۱۲۹

(۱) (بہشتی زیور، حصہ سوم، قربانی کا بیان، ص: ۲۳۲، ۲۳۵، دارالاشاعت)

(۲) ”ولو ضحی ببدنة عن نفسه وعرسه وأولاده ليس هذا في ظاهر الرأية، وقال الحسن بن زياد في كتاب الأضحیة: إن كان أولاده صغاراً، جاز عنه وعنهم جميعاً في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمه الله تعالى، وإن كانوا كباراً، إن فعل بأمهم جاز عن الكل في قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمه الله تعالى، وإن فعل بغير أمهم أو بغير أمر بعضهم، لا تجوز عنه ولا عنهم في قولهم جميعاً؛ لأن نصيب من لم يأمر صار لحماً، فصار الكل لحماً۔“ (الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الأضحیة، الباب السابع فی التضحية عن الغير وفي التضحية بشاة الغير عن نفسه: ۳۰۲/۵، رشیدیہ)

زیور کی عبارت منقولہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کسی کی طرف سے بغیر اس کے، امر کے قربانی کر دیتا ہے، تو اس کے ذمہ سے واجب ادا نہیں ہوگا اور اگر کسی قربانی میں حصہ اس کی طرف سے دیتا ہے کہ گوشت دے کر پیسے وصول کر دے گا تو یہ درحقیقت اس کی طرف سے قربانی نہیں ہوئی، بلکہ اس کے ساتھ گوشت کی بیع ہوئی، جس سے دوسرے شرکاء کی قربانی بھی خراب ہو جائے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

کسی کے کہنے سے اپنا جانور اس کی طرف سے مفت قربان کرنا

سوال [۱۱۱۹۰]: ایک شخص پردیس میں ہے اور صاحب نصاب ہے، اپنے رشتہ دار کے یہاں خط لکھ دیتا ہے کہ آپ کے یہاں جو بکرا ہے، اس کو میری طرف سے قربانی کر دیں اور رشتہ دار بلا عوض شخص مذکور کی طرف سے قربانی کر دیتا ہے، اب یہ قربانی درست ہے یا نہیں؟ وجہ جواز توازن ہے جو کہ فرائض و واجبات قربانی کے لئے کافی ہے، لیکن اشکال یہ ہے کہ جب رشتہ دار بلا عوض کے دے رہے ہیں، تو ہبہ ہو گیا اور بکرا تو منقولات میں سے ہے اور شی منقولات میں قبضہ شرط ہے، جو یہاں مفقود ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آمر نے مامور کو وکیل بنادیا، اقتضاء وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ شمار ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۲/۱۴۰۰ھ۔

= (و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الشرکۃ، فصل فی الشرکۃ الفاسدۃ:

۵۲۴/۲، دار المعرفۃ بیروت)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الأضحیۃ، فصل فیما یجوز فی

الضحایا وما لا یجوز: ۳/۳۵۰، رشیدیہ)

(۱) راجع الحاشیۃ المتقدمۃ انفاً

(۲) ”یعنی: أن المؤکل صار قابضاً بقبض الوکیل، بدلیل أن هلاکہ فی ید الوکیل کھلاکہ فی ید

المؤکل“۔ (فتح القمیر، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ فی البیع والشراء: ۸/۱۲۳، رشیدیہ) =

کیا حرام مال ملک میں ہوتب بھی قربانی واجب ہوگی؟

سوال [۱۱۱۹]: اگر کسی کی ملک میں ایام نحر میں اتنا مال آجائے کہ جس پر قربانی واجب ہوتی ہے، اگرچہ حرام ہی طریقہ سے ہو تو کیا قربانی اس پر واجب ہوگی؟ کیا وظائف مالیہ میں حرام حلال دونوں کا یکساں حکم ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے طریقہ پر مال آیا ہے کہ ملک ہی ثابت نہیں ہوتی، جیسے سرقہ، تو اس پر قربانی واجب نہیں ہوگی (۱)،
اگر ایسے طریقہ پر آیا ہے کہ ملک ثابت ہوتی ہے، جیسے بیوع فاسدہ، تو قربانی واجب ہو جائے گی۔
”لأن البیع الفاسد یفید الملك وإن کان یجب فسخه اه“ (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= ”لأن المؤکل صار قابضاً بقبض وکیلہ، فكان هلاکہ فی ید الوکیل کھلاکہ فی ید المؤکل“۔
(المبسوط للسرخسی، کتاب الوکالۃ، باب الوکالۃ فی الدم والصلح (الجزء: ۱۹): ۱۰/۱۲۸، حبیبہ کوئٹہ)
”وقال محمد: علی المؤکل؛ لأن قبض الوکیل کقبضه، فوقع القبض أولاً للمؤکل“۔
(ردالمحتار، کتاب الإجارة: ۶/۱۳، سعید)

(۱) ”وفي القنیة: لو كان الحبث نصاباً لا یلزمه الزکاة؛ لأن الكل واجب التصدق علیہ، فلا یفید إيجاب التصدق ببعضه“۔ اهـ۔ (ردالمحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة الغنم: ۲/۲۹۱، سعید)
(وکذا فی البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الزکاة، الثاني فی المصروف: ۴/۸۶، رشیدیہ)
(وکذا فی الفتاویٰ التاتاریخایة، کتاب الزکاة، ما یمنع وجوب الزکاة: ۲/۲۹۸، إدارة القرآن کراچی)
(۲) ”وأيضاً حکم الفاسد، أنه یفید الملك بالقبض“۔ (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۴۹، سعید)

”وحکم الفاسد: لا یفیدہ بمجردہ، بل بالقبض“۔ (البحر الرائق، کتاب البیع، باب البیع الفاسد: ۶/۱۱۳، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب البیوع، الباب الحادی عشر فی أحكام البیع الغیر الجائز: ۳/۱۴۶، ۱۴۷، رشیدیہ)

باب فیما یجوز من الأضحیة وما لا یجوز

(قربانی کے لئے افضل اور جائز اور ناجائز جانور کا بیان)

بکری، ہرن کے جوڑ سے پیدا شدہ بچہ کی قربانی کرنا

سوال [۱۱۱۹۲]: بکری جو کہ ہرن سے جوڑ کھا کر بچہ دے، اس بچہ کی قربانی کرنا جائز ہے کہ نہیں؟
اور وہ بکری کے حکم میں ہوگا یا ہرن کے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جانوروں کے متعلق ایک ضابطہ ”الأشباه والنظائر“ میں لکھا ہے: ”الولد یتبع الأم“ یعنی بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے، جو حکم ماں کا وہی بچہ کا (۱)، اس کا تقاضا یہ ہے کہ جس بچہ کی ماں بکری ہے اور باپ ہرن، اس کی قربانی درست ہوگی۔

مگر ایک دوسرا قاعدہ بھی لکھتے ہیں:

”إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام“ (۲). یعنی: ”جب حرام

(۱) فی شرح الحموی ”وعبارة الهدایة فی الأضحیة والمولود بین الأهل والوحشی یتبع الأم؛ لأن الأصل فی التبعية الأم“. (شرح الحموی علی الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، الفن الأول فی القواعد الكلية: ۱/۳۰۳، إدارة القرآن کراچی)

”والمولود بین الأهل والوحشی یتبع الأم“. (الدر المختار، کتاب الأضحیة: ۲/۳۲۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس الخ: ۵/۲۹۷، رشیدیہ)

(۲) (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، الفن الأول، ص: ۱۲۱، دار الفکر بیروت)

”وقال علیه السلام: ”ما اجتمع الحلال والحرام إلا وقد غلب الحرام علی الحلال“.

(المبسوط للسرخسی، کتاب الصلاة، باب الشہید: ۱/۲۸۲، مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ) =

وحلال مخلوط ہو جائیں، تو حرام کا اثر غالب رہے گا۔

بکری کی قربانی درست، ہرن کی نادرست، ان کے اختلاط کے نتیجہ میں قربانی نادرست ہونی چاہیے۔ قول اول رائج ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۱۳۹۹ھ۔

دیوانہ جانور کی قربانی

سوال [۱۱۱۹۳]: کیا دیوانہ جانور کی قربانی جائز ہے، دیوانہ کے معنی بالکل پاگل کے ہیں، یا کچھ اور بھی معنی آتے ہیں؟ ہمارے یہاں دیوانہ کے معنی بالکل (پاگل) کے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دیوانہ و پاگل قربانی سے مانع نہیں، جب کہ وہ پاگل جانور چرتا ہو، اگر نہ چرتا ہو، تو اس کی قربانی درست نہیں۔

”ویضحی بالجماء والخصی والثولاء أي: المجنونة إذا لم يمنعها من السوم

والرعي، وإن منعها لا تجوز التضحية بها“ (درمختار، شامی نعمانیہ: ۵/۲۰۵) (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۲/۹۴ھ۔

= (و کذا فی الدر المختار، کتاب الطہارۃ، أركان الوضوء أربعة: ۱/۶۷، سعید)

(۱) ”ولو نزا ظبي على شاة، قال عامة المشايخ: يجوز“۔ (حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب

الأضحية: ۶/۸۳، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الأضحية، الباب الخامس الخ: ۵/۲۹۷، رشیدیہ)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۳، سعید)

”وتجوز الثولاء، وهي المجنونة، إلا إذا كان ذلك يمنع الرعي والاعتلاف فلا تجوز“۔

(الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الأضحية، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۵/۲۹۸، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الأضحية: ۸/۲۲۳، رشیدیہ)

کیا انڈے کی بھی قربانی ہوتی ہے؟

سوال [۱۱۱۹۲]: بعض آدمی کہتے ہیں کہ انڈے کی بھی قربانی ہوتی ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ مسائل کی کتابیں بھی تحریر کر دیں، تاکہ ان سے معلومات حاصل کیا کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

انڈے کی قربانی سے واجب ادا نہیں ہوتا اور نہ اس کی قربانی واجب ہوتی ہے (۱)، البتہ اونٹ، بکری، مرغی، انڈا ان چاروں میں جو فرق ہے، بعض اعمال صالحہ کے متعلق اس فرق کو بتلایا گیا ہے، کہ فلاں عمل کا ثواب اونٹ کی قربانی کے برابر ہے اور فلاں کا بکری کی قربانی کے برابر، فلاں کا مرغی کی قربانی کے برابر، فلاں کا انڈے کی قربانی کے برابر (۲) اور جس طرح کے لفظ قربانی اردو میں بولا جاتا ہے کہ کچھ قربانی دینی چاہیے، چند ہی پیسے کی ہوں، اس سے سمجھ لیجئے۔

(۱) ”﴿أما جنسه﴾ فهو أن يكون من الأجناس الثلاثة: الغنم أو الإبل أو البقر، ويدخل في كل جنس نوعه.....“ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الأضحية، الباب الخامس الخ: ۲۹۷/۵، رشیدیہ)

”(و) صح (الثني) فصاعداً من الثلاثة.“ (الدرالمختار). ”(قوله: من الثلاثة) أي: الآتية، وهي الإبل والبقر بنوعيه، والشاة بنوعيه.....“ (قوله: والجاموس) نوع من البقر، وكذا المعز نوع من الغنم بدليل ضمها في الزكاة، بدائع.“ (ردالمحتار، کتاب الأضحية: ۳۲۲/۶، سعید)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الأضحية: ۱۶۴/۴، دارالمعرفة بيروت)

(۲) ”عن ابن شهاب قال: أخبرني أبو عبد الله الأغر، أنه سمع أبا هريرة رضي الله تعالى عنه يقول: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذا كان يوم الجمعة كان على كل باب من أبواب المسجد ملكة يكتبون الأول فالأول..... ومثل المهجر كمثل الذي يهدي بدنة ثم كالذي يهدي بقرة ثم كالذي يهدي الكبش، ثم كالذي يهدي الدجاجة، ثم كالذي يهدي البيضة.“ (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، فصل تكتب الملائكة على أبواب المساجد الخ: ۲۸۲/۱، سعید)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه يبلغ به النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا كان يوم الجمعة..... فالمهجر إلى الصلاة كالمهدي بدنة، ثم الذي يليه كالمهدي بقرة، ثم الذي يليه كالمهدي كبشاً، حتى ذكر الدجاج والبيضة.“ (سنن النسائي، كتاب الجمعة، باب التكبير إلى الجمعة: ۲۰۶/۱، قديمی) =

مسائل کی کتابیں بے شمار ہیں، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، امداد الفتاویٰ، ان دونوں میں بے شمار مسائل ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۵/۱۴۰۰ھ۔



باب مایکون عیبا فی الأضحیة ومالایکون (قربانی میں عیب کا بیان)

جس بکرے کے دانت گھس گئے ہوں، اس کی قربانی کا حکم

سوال [۱۱۱۹۵]: ایک بکر قربانی کے لئے خریدا گیا، لیکن اس کے دانت چرنے کی وجہ سے گھس کر بہت چھوٹے چھوٹے رہ گئے ہیں اور مسوڑوں کے برابر ہو گئے ہیں، منہ کھولنے پر سارے دانت اچھی طرح نظر آتے ہیں، ٹوٹے ہوئے نہیں ہیں، کیا اس بکرے کا شمار ہتماء (۱) میں ہوگا، جب کہ ہتماء میں دانتوں کا جڑ سے اکھڑنا مراد ہے۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ وہ ان دانتوں سے پڑتا اور اپنی روزی حاصل کرتا ہے، تو اس کا حکم ایسے بکرے کی طرح نہیں ہوگا، جس کے دانت اکھڑ گئے ہوں اور چرنے سے معذور ہو گیا ہو، لہذا اس کی قربانی میں کوئی شبہ نہ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”ہتماء: اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دانت نہ ہوں۔“

”الہتماء: هي التي لا أسنان لها من الإبل والبقر والشاة“۔ (مجموعة قواعد الفقه، الرسالة الرابعة، التعريفات الفقهية: ص ۵۵۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) ”وأما الہتماء: وهي التي لا أسنان لها، فإن كانت ترعى وتعتلف، جازت وإلا فلا كذا في البدائع“ وهو الصحيح، كذا في محيط السرخسی“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الأضحیة، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۲۹۸/۵، رشیدیہ)

”ولا يجوز بالہتماء التي لا أسنان لها إن كانت لا تعتلف، وإن كانت تعتلف جاز، وهو الصحيح“۔ (البحر الرائق، کتاب الأضحیة: ۲۲۳/۸، رشیدیہ)
(و كذا في خلاصة الفتاوى، کتاب الأضحیة: ۳۲۰/۳، رشیدیہ)

باب الشریکة فی الاضحیة

(قربانی میں شرکت کا بیان)

ایک گائے کی قربانی میں ساتواں حصہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رکھنا

سوال [۱۱۱۹۶]: اگر کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ایک گائے قربان کرے اور اسی گائے میں اور چھ آدمیوں کے نام شامل کر دے، تو اس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں کچھ گستاخی تو نہیں ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بھی درست ہے (۱)، اس میں گستاخی نہیں، بلکہ توقع ہے کہ حضرت، اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی برکت سے سب قربانی قبول ہو جائے گی، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام امت کی طرف سے قربانی کی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ”عن الحکم عن حنش قال: رأیت علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ، یضحی بکبشین، فقلت له: ما هذا؟ فقال: ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أو صانی أن نضحی عنہ، فأنا أضحی عنہ“۔ (سنن أبی داود، باب الاضحیة عن المیت: ۳۷/۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

”من ضحی عن المیت یصنع کما یصنع فی أضحیة نفسه من التصدق، والأکل والأجر للمیت والملک للذابح“۔ (رد المحتار، کتاب الاضحیة: ۳۲۶/۶، سعید)

(و کذا فی إعلاء السنن، کتاب الاضاحی، باب التضحیة عن المیت: ۲۶۸/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”عن أبی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ: أن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کان إذا أراد أن یضحی، اشترى كبشین عظیمین سمنین أقرنین أملحین موجدین، فذبح أحدهما عن أمته لمن شهد اللہ بالتوحید وشهد له بالبلاغ، وذبح الآخر عن محمد وعن آل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم“۔ (سنن =

حرره العبد محمود غفر له، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۸۹ھ۔



= ابن ماجه، أبواب الأضاحي، باب أضاحي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۲۲۵، قديمي
(وكذا في شرح معاني الآثار للطحاوي رحمه الله تعالى، كتاب الصيد والذبائح والأضاحي، باب الشاة
عن كم تجزئ أن يضحي بها: ۳۳۲/۲، سعيد)
”وقد صح أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ضحى بكبشين أحدهما عن نفسه والآخر
عن من لم يذبح من أمته“. (ردالمحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

باب فی قسمۃ اللحم ومصرفہ وبیعہ

(قربانی کے گوشت کی تقسیم، مصرف اور بیع کا بیان)

قربانی کا گوشت ہندو کو دینا

سوال [۱۱۱۹۷]: قربانی کا گوشت ہندو کو دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس قربانی کا گوشت صدقہ کرنا واجب نہیں، وہ گوشت ہندو کو دینا جائز ہے (۱)، بشرطیکہ کسی معاوضہ میں نہ ہو (۲)، لیکن بہتر یہ ہے کہ دین دار آدمی کو دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”ویہب منها ما شاء للغنی والفقیر والمسلم والذمی“، (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الأضحیۃ، الباب الخامس فی بیان محل إقامة الواجب: ۵/۳۰۰، رشیدیہ)

”وللمضحی أن یهب کل ذلک، أو یتصدق، أو یهدیہ لغنی، أو فقیر مسلم، أو کافر“، (إعلاء السنن، باب بیع جلد الأضحیۃ: ۱۷/۲۵۸، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الأضحیۃ: ۳/۱۶۶، سعید)

(۲) ”ولا یعطی أجر الجزار منها؛ لأنه کبیع“، (الدر المختار، کتاب الأضحیۃ: ۶/۳۲۸، سعید)
”قولہ: لأنه کبیع“ أي: من الجزار بأجرة؛ ولقولہ علیہ السلام لعلي رضي الله تعالى عنه، تصدق بجلالها وخطامها، ولا تعط الجزار شیئاً منها..... والمعنی: أنه لا أضحیۃ له کاملۃ“، (حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الأضحیۃ: ۳/۱۶۶، دارالمعرفۃ بیروت)

”ولا یعطی الجازر بأجرته منها شیئاً..... ولأن ما یدفعہ إلى الجزار أجرۃ عوض عن عملہ وجزارته، ولا تجوز المعاوضۃ بشیء منها“، (إعلاء السنن، کتاب الأضحی، باب التصدق بلحوم الأضاحی وغیرہا: ۱۷/۲۶۷، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الأضحیۃ: ۶/۲۸۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

باب فی مصرف جلد الأضحیۃ

(قربانی کی کھال کے مصرف کا بیان)

چرم قربانی کی قیمت کنواں بنوانے میں استعمال کرنا

سوال [۱۱۱۹۸]: کیا چرم قربانی کی قیمت کسی پبلک کنویں کی تعمیر میں صرف کیا جاسکتا ہے؟ مسلمانوں کے محلہ میں کنواں ہے، جو کہ گرچکا ہے، محلہ کے مسلمان غریب و نادار ہیں، جو چندہ کر کے نہیں بنوا سکتے، پانی کی سخت قلت ہے، اس کنویں کا پانی مسجد میں بھی استعمال ہوتا تھا، ایک صاحب قربانی کے چمڑوں کی قیمت سے کنواں منہدم کر کے بنوانا چاہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

قربانی کرنے والا چمڑا اگر فروخت کر دے تو قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے (۱)، جس غریب کو وہ قیمت دی جائے، اگر وہ مالک ہونے اور قبضہ کرنے کے بعد کنواں بنانے کے لئے دے دے تو تعمیر میں خرچ کرنا درست ہے (۲)؛

(۱) ”فإن بیع اللحم أو الجلد أي: بمستهلك أو بدراهم، تصدق بثمانه“۔ (الدر المختار، کتاب الأضحیۃ: ۳۲۸/۶، سعید)

”فإن بدل اللحم أو الجلد، يتصدق به“۔ (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیۃ: ۱۷۴/۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المنتقى فی شرح الملتقى، کتاب الأضحیۃ: ۱۷۴/۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) ”فإن أراد الحيلة، فالحيلة: أن يتصدق به المتولي على الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذلك“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوقف، الباب الثانی عشر فی الرباط والمقابر: ۴۷۳/۲، رشیدیہ)

”وإنما يصرف إلى الفقراء لا غير، ولو صرف إلى المحتاجين، ثم إنهم أنفقوا في عمارة الرباط =

بدون غریب کو مالک بنائے، براہ راست کنواں بنوانے میں خرچ کرنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔



= جاز، ویكون ذلك حسناً“ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوقف،

فصل في المقابر والرباطات: ۳/۳۱۵، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصروف: ۲/۳۴۵، سعید)

(۱) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۱۴۱

باب المتفرقات

جس چھری سے قربانی کی جائے، کیا اس میں تین سوراخ کا ہونا ضروری ہے؟

سوال [۱۱۱۹۹]: جس چھری میں تین سوراخ نہیں ہیں، اس سے قربانی جائز نہیں، شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات کہ جس چھری میں تین سوراخ نہ ہوں، اس سے قربانی نہیں ہوتی، شرعاً بے اصل ہے، غلط ہے۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خطرہ جان کے وقت قربانی نہ کرنا

سوال [۱۱۲۰۰]: آپ خوب واقف ہیں کہ ہندو قوم کو مسلمانوں کے ذبیحہ کے معاملہ میں

سخت نفرت اور دشمنی ہے اور یہ بہت بڑا اختلافی مسئلہ ہے۔ پس ایسے حالات میں جب کہ شہر کی فضا حد درجہ

مکدروپر آشوب ہے، قربانی (جانور ذبح کرنے) کے بجائے اپنی حیثیت کے مطابق جانور یا نقد یا حصہ کی

قیمت بقدر نقد رقم مساکین، غرباء، مدارس وغیرہ میں دی جاسکتی ہے یا کسی اور قومی فلاح و بہبود کی مد میں

صرف کی جاسکتی ہے یا مقامی طور پر تباہ حال مظلوم مستحق مسلمانوں کو دی جاسکتی ہے، جیسا کہ یہاں کے

حالات کا تقاضا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قربانی کرنے میں جان کی قربانی دینی پڑے، بغیر اس کے قربانی نہ کی جاسکے، تو قربانی ترک کر کے

ایام قربانی کے بعد ہر شخص مقدار واجب کی قیمت مستحقین غرباء کو صدقہ کر دے، خواہ تباہ حال مسلمان ہوں یا دیگر

اقرباء، فقراء طلبہ مستحق ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

خنزیر کے بال سے برش بنانے والے کارخانہ میں ملازم کی تنخواہ سے قربانی کا حکم

سوال [۱۱۲۰۱]: ایک شخص کا ایک لڑکا ہے، جو ایک کارخانہ میں کام کرتا ہے اور اس کارخانہ میں خنزیر کے بالوں کے برش تیار ہوتے ہیں اور اس کو معلوم بھی ہے کہ یہ بال خنزیر کے ہیں اور وہ خود اس کے بالوں کا برش تیار کرتا ہے، اس کے بعد اس نے اپنے گھر کو روپیہ بھیجے، کہ ان روپیوں کا قربانی میں حصہ کریں اور جس جانور میں یہ روپیہ ڈالے، ایسی چھ شریک قربانی میں اور بھی ہیں، ان کو معلوم نہیں کہ اس شخص کی کمائی کیسی ہے اور جس نے جانور خریدا، ان پیسوں کو اور پیسوں میں ملا لیا، اس صورت میں اس شخص کی قربانی ہوئی اور جو چھ شریک تھے ان کی بھی قربانی ہوئی یا نہیں؟ اور اگر کسی کی بھی نہیں ہوئی، تو بتائیں اس قربانی کے جانور کا اب کیا کریں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر کے تمام اعضاء نجس العین ہیں، ان کی بیع جائز نہیں (۲)، لیکن کارخانہ میں ملازمت کرنے سے

(۱) ”المشقة تجلب التيسير“ والأصل فيها قوله تعالى: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ وقوله تعالى: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ قال العلماء: يتخرج على هذه القاعدة جميع رخص الشرع وتخفيفاته، واعلم أن أسباب التخفيف في العبادات وغيرها سبعة الثاني: المرض؛ ورخصه كثيرة: التيمم عند الخوف على نفسه، أو على عضوه، أو من زيادة المرض، أو بطنه، والقعود في صلاة الفرض والتخلف عن الجماعة مع حصول الفضيلة وإباحة محظورات الإحرام مع الفدية، والتداوي بالنجاسات وبالنخمر مع أحد القولين وإباحة النظر للطبيب حتى العورة والسواطين. (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد، القاعدة الرابعة، ص: ۸۴، دار الفكر بيروت)

”ولو تركت التضحية ومضت أيامها، تصدق بها حية ناذر وفقير، وبقيمتها غني، شراها أولاً“.

(الدر المختار، كتاب الأضحية: ۳۰۲/۶، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأضحية: ۱۶۳/۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمية، كتاب الأضحية، الباب السادس الخ: ۳۰۲/۵، رشيدية)

(۲) ”بخلاف الخنزير؛ لأنه نجس العين، إذ الهاء في قوله تعالى: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إليه لقربه“.

جو روپیہ حاصل ہوا اور بذریعہ ڈاک روپیہ بھیجا اور موصول شدہ روپیہ سے جو قربانی کے جانور میں حصہ لیا، اس کی وجہ سے اس کی قربانی ناجائز نہیں ہوئی اور نہ دوسرے شریکوں کی قربانی ناجائز ہوئی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۰ھ۔

قربانی کے جانور سے اتاری ہوئی اون کا حکم

سوال [۱۱۲۰۲]: قربانی کے جانور کی اون جو کہ سال کے دوران مونڈ لی جائے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ درست ہے، جو دل چاہے کریں، ایام نحر میں مونڈی ہو، تو صدقہ کر دیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔



= (الهدایة، کتاب الطہارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء وما لا يجوز به: ۱/۴۱، شرکت علمیہ ملتان)

”وشعر الخنزير، ينتفع به للخرز، أي: لا يجوز بيع شعره، ويجوز الانتفاع به للخرز؛ لأنه نجس

العين (كنز الدقائق) قوله: (وشعر الخنزير) أي: لم يجر بيعه إهانة له، لكونه نجس العين كأصله“.

(البحر الرائق، کتاب البيع، باب البيع الفاسد: ۶/۱۳۲، رشیدیہ)

”وشعر الخنزير لنجاسة عينه، أي: عين الخنزير بجميع أجزائه، فيبطل بيعه“۔ (رد المحتار،

کتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۷۱، سعید)

(۱) ”(وكره جز صوفها قبل الذبح) لينتفع به، فإن جزه تصدق به، ولا يركبها، ولا يحمل عليها شيئاً،

ولا يؤجرها، فإن فعل تصدق بالأجرة. حاوي الفتاوى؛ لأنه التزم إقامة القرية بجميع أجزائها“.

(الدر المختار، کتاب الأضحية: ۶/۳۲۹، سعید)

”إذا أخذ شيئاً من الصوف من طرف من أطراف الأضحية للعلامة في أيام النحر لا يجوز له أن

يطرح ذلك الصوف، ولا أن يهب لأحد، بل يتصدق بذلك الصوف على الفقراء، كذا في فتاوى

قاضي خان“۔ (الفتاوى العالمگیریة، کتاب الأضحية، الباب السادس: ۵/۳۰۱، رشیدیہ)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، کتاب الأضحية: ۳/۱۶۶، ۱۶۷، دار المعرفة بيروت)

کتاب العقیقہ

(عقیقہ کا بیان)

عقیقہ کا دن

سوال [۱۱۲۰۳]: عقیقہ بچہ کی پیدائش کے کتنے روز کے بعد سنت ہے؟ اگر خام گوشت تقسیم کر دیا

جائے، تو عقیقہ ہو جائے گا یا اس کا کھانا پکا کر کھلانا چاہیے اور کون لوگ کھانے میں شریک ہو سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ بچہ کے پیدائش کے ساتویں روز کرنا چاہیے۔

”يستحب لمن ولد له ولد أن يسميه يوم أسبوعه، ويحلق رأسه،

ويتصدق عند الأئمة الثلاثة بزنة شعره فضة، أو ذهباً. ثم يعقّ عند الحلق“

شامی نعمانیہ: ۵/۲۱۳ (۱)۔

اگر ساتویں روز نہ کر سکے، تو چودھویں روز، ورنہ اکیسویں روز (۲)، علیٰ ہذا القیاس پیدائش سے ایک

(۱) (رد المحتار، کتاب الأضحیۃ: ۶/۳۳۶، سعید)

(۲) ”عن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الغلام مرتين بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه. قال الإمام الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم، يستحبون أن يذبح عن الغلام العقيقة يوم السابع، فإن لم يتهياً يوم السابع فيوم الرابع عشر فإن لم يتهياً عرق عنه يوم إحدى وعشرين“۔ (جامع الترمذي، أبواب الأضاحي، باب ماجاء في العقيقة:

۱/۲۷۸، سعید)

(و کذا في إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقيقة: ۱۷/۱۵۱، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، کتاب الذبائح: ۲/۲۳۳، مکتبہ میمنیہ مصر)

روز پہلے، پھر ساتویں ماہ میں، پھر ساتویں سال میں غرضیکہ عدو کی رعایت بہتر ہے۔ کذا فی مالا بدمنہ (۱)۔
اور جو بالغ ہو جائے اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا ہو، تو وہ خود اپنا عقیقہ کرے۔

”ویسن أن یعق عن نفسه من بلغ ولم یعق عنه“ فتاویٰ حامدیہ: ۲۳۳/۴ (۲)۔

خام گوشت تقسیم کرنے سے بھی سنت ادا ہو جاتی ہے اور پکا کر کھلانے سے بھی۔

”سواء فرق لحمًا نيئًا وطبخه بحموضة الخ“۔ شامی نعمانیہ (۳)۔

کھانے میں امیر غریب سب شریک ہو سکتے ہیں۔

”ویأکل، ویطعم، یتصدق“ فتاویٰ حامدیہ (۴)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۵/۱۱/۱۴۰۱ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، ۲۵/ذیقعدہ/۱۴۰۱ھ۔

شادی میں عقیقہ کرنا

سوال [۱۱۲۰۴]: سائل کا بیان ہے کہ یہاں لڑکیوں کی شادی ہے اور میں ان کی شادیوں میں

(۱) ”بعد ولادت، ہفتم روز یا چہار دہم یا بست و یکم و ہمیں حساب یا بعد ہفت ماہ یا ہفت سال عقیقہ باید کرد، العرض رعایت عدو وقت بہتر است“۔ (مالا بدمنہ فارسی، رسالہ احکام عقیقہ، ص: ۱۴۰، قدیمی)

(۲) (تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، کتاب الذبائح: ۲۳۳/۲، إمدادیہ)

”عن الحسن البصري: إذا لم یعق عنک، فعق عن نفسك وإن كنت رجلاً“۔ (إعلاء السنن،

کتاب الذبائح، باب أفضلية ذبح الشاة في العقیقة: ۱۷/۱۲۱، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی فتح الباری، کتاب العقیقة، باب إماتة الأذى عن الصبي في العقیقة: ۵۹۴/۹، دار المعرفة بیروت)

(۳) (رد المحتار، کتاب الأضحیة: ۳۳۶/۶، سعید)

(و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، کتاب الذبائح: ۲۳۳/۲، إمدادیہ کوئٹہ)

(۴) ”ویأکل أهلها من لحمها یتصدقون منها“۔ (موطأ الإمام مالک، کتاب العقیقة، ص: ۴۹۴، ۴۹۵،

قدیمی)

(و کذا فی أوجز المسالك، کتاب العقیقة: ۲۱۲/۴، ۲۱۳، إمدادیہ ملتان)

بچوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ ایک جانور لے کر اس شادی میں شامل کروں اور اپنے عزیزوں اور بارات والوں کو سب ہی کھلا دوں گا، اگر ایسا جائز ہو، تو مطلع فرمائیں۔ میں عقیقہ کے لئے بھینس یا اس کی نسل کا جانور لینا چاہتا ہوں اور عقیقہ میں وہ ایک لڑکی شامل ہے، جس کی بارات آرہی ہے اور تین لڑکے، تین اس طریقے سے کہ ایک جانور میں تین لڑکوں اور ایک لڑکی کا عقیقہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ بوضاحت جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ ایک بھینس یا اس نسل کا جانور جس کی قربانی درست ہو، ذبح کریں اور تین لڑکوں اور لڑکی کے عقیقہ کی نیت اس میں کر لیں اور شادی میں جو مہمان آئیں، ان کو بھی اس کا گوشت کھلا دیں، تو شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۹ھ۔

عقیقہ میں گائے، بھینس کو ذبح کرنا

سوال [۱۱۲۰۵]: ایام قربانی کے علاوہ بچوں کے عقیقہ میں بھینس وغیرہ، نیز صرف ایک بچے کے عقیقہ میں پورے بڑے جانور سے عقیقہ درست ہو جائے گا یا نہیں؟

(۱) ”قد علم أن الشرط قصد القرية من الكل، وشمل ما لو كانت القرية واجبة على الكل أو البعض، اتفقت جهاتها أولاً، كالأضحية وإحصار..... وكذا لو أراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد من قبل..... ولم يذكر الوليمة، وينبغي أن تجوز لها؛ لأنها تقام شكراً لله تعالى على نعمة النكاح“ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأضحية: ۳۲۶/۶، سعيد)

”وكذلك إن أراد بعضهم العقيقة عن ولد..... ولم يذكر ما إذا أراد أحدهم الوليمة، وهي ضيافة التزويج، وينبغي أن يجوز“ (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الأضحية، الباب الثامن: ۳۰۴/۵، رشیدیہ)
(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، فصل في شروط جواز إقامة الواجب: ۳۰۶/۶، دارالكتب العلمية بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۸۵ھ۔

عقیقہ میں لڑکے کا ایک حصہ رکھنا

سوال [۱۱۲۰۶]: زید اپنے بچوں کا عقیقہ کرنا چاہتا ہے، جن میں دو لڑکے اور ایک لڑکی ہے، تو کیا ان بچوں کے لئے ایک بھینس کافی ہو سکتی ہے؟ یا ہر ایک لڑکے کی جانب سے دو، دو حصہ لگانا ضروری ہے اور پھر اس کے عقیقہ نہیں ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک روایت میں لڑکے کی طرف سے ایک بکرے کے عقیقہ کو کافی قرار دیا ہے (۲)، اگرچہ لڑکوں کی

(۱) ”من ولد له غلام، فليعق عنه من الإبل، أو البقر، أو الغنم، دليل على جواز العقیقة ببقرة كاملة أو ببدنة كذلك“۔ (فتح الباری، باب العقیقة: ۵۹۳/۹، دارالمعرفة بیروت)

”عن قتادة عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه أنه كان يعق عن بنیه بالجزور“۔ (تحفة المودود بأحكام المولود، الفصل السادس عشر، ص: ۶۵، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”وفي قوله: ”من ولد له غلام فليعق عنه من الإبل أو البقر أو الغنم“ دليل على جواز العقیقة ببقرة كاملة أو ببدنة كذلك“۔ (إعلاء السنن، باب أفضلیۃ ذبح الشاة فی العقیقة: ۱۷/۱۷۱، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”وروی عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: أنه عقی عن الحسن بن علی بشاة“۔ (جامع الترمذی، باب الأذان فی أذن المولود: ۲۷۸/۱، سعید)

”قوله عقی عن الحسن بن علی بشاة، شیخ عبدالحق در ترجمہ مشکاة گفتہ: ازین حدیث معلوم شد کہ عقیقہ بیک گو سفند ہم می باشد..... وصاحب سفر السعادت گفتہ کہ حدیث شاة واحدة صحیح است، لیکن حدیث ”عن الغلام شاتان“ اقوی وأصح است، زیرا کہ جماعت از صحابہ آنرا روایت کردہ اند“۔ (العرف الشذی علی جامع الترمذی، باب الأذان فی المولود: ۲۷۸/۱، سعید)

”عن علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه قال: عقی رسول الله صلی الله تعالى علیہ وسلم عن =

طرف سے ایک ایک حصہ ہوں اور ایک لڑکی کی طرف سے ہو اور ایک بھینس اس مقصد کے لئے ذبح کر دی جائے، تب بھی اس کا عقیقہ ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۹۷ھ۔

کیا ماں باپ عقیقہ کا کھانا کھا سکتے ہیں؟

سوال [۱۱۲۰۷]: عقیقہ کے کھانے کو ماں باپ کھا سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عقیقہ کے کھانے میں ماں باپ سب شریک ہو سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= الحسن بشاة الخ“۔ (مشکاة المصابیح، باب العقیقہ، ص: ۳۶۲، قدیمی)

(۱) ”ولو ذبح بدنة أو بقرة من سبعة أولاد، أو اشترک فیہا جماعة، جاز، سواء أرادوا کلہم العقیقہ، أو أراد بعضهم العقیقہ، وبعضہم اللحم“۔ (إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضلیة ذبح الشاة فی العقیقہ: ۱۷/۱۹، إدارة القرآن کراچی)

”ولو أرادوا لقربة الأضحیة أو غیرها من القرب، أجزأهم، سواء كانت القربة واجبة أو تطوعاً وسواء اتفقت جهات القربة أو اختلفت، بأن أراد بعضهم الأضحیة، وبعضہم جزاء الصيد، وبعضہم هدی الإحصار وكذلك إن أراد بعضهم العقیقہ عن ولد ولد له من قبل“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الأضحیة، الباب الثامن فیما يتعلق بالشركة فی الضحایا: ۳۰۴/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الأضحیة: ۳۲۶/۶، سعید)

(۲) ”فائدة: فی حدیث عائشة رضي الله تعالى عنها الذي أودعناه فی المتن دلالة علی استحباب أن لا یکسر للعقیقہ عظم، وأنه یستحب الأکل منها، والإطعام، والتصدق کما فی الأضحیة، فما اشتهر علی السنة العوام أن أصول المولود لا یأکلون منها، لا أصل له“۔ (إعلاء السنن، کتاب العقیقہ، باب أفضلیة ذبح شاة فی العقیقہ: ۱۷/۱۸، إدارة القرآن کراچی)

”ویأکل أهلها من لحمها ویصدقون منها“۔ (موطأ الإمام مالک، کتاب العقیقہ، ص: ۴۹۴،

۴۹۵، قدیمی) =

ایضاً

سوال [۱۱۲۰۸]: عقیقہ کے گوشت میں سے بچے کے والدین اور تمام اصول و فروع کھا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ اگر نہیں تو مخالفت کس درجہ کی ہے اور اگر کھا سکتے ہیں تو کیا کسی کراہت کے ساتھ بلا کراہت کے اور رسالہ عقیقہ مصنفہ حضرت مولانا نظام الدین میں صفحہ ۷۱ پر لکھا ہوا ہے:

”اور یہ جو مشہور ہے کہ عقیقہ کا گوشت ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، بیٹا بیٹی، پوتی پوتا، نہ کھائیں، سو مسلمانوں کی رسم ہے۔ ”ما راہ المؤمنون حسناً فهو عند اللہ حسن“ (۱)۔ بلکہ خاتم المحدثین نے حدیث ”کل غلام مرتہن بعقیقته“ (۲) سے نکالا کہ اس حدیث میں ”رہن“ کا لفظ گروی کے معنی میں ہے، فدیہ دینے پر دلالت کرتی ہے، اس واسطے ماں باپ وغیرہ تو اس کی طرف سے فدیہ دینے والے کا ارادہ رکھتے ہیں، جس کا کھانا مکروہ ہے، چنانچہ اس سبب مسلمان کی عادت جاری ہے کہ ماں باپ اس گوشت کو نہیں کھاتے اور فقہاء کے فہم کے بموجب اس حدیث میں اس معنی کی طرف لطیف اشارہ ہے۔“

چنانچہ یہ تقریر ”تحفة المشتاق فی بیان النکاح والصداق“ میں موجود ہے، جس رسالہ کا حوالہ دیا ہے، اس میں یہ مضمون ص: ۱۴، بتغیر معنایہ موجود ہے، لہذا ان تصریحات کی بناء پر کراہت ہوگی یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو ان عبارات کا کیا مطلب ہے؟ اور دیگر فقہاء کرام کی عبارت بھی تحریر فرمائیں اور یہ عبارت اگر حدیث وفقہ کی رو سے صحیح نہ ہو، تو بالتفصیل اس پر رد کریں کیونکہ محدثین کا قاعدہ ہے، کہ جرح مبہم بالخصوص مواقع نزاع میں غیر مسموع ہوتی ہے، اس لئے جس طرح اس میں تفصیل سے کراہت کو ثابت کیا ہے، اسی

= ”قال الموفق: وسبيلها في الأكل والهدية والصدقة سبيل الأضحية، ولكن يأكل أهل البيت

والجيران“۔ (أوجز المسالك، كتاب العقیقۃ: ۲/۲۱۲، ۲۱۳، إمدادیہ ملتان)

(۱) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن مسعود رضي اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحديث: ۲۵۸۹)

۱/۲۲۶، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۲) (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حدیث سمرة بن جندب رضي اللہ تعالیٰ عنہ، رقم الحديث:

۱۹۶۷۶: ۵/۲۳۷، دار إحياء التراث العربی بیروت)

طرح رد کریں یا کہ تائید فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمارے ائمہ ثلاثہ سے اس مسئلہ کے متعلق کوئی صراحت منقول نہیں ہے، عموماً کتب فقہ اس سے خالی ہیں، حدیث شریف میں بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے، جس بنیاد پر مکروہ کہا گیا ہے اس کی حیثیت دلیل شرعی کی نہیں، بلکہ محض نکتہ اور لطیفہ کی ہے، اس سے زائد نہیں۔ ثبوت کراہت کے لئے شرعی دلیل درکار ہے اور اہلہ شرعیہ چار ہیں (۱)۔ رہا مسلمانوں کی عادت کا حال، سو وہ دونوں قسم کی ہے، کسی ایک چیز پر اجماع یا توارث نہیں ہے، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے قریب حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں، وہ فرماتے ہیں:

”وَأَكَلَ أَهْلُهَا مِنْ لَحْمِهَا وَتَصَدَّقُونَ مِنْهَا أَهْلًا“ موطأ مالک، ص:

۱۸۶. العمل في العقیقة (۲)۔

اوجز میں ہے: ”قال الموفق: وسبيلها في الأكل والهدية والصدقة سبيل الأضحية اه“

أوجز المسالك: ۲۲۱/۸ (۳)۔

جب عقیقہ اس باب میں بمنزلہ اضحیہ کے ہے، حالانکہ اضحیہ واجب ہے، اس کا تقاضا تھا کہ پوری اضحیہ کو صدقہ کرنا واجب ہوتا، جس طرح کہ نذر واجب کا حال ہوتا ہے (۴)۔ لیکن صاحب اضحیہ کو خود کھانا شرعاً درست

(۱) ”وبعد فإن أصول الفقه أربعة، كتاب الله تعالى، وسنة رسوله، وإجماع الأمة، والقياس“۔ (أصول الشاشي، ص: ۶، مكتبة الحرم)

(و كذا في نور الأنوار، ص: ۱۰، ۱۱، مكتبة رحمانيه)

(و كذا في كشف الأسرار شرح أصول البزدوي: ۳۳/۱-۳۵، قديمي)

(۲) (موطأ الإمام مالک، كتاب العقیقة، ص: ۴۹۴، ۴۹۵، قديمي)

”وأنه يستحب الأكل منها والإطعام والتصدق كما في الأضحية. فما اشتهر على السنة العوام أن أصول المولود لا يأكلون منها، لا أصل له“۔ (إعلاء السنن، باب أفضلية ذبح شاة في العقیقة:

۱۸/۱۷، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (أوجز المسالك، كتاب العقیقة: ۲۱۲/۳، ۲۱۳، إمدادیہ ملتان)

(۴) ”والنذر لله عز وجل، وذكر الشيخ: إنما هو بيان لمحل صرف النذر لمستحقه إذ مصرف =

ہے (۱)، تو پھر عقیقہ تو واجب ہی نہیں، اس کے کھانے میں بظاہر کوئی اشکال نہیں کا تقاضا یہ تھا کہ عقیقہ واجب ہوتا، مگر وہ واجب نہیں تو پھر گروی قرار دے کر کھانے کی ممانعت محض درجہ لطائف میں ہے، درجہ مسائل میں نہیں۔

عقیقہ ساتویں روز کیا جاتا ہے، ترمذی کی روایت میں اکیسویں روز تک کا بھی ثبوت ملتا ہے (۲)۔ پھر سوال میں یہ دریافت کرنا کہ عقیقہ کا گوشت ہی سے بچہ کے والدین اور تمام اصول و فروع کھا سکتے ہیں یا کہ نہیں؟ بہت غور طلب ہے، غالباً اصول کے ساتھ فروع کو طرداً ذکر کر دیا گیا، ورنہ سات روز کے بچہ کے فروع کہاں سے پیدا ہو جائیں گے!!! یا ممکن ہے کہ سوال اس صورت میں ہو، جب کہ بچہ صاحب اولاد ہو کر خود اپنا عقیقہ اپنے بچے کے ساتھ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۸۶ھ۔



= النذر الفقراء، وقد وجد، ولا يجوز أن يصرف ذلك إلى غني غير محتاج إليه“۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب ما یلزم الوفاء بہ، ص: ۶۹۳، قدیمی)
(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصوم، باب فی النذر: ۵۲۱/۲، رشیدیہ)
(و کذا فی الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصروف: ۳۳۹/۲، سعید)
(۱) ”و یأکل من لحم أضحیته، و یطعم من شاء من غنی و فقیر“۔ (مجمع الأنهر، کتاب الأضحیۃ: ۱۷۳/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

”و یتحب أن يأکل من أضحیته و یطعم منها غیرہ..... و لو تصدق بالکل، جاز، و لو حبس کل لنفسه، جاز“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الأضحیۃ، الباب الخامس الخ: ۳۰۰/۵، رشیدیہ)
(و کذا فی رد المحتار، کتاب الأضحیۃ: ۳۲۸/۶، سعید)

(۲) ”عن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الغلام مرتين بعقيقته، يذبح عنه يوم السابع، ويسمى، ويحلق رأسه. قال الإمام الترمذي: والعمل على هذا عند أهل العلم، يستحبون أن يذبح عن الغلام العقیقہ يوم السابع، فإن لم يتهياً يوم السابع فيوم الرابع عشر، فإن لم يتهياً عن عنه يوم إحدى وعشرين“۔ (جامع الترمذی، أبواب الأضاحی، باب ما جاء فی العقیقہ: ۲۷۸/۱، سعید)

(و کذا فی إعلاء السنن، کتاب الذبائح، باب أفضل ذبح الشاة فی العقیقہ: ۱۱۵/۱، إدارة القرآن کراچی)
(و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، کتاب الذبائح: ۲۳۳/۲، مکتبہ میمنیہ مصر)

کتاب الحظر والإباحة

باب الأكل والشرب

الفصل الأول في الأكل مع الكفار

(کفار کے ساتھ کھانا کھانے کا بیان)

غیر مسلم کے ساتھ کھانا پینا

سوال [۱۱۲۰۹]: میرے کمرے میں تین اشخاص ہیں، جس میں میں اکیلا مسلم ہوں اور دونوں ساتھی غیر مسلم ہیں، جس میں سے ایک ہریجن چمار (سیوڈل کاسٹ) ہے، دوسرا بیک وارڈ ہے، میری طبیعت ان کے ساتھ کھانا کھانے وغیرہ کی بالکل نہیں کرتی اور میں اپنا سب کچھ الگ کرتا ہوں، مگر پھر بھی وہ میرے برتن وغیرہ استعمال کرتے رہتے ہیں، اس بارے میں کیا کروں، کیا مسئلہ ہے، الگ رہنے کا بھی کوئی انتظام نہیں ہے۔

۲..... اگر میں کہیں کام وغیرہ سے ڈاک پتھر وغیرہ جاتا ہوں یا کوئی دعوت دیتا ہے اور S.C کا آدمی ہے تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ بس اس کشمکش میں بہت رہتا ہوں اس لئے آپ سے یہ مشورہ اور مسئلہ معلوم کر رہا ہوں اگر غیر مسلم مہمان آجائے تو کیا کیا جائے؟

۳..... کھانا بنانے والا اگر غیر مسلم ہو، تو کیا کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۳، ۲۱..... کوئی شخص اپنی ذات اور پیشہ کے اعتبار سے چمار ہو یا کچھ اور، جب وہ نجاست میں سے

ملوث نہیں، بدن اور کپڑے صاف ہیں، ہاتھ دھو کر کھانا پکاتا ہے یا کھاتا ہے اور اس کھانے میں کوئی حرام چیز نہیں ہے، تو اس کو نجس نہیں کہا جائے گا (۱)۔ وہ اگر برتن استعمال کرتا ہے پھر آپ دھو لیتے ہیں، یا وہی دھو کر دے دیتا ہے تو وہ برتن بھی قابل استعمال ہے، مجبوراً کبھی موقع ہو جائے تو کھانا بھی ساتھ کھا سکتے ہیں، بس اس کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کوئی نجس و حرام چیز کھانے پینے کی نوبت نہ آئے، علیحدہ رہنے کے لئے آپ کی طبیعت خود ہی فکر مند ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۱۳۹۹ھ۔



(۱) ”والأظهر أن يكون المراد الذبائح خاصة؛ لأن سائر طعامهم من الخبز والزيت، وسائر الأدهان لا يختلف حكمها بمن يتولاه، ولا شبهة في ذلك على أحد، سواء كان المتولي لصنعه واتخاذ مجوسياً أو كتابياً، ولا خلاف فيه بين المسلمين“. (أحكام القرآن للجصاص، المائدة، مطلب في أكله عليه الصلاة والسلام من الشاة التي أهدتها إليه اليهودية: ۲/۲۵۶، قديمی)

”ونجاسة الشرك في اعتقاده لا في ظاهره“۔ (الهداية، كتاب أدب القاضي: ۳/۱۲۵، مكتبہ

شركت علمية ملتان)

(و كذا في رد المحتار، كتاب القضاء: ۵/۳۷۲، سعيد)

الفصل الثاني في سنن الأكل وادابه (کھانے کی سنتوں اور آداب کا بیان)

انڈا توڑتے ہوئے کیا پڑھے؟

سوال [۱۱۲۱۰]: انڈا کھانے کے وقت پھوڑتے ہوئے دعایا کچھ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بسم اللہ پڑھ کر کھالیا جائے (۱)، اس کا کھانا جائز ہے۔

حرره العبد محمود غفر له۔

کچی پیاز کھانے میں ملا کر کھانا

سوال [۱۱۲۱۱]: ہمارے یہاں پیاز چٹنی میں ملا کر کھایا کرتے ہیں، کیا اس طرح سے کچی پیاز

چٹنی میں ملا کر کھانا درست ہے یا پکا کر ہی کھانا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح کھانا بھی حرام نہیں (۲)، لیکن یہ کہ اس سے صفائی ضروری ہے، مسجد میں اسی حالت میں جانا

(۱) "سنة الأكل المسلمة أوله والحمد لله آخره". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة:

۳۳۰/۶، سعید)

(و کذا في الفتاوى العالمية، كتاب الكراهية، الباب الحادي عشر في الكراهية في الأكل: ۳۳۷/۵، رشیدیہ)

(و کذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳/۱۷۰، دار المعرفة بیروت)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا

أتى بطعام، أكل منه وبعث بفضلة إلي، وإنه بعث إلي يوماً بفضلة لم يأكل منها؛ لأن فيها ثوماً فسأله

أحرام هو؟ قال: "لا، ولكني أكرهه من أجل ريحه". (صحيح مسلم، كتاب الأطعمة، باب إباحة أكل =

کہ پیاز وغیرہ کی بدبو ساتھ ہو منع ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۹۲ھ۔

عقیقہ کا کھانا چماروں کے ہاتھوں سے کھلوانا

سوال [۱۱۲۱۲]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں ایک مسلمان نے عقیقہ میں

= الثوم، ص: ۹۱۶، دارالسلام

”فأفاد هذا الحديث أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يجتنب الثوم من أجل كراهته الطبيعية، ومن أجل أنه عليه الصلاة والسلام كان يكره أن يناجي ربه، أو يخاطب ملائكته وفي فمه رائحة ثوم أو بصل“. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأطعمة، باب إباحة أكل الثوم: ۲۳/۴، مكتبة دارالعلوم دیوبند) ”اختلف العلماء في أكل البصل والثوم وماله رائحة كريهة من سائر البقول. فذهب جمهور العلماء إلى إباحة ذلك للأحاديث الثابتة في ذلك، وذهبت طائفة من أهل الظاهر -القائلين بوجوب الصلاة في الجماعة فرضاً- إلى المنع، وقالوا: ما منع من إتيان الفرض والقيام به فحرام عمله والتشاغل به، واحتجوا بأن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم سماها خبيثة، والله عز وجل قد وصف بنبيه عليه الصلاة والسلام بأنه يحرم الخبائث. ومن الحجج للجمهور ما ثبت عن جابر رضي الله تعالى عنه أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أتى ببدر فيه خضروات من البقول فوجد لها ريحها قال: ”كل فإنني أناجي من لا تناجي“. (أحكام القرآن للقرطبي: ۳۹۴/۱، ۳۹۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) ”عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الأنس“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۲۸، قديمی)

”(قوله: وأكل نحو ثوم) أي: البصل ونحوه مما له رائحة كريهة، للحديث الصحيح في النهي عن قربان أكل الثوم والبصل المسجد، قال الإمام العيني في شرحه على صحيح البخاري: قلت: علة النهي أذى الملائكة وأذى المسلمين ولا يختص بمسجده عليه الصلاة والسلام بل الكل سواء لرواية مساجدنا بالجمع“. (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في الغرض في المسجد: ۲۲۱/۱، سعيد)

”ويجب أن تصان عن إدخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام ”من أكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه بنو آدم“. (الحلي الكبير، كتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۲۱۰، سهيل اكيڈمی لاہور)

کھانا پکوا یا اور وہ کھانا مسلمانوں کو چماروں کے ہاتھوں سے کھلوا یا، اس کا پتہ بعد میں چلا یعنی یہ بعد میں معلوم ہوا کہ چماروں کے ہاتھوں سے کھانا کھلوا یا گیا ہے۔

۲..... ایک چمار نے اپنے یہاں کھانا تیار کیا ہے اور اسے چند مسلمانوں نے کھایا، اس میں سے کچھ نے شراب بھی پی، تو اس بارے میں ایمان کے مسئلے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... ہمارے اطراف میں عام طور پر چمار پاکیزہ خیال نہیں رکھتے، بلکہ ناپاکی میں ملوث رہتے ہیں (۱)، ان سے مسلمانوں کو دعوت میں کھانا کھلانے کا کام نہ لیا جانا چاہیے، اس سے طبائع سلیمہ میں کراہت معلوم ہوتی ہے، تاہم اگر ان کے ہاتھ پاک صاف کرا کے پوری احتیاط سے یہ کام لیا گیا ہے، تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ کھانا ناپاک ہو گیا اور کھانے والوں نے ناپاک کھانا کھایا ہے، آئندہ ایسا نہ کیا جائے (۲)۔

۲..... چمار کے گھر کا پکا ہوا کھانا اگر گوشت تھا، تو اس کی اجازت نہیں (۳) اور کچھ اور تھابت بھی

(۱) "الجمهور على أن المعنى إنما المشركون ذو نجس؛ لأن النجس بفتحين عين النجاسة، ولأنهم لا يتطهرون، ولا يغتسلون، ولا يجتنبون النجاسات، فهي ملاسة لهم". (التفسيرات الأحمدية، التوبة، ص: ۴۵۵، حقانیہ)

(و کذا فی روح المعانی، التوبة: ۱/۳۷۵، رشیدیہ)

(و کذا فی تفسیر المدارک، التوبة: ۱/۴۹۲، قدیمی)

(۲) "ونجاسة المشرک فی اعتقاده لا فی ظاهره". (الهدایة، کتاب أدب القاضي: ۳/۱۳۵، مکتبہ شرکت علمیہ)

"وأما كون المشرک يدخله للقضاء وهو نجس فلا يمنع؛ لأن نجاسته نجاسة الاعتقاد على معنى التشبيه". (البحر الرائق، کتاب القضاء، فصل فی التقليد: ۶/۴۶۷، رشیدیہ)

"وأما نجاسة المشرک ففي الاعتقاد على معنى التشبيه". (رد المحتار، کتاب أدب القاضي، مطلب فی العمل بالسجلات: ۵/۳۷۲، سعید)

(۳) "لا بأس بطعام المجوس إلا ذبیحتهم وفي الأكل معهم". (خلاصة الفتاوی، کتاب الکراهیة، الفصل الثالث: ۴/۳۴۶، رشیدیہ)

ناپاکی کا گمان غالب ہے، شراب تو بہر حال نجس اور حرام ہے، حرام اور نجس چیز کھانے سے سخت گناہ ہوتا ہے (۱) اور ایمان بہت کمزور ہو جاتا ہے، تاہم اس کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہا جائے گا (۲)، ہاں! توبہ واستغفار اور آئندہ کو پورا پرہیز لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۹۱ھ۔

کیا وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا چاہیے

سوال [۱۱۲۱۳]: وضو سے بچا ہوا پانی اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کو کھڑے ہو کر پینا چاہیے، کیا یہ مستحب ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آب زمزم ہو جاتا ہے، کیا یہ خیال صحیح ہے یا باطل؟
الجواب حامداً ومصلیاً وباللہ التوفیق:

وضو کا بچا ہوا پانی آب زمزم تو نہیں بن جاتا، البتہ جس طرح زمزم شریف کو کھڑے ہو کر پیتے ہیں اور

= ”لا يأكلون من أطعمة الكفار ثلاثة أشياء: اللحم والشحم والمرق“۔ (النتف في الفتاوى، كتاب الجهاد، ما لا يؤكل من أطعمة الكفار، ص: ۴۳۵، حقانیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة: ۳۴۷/۵، رشیدیہ)
(۱) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رَجَسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلَحُونَ﴾ (المائدة: ۹۰)

”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله ﷺ في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحولة إليها، وساقها، وبائعها، وأكل ثمنها، والمشتري لها، والمشتري لها“۔ رواه الترمذي وابن ماجه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۵۱۶/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(و أبوداود، كتاب الأشربة، باب العصور للخمر: ۱۶۲/۲، مكتبة رحمانیہ)

(۲) ”الكبيرة لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان ولا تدخله الكفر“۔ (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۳، سعيد)

(و كذا في شرح الفقه الأكبر للملا علي القاري، ص: ۷۱، ۷۲، قديمی)

(و كذا في شرح العقيدة الطحاوية للميداني، ص: ۱۰۶، زمزم)

اس کو بھی کھڑے ہو کر پی لیں تو مناسب ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۷/۲/۱۳۸۹ھ۔

ننگے سر کھانا اور کھانا کھانے کی حالت میں سلام کرنا

سوال [۱۱۲۱۲]: کیا ٹوپی اوڑھ کر کھانا کھانے کا تذکرہ حدیث میں آیا ہے، نیز کھانے کے وقت

سلام کرنا یا جواب دینا کیسا ہے؟ کیا اس کی بھی ممانعت ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ولا بأس بالأكل مكشوف الرأس، وهو المختار“ کذا في

الخلاصة: ۳۳۷/۵. (فتاویٰ عالمگیری: ۲/۱۰۵) (۲).

(۱) ”ومن الآداب أن يشرب فضل وضوئه أو بعضه قائماً أو قاعداً ويكره الشرب قائماً إلا هذا أي: شرب فضل الوضوء وشرب ماء زمزم“۔ (الحلبی الكبير، مطلب نہی عن الشرب قائماً، ص: ۲۶، سہیل اکیڈمی لاہور)

”وأن يشرب بعده من فضل وضوءه - كماء زمزم - مستقبل القبلة قائماً أو قاعداً. أفاد أنه مخير في هذين الموضعين، وأنه لا كراهة فيهما في الشرب قائماً بخلاف غيرهما، وأن المندوب هنا هو الشرب من فضل الوضوء لا بقيد كونه قائماً“۔ (رد المحتار، آداب الوضوء، ۱/۱۲۹، سعید)

”ومن الأدب أن يشرب فضل وضوئه أو بعضه مستقبل القبلة إن شاء قائماً وإن شاء قاعداً، وذكر الإمام خواهر زاده رحمه الله تعالى: أنه يشرب ذلك الماء قائماً وقال: لا يشرب الماء قائماً إلا في موضعين أحدهما هذا والثاني عند زمزم“۔ (الفتاویٰ التاتارخانیہ، نوع منه في بيان سنن الوضوء وآدابه: ۱/۸۳، ۸۴، قدیمی)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر فی کراہیۃ فی الأكل: ۵/۳۳۷، رشیدیہ)

”لا بأس بالأكل متكئاً أو مكشوف الرأس، هو المختار“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الکراہیۃ،

الفصل الخامس فی الأكل: ۳/۳۵۹، رشیدیہ)

”ولا بأس بالأكل متكئاً أو مكشوف الرأس في المختار“۔ (رد المحتار، کتاب الحظر =

اس سے معلوم ہوا کہ کھانا کھاتے وقت ٹوپی لازم نہیں، بغیر اس کے مضائقہ نہیں، لیکن اگر کسی جگہ کفار یا فساق کا شعار ہو کہ وہ ننگے سر کھاتے ہوں تو تشبہ سے بچنا لازم ہے (۱)۔

”مر علی قوم یا کلون إن کان محتاجاً، وعرف أنهم يدعونه سلم،

وإلا فلا، کذا فی الوحیز للکردری“ (مراجعة عالمگیری تا: ۵/۳۲۵) (۲)۔

= والإباحة: ۶/۳۴۰، سعید

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ (ال عمران: ۱۰۵)

وقال الله تعالى: ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الجاثية: ۱۸)

”وأهواءهم هي ما يهوونهم، وما عليه المشركون من هديهم الظاهر“ (اقتضاء الصراط

المستقيم، ص: ۲۷، نزار مصطفى الباز مکه)

”عن قيس بن أبي حازم قال: دخل أبو بكر رضي الله تعالى عنه على امرأة من أحمرس يقال لها: زينب

بنت المهاجر، فرأها لا تكلم، فقال: ما لها لا تكلم؟ قالوا: حجت مصمتة، قال لها: تكلمي، فإن هذا لا يحل هذا

من عمل الجاهلية“ (صحيح البخاري، كتاب مناقب الأنصار، باب أيام الجاهلية، ص: ۶۴۳، دار السلام)

”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من تشبه

بقوم فهو منهم“ (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

”من شبه نفسه بالكفار مثلاً: في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف

الصلحاء والأبرار ”فهو منهم“ أي: في الإثم والخير“ (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس: ۸/۱۵۵، رشيدية)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في السلام: ۵/۳۲۵، رشيدية)

في الدر:

وتعلم منه أنه ليس يمنع

”ودع اكلاً إلا إذا كنت جائعاً

وفي الرد:

يكره السلام على العاجز عن الجواب

وفي حظر المجتبي

ولو سلم لا يستحق الجواب

حقيقة كالمشغول بالأكل

(رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۶۱۷، سعید)

”إذا مر بقوم يأكلون إن كان محتاجاً، ويعرف أنهم يدعونه يسلم وإلا فلا“ (خلاصة الفتاوى،

كتاب الكراهية، نوع منه في السلام: ۴/۳۳۳، رشيدية)

جب کوئی شخص کھانا کھا رہا ہو، تو جانے والا اس کو سلام نہ کرے الا یہ کہ بھوکا ہو، کھانے کا خواہش مند ہو اور اندازہ ہو کہ وہ اسے کھانے کے لئے بلا لیں، ایسے شخص کے سلام کا جواب لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۸۹ھ۔
الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔

بازار جانا اور دکان پر بضرورت بیٹھنا، چلتے پھرتے کھانے کا حکم

سوال [۱۱۲۱۵]: بازار میں جانا، اپنے مسلمان دوست کی دکان پر بیٹھ کر وقت گزارنا کیا ناجائز ہے؟ اور کیا شارع عام پر فالتو کھانے پینے کے بارے میں بھی تحریر فرمائیں، کیا حکم ہے، علماء، حفاظ کے لئے بھی کوئی حکم اس بارے میں ہو، تو تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی عالم اہل فتویٰ اس لئے جائے کہ کسی کی دکان پر بیٹھ کر دکان دار اور خریدار کے معاملات دیکھے اور غور کرے کہ یہ معاملات حد شرعی کے اندر ہیں، یا خارج اور معاملات میں عرف کیا ہے، تا کہ شرعی احکام میں بصیرت ہو، تو شرعاً درست ہے (۱)۔ محض وقت گزاری اور تفریح کے لئے نہیں بیٹھنا چاہیے، بازاروں کو مقاعد الشیاطین فرمایا گیا ہے (۲)۔

(۱) ”ومن لم یکن عالماً بأهل زمانه فهو جاهل“۔ (الدر المختار، کتاب الصلاة، باب الوتر والنوافل: ۳۷/۲، سعید)

”فلا بد للمفتي والقاضي، بل والمجتهد من معرفة أحوال الناس وقد قالوا: ”ومن جهل بأهل زمانه فهو جاهل..... وفي البحر عن مناقب الإمام محمد الكردي: كان محمد يذهب إلى الصباغين ويسأل عن معاملتهم، وما يديرونها فيما بينهم.....“ (فقد) ظهر لك أن جمود المفتي أو القاضي على ظاهر المنقول مع ترك العرف والقرائن الواضحة، والجهل بأحوال الناس يلزم منه تضييع حقوق كثيرة، وظلم خلق كثيرين“۔ (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۹۸ میر محمد کتب خانہ کراچی)

(و کذا في رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب في قضاء العدو على عدوه: ۳۸/۸، دار المعرفۃ بیروت)

(۲) اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام جگہوں میں مبعوض ترین جگہیں بازار ہیں، لہذا بازاروں میں جانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ تاہم =

اہل علم اور فتویٰ کے لئے زیادہ غیر موزوں ہے، کوئی شخص اگر اپنی دکان پر ایسے طریقہ پر کھانا کھاتا ہے کہ سڑک کی طرف رخ ہو اور عام لوگوں کی نظر نہ پڑے، اس کے ساتھ کبھی کوئی مہمان بھی آجائے اور کھانے میں شریک ہو جائے، تو مضائقہ نہیں، شارع عام پر بیٹھ کر یا چلتے پھرتے کھانا خلاف مروت ہے، اس سے پورا اجتناب کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۲/۹۸ھ۔



= ایسا کوئی حوالہ نہیں ملا، جس میں بازاروں کو مقاعد الشیاطین کہا گیا ہو، البتہ (فتح الباری، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل الجماعة: ۱۷۲/۲، قدیمی) میں بازار کو موضع الشیاطین کہنا مذکور ہے۔

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أحب البلاد إلى الله تعالى مساجدها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها“۔ (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل الجلوس في مصلاه بعد الصبح وفضل المساجد: ۲۳۵/۱، قدیمی)

”وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أحب البلاد إلى الله مساجدها وأبغض البلاد إلى الله أسواقها، رواه مسلم“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، ص: ۶۸، قدیمی)

(و کذا في مرقاة المفاتيح، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة: ۴۰۰/۲، رشیدیہ)
(۱) ”و کرہ الأكل والشرب في الطريق والأكل قائماً وماشياً“۔ (رد المحتار، کتاب الطهارة، مطلب في مباحث الشرب قائماً: ۱۳۰/۱، قدیمی)

”عن أنس أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: نهى أن يشرب الرجل قائماً فقليل: الأكل؟ فقال: ذاك أشد، هذا حديث حسن صحيح“۔ (جامع الترمذی، أبواب الأشربة، باب ماجاء في النهي عن الشرب: ۱۰/۲، قدیمی)

”الأكل على الطريق مكروه“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الحادی عشر في الکراہیۃ في الأكل الخ: ۳۳۷، رشیدیہ)

باب الضیافات والہدایا

الفصل الأول في ثبوت الدعوة وقبوله

(دعوت کے ثبوت اور قبول کرنے کا بیان)

دعوت میں کھانا اجازت سے شروع کیا جائے

سوال [۱۱۲۱۶]: چند آدمی کھانا کھانے بیٹھے تو سب کے ساتھ شروع اور سب کا ایک ساتھ اٹھنا ضروری ہے یا نہیں؟ یا جس کے سامنے آئے، وہ بلا انتظار وغیرہ کھائے اور بعد کھانے کے بلا انتظار اٹھ کر چلا جائے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کسی نے مدعو کیا ہے، تو اس کی اجازت سے شروع کرنا چاہیے، ورنہ انتظام میں خلل پڑتا ہے اور اس کو پریشانی ہوتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔
الجواب صحیح: محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کام سیکھنے کے لئے دوست احباب کے اصرار پر مٹھائی کھلانا

سوال [۱۱۲۱۷]: زید درزی کا کام سیکھنا چاہتا ہے، ماسٹر کہتا ہے کہ مٹھائی کھلاؤ، کام سیکھنے کے لئے کچھ مٹھائی یا خوردونوش عندالشرع کھلانا جائز ہے یا نہیں؟ یا دوست احباب بعض مرتبہ کہتے ہیں کہ مٹھائی کھلاؤ،

(۱) "من ادا اب الضیف أن يطیع المضيف، فإذا خالف فقد ترک الأدب". (تحفة الأحوذی، أبواب

الصوم عن رسول الله، باب ماجاء فیمن نزل بقوم فلا یصوم: ۵۸۱/۳، قدیمی)

(و کذا فی الأذکار للسنووی، کتاب الأذکار، الأکل والشرب، باب استحباب قول صاحب الطعام

لضيفانه عند تقديم الطعام کلوا، أو ما فی معنام، ص: ۳۳۶، دار ابن کثیر)

اب وہ بے چارہ قرض کر کے کھلاتا ہے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس ماسٹر کو کام سیکھانے کے لئے استاد بنایا جاتا ہے، اس کو خوش کرنے کے لئے مٹھائی کھانا کچھ اور ہدیہ دینا شرعاً درست ہے، کوئی حرج نہیں، جن دوستوں سے بے تکلفی کا تعلق ہوتا ہے، اگر وہ اصرار بھی کریں تو رنجیدہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ خوشی سے ان کو کھلا دینا چاہیے، البتہ کھانے والے کو چاہیے کہ یہ حدیث ذہن میں رکھے اور اس پر عمل کرے۔

”لا یحل مال امرء مسلم الا بطیب نفسه“ (۱)۔

یعنی بغیر خوش دلی کے کسی مسلمان کا مال کھانا حلال نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۱۴۰۰ھ۔

گانے، باجہ والی تقریب سے کھانا گھر پر منگوا کر کھانا

سوال [۱۱۲۱۸]: اگر مسلمان کے یہاں شادی لڑکائی لڑکی کی اور اس کے یہاں شادی میں باجہ وغیرہ ہو یا لاؤڈ اسپیکر بج رہا ہو وغیرہ اور وہ دعوت کھانے کی کرے، تو کیا اس کے یہاں سے کھانا منگا کر اپنے گھر میں کھانا درست ہے یا نہیں؟

(۱) (مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الثانی: ۲۵۵/۱، قدیمی)

”یأیہا الذین امنوا لاتأکلوا أموالکم بینکم بالباطل“ ﴿﴾ قد انتظم هذا العموم النهی عن أكل مال الغير بالباطل، وأكل نفسه بالباطل، وذلك لأن قوله تعالى: ﴿أموالکم﴾ يقع على مال الغير بالباطل وأكل نفسه بالباطل، وذلك الغير قد قيل: فيه وجهان: أحدهما: ما قال السدي: وهو أن يأكل بالربا، والقمار، والنجس، والظلم. وقال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما والحسن: أن يأكله بغير عوض اللهم إلا أن يكون المراد الأكل عنده بغير إذنه“۔ (أحكام القرآن للجصاص، باب التجارات وخيار البيع: ۲۴۳/۲، قدیمی)

(و كذا في السنن الكبرى للبيهقي، باب شعب الإيمان، رقم الحديث: ۵۴۹۲: ۳۸۷/۲، دار الكتب العملية بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں ایسا کرنے سے ناجائز مجلس میں شرکت سے تو حفاظت ہو جائے گی، مگر مقتدی کو اپنے مکان پر بھی نہیں منگنا چاہیے، اس میں اصلاح کی توقع ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۹/۳/۹۲ھ۔

باجہ والی شادی میں کھانا کھانا

سوال [۱۱۲۱۹]: جس شادی میں باجہ بجاتا ہے، وہاں جا کر دعوت کھانا کیسا ہے؟ اگر کھانے سے

پہلے باجہ بند کر دیا جائے، تو کیسا ہے؟ کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شادی میں پہلے سے علم ہو کہ اس میں لہو ولعب باجہ وغیرہ ہے، تو اس شادی میں شرکت کرنا دعوت

کھانا جائز نہیں، اگر پہلے سے علم نہ ہو اور وہاں پہنچ کر معلوم ہو اور کھانے کے وقت باجہ وغیرہ نہ ہو، تو عوام کے

(۱) "عن سفینة: أن رجلاً ضاف علي بن أبي طالب، فصنع له طعاماً، فقالت فاطمة: لو دعونا رسول الله

صلى الله تعالى عليه وسلم فأكل معنا، فدعوه، فجاء، فوضع يديه على عضادتي الباب، فرأى القرام قد

ضرب في ناحية البيت، فرجع. قالت فاطمة: فتبعته، فقلت: يا رسول الله! ما ردك؟ قال: "إنه ليس لي أو

لنبي أن يدخل بيتاً مزوقاً" رواه أحمد وابن ماجه. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب الوليمة،

الفصل الثاني، رقم الحديث: ۳۲۲۱: ۵۹۱/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالى: "وفيه تصريح بأنه لا يجاب دعوة فيما منكر"

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب الولیمة: ۳۷۴/۶، رشیدیہ)

"هذا إذا لم يكن مقتدى فإن كان ولم يقدر على منعهم يخرج ولا يقعد؛ لأن في ذلك شين

الدين، وفتح باب المعصية على المسلمين". (الهداية، كتاب الكراهية: ۲/۵۵، شرکت علمیہ ملتان)

"ومن دعي إلى وليمة فوجد ثمة لعباً أو غناء وهذا إذا لم يكن مقتدى به، أما إذا كان ولم

يقدر على منعهم فإنه يخرج ولا يقعد". (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في

الهدایا: ۳۴۲/۵، رشیدیہ)

لئے گنجائش ہے، مقتدا کو بالکل شرکت نہیں کرنی چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جہاں عزت کا خطرہ ہو وہاں کھانے کے لئے جانا

سوال [۱۱۲۲۰]: ایک موقع پر برادری کے لوگ اکٹھے ہوئے اور کھانا وغیرہ سامنے رکھا گیا اور ایک شخص جو چودھری تھا، اس نے کہا، محفل سے ”چور ڈھور“ نکل جائے، بلکہ بعض آدمی کو تو کھانا چھین کر نکال دیا، ”چور ڈھور“ اسے کہتے ہیں جو ایک پارٹی سے نکل کر دوسری پارٹی میں چلا جائے، پھر اس شخص سے سو، پچیس روپیہ لے کر پارٹی میں لیتے ہیں، لہذا ایسی محفل میں کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص کو عزت کا خطرہ ہو، وہ نہ جائے، جو اس کھانے کا مستحق نہ ہو، وہ نہ جائے (۲)، ایک دو آدمی کی وجہ سے سب سے کھانے کو منع نہیں کیا جائے گا، اس طرح ذلیل کرنا اور ہاتھ سے کھانا لے کر اس کو نکال دینا

(۱) ”من دعی إلی ولیمۃ فوجد ثمة لعباً أو غناء فلا بأس أن یقعد، ویأکل فإن قدر علی المنع، یمنعہم، وإن لم یقدر یصبر، وهذا إذا لم یکن مقتدی بہ، أما إذا کان، ولم یقدر علی منعہم فإنه ینخرج ولا یقعد، ولو کان ذلک علی المائدة لا ینبغی أن یقعد، وإن لم یکن مقتدا بہ، وهذا کله بعد الحضور، وأما إذا علم قبل الحضور فلا یحضر؛ لأنه لا یلزم حق الدعوة“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الحظر والإباحۃ، الباب الثانی عشر فی الہدایا والضيافات: ۳۴۳/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۳۴۷/۶، ۳۴۸، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۱۷۵/۲، ۱۷۶، دارالمعرفۃ بیروت)

(۲) ”ومن الأعداء المستقطۃ للوجوب، أو الندب أن یكون فی الطعام شبهة، أو یخص بہا الأغنیاء، أو هناك من یتأذى بحضورہ، أو لا تلحق بہ مجالستہ، أو یدعی لدفع شرہ.....“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب الولیۃ: ۳۷۱/۶، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم، باب الأمر بإجابة الداعی الخ: ۴۶۲/۱، قدیمی)

(و کذا فی فتح الباری، کتاب النکاح، باب حق إجابة الولیمۃ والدعوة: ۳۰۱/۹، قدیمی)

نہایت غلط اور کمینہ حرکت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۹/۹۷ھ۔

قرض کی ادائیگی نہ کرنے والے کی دعوت میں شرکت کا حکم

سوال [۱۱۲۲۱]: ایک شخص نے ایک شخص کا روپیہ مار رکھا تھا، بہت تقاضا کیا، لیکن نہیں دیا، جب روپیہ والے نے یہ سمجھا کہ یہ زبردست آدمی ہے اور روپیہ نہیں دیتا، تو اس کو مجبوراً یہ کہنا پڑا کہ بھائی آمد نہیں ہوتا ہے تو اللہ کے واسطے معاف کرالے، لیکن یہ کہنا بھی ایک مجبوری سے تھا، روپیہ بھی اس شخص کی شادی میں دیا تھا۔ روپیہ والے نے مجبوراً دینی لفظوں میں معاف کر دیا، کیونکہ روپیہ وصول ہونے سے ناامید تھا اور ایک دوسرے کا روپیہ بھی ہضم کر رکھا ہے بے ایمانی سے۔ اور وہ شخص اپنے لڑکے کا عقیقہ کرتا ہے، اس لئے ایسے شخص کے یہاں عقیقہ کی دعوت کھانا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ اس پر اپنا روپیہ مجبوری میں وصول نہ ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا، اس لئے ایسے شخص کا عقیقہ کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس کے یہاں جن شخصوں کا روپیہ اس پر چاہتا ہے ان شخصوں کا اس کے یہاں کھانا جائز ہے یا ناجائز؟ اس بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ ناامید ہو کر معاف کر دیا، وہ معاف ہو گیا (۲)، اب اس کا تذکرہ کرنا یا اس کی وجہ سے دل میں

(۱) ”وقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”بحسب امرئ من الشر أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام: دمه وماله وعرضه“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الأدب، باب البر والصلة، باب الشفقة والرحمة الخ: ۲/۴۲۲، قدیمی)

(وصحيح مسلم، کتاب البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم المسلم وخذله الخ: ۲/۳۱۷، سعید)

(وجامع الترمذي، کتاب البر والصلة، باب ماجاء في شفقة المسلم على المسلم: ۲/۱۴، سعید)

(۲) ”واما خاصة بدين خاص كأبرأته من دين كذا، أو عام كأبرأته من مالي عليه، فيبرأ عن كل دين“۔

(ردالمحتار، کتاب الإقرار، فصل في مسائل شتى: ۵/۶۲۳، سعید)

(وكذا في مجمع الأنهر، کتاب الصلح: ۳/۴۳۵، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، کتاب الإقرار، فصل في مسائل شتى: ۳/۳۴۷،

دارالمعرفة بيروت)

خلش رکھنا اپنے عمل کو ناقص کرنا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا تذکرہ اور خلش کا وبال معاف کرنے کے اجر سے بڑھ جائے اور ترازو میں ادھر کا پلہ جھک جائے، جس کا روپیہ اس نے دبا رکھا ہے، اگر اس روپیہ کی وجہ سے وہ دعوت کرتا ہے، تو اس میں وہ شخص شرکت نہ کرے کہ یہ سود کے حکم میں ہے (۱)، لیکن عقیقہ کے موقع پر عامۃً یہ خیال میں ہوتا ہے، جس کے ذمہ دوسروں کا قرض ہو، اس کو چاہیے کہ پہلے تنگی اور ترشی برداشت کر کے جلد از جلد قرض ادا کرنے کی فکر کرے (۲)، عقیقہ اس کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

دوسروں کا روپیہ ذمہ میں باقی رہتے ہوئے بے پروائی برت کر عقیقہ میں روپیہ خرچ کرنا اور شاندار طریقہ پر دعوت کرنا عقل و دانش کے بھی خلاف ہے اور شرعاً بھی مذموم و قبیح ہے (۳)۔ حقوق العباد کا معاملہ سخت ہے، اس کے باوجود وہ شخص اگر حلال آمدنی سے کھانا کھلائے، تو وہ کھانا حرام و نجس نہیں ہوگا (۴)۔ اگر اس نے

(۱) ”کل قرض جر منفعة فهو ربا“۔ (فیض القدير: ۳۲۸/۹، نزار مصطفى الباز مكة)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، فصل في القرض: ۱۶۶/۵، سعيد)

(و كذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب المداينات، ص: ۳۱۶، دار الفكر بيروت)

(۲) ”عن محمد بن عبد الله بن جحش رضي الله تعالى عنه قال: كنا جلوساً بنفاء المسجد حيث يوضع الجنائز ورسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم جالس بين ظهرينا، فرفع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بصره قبل السماء، فنظر، ثم طأ طأ بصره، ووضع يده على جبهته، قال: ”سبحان الله! سبحان الله! ماذا نزل من التشديد؟“ قال: فسكتنا يومنا وليلتنا، فلم نر إلا خيراً حتى أصبحنا، قال محمد: فسألت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ما التشديد الذي نزل؟ قال: ”في الدين، والذي نفس محمد بيده لو أن رجلاً قتل في سبيل الله، ثم عاش، ثم قتل في سبيل الله، ثم عاش، ثم قتل في سبيل الله، ثم عاش، وعليه دين ما دخل الجنة حتى يقتضى دينه“.

(مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الثالث: ۵۳۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

”عن عبد الله بن عمرو بن العاص (رضي الله تعالى عنه)، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”يغفر للشهيد كل ذنب إلا الدين“ (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب من قتل في سبيل الله كفرت خطاياهُ إلا الدين، رقم الحديث: ۴۸۸۳، ص: ۸۴۵، دار السلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۵۳۸/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۴) ”أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس“۔ (الفتاوى العالمكيرية، =

دوسروں کا روپیہ دینے کا بھی انتظام وارادہ کر لیا ہو اور اخلاص سے کھلائے تو اس میں قباحت بھی نہیں ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۹۱ھ۔

دوسرے کی افطاری قبول کرنے سے پرہیز کرنا

سوال [۱۱۲۲۲]: کوئی شخص رمضان المبارک میں اپنے گھر سے افطاری لے کر آتا ہے اور مسجد میں رکھتا ہے اور وہ شخص کسی دوسرے کی افطاری لینے سے انکار کرتا ہے، تو اس شخص کی افطاری دوسرے روزہ دار کو کھالینی چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص دوسرے کی لائی ہوئی افطاری سے بلا وجہ شرعی نفرت کرتا ہے، وہ برا کرتا ہے، ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے (۱)۔ اگر دوسرے لوگوں نے اس کی لائی ہوئی افطاری کو قبول نہ کیا، تو مستقل نفرت سب کے دل میں

= کتاب الکراہیۃ، الباب الثانی عشر فی الہدایا: ۵/۳۴۲، رشیدیہ

(و کذا فی النزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الرابع فی الہدیۃ: ۶/۳۶۰، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الحظر والإباحۃ، وما یکرہ أکله

وما لا یکرہ وما یتعلق بالضیافۃ: ۳/۴۰۰، رشیدیہ)

(۱) بلا وجہ شرعی کسی کی افطاری کو قبول نہ کرنا، حدیث ”حق المسلم علی المسلم خمس : وإجابة الدعوة“ الخ کے خلاف ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

البتہ اگر کسی کے مال کے بارے میں حرام ہونے کا یقین یا غلبہ ظن ہو، تو اس کی افطاری قبول نہیں کرنی چاہیے، لیکن اس صورت میں بھی دوسرے مسلمان بھائیوں سے الگ ہو کر نہ بیٹھے، بلکہ ایک ساتھ دسترخوان پر بیٹھ کر اپنا کھانا کھائے، تاکہ اتفاق و اتحاد برقرار رہے۔

”وعن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”حق المسلم على المسلم

خمس: رد السلام وإجابة الدعوة وتشميت العاطس“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، کتاب

الجنائز، باب عیادة المریض، وثواب المریض، الفصل الأول: ۱/۱۳۳، قدیمی)

بیٹھ جائے گی، اس لئے مناسب یہ ہے کہ جب وہ اپنی افطاری پیش کرے، تو اس کو قبول کرنے میں عذر نہ کیا جائے، امید ہے کہ وہ خود بھی نرم ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۹۱ھ۔

دعوت عامہ میں طعام کی تقسیم و تفریق

سوال [۱۱۲۲۳]: ایک رسم عرصہ دراز سے قائم ہے جس رسم کو ”بوجھ“ کے نام سے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی شادی وغیرہ کی تقریب میں دعوت طعام میں یا کوئی شیرینی وغیرہ کی تقسیم کے وقت باہر سے آنے والوں کو پانچ حصہ یا دو حصہ دیئے جاتے ہیں اور دعوت طعام میں باہر سے آنے والے مہمانوں کے پہلے ہاتھ دھلائے جاتے ہیں اور کھانا بھی سب سے پہلے ہی پیش کیا جاتا ہے اور اگر اس رسم کی ادائیگی میں کوئی لغزش ہو جائے تو پنچائی نظام شروع ہو جاتا ہے اور جھگڑے فساد برپا ہو جاتے ہیں۔

لہذا کچھ اہل علم حضرات نے اس رسم کے خلاف قدم اٹھایا کہ یہ رسم آپس میں محبت کے بجائے نفرت پیدا کرتی ہے اور یہ رسم خلاف شریعت ہے۔ اہل علم حضرات کا یہ کہنا ہے کہ دسترخوان پر سب کو برابر سمجھا جائے اور سب کو برابر حصے تقسیم کئے جائیں تو یہ لوگ جواب یہ دیتے ہیں کہ یہ رسم عربوں کے یہاں ہے اور یہ رسم اسلامی اصول کے مطابق ہے، لہذا آپ قرآن اور سیرت محمدیہ کی روشنی میں جواب سے مطلع کریں۔

= (وصحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱/۱۶۶، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم رد السلام: ۲/۲۱۳، سعید)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادفع بالتی ہی أحسن السيئة﴾ (المؤمنون: ۹۶)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تستوی الحسنة ولا السيئة ادفع بالتی ہی أحسن فإذا الذی بینک وبينه

عداوة كأنه ولی حمیم﴾ (فصلت: ۳۴)

”قال ابن عباس رضي اللہ تعالیٰ عنہما: أمرہ اللہ تعالیٰ فی هذه الآية بالصبر عند الغضب، والحلم

عند الجهل، والعفو عند الإساءة، فإذا فعل الناس ذلك عصمهم اللہ من الشیطان، وخضع لهم عدوهم“.

(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، فصلت: ۳۴: ۱۵/۲۳۲، دار إحياء التراث العربی بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عام دعوت میں ایک دسترخوان پر یہ تفریق مناسب طریقہ نہیں، دسترخوان اگر جدا گانہ ہو، مثلاً: ایک کمرہ میں مخصوص لوگوں کو بلا کر علیحدہ مخصوص کھانا دلا دیا جائے اور عام دسترخوان پر دوسری قسم کا کھانا ہو، تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ ثابت ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود حسن غفرلہ۔

الجواب صحیح: مفتی نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۲/۹۲ھ۔

سودخور عالم کی دعوت کرے اور یہ کہہ دے کہ ”یہ کھانا حرام کا ہے“ تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۲۲۲]: کوئی سودخور اگر کسی عالم کی دعوت کرے اور اس عالم کے سامنے یہ کہے یہ حرام مال ہے اس سے تمہاری دعوت کر رہا ہوں، تم کھانا چاہو، تو کھاؤ، عالم نے کہا یہ تم پر حرام ہے، ہم پر حلال ہے، اگر اس کے حلال کا فتویٰ عالم جاری کرے، تو وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام کے متعلق حلال ہونے کا فتویٰ دینا سخت گناہ ہے (۲)۔ کسی عالم ربانی سے ہرگز اس کی توقع نہیں

(۱) ”وقد دعا ابن عمر رضي الله تعالى عنهما في دعوته الأغنياء والفقراء، فجاءت قريش والمساكين معهم، فقال ابن عمر رضي الله تعالى عنهما: ههنا اجلسوا لا تفسدوا عليهم ثيابهم، فإننا سنطعمكم مما يأكلون“۔ (عمدة القارئ، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصي الله ورسوله: ۲۷۷/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في شرح ابن بطل، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصي الله: ۲۸۹/۷، مكتبة الرشد)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا﴾ (المائدة: ۸۷)

وقال الله تعالى: ﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾

(التوبة: ۲۹)

”من اعتقد الحرام حلالاً، فإن كان حراماً لغيره كمال الغير لا يكفر، وإن كان لعينه، فإن كان

دليله قطعياً ككفر، وإلا فلا“۔ (رد المحتار، باب المرتد: ۲۲۳/۳، سعيد)

کی جاسکتی، ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ایک غیر عالم ایک چیز کو حرام سمجھتا ہے، لیکن ماہر عالم جانتا ہے کہ یہ حرام نہیں، اس لئے کہ وہ اس کی لم اور کنہ سے واقف ہے، غیر عالم کا ذہن وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۲/۸۶ھ۔

جواب درست ہے۔ سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۰/۲/۸۶ھ۔



الفصل الثانی فی الہدایا

(ہدیہ دینے کا بیان)

طلبہ کا ہدیہ استاد کے لئے

سوال [۱۱۲۲۵]: طلباء بستی سے کھانا کھاتے ہیں، لیکن ان کے استعمال سے زائد کھانا ہے، انہوں نے اپنے استاد کے گھر دے دیا۔ کھانا استاد کو کھالینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کھانا طلباء نے اپنے استاذ کو ہدیہ دیا ہے، اس کا کھانا استاذ صاحب کے لئے درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

حرام کمائی سے دیئے گئے ہدایا وغیرہ کا حکم

سوال [۱۱۲۲۶]: خالد جو بفضلہ تعالیٰ عالم دین ہے اور خدمت دین (تدریس) کے سلسلہ میں ایک ایسے شہر میں رہتا ہے، جہاں کی مسلم اکثریت تجارت پیشہ ہے، ان میں اکثریت سودی کاروبار میں ملوث ہے، حتیٰ کہ بعض ایسے بھی سنے گئے کہ انہوں نے قرض ہی سے تجارت کی ابتداء کی اور بعض ایسے بھی ہیں کہ ابتداء

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال، فلا بأس". (الفتاویٰ العالمگیریہ،

کتاب الکراہیۃ، الباب الثانی عشر فی الہدایا: ۵/۳۴۲، رشیدیہ)

(و کذا فی البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الرابع فی الہدیۃ: ۶/۳۶۰، رشیدیہ)

(و کذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ: ۳/۴۰۰، رشیدیہ)

تو حلال پیسوں سے کی، لیکن سرمایہ میں کمی کے وقت سودی قرض لیتے ہیں اور بہت ہی کم صحیح طریقہ سے تجارت کر رہے ہیں، ان جیسے (مذکورہ) اشخاص کے چندہ سے جمع کردہ رقم سے خالد کی تنخواہ دی جاتی ہے، کیا خالد کے لئے یہ بغیر کراہت درست ہے (جب کہ مقامی دو عالم بھی اس عظیم شہر میں نہیں)۔

اور ایسے مذکورہ حضرات کی جانب سے کھانے وغیرہ کی چیزوں کو ہدیہ قبول کرنا اور ان کی دعوتوں میں خالد کو جانا، کیا مباح ہے؟ عدم اباحت کی صورت میں ان ہدایا کے لینے کا انکار کر دیا جائے یا لے کر انہیں غریب مسلمانوں یا کافر کو دے دیا جائے؟ نیز ضیافت کے سلسلہ میں کیا انکار ہی کر دیا جائے؟ (اگرچہ مذکورہ صورت یہاں کے عوام کے لئے ناپسند فطرتاً ہوگی) ان ہی میں سے بعض حضرات، یعنی اس وقت سونے وغیرہ کے تاجر اور عظیم ترین مالدار ہیں۔

اس سے پہلے یہاں کے باخبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ ان کی ابتدائی دولت (سونا) ان کے اور ان کے متعلقین کے حیدر آباد (نظام حیدر آباد) سے لوٹ مار کے ذریعہ حاصل ہوئی اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ کچھ بذریعہ شیطاں حاصل کی گئی، لیکن فی الحال ان کے والد وغیرہ کے انتقال کے بعد اب وہ سونے کی تجارت بظاہر جائز طریقہ سے کر رہے ہیں، البتہ بینک کے سود (لون) سے نہیں بچتے ہوں گے، کیونکہ وہ گاہے (رمضان وغیرہ میں) نماز پڑھتے ہیں اور اپنی رقم بینک میں ضرور جمع کراتے ہوں گے، جس پر بینک سود دیتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ کہ وہ صاحب ہر رمضان میں مساجد کے مصلیوں کی دعوت کرتے ہیں، کیا اس دعوت میں شریک ہو سکتے ہیں؟ خالد مذکور کو بھی رمضان میں دعوت سے تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے پہلے قرآن پاک پڑھنے کے لئے بلایا گیا، جب رمضان وغیرہ کے سلسلہ کے حفاظ و علماء کو بلایا گیا اور افطار و نماز مغرب کے بعد دیگر مصلیان کے ساتھ ان کو بھی طعام کے لئے مدعو کیا گیا تھا، خالد مذکور نے دوسری مشغولی ظاہر کر کے کھانے سے انکار کیا، اس پر انہوں نے ایسے کچھ روپیہ اصرار دئیے، جس کی خالد کو قطعی توقع نہ تھی، لیکن قرآن پڑھنے کے بعد دیئے جیسا کہ ذکر کیا گیا، کیا خالد کے لئے وہ رقم درست ہے اور اگر نہیں تو اس کا مصرف بتایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو روپیہ بطریق سود حاصل کیا گیا ہو، اس کا استعمال کرنا خالد وغیرہ کسی کو بھی درست نہیں، بلکہ جس سے

وہ سود لیا گیا ہے، اس کو واپس کیا جائے یا بلا نیت ثواب غرباء کو صدقہ کر دیا جائے (۱)، اگر کسی نے کچھ روپیہ سود پر قرض لیا، تو وہ اس کی وجہ سے گنہگار ہوا (۲)، لیکن اس پیسے سے جو تجارت کی ہے، وہ درست ہے (۳) اور جو کچھ اس کی آمدنی ہو، شرعی قواعد میں رہ کر وہ بھی درست ہے (۴)۔ ایسی آمدنی سے خالد کو ہدیہ دیا جائے یا کسی اور کو،

(۱) ”ویردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

”ویردونه علی أربابه إن عرفوهم، وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد“۔ (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۳۶۹/۸، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الغصب: ۳۲۱/۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿أحل الله البيع وحرم الربوا﴾ (البقرة: ۲۷۵)

وقال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا اتقوا الله وذروا ما بقى من الربوا إن كنتم مؤمنين﴾ (البقرة: ۲۷۸)

”﴿وأخذهم الربوا وقد نهوا عنه﴾ كان الربا محرماً عليهم كما حرم علينا ﴿وأخذهم أموال

الناس بالباطل﴾ بالرشوة، وسائر الوجوه المحرمة“۔ (مدارک التنزیل وحقائق التأویل: ۲۰۲/۱، ال عمران: ۱۳۰، قدیمی)

”عن علي رضي الله تعالى عنه أنه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: لعن الله اكل الربوا ومؤكله وكاتبه ومانع الصدقة، وكان ينهى عن النوح“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب البیوع، باب الربوا، الفصل الثالث، ص: ۲۳۶، قدیمی)

(۳) ”(قوله اكتسب حراماً) توضیح المسئلة ما فی التاتارخانية حیث قال: رجل اكتسب مالا من حرام ثم اشترى، فهذا علی خمسة أوجه: إما إن دفع ذلك الدراهم إلى البائع أولاً ثم اشترى منه بها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفعها، أو اشترى قبل الدفع بها ودفع غيرها، أو اشترى مطلقاً ودفع تلك الدراهم، أو اشترى بدراهم آخر ودفع تلك الدراهم، قال الكرخي في الوجه الأول والثاني: لا يطيب، والثالث الأخيرة يطيب، وقال أبو بكر: لا يطيب في الكل، لكن الفتوى الآن علی قول الكرخي دفعاً للخرج عن الناس“۔

(ردالمحتار، کتاب البیوع، باب المتفرقات، مطلب: إذا اكتسب حراماً الخ: ۲۳۵/۵، سعید)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار، کتاب البیوع، باب المتفرقات: ۱۳۰/۳، دارالمعرفة بیروت)

(و کذا فی ردالمحتار، کتاب الغصب: ۱۸۹/۶، سعید)

(۴) راجع الحاشیة المتقدمة انفاً

وہ سب درست ہے (۱)۔

جس نے جائز روپیہ سے تجارت شروع کی، پھر کچھ سود قرض بھی لیا، تو وہ سودی قرض کی وجہ سے گنہگار ہوا (۲)، مگر اس کی وجہ سے نہ وہ تجارت ناجائز ہوگی نہ اس کی آمدنی ناجائز ہوگی (۳)۔ جس نے اپنی جائز تجارت میں بطریقہ سود آیا ہوا روپیہ، یعنی سرکاری بینک میں داخل کردہ روپیہ پر جو سود ملا تھا، اس کو بھی اپنی تجارت میں شامل کر لیا، اس نے برا کیا (۴)۔ تاہم اس کی وجہ سے وہ سب تجارت اور اس کی آمدنی ناجائز نہیں ہوگی (۵)، البتہ جتنی مقدار سود کی اس میں شامل کر لی ہے، اتنی مقدار یا تو ٹیکس میں سرکار کو دے دے یا پھر بلانیت ثواب غرباء پر صدقہ کر دیں (۶)۔

محض قرآن کی تلاوت پر کھانے یا نقد کی شکل میں ہدیہ دینا اور لینا درست نہیں، یہ صورت اجرت ہے، اس سے خالد کو بھی پرہیز کرنا چاہیے اور ہدیہ دینے والے کو بھی پرہیز کرنا چاہیے اور دوسرے لوگوں کو بھی۔ علامہ شامی نے ردالمحتار اور شفاء العلیل میں طویل بحث کی ہے اور متعدد کتب کی عبارات نقل کی ہیں (۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ”أهدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ،

كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر الخ: ۵/۳۲۲، رشیدیہ)

”وفي البزازیة: ”غالب مال المهدي إن كان حلالاً، لا بأس بقبول هديته، وأكل ماله مالم يتبين أنه

من حرام“۔ (مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في الأكل: ۲/۵۲۹، دار إحياء التراث العربي بیروت)

(و كذا في الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام، الفن الأول في

القواعد الكلية، رقم القاعدة: ۵۵: ۱/۳۰۹، إدارة القرآن کراچی)

(۲) راجع رقم الحاشیة: ۲، ص: ۱۷۶

(۳) راجع رقم الحاشیة: ۳، ص: ۱۷۶

(۴) راجع رقم الحاشیة: ۲، ص: ۱۷۶

(۵) راجع رقم الحاشیة: ۳، ص: ۱۷۶

(۶) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۱۷۶

(۷) ”فظهر لك بهذا عدم الصحة ما في الجوهره من قوله: واختلفوا في الاستئجار على قراءة القرآن =

املاه العبد محمود غفر له، دارالعلوم ديوبند، ١٦/١٠/١٣٩٩ھ۔



= مدة معلومة، قال بعضهم: لا يجوز، وقال بعضهم: يجوز، وهو المختار اهـ" والصواب أن يقال: "على تعليم القرآن" فإن الخلاف فيه كما علمت، لا في القراءة المجردة قال تاج الشريعة في شرح الهداية: إن القرآن بالأجرة لا يستحق الثواب، لا للميت ولا للقارئ، وقال العيني في شرح الهداية: ويمنع القارئ للدنيا، والأخذ والمعطي اثمان". (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة والتهليل الخ: ٥٦/٢، سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين، رسالة شفاء العليل وبل الغليل: ١/١٦٤، سهيل اكيذمي لاهور)
(وكذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الإجارة، مطلب: في حكم الاستئجار على التلاوة: ١٣٨/٢، مكتبة ميمنية، مصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة: ٥٣٣/٣، مكتبة غفاريه كوثه)

باب الأشياء المحرمة وغيرها

الفصل الأول في المسكرات

(نشہ آور اشیاء کا بیان)

فونٹن پین کی روشنائی

سوال [۱۱۲۲۷]: آج کل فونٹن پین کے اندر جو سیاہی استعمال کی جاتی ہے، سنا جاتا ہے کہ اس میں اسپرٹ ملتی ہے اور یہ شراب ہی کی ایک قسم ہے، تو اس سے آیات قرآنی اور احادیث کا لکھنا اور اسی طرح اس فونٹن پین کو جیب میں رکھ کر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ جواز یا عدم جواز کی صورت میں اس سے احتراز کی کیا صورت ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسپرٹ کے متعلق معلوم ہوا کہ شراب کے علاوہ دیگر اشیاء سے بھی لوگ بناتے ہیں، رات دن مختلف طرق سے استعمال کرتے ہیں، اس لئے یقینی طور پر اس کو نجس کہہ کر فونٹن پین کی سیاہی کو ناجائز کہنا اور اس سے آیات احادیث لکھنے کو ممنوع قرار دینا دشوار ہے، احتیاط برتنا اقرب الی الورع ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۸/۸۹ھ۔

(۱) ”وبهذا يتبين حكم الكحول المسكرة (Al Cohals) التي عمت بها البلوى اليوم، فإنها تستعمل في كثير من الأدوية والعطور والمركبات الأخرى، فإنها إن اتخذت من العنب أو التمر فلا سبيل إلى حلتها أو طهارتها، وإن اتخذت من غيرهما فالأمر فيها سهل على مذهب أبي حنيفة رحمه الله تعالى، ولا يحرم استعماله مركبة مع المواد الأخرى، ولا يحكم بنجاستها أخذاً بقول أبي حنيفة رحمه الله تعالى، وإن معظم الكحول التي تستعمل اليوم في الأدوية والعطور وغيرها لا تتخذ من العنب أو التمر، إنما =

کوکا کولا اور شراب ملی ہوئی دوا کا حکم

سوال [۱۱۲۲۸]: آج کل کوکا کولا بوتل پی جا رہی ہے، اس میں ۵ فیصد شراب کا جزء ہوتا ہے،

ایسے ہی کچھ دواؤں میں جزء ہوتا ہے، دونوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب خواہ دوا میں خواہ غذا میں یا کوکا کولا وغیرہ میں سب ہی جگہ ناجائز ہے (۱)، مجھے اس کی تحقیق نہیں

کہ کس کس چیز میں شراب ملائی جاتی ہے، مجبوری کے احکام جدا گانہ ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۵/۴/۸۶ھ۔

پوسٹ کا ڈوڈا پینا

سوال [۱۱۲۲۹]: پوسٹ کی ڈھونڈی جس میں افیون نکلتی ہے، اس کو تھوڑی مقدار میں بھگو کر کوٹ

چھان کر والد صاحب عرصہ سے پیتے ہیں، جس سے نشہ تو بالکل نہیں ہوتا، البتہ بدن میں وہ ایک توانائی محسوس

کرتے ہیں، ایک اہل حدیث عالم نے فرمایا کہ یہ بھی حرام ہے، تو حنفی مسلک میں اس کا پینا کیسا ہے؟

= تتخذ من الحبوب أو القشور أو البتول وغيره وحينئذ هناك فسحة في الأخذ بقول أبي حنيفة

رحمه الله تعالى عند عموم البلوى. (تكملة فتح الملهم، كتاب الأشرية، باب تحريم الخمر: ۶۰۸/۳،

دارالعلوم کراچی)

(و کذا في احسن الفتاوى، كتاب الأشرية، بھنگ اور الکحل وغیرہ کے احکام کی تفصیل: ۴۸۴/۸، سعید)

(و کذا في نظام الفتاوى، كتاب الحظر والإباحة، انگریزی دواؤں کے استعمال کا حکم جن میں شراب، اسپرٹ، افیون

وغیرہ کا استعمال ہو: ۳۵۲/۱، رحمانیہ)

(۱) ”(و حرم قلیلہا و کثیرہا) بالإجماع (و حرم الانتفاع بها) ولو لسقي دواب، أو لطین، أو نظر

للتلهي، أو في دواء، أو دهن، أو طعام، أو غير ذلك“. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأشرية:

۴۲۸/۶، ۴۲۹، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، كتاب الأشرية: ۴۰۰/۸، رشیدیہ)

(و کذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الأشرية: ۲۲۱/۴، دار المعرفۃ بیروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس میں شگاف دے کر ایفون نکالی جاتی ہے اور وہ بالکل بغیر ایفون کے رہ جاتی ہے، تو اس طرح اس کے پینے میں مضائقہ نہیں، لیکن اگر اس میں ایفون موجود رہتی ہے، اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، جو لوگ اس کے عادی ہو جاتے ہیں، ان کو نشہ نہیں ہوتا، مگر اس کی وجہ سے ان کو اجازت نہیں دی جاتی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی، سعید نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱/۸۷ھ۔

کھجور اور تاڑ کا عرق پینے کا حکم

سوال [۱۱۲۳۰]: کھجور یا تاڑ اگر غروب آفتاب کے بعد اور صبح صادق سے پہلے کورے برتن میں اتار کر استعمال کرے، تو حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس میں نشہ پیدا نہیں تو اس کا استعمال حلال ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۷/۱۳۹۹ھ۔

(۱) ”(قوله: إن البنج مباح) قيل: هذا عندهما. وعند محمد: ما أسكر كثيره قليله حرام، وعليه الفتوى“. (ردالمحتار، كتاب الأشربة: ۴۲/۴، سعید)

(و كذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۶۰۲/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الأشربة: ۴۰۲/۸، رشيديه)

(۲) ”وبه علم أن المراد الأشربة المائعة، وأن البنج ونحوه من الجامدات إنما يحرم إذا أراد به السكر، وهو الكثير منه دون القليل، المراد به التداوي ونحوه كالتطيب بالعنبر وجوزة الطيب“. (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب حد الشرب المحرم: ۴۲/۴، سعید)

”ولا يحرم استعمالها للتداوي أو لأغراض مباحة أخرى ما لم تبلغ حد الإسكار“. (تكملة فتح

الملهم، كتاب الأشربة: ۶۰۸/۳، دارالعلوم کراچی)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۶۰۲/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الثاني في الطيب

(خوشبو کا بیان)

سینٹ کا استعمال

سوال [۱۱۲۳۱]: جس طریقہ سے عطر کا استعمال کرنا سنت ہے، تو ایسے ہی بجائے عطر کے سینٹ کا

استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور سینٹ کے استعمال کرنے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سینٹ میں اگر کوئی نجس چیز نہیں تو یہ بھی عطر کے حکم میں ہے۔ مطلقاً خوشبو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مرعوب و محبوب تھی (۱)، سینٹ اس زمانہ میں نہیں تھا، اس لئے اس کو سنت نہیں کہا جائے گا۔ سنت تو مخصوص طور پر اس خوشبو کو کہا جائے گا جس کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے استعمال فرمایا (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) "أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لا يرد الطيب". (شمائل الترمذي، باب ماجاء في تعطر رسول

الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۱۴، قديمی)

"كان لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم سكة يطيب منها". (سنن الترمذي، باب ماجاء في

تعطر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۱۴، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب اللباس، باب من لم يرد الطيب، ص: ۱۰۴، دارالسلام)

(۲) "السنة اصطلاحاً، الطريقة المسلوكة في الدين من غير لزوم على سبيل المواظبة. وهي المؤكدة،

إن كان النبي صلى الله تعالى عليه وسلم تركها أحياناً، وأما التي لم يواظب عليها فهي المندوبة". (مراقي

الفلاح مع حاشية الطحطاوي، كتاب الطهارة، فصل في سنن الوضوء، ص: ۶۳، قديمی)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطهارة، مطلب في السنة وتعريفها: ۱/۱۰۳، سعيد)

(وكذا في العناية على هامش فتح القدير: ۱/۲۰، مصطفى البابی الحلبي مصر)

الفصل الثالث في المأكولات وغيرها (کھانے کی اشیاء وغیرہ کا بیان)

کتے کا جھوٹا گھی استعمال کرنا

سوال [۱۱۲۳۲]: اگر جھے ہوئے گھی کے برتن کے اوپر سے کتا کچھ گھی کھا جائے اور گھی کئی کلو کے مقدار ہو، تو اوپر سے جھوٹا گھی اٹھا کر مابقیہ استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ عوام میں یہ مسئلہ بھی مشہور ہے کہ کتے کا سانس ڈھائی گز تک زمین میں جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اسی طرح باقی گھی پاک ہے، عوام کے خیالات کا شرعی دلائل پر مبنی ہونا ضروری نہیں، بہت سی باتیں بے اصل مشہور ہو جاتی ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳/۱/۹۳ھ۔

(۱) ”أن فأرة وقعت في سمن، فماتت، فسئل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: ”ألقوها وما حولها وكلوه“ رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الصيد، باب ما يحل أكله: ۸۱/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

”الفأرة لو ماتت في السمن إن كان جامداً قور ما حوله ورمي به، والباقي طاهر يؤكل وحد الجامد أنه إذا أخذ من ذلك الموضع لا يستوي من ساعته، وإن كان يستوي فهو مائع.“ (الفتاوى العالمية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة، الفصل الأول: ۴۵/۱، رشیدیہ)

”وتقور نحو سمن جامد بأن لا يستوي من ساعته لأن السمن الجامد لم يتنجس كله، بل ما ألقى منه فقط.“ (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۳۱۲/۱، سعید)

”ألا ترى أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حكم بطهارة ما جاور السمن الذي جاور فأرة، وحكم بنجاسة ما جاور فأرة.“ (بدائع الصنائع، كتاب الطهارة، في فأرة تموت في السمن: ۲۲۵/۱، رشیدیہ)

اسکول میں بچوں کے لئے جو دودھ ملتا ہے، اس کا پینا

سوال [۱۱۲۳۳]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں:

خشک دودھ جو امریکہ سے عطیہ کے طور پر ہندوستان کے بچوں کے لئے بھیجا گیا ہے، وہ ہر ریاست میں تقسیم ہو رہا ہے اور ہر ڈبہ کے اوپر سور کا نام اور اس کا فوٹو ہے، تو کیا وہ دودھ مسلمانوں کے لئے جائز ہے؟

عبدالستار آدم بھائی

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں کہ کیا ہے؟ اگر سور کا فوٹو ہونے سے یہ مطلب ہے کہ وہ سور کا دودھ ہے، تو وہ بالکل حرام اور نجس ہے (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بریڈ روٹی کا استعمال

سوال [۱۱۲۳۲]: میں تقریباً چار سال سے اس ملک میں رہ رہا ہوں، بعض آدمی کہتے ہیں کہ بریڈ روٹی کا استعمال درست نہیں ہے، کیونکہ خنزیر کی چربی وغیرہ پڑتی ہے اور غیر مذہب کے لوگ بتاتے ہیں تو یہ مسلمان کہتے ہیں جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک اس میں ناپاک اور حرام چیز ملانے کی تحقیق نہ ہو، اس کا استعمال درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”(قوله: لنجاسة عينه) أي: عين الخنزير أي: بجميع أجزائه“۔ (رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، مطلب فی التداوی بلبن البنت للرمذ قولان: ۵/۱، سعید)

” (کرہ لبن الأتسان)؛ لأن اللبن يتولد من اللحم فصار مثله“۔ (البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ،

فصل فی الأکل والشرب: ۳۳۵/۸، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ: ۱/۲، دار المعرفۃ بیروت)

(۲) ”الیقین لا یزول بالشک، الیقین عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء، أو عدم وقوعه.....“ =

ڈبے کا گوشت

سوال [۱۱۲۳۵]: ابو ظبی میں گوشت اور مرغی یورپی ملکوں سے آنے ہیں، جس کے حلال و حرام میں شک کیا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس قسم کا گوشت و مرغی کھانا جائز ہے یا ناجائز؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسے گوشت اور مرغ جس کے حلال ہونے میں شک ہے، پرہیز کریں۔

”دع ما یریک إلی ما لا یریک“ (۱) الحدیث۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۱۴۰۰ھ۔

ڈبوں میں بند گوشت کا حکم

سوال [۱۱۲۳۶]: سعودی عرب میں کھانے پینے کی زیادہ تر اشیاء باہر ملک سے آتی ہیں، جس میں مثلاً: گوشت، مچھلی، مرغی وغیرہ، لہذا ہم گوشت اور مرغی وغیرہ سے مطمئن نہیں کہ نہ معلوم یہ حلال کیا ہوا ہوتا ہے یا اسی طرح کاٹ کر پیکنگ کر دیتے ہیں، یہ بتلائیے کہ یہ کھانا جائز ہے یا نہیں؟

= عنی أن الأمر لا متيقن بثبوته لا يرتفع إلا بدليل قاطع، ولا يحكم بزواله بمجرد الشك، كذلك المتيقن عدم ثبوته لا يحكم بثبوته بمجرد الشك؛ لأن الشك أضعف من اليقين فلا يعارضه ثبوتاً وعدمًا“۔ (شرح المجلة للأتاسي، المادة: ۴: ۱/۸، رشیدیہ)

”ما ثبت بيقين لا ترتفع إلا بيقين“۔ (قواعد الفقہ، ص: ۱۱۴، انصاف)

(وکذا في الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، القاعدة الثالثة: ۱/۸۳، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (مشكاة المصابيح، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، الفصل الثاني: ۱/۵۱۵، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وسنن النسائي، کتاب الأشربة، باب الحث علی ترک الشبهات، ص: ۷۷۲، دارالسلام)

(وجامع الترمذي، کتاب صفة القيامة، باب: حديث أعقلها وتوكل: ۳/۳۹۰، دارالکتب العلمیہ بیروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

جب آپ مطمئن نہیں، تو آپ نہ کھائیں (۱)، کون آپ کو مجبور کرتا ہے، جو لوگ مطمئن ہیں کہ یہ شرعی ذبیحہ ہے، وہ کھاتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۱ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) ”عن النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الحلال بين، والحرام بين، وبينهما مشبهات لا يعلمهن كثير من الناس، فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات وقع في الحرام.....“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الأول: ۵۱۳/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

”عن الحسن بن علي رضي الله تعالى عنه قال: حفظت من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم “دع ما يريبك إلى ما لا يريبك“ رواه أحمد والترمذي والنسائي. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني: ۵۱۵/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) لیکن یہ بات واضح رہے کہ آج کل سعودی عرب میں باہر سے آنے والا گوشت عموماً مشینی ذبیحہ ہوتا ہے، جس کا کھانا جائز نہیں، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ گوشت سے پرہیز کیا جائے۔

”ان ما يستورد من اللحوم من البلاد غير المسلمة لا يجوز أكلها، وإن كانت توجد عليها التصريح بأنها مذبوحة على الطريقة الإسلامية، فإنه ثبت أن هذه الشهادات لا يوثق بها، والأصل في أمر اللحوم المنع.“ (بحوث في قضايا فقهية، أحكام الذبائح: ۹۴/۲، دارالعلوم)

باب الانتفاع بالحيوانات

الفصل الأول في الطيور

(پرندوں کا بیان)

طوطا حلال ہے؟

سوال [۱۱۲۳۷]: حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تھانوی طوطے کو حلال کہتے ہیں تو اس سے وہی لال چونچ والا طوطا مراد ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بس طوطا مراد ہے، جو ان اطراف میں ہوتا ہے، جس کو پال بھی لیتے ہیں اور آواز کی نقل اتارنے کی اس میں صلاحیت ہے (۱) اور یہ روٹی پھل عام طور سے کھاتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) "لاتحسن مثل الكلام الصادر من جنس الإنس إلا في النادر كما في البيغاء". (شرح الرضي على الكافية، أسماء الأصوات: ۲۰۲/۳، قديمی)

(۲) "مالا مخلب له من الطير والمستأنس منه كالدجاج، والبط، والمتوحش كالحمام، والفاخته، والعصافير، والقبيج، والكوكي، والغراب الذي يأكل الحب، والندع، ونحوها حلال بالإجماع". (الفتاوى العالمية، كتاب الذبائح، الباب الثاني في بيان مايؤكل من الحيوان وما لا يؤكل: ۲۸۹/۵، رشیدیہ)

"مالا مخلب له من الطير فالمستأنس منه كالدجاج، والبط، والمتوحش كالحمام، والفاخته، والعصافير، والقبيج، والكوكي، والغراب الذي يأكل الحب، والزرع، والعنق ونحوها حلال بالإجماع". (بدائع الصنائع، كتاب الذبائح، باب أكل ذي ناب من السباع: ۱۵۳/۳، رشیدیہ)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصيد، الفصل الأول في بيان مايؤكل من الحيوانات: ۴۳۱/۶، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

الفصل الثاني في المواشي (مویشیوں کا بیان)

خرگوش کی حلت

سوال [۱۱۲۳۸]: خرگوش کھانا کیسا ہے؟ یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ بلی جیسے پیر والا خرگوش کھانا جائز نہیں، اس کی کوئی اصل ہے یا نہیں؟ کیا دونوں طرح کے خرگوش کھانے کی اجازت ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں قسم کا خرگوش حلال ہے، پیرا گردو قسم کے ہوں، لیکن غذا سب کی ایک ہی ہو، اسی پر مدار ہے (۱)۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۸۷ھ۔

شیر کی زخمی کی ہوئی بکری کو ذبح کر کے کھانا

سوال [۱۱۲۳۹]: شیر کی زخمی کی ہوئی بھیڑ بکری ذبح کرنے کے بعد کھانی جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ

(۱) ”وَحَلُّ غَرَابِ الزَّرْعِ الَّذِي يَأْكُلُ الْحَبَّ وَالْأَرْبَ“. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۷/۲، ۳۰۸، سعید)

”عن هشام بن زيد قال: سمعت أنس رضي الله تعالى عنه يقول: انفجنا أرنباً بمر الظهران فسعى أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم خلفها، فأدركتها، فأخذتها، فأتيت بها أبا طلحة، فذبحها بمروءة فبعثت معي بفخذها أو بوركها إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، فأكله، فقلت: أكله؟ قال: قبله.“ (جامع الترمذي، أبواب الأطعمة، باب ما جاء في أكل الأرنب: ۱/۲، سعید)

”في الحديثين دليل على حل الأرنب من غير كراهة“. (إعلاء السنن، كتاب الذبائح، باب حل

الأرنب: ۱۷/۱۹۳، ۱۹۴، إدارة القرآن کراچی)

شرح انواع میں لکھا ہے کہ چالیس دن کے اندر اندر اگر زخمی شدہ جانور ذبح کر دیا تو وہ کھانا جائز نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شیر کی زخمی کی ہوئی زندہ بھیڑ بکری کو ذبح کر کے کھانا شرعاً جائز ہے (۱)۔ چالیس دن کے متعلق شرعاً کوئی پابندی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۳/۱/۹۳ھ۔

امریکن گائے کا استعمال

سوال [۱۱۲۲۰]: امریکن گائے ہے کیا؟ اس کے دودھ پینے میں خرابی ہے یا نہیں؟ اگر امریکہ گائے کو ہندوستانی گائے سے گابھن کر لیتے ہیں یا برعکس تو کیا ایسی صورت میں خرابی ہوگی یا نہیں؟ واضح فرمائیں تاکہ اس سے اجتناب کیا جائے، اگر نیل ہو امریکی تو کیا اس کو کام میں لاسکتے ہیں یا نہیں؟ یعنی ہل وغیرہ چلا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ یہ گائے صورت و غذا وغیرہ کے اعتبار سے گائے ہے، تو اس کا دودھ پینا اور اس کا گوشت کھانا اور اس سے نسل حاصل کرنا اور ہل وغیرہ کے کام میں لانا سب درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۱۴۰۱ھ۔

(۱) ”لو بقر الذئب بطنها وهي حية تذكي لبقاء محل الذبح، فيحل لو ذبحت“۔ (البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح، الثانی فی التسمیة: ۳۰۸/۶، رشیدیہ)

”واللتي فقر الذئب بطنها فزكاة هذه الأشياء تحلل، وإن كانت حياتها خفيفة، وعليه الفتوى لقوله تعالى: ﴿إلا ما ذكيت﴾ من غير فصل“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الذبائح: ۳۰۸/۶، سعید)

”ومنها قيام أصل الحياة في المستأنس وقت الذبح قلت أو كثرت في قول أبي حنيفة..... المتردية والمنخنة والموقوذة والشاة المريضة والنطيحة ومشقوقة البطن إذا ذبحت، ينظر إن كان فيها حياة مستقرة حلت بالذبح بالإجماع“۔ (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الذبائح: ۲۸۶/۵، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ومن الإبل اثنين ومن البقر اثنين﴾ (الانعام: ۱۴۴) =

ہرن کو بکری کے ساتھ جوڑنا

سوال [۱۱۲۴۱]: جانوروں کی نسل تبدیل کرانا کیسا ہے؟ مثلاً: ہرن کو بکری کے ساتھ جوڑا

کھانا (۱)، ان کے دودھ اور گوشت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بکری اور ہرن ملا کر نسل حاصل کرنا بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امامہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۱۴۰۰ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= "عن جابر رضي الله تعالى عنه: نحر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن نسائه في حجة

بقرة". (صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز الاشتراك في الهدي وأجزاء البدنة: ۴/۵، قديمي)

"فإن كان متولداً من الوحشي والإنسي فالعبرة بالأمر، فإن كانت أهلية يجوز، وإلا فلا حتى إن

البقرة الأهلية إذا نزا عليها ثور وحشي فولدت ولداً فإنه يجوز أن يضحى به، وإن كانت البقرة وحشية

والثور أهلياً لم يجز؛ لأن الأصل في الولد الأم؛ لأنه ينفصل عن الأم". (بدائع الصنائع، كتاب الأضحية،

محل إقامة الواجب: ۲/۵، رشديہ)

حيوانات میں نسب مادہ سے چلتا ہے، جب یہ گائے (امریکن یا جرمنی) اور گایوں کی طرح کھاتی پیتی ہے اور گائے کی طرح

بولتی ہے تو یہ شرعاً گائے ہی شمار ہوگی، خواہ خنزیر سے جفتی کرائی گئی ہو، یا بذریعہ انجکشن یا کسی اور طرح حاملہ کرائی گئی ہو اور حاملہ کرانے کا

یہ طریقہ غیر شرعی یا مذموم وغیرہ ہو، اس سے اس کے گائے ہونے میں کوئی شبہ نہ کیا جائے گا، گائے کا ہی حکم رہے گا اور اس کا گوشت

کھانا، دودھ پینا اور اس کی قربانی کرنا، پالنا سب درست رہے گا۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب الخطر والاباحہ: ۱/۳۵۴، ۳۵۵، رحمانیہ)

(۱) "جوڑا لگانا: نزا اور مادہ کو ملانا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۱۰، فیروز سنز لاہور)

(۲) "ولو نزا ظبي على شاة، قال عامة المشايخ: يجوز". (حاشية الشلبي على هامش تبیین الحقائق،

كتاب التضحية: ۶/۸۳، دارالكتب العلمية بيروت)

"قال في البدائع: "فلو نزا ثور وحشي على بقرة أهلية، فولدت ولداً يضحى به دون العكس؛ لأنه

ينفصل عن الأم، وهو حيوان متقوم تتعلق به الأحكام". (رد المحتار، كتاب الأضحية: ۶/۳۲۲، سعید)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب التضحية، محل إقامة الواجب: ۲/۵، رشديہ)

الفصل الثالث في الحيوانات المحرمة وأجزائها

(حرام جانوروں اور ان کے اجزاء کا بیان)

خنزیر کا گوشت کھانے والے کا حکم

سوال [۱۱۲۲۲]: اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے، کہ زید نے ایک چمار کے گھر جا کر خنزیر کا گوشت مانگا، چمار نے دینے سے انکار کیا تو زید نے کہا: مجھے دو، ہم تو کئی مرتبہ یہ گوشت کھا چکے ہیں۔ بہر حال چمار نے دیا اور زید نے کھایا، جب چند لوگوں کو معلوم ہوا کہ ایسا ہوا ہے تو اس کی تفتیش کی گئی، پنچایت مقرر ہوئی، ایک مولوی صاحب نے شرط لگا دی کہ اگر گواہوں کے ذریعہ ثابت ہو گیا تو مبلغ ایک ہزار روپے جرمانہ کیا جائے گا، ورنہ جو کہتا ہے، اس سے مبلغ ایک صد روپیہ لیا جائے گا، اس بناء پر مولوی صاحب موصوف نے طرفین سے سہ خط بنوائے، چنانچہ دو تین گواہوں نے زید کے گوشت کھانے کی شہادت دی، علاوہ اس کے جس چمار نے کھلایا تھا، اس نے بھی گواہی دی کہ ہم نے خود دیا ہے اور میرے سامنے مانگ کر زید نے استعمال کیا۔

اس کے بعد زید نے بھی خود اپنے کھانے کا اقرار کیا حالانکہ کوئی جبر نہ تھا اور یہ عذر شرعی ثبوت لینے پر مولوی صاحب نے اس سے روپے نہیں دلوائے، بلکہ معاملہ کو نظر انداز کر دیا، اب سوال یہ ہے کہ بازی لگانا یا شرائط باندھنا طرفین سے از روئے شرع کیسا ہے؟ اور زید پر کوئی گناہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جب کہ زید نے خنزیر کا گوشت بغیر کسی شرعی مجبوری کے استعمال کیا تو تحقیق کے لئے عمرو نے تگ و دو کیا اور جب کہ عینی شہادت اور گواہوں سے ثبوت مل گئے، تو عمرو نے کہا کہ یہ سراسر ناجائز کرنے والوں کا ساتھ دینا ہے، اس پر مولوی صاحب نے عمرو کا بایکٹ کر دیا اور یہ بھی اعلان کر دیا کہ عمرو اسلام سے خارج ہے، بلکہ زید پاک ہے اور عمرو کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے، عمرو نے مکرر پوچھا کہ مولوی صاحب صاحب تحقیق کرنے پر ہم اسلام سے خارج ہو گئے۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! اسلام سے خارج ہو سکتا ہے، مولوی صاحب کا یہ فتویٰ دینا شرعاً کہاں

تک درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلحاً:

۱..... اس طرح دونوں طرف سے مالی شرط لگانا شرعاً جائز نہیں (۱)، کسی مجرم پر مالی جرمانہ ہی درست نہیں (۲)، خنزیر کا گوشت قطعاً حرام ہے، اس کا کھانا سخت معصیت اور گناہ کبیرہ ہے (۳)، اس سے توبہ کرنا اور نادم ہونا فرض ہے، مگر اس کا کوئی مالی کفارہ واجب نہیں۔

۲..... خنزیر کا گوشت کھانے والا سخت گنہگار ہے، مولوی صاحب کے ذمہ یہی لازم تھا کہ اس کو توبہ کی تلقین کرتے اور خود اس کے ذمہ بھی توبہ کرنا فرض ہے، معاف کرنے کا کسی کو حق نہیں اور کسی کے معاف کرنے سے یہ گناہ معاف بھی نہیں ہوتا، گناہ کرنے والا خود ہی اللہ پاک سے معاف کرائے (۴)۔

- (۱) ”(حرم لو شرط من الجانبین؛ لأنه يصير قماراً) بأن يقول: إن سبق فرسك فلک علي كذا، وإن سبق فرسي فلي عليك كذا“۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲/۳۰۳، سعید)
- (و كذا في الفتاوى العالمكبرى، كتاب الكراهية، الباب السادس في المسابقة: ۵/۳۲۴، رشیدیہ)
- (و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲/۲۱۶، مكتبه غفاريه كوثه)
- (۲) ”كان (أي: التعزير المالي) في ابتداء الإسلام، ثم نسخ“۔ (الدرالمختار)۔ ”والحاصل: أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال“۔ (ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب: التعزير بأخذ المال: ۲/۶۱، سعید)
- ”ولم يذكر محمد التعزير بأخذ المال..... وأفاد في البرازية: أن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عند مدة لينزجر، ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه، أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة؛ إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“۔ (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۵/۶۸، رشیدیہ)
- (و كذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشیدیہ)
- (۳) قال الله تعالى: ﴿إنما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)
- ”وأما الخنزير فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة“۔ (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۹۱، رشیدیہ)
- (و كذا في الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهيل اكيڈمی لاہور)
- (۴) قال الله تعالى: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبة نصوحاً﴾ (التحريم: ۸)
- ”فإن كانت المعصية بين العبد وبين الله تعالى لا يتعلق بحق آدم فلها شروط: أحدها أن يقلع عن =

عمر کو جب معلوم ہو گیا تھا کہ زید نے ایسا کیا ہے، تو اس کو تگ و دو کی ضرورت نہیں تھی، اس کو چاہیے تھا کہ تنہائی میں زید کو خیر خواہانہ طور پر نصیحت کرتا اور سمجھا دیتا کہ یہ حرام ہے اس سے بچنا واجب ہے، آئندہ ایسا نہ کریں، اس سے اس کی تفتیش کر کے گواہ مہیا کئے یہ برا کیا کسی کی عیب جوئی اور پردہ درمی شرعاً بہت معیوب و مذموم ہے، تاہم اس کی وجہ سے وہ اسلام سے خارج نہیں ہوا، اس کو اسلام سے خارج قرار دینا جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے خلاف اور غلط ہے۔

”ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب، وإن كانت كبيرة إذا لم

يستحلها، ولا نزيل عنه اسم الإيمان، ونسمية مؤمناً حقيقة يجوز أن يكون

مؤمناً فاسقاً غير كافر الخ“ شرح فقہ اکبر، ص: ۸۶ (۱)۔

زید نے جب کھانے کا خود اقرار کر لیا تو تفتیش کی اور گواہوں کی کچھ حاجت نہیں رہی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

= المعصية، والثاني: أن يندم على فعلها، والثالث: أن يعزم أن لا يعود إليها أبداً“۔ (رياض الصالحين، باب التوبة، ص: ۲۴، ۲۵، قديمی)

”أركان التوبة ثلاثة: الندامة على المعاصي، والإقلاع في الحال، والعزم على عدم العود في المستقبل ثم هذا إن كانت التوبة فيما بينه وبين الله كشرب الخمر“۔ (شرح الفقہ الأكبر لملا علی القارئ، ص: ۱۵۸، قديمی)

(۱) (شرح الفقہ الأكبر لملا علی القارئ، الكبيرة لا تخرج المؤمن عن الإيمان، ص: ۷۱، قديمی)

”والكبرة لا تخرج العبد المؤمن من الإيمان ولا تدخله الكفر نعم إذا كان بطريق الاستحلال والاستخفاف، كان كفراً لكونه علامة للتكذيب“۔ (شرح العقائد النسفية، ص: ۸۳، سعيد)

”أهل الكبائر من أمة محمد صلى الله تعالى عليه وسلم في النار لا يخلدون إذا ماتوا وهم موحدون ولا تكفر أحداً من أهل القبلة بذنب مالم يستحلّه“۔ (شرح العقيدة الطحاوية، العصاة من أهل

الكبائر لا يخلدون، ص: ۲۹۱، ستاريه)

صابن میں مردار جانور کی چربی

سوال [۱۱۲۴۳]: صابن میں مردار جانور کی چربی پڑتی ہے، ہمارے یہاں ایک مشین ہے، جس میں کپڑے کو رکھ دیا جاتا ہے، اس میں کٹ پھٹ کر گوشت ہڈی چربی سب الگ الگ ہو جاتی ہے اور یہ چربی صابن میں پڑتی ہے اور اس صابن سے غسل اور کپڑے دھوئے جاتے ہیں، یہ کپڑے پاک ہیں یا ناپاک؟ صابن کی تجارت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات محل تامل ہے، کہ صابن بنانے سے چربی کی ماہیت منقلب ہو جاتی ہے یا نہیں، بعض علماء فرماتے ہیں ماہیت بالکل بدل جاتی ہے، جس طرح گدھا نمک کی کان میں گر جائے اور ماہیت بدل کر نمک بن جائے، یا غلیظ کو جلا دیا جائے، جس سے وہ راکھ بن جائے، یہی حال چربی کا ہے، جس سے صابن بنا لیا جائے، وہ حضرات ایسے صابن سے دھوئے ہوئے بدن اور کپڑے کو پاک فرماتے ہیں اور اس صابن کو استعمال کرنے کی بھی اجازت دیتے ہیں۔

دوسرے بعض اہل علم اکابر فرماتے ہیں کہ صابن بن جانے کے بعد چربی چربی ہی رہتی ہے، اس کی ماہیت منقلب نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس کے خواص اس میں موجود رہتے ہیں، ان حضرات کے نزدیک جس کپڑے میں ایسے صابن کے اجزاء باقی رہیں گے، وہ پاک نہیں ہوگا (۱)۔ والقول الأول أوسع، والثاني أرفع. واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”ثم هذه المسألة قد فرعوها على قول محمد بالطهارة بانقلاب العين الذي عليه الفتوى، واختاره أكثر المشائخ، خلافاً لأبي يوسف، كما في شرح المنية والفتح وغيرهما، وعبارة المجتبي: جعل الدهن النجس في صابون يفتى بطهارته؛ لأنه تغير، والتغير يطهر عند محمد، ويفتى به للبلوى وعليه يتفرع ما لو وقع إنسان أو كلب في قدر الصابون فصار صابوناً، يكون طاهراً لتبدل الحقيقة“.

(رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/ ۳۱۶، سعيد)

”و على قول محمد فرعوا الحكم بطهارة صابون صنع من زيت نجس، وفي المجتبي: جعل =

خنزیر کی چربی صابن میں ملانا

سوال [۱۱۲۴۴]: ایک مسلم صاحب صابن کے بیوپاری ہیں، یہ خبر ملی ہے کہ تیل کی قیمتیں بڑھ جانے کی بناء پر گورنمنٹ نے مغربی ممالک سے درآمد ہونے والی چربی کا کوٹا صابن بنانے والی کمپنیوں کو دینے کا سلسلہ شروع کیا ہے، جس میں ہر قسم کے جانوروں (جس میں سور خنزیر بھی شامل ہے) کی چربی ہوتی ہے، کمپنیاں اس درآمد شدہ چربی کو صابن میں ملاتی ہیں۔ ایک دین دار مسلم ڈاکٹر ہے، اس سے معلوم ہوا ہے کہ چربی کو کیمیائی رد عمل سے نمکیات میں تبدیل کر کے صابن میں ملایا جاتا ہے۔

تفصیل بالا کی روشنی میں براہ کرم اس مسئلہ کا جواب تحریر فرمادیں کہ خوشبودار نہانے اور کپڑے دھونے کے صابن جو ان کمپنیوں میں تیار کیا جاتا ہے، ان کا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردار کی چربی نجس ہے اور خنزیر نجس العین ہے (۱)، جب تک قلب ماہیت ہو کر حقیقت اور خواص کی تبدیلی نہ ہو جائے، استعمال جائز نہیں (۲)، بلا تحقیق محض شبہ کی بناء پر صابن کو نجس کہنے کا بھی حق

= الدھن النجس فی صابون یفتی بطہارتہ؛ لأنہ تغیر، والتغیر یطہر عند محمد، ویفتی بہ للبلوی۔
(البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، باب الأنجاس: ۱/۳۹۴، ۳۹۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الطہارۃ، الباب السابع فی النجاسة وأحكامها، الفصل الأول: ۱/۴۵، رشیدیہ)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إنما حرم علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما أهل به لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)
”وأما الخنزیر فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة“۔ (البحر الرائق، کتاب الطہارۃ: ۱/۱۹۱، رشیدیہ)

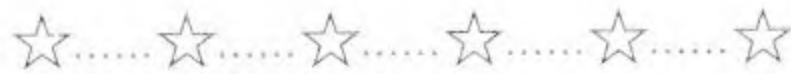
(و کذا فی الحلبي الكبير، فصل فی الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهیل اکیڈمی لاہور)

(۲) اور اگر قلب ماہیت ہو کر حقیقت اور خواص تبدیل ہو جائیں، تو پاک ہو جائے گا۔

”(قوله: لانقلاب العين) علة لكل وهو المختار؛ لأن الشرع رتب وصف النجاسة على تلك الحقيقة، وتنتفى الحقيقة بانتفاء بعض أجزاء مفهومها فكيف بالكل؟! فإن الملح غير العظم واللحم فإذا صار ملحاً ترتب حكم الملح، ونظيره في الشرع النطفة نجسة، وتصير علقة، وهي نجسة، =

نہیں (۱)، اگر نجس کپڑے یا بدن پر استعمال کر کے دھو ڈالا اور پاک کر لیا تو نماز درست ہو جائے گی، بدن اور کپڑے کو پاک کہا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



= وتصير مضغة فتطهر، والعصير طاهر فيصير خمراً فينجس، ويصير خلا فيطهر. فعرفنا أن استحالة العين تتبع زوال الوصف المرتب عليها“. (رد المحتار، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۲۳، سعيد)

”ومنها الاستحالة، تخلل الخمر في خابية جديدة طهرت بالاتفاق“. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الطهارة، الباب السابع في النجاسة: ۱/۴۴، رشیدیہ)

”والسابع انقلاب العين فإن كان في الخمر فلا خلاف في الطهارة، وإن كان في غيره كالخنزير والميتة تقع في المصلحة فتصير ملحاً تؤكل“. (البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الأنجاس: ۱/۳۹۴، رشیدیہ)

(۱) ”اليقين لا يزول بالشك، اليقين عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء، أو عدم وقوعه..... عنى أن الأمر لا يمتيقن بثبوت لا يرتفع إلا بدليل قاطع، ولا يحكم بزواله بمجرد الشك، كذلك المتيقن عدم ثبوت لا يحكم بثبوت بمجرد الشك؛ لأن الشك أضعف من اليقين فلا يعارضه ثبوتاً وعدمًا“.

(شرح المجلة للأناسي، المادة: ۳: ۱/۱۸، رشیدیہ)

”ما ثبت بيقين لا ترتفع إلا بيقين“. (قواعد الفقه، ص: ۱۱۴، الصدف)

(و كذا في الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، القاعدة الثالثة: ۱/۱۸۳، إدارة القرآن كراچی)

(۲) ”ويطهر محل غيرها أي: غير مرئية بغلبة ظن غاسل لو مكلفاً، وإلا فمستعمل“. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الأنجاس: ۱/۳۳۱، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، باب الأنجاس: ۱/۴۱۲، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، الفصل السابع في النجاسة: ۱/۴۷، رشیدیہ)

باب التداوی والمعالجة

الفصل الأول في ما يتعلق بحمل المرأة وموانعه

(حمل، اسقاط حمل اور موانع حمل کا بیان)

نسبندی کا آپریشن

سوال [۱۱۲۲۵]: میری عورت حالت حمل میں تقریباً آٹھ ماہ تک بیمار رہتی ہے اور پیٹ میں درد رہتا ہے، کھاتی پیتی ہے، وہ سب قے ہو جاتی ہے تو میں آپریشن کروا سکتا ہوں یا نہیں؟ اور میرے چار بچے ہیں۔ فقط۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

حالت حمل میں عامۃً تکلیف زیادہ اور اکثر قے ہوا کرتی ہے، قرآن پاک میں ہے: ﴿حملته أمه
کرھا ووضعتہ کرھا﴾ (۱) بچہ پیدا ہونے کے وقت زیادہ تکلیف رہتی ہے، اس سے بچنے کے لئے آپریشن کی
اجازت ہو جائے تو آئندہ پیدائش کا سلسلہ ختم ہو جائے۔

کچھ روز تک ایسا ہوگا کہ نہ حمل ہوگا اور نہ پیدائش، پھر کچھ مدت کے بعد نکاح کی بھی ضرورت نہ ہوگی۔
حتیٰ کہ دنیا انسانوں سے خالی ہو جائے گی، قے اور پیٹ کے درد کے لئے حکیموں کے پاس دوائیں ہیں، ان سے
علاج کرایا جائے، نسبندی آپریشن ہرگز نہ کرایا جائے، کہ نسبندی آپریشن احکام شریعت کے خلاف ہے (۲)۔ فقط۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (الأحقاف: ۱۵)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ (بنی اسرائیل: ۳۱)
”تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم“، (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل =

فیملی پلاننگ یا نسل کشی

سوال [۱۱۲۲۶]: ہماری نظروں سے ایک اشتہار گزر رہا نام اسلامی رہنماؤں کے، جو ہو بہو جناب اقدس کی خدمت میں پیش جاتا ہے، اس کی عبارت دیکھ کر طبیعت تلملائی، برائے مہربانی اس کا جواب لکھ کر ہماری حیرانی دور کرنے کا موقع عنایت فرمائیں۔

اس وقت پنجاب میں مسلمانوں کی کل آبادی ایک لاکھ اٹائیس ہزار ہے اور غیر مسلم آبادی پنجاب میں تقریباً پونے دو کروڑ پر مشتمل ہے، فتوے میں مسلم آبادی کا لحاظ کریں۔

مالیر کوٹلہ کے مفتی کا فتویٰ: فیملی پلاننگ کا مطلب نسل کشی

نہیں، بلکہ اتنی اولاد پیدا کرنا ہے، جس کی پرورش ہم آسانی سے کر سکیں، تاکہ ہماری قوم طاقت ور بنے، فیملی پلاننگ پروگرام اپنا کر ملک کو درپیش بڑے بڑے مسئلوں کو آسانی سے حل کیا جاسکے گا اور قوم کو زیادہ سہولتیں بھی مل جائیں گی، ہمارے اس پروگرام کے ساتھ پوری ہمدردی ہے، ایسا کر کے ہم کسی پر احسان نہیں کرتے، بلکہ خود اپنی قوم کا اور اپنا فائدہ کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

افزائش، پیدائش کی کوشش کا حدیث شریف میں حکم ہے:

”عن معقل بن یسار قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه

وسلم: ”تزوجوا الودود الولود، فإني مكاثر بكم الأمم“ (رواه أبو داود،

والنسائي، مشکوة شریف، ص ۲۶۷) (۱)۔

= (الثاني: ۲/۲۶۷، قدیمی)

”قال عبد الله رضي الله تعالى عنه: كنا نغزو مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، وليس لنا

شيء فقلنا: ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك“ (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل

والخصاء: ۲/۷۵۹، قدیمی)

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني: ۲/۲۶۷، قدیمی)

(وسنن أبي داود، كتاب النكاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء: ۲/۳۱۹، رقم الحديث:

= ۲۰۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بغیر نکاح کے زندگی بسر کرنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے:

”عن سعد بن أبي وقاص رضي الله تعالى عنه قال: رد رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا“ متفق عليه مشكاة، ص: ۲۶۷ (۱).

حسب حیثیت و مصلحت چار نکاح تک کی اجازت دی گئی:

﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث وربع﴾ الآية (۲).

ایک صحابی نے قطع نسل کی اجازت چاہی تھی، تو اجازت نہیں دی گئی:

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قلت يا رسول الله! إني رجل شاب، وأنا أخاف على نفسي العنت، ولا أجد ما أتزوج به النساء، كأنه يستأذنه في الاختصاص، قال: فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك، فسكت عني، فقال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”يا أبا هريرة جف القلم بما أنت لاق، فاخص على ذلك أو ذر“ (رواه البخاري). مشكاة شريف، ص: ۲۰ (۳).

= (وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ۶/۲۵، رقم الحديث: ۳۲۲۷، دارالمعرفة بيروت)

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الثاني: ۲/۲۶۷، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل، ص: ۹۰۸، رقم الحديث: ۵۰۷۳، دارالسلام رياض)

(وصحيح مسلم، كتاب النكاح، باب استحباب النكاح لمن تافت نفسه، ص: ۵۸۷، رقم الحديث: ۳۲۰۴، دارالسلام)

(۲) (النساء: ۳)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر، الفصل الأول: ۱/۲۰، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ما يكره من التبتل، ص: ۹۰۸، رقم الحديث: ۵۰۷۲، دارالسلام)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب النهي عن التبتل: ۶/۲۰، رقم الحديث: ۳۲۱۵، دارالمعرفة بيروت)

”لیس هذا إذنا في الاختصاص، بل توبيخ ولوم على الاستيذان في قطع

عضو بلا فائده اه“ مرقاة: ۱/۱۵۹ (۱).

عزل (صحبت کر کے منی باہر گرانے کو) ”وَأَدْخَفِي“ فرمایا گیا ہے، جس کا قرآن پاک میں تذکرہ ہے۔

”ثم سئلوه عن العزل، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ذلك

الوَأَدْخَفِي، وهي وإذا المؤودة سئلت“ (رواه مسلم مشكوة، ص: ۲۷۶ (۲).

”عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”الوائدة

والمؤودة في النار“ (رواه أبو داود والترمذي مشكاة شريف، ص: ۲۳ (۳).

ان دلائل کی روشنی میں یہ فیملی پلاننگ قطعاً شارع علیہ السلام کے منشاء کے خلاف ہے، تعلیمات اسلام میں ہرگز اس کا جواز نہیں ہے، جس نظریہ کے ماتحت یہ سلسلہ شروع کیا گیا ہے، یعنی اناج کی کمی وہ نہایت خطرناک ہے، اس کا حاصل تو یہ ہے کہ رزاق مطلق اپنی ذات کو تجویز کر لیا ہے کہ ہم ہی روزی رساں ہیں، تمام ملک کی روزی ہم ہی پیدا کرتے ہیں، ہم ہی سب کو دیتے ہیں، اگر اولاد زیادہ ہو گئی، تو کہاں سے کھلائیں گے، یہ تخیل بالکل قرآن پاک اور حدیث شریف کے خلاف ہے، اللہ پاک نے خود وعدہ فرمایا ہے۔

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (۴).

(۱) (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، الفصل الأول: ۱/۲۷۹، رشیدیہ)

(۲) (مشکاة المصابیح، کتاب النکاح، باب المباشرة، الفصل الأول: ۲/۲۷۶، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب النکاح، باب جواز الغيلة، ص: ۶۱۲، رقم الحدیث: ۳۵۶۵، دار السلام)

(وسنن النسائي، کتاب النکاح، باب الغيلة: ۶/۱۰۷، رقم الحدیث: ۳۳۲۶، دار المعرفة بیروت)

(۳) (مشکاة المصابیح، کتاب الایمان، باب الایمان بالقدر، الفصل الثاني: ۱/۲۳، قدیمی)

(وسنن أبي داود، کتاب السنة، باب في ذراري المشركين: ۴/۳۰۲، رقم الحدیث: ۴۷۱۷، دار إحياء

التراث العربي بیروت)

(ومسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند المكيين، حدیث سلمة بن يزيد الجعفي: ۴/۵۲۵، دار إحياء

التراث العربي بیروت)

(۴) (هود: ۶)

کہ سب کی روزی کی ذمہ داری اللہ نے لی ہے، زمانہ جاہلیت میں روزی کے خاطر اولاد کو ختم کر دیتے تھے، اس کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ باب الکبائر میں حدیث ہے:

”قال ثم أي؟ قال: ”أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك“ اه مشكوة

شریف، ص: ۱۶ (۱).

فقرا لاحق ہو جانے کے اندیشہ سے یا فقر لاحق ہو جانے کی بناء پر اس اقدام کی قرآن پاک میں سخت ممانعت آئی ہے:

﴿ولا تقتلوا أولادكم من إملاق نحن نرزقكم وإياهم﴾ الآية (۲).

﴿ولا تقتلوا أولادكم خشية إملاق نحن نرزقهم وإياكم﴾ الآية (۳).

جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، تب ہی اس کی روزی متعین ہو جاتی ہے، اس میں کمی زیادتی نہیں ہو سکتی اور جتنی روزی خدا کی طرف سے متعین کر دی گئی ہے، وہ ضرور پہنچ کر رہے گی، اس سے پہلے آدمی مر نہیں سکتا، روزی خود تلاش کرتی پھرتی ہے، آدمی اگر اس سے بچ کر بھاگنا چاہے، تو بھاگ نہیں سکتا، جس طرح موت سے آدمی بچ کر بھاگ نہیں سکتا:

”عن ابن مسعود قال: حدثنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم:

”وهو الصادق المصدوق أن خلق أحدكم يجمع في بطن أمه أربعين يوماً نطفة،

ثم يكون علقةً مثل ذلك، ثم يكون مضغة، ثم يبعث الله إليه ملكاً بأربع كلمات،

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر، الفصل الأول: ۱/۱۶، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب الديات، باب في قوله تعالى: ﴿ومن يقتل مؤمناً متعمداً﴾، ص: ۱۱۸۲، رقم

الحديث: ۲۸۶۱، دار السلام)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب، ص: ۵۳، رقم الحديث:

۱۴۲، دار السلام)

(۲) (الأنعام: ۱۵۱)

(۳) (بنی اسرائیل: ۳۱)

فیكتب عمله وأجله ورزقه الخ“ متفق علیه مشكاة شریف: ۲۰/۱ (۱).

”أن نفساً لن تموت حتى تستكمل رزقها“ مشكاة شریف:

۴۵۲/۲ (۲).

”عن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن

الرزق يطلب العبد كما يطلب أجله“ رواه أبونعیم فی الحلیة مشکوة: ۴۵۴/۲ (۳).

”ولا يحملنكم استبطاء الرزق أن تطلبوه بمعاصي الله، فإنه لا يدرك ما

عند الله إلا بطاعته“ (رواه فی شرح السنة، مشکوة شریف: ۱۵۲/۲) (۴).

جو کچھ خدا پاک کی طرف سے تجویز فرما دیا گیا ہے، اس کے خلاف سب امت مل کر بھی کسی کو ایک دانہ کا

بھی نفع نہیں پہنچا سکتی:

”واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا

(۱) (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الإيمان بالقدر: ۲۰/۱، قديمی)

(وصحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ذكر الملائكة، ص: ۵۳، رقم الحديث: ۳۲۰۸، دارالسلام)

(وصحيح مسلم، كتاب التوحيد، باب قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا﴾، ص: ۱۲۸۴، رقم

الحديث: ۴۵۲، دارالسلام)

(۲) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني: ۴۵۲/۲، قديمی)

(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الاقتصاد في طلب الرزق: ۱۲۳/۴، دارالفكر)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثالث: ۴۵۴/۲، قديمی)

(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الاقتصاد في طلب الرزق: ۱۲۵/۴، دارالفكر)

(وكذا في المقاصد الحسنة، حرف الهمزة، ص: ۱۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۴) (مشكاة المصابيح، كتاب الرقاق، باب التوكل والصبر، الفصل الثاني: ۴۵۲/۲، قديمی)

(وكذا في مجمع الزوائد، كتاب البيوع، باب الاقتصاد في طلب الرزق: ۱۲۳/۴، دارالفكر)

(وكذا في مصنف ابن أبي شيبة، كتاب الزهد، ما ذكر عن نبينا صلى الله تعالى عليه وسلم في الزهد:

۶۹/۱۹، المجلس العلمي)

بشيء قد كتب الله لك“ (مشکوٰۃ شریف، ص: ۴۵۲) (۱)۔

اناج کی کمی کا اصل علاج یہ نہیں ہے کہ پیدائش پر بندش لگا دی جائے، بلکہ علاج یہ ہے کہ جن اسباب و معاصی کی وجہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے، ان کو دفع کیا جائے، اسباب تو روز افزوں ہو تہذیب میں داخل ہو جائیں، جزو زندگی بن جائیں، اذہان و قلوب سے ان کی قباحات و شاعت ختم کر دی جائے اور ان اسباب پر مرتب ہونے والے نتائج کو بند کرنے کے لئے تدابیر خود ساختہ خدا اور رسول کے حکم کے خلاف اختیار کی جائیں، اس کا نتیجہ تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے، جب کہ معاصی پر عذاب آخرت سے پہلے ہی پہلے اس دنیا میں مصائب و بلا کا ترتیب ہوتا ہے، ان کی تفصیل احادیث میں موجود ہے، وقت ضرورت ان کی تفصیل لکھی جاسکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۶/۸۷ھ۔

خاندانی منصوبہ بندی

سوال [۱۱۲۴]: ما الحكم في تقدير الذي قدر من جانب النكاح لا تكاثر الأولاد،
وقدر في ثلاثة أم في أقل منه، هل يجوز لنا هكذا التقدير؟
الجواب حامداً ومصلحاً:

الاكتفاء في الأولاد بهذا العدد وحصرها فيه ليس له دليل في الشرع، بل الدليل على خلافه عن معقل بن يسار رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: تزوجوا الولود بالولود؛ فإني مكاثركم الأمم“ (رواه أبو داود والنسائي، مشکوٰۃ، ص: ۲۶۷) (۲)۔

(۱) (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب الرقاق، باب التوکل والصبر، الفصل الثاني: ۲/۵۳، قديمی)

(وسنن الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقاق والورع: ۳/۳۸۸، رقم الحديث: ۲۵۱۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما: ۱/۲۹۳، رقم

الحديث: ۲۶۶۲، دار إحياء التراث العربي بیروت)

(۲) (مشکوٰۃ المصابيح، کتاب النکاح، الفصل الثاني: ۲/۲۶۷، قديمی)

(وسنن أبي داود، کتاب النکاح، باب النهي عن تزويج من لم يلد من النساء، رقم الحديث: ۲۰۵۰:

۲/۳۱۹، دار إحياء التراث العربي بیروت) =

وقال الله تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ الآية (۱). واللّٰهُ سُبْحَانَهُ تَعَالٰی اَعْلَمُ.
حرره العبد محمود عفی عنه، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۳۸۷ھ (۲).

محکمہ نسبندی میں ملازمت

سوال [۱۱۲۲۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ میں محکمہ نسبندی میں ملازم ہوں، اس محکمہ میں صاحبِ اولاد کو زائد تولد کے سلسلہ کو ختم کرانے کے لئے آپریشن کے کام پر ملازمت کرتا ہوں۔ لہذا کیا یہ کام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اس کی تنخواہ لینا کیسا ہے؟ جو تنخواہ مل چکی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ مجبوراً یہ کام کرنا پڑے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ محکمہ اس بنیاد اور نظریہ پر قائم کیا گیا ہے کہ آدمی زیادہ ہو گئے، غلہ کم پیدا ہوتا ہے، سب کو راشن پورا نہیں ملتا، جو آدمی پیدا ہو چکے ان کو دنیا سے ختم کرانے میں مفسد بہت ہیں، جن کو برداشت کرنا دشوار ہے، لہذا ایسی صورت اختیار کی جائے کہ آدمی کم پیدا ہوں، تاکہ راشن سب کو ملے یہ نظریہ تعلیمات اسلام کے بالکل خلاف ہے، زمانہ جاہلیت کے لوگ اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے، کہ اگر یہ زندہ رہیں، تو اس کو راشن کہاں سے دیں

= (وسنن النسائي، كتاب النكاح، باب كراهية تزويج العقيم: ۶/۶۵، رقم الحديث: ۳۲۲۷، دارالمعرفة بيروت)
(۱) (الأحزاب: ۳۶)

(۲) ترجمہ سوال: ”کیا حکم ہے اس اندازے اور عدد کا جو خاندانی منصوبہ بندی والوں کی طرف سے مقرر ہے کہ زیادہ اولاد پیدا نہ کرو اور تین یا اس سے کم (اولاد) پیدا کرنے کو اپناؤ، کیا اس طرح (اولاد کے عدد کو) مقرر کرنا ہمارے لئے جائز ہے؟“

جواب: اولاد کے پیدا ہونے میں تین یا اس سے کم کے عدد کو مقرر کر لینا اور اسی پر اکتفاء کر لینے کے بارے میں شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ اس (نظریے) کے خلاف دلیل موجود ہے اور وہ یہ کہ ”حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد ہے کہ ”تم ایسی عورت سے نکاح کرو، جو خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچے جننے والی ہو، کیونکہ دوسری امتوں کے مقابلے میں، میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔“ اور اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾.

گے، وہ یہ سمجھتے تھے کہ راشن دینے والے ہم ہیں، خدا تک اس معاملہ میں ان کی نظر کم جاتی تھی، ان کے اس نظریہ کو روکنے کے لئے ارشاد ہوا۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمَّا لَكُمْ نَحْنُ نَرْزُقْهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ الآية (۱)۔

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمَّا لَكُمْ نَحْنُ نَرْزُقْكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ الآية (۲)۔

یعنی فقر کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تم کو اور تمہاری اولاد کو ہم روزی دیں گے، اس نظریہ کی بناء پر یہ تدابیر اختیار کرنا خدائے پاک کی ذات اور اس کے وعدوں پر اعتماد کو ختم کرنا ہے، اس لئے ہرگز جائز نہیں، علاوہ ازیں ایک دوسری خرابی اس میں یہ ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تکثیر اولاد کی ترغیب دی ہے (۳)۔ اور یہ منصوبہ بالکل اس کی ضد ہے، اس منصوبہ بندی میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اگر تین بچے پیدا ہونے پر آپریشن کر دیا گیا اور پھر عورت کا انتقال ہو گیا، مرد نے اس کے بعد دوسری شادی کی، تو وہ دوسری عورت اولاد سے قطعاً محروم رہے گی۔

لہذا اس مقصد کے لئے آپریشن کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی ملازمت بھی جائز نہیں، اس کی تنخواہ بھی جائز نہیں (۴)۔ اس کے علاوہ دوسرا ذریعہ معاش اختیار کیا جائے اور دوسرا جائز ذریعہ معاش حاصل ہونے تک

(۱) (بنی اسرائیل: ۳۱)

(۲) (الأنعام: ۱۵۱)

(۳) ”عن معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: تزوجوا الودود

الولود؛ فإني مكاثر بكم الأمم“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب النکاح، الفصل الثانی: ۲/۲۶۷، قدیمی)

(وسنن أبي داود، کتاب النکاح، باب النهی عن تزویج من لم یلد من النساء: ۲/۳۱۹، رقم الحدیث:

۲۰۵۰، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(وسنن النسائي، کتاب النکاح، باب کراهیة تزویج العقیم: ۶/۶۵، رقم الحدیث: ۳۲۲۷، دار المعرفۃ بیروت)

(۴) ”قال عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: کنا نغزو مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وليس لنا شيء،

فقلنا: ألا نستخصي؟ فنهانا عن ذلك... الخ“۔ (صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب ما یکره من

التبتل والخصاء: ۲/۷۵۹، قدیمی)

”قال الحافظ العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ: والحجة فيه أنهم اتفقوا على منع الجب والخصاء، =

بحالت مجبوری پوری ناگواری کے ساتھ اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے، انتہائی جدوجہد کے ساتھ تلاش کر کے دوسری صورت ملنے پر اس کو ترک کر دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غنی عنہ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمن، نائب مفتی۔

آپریشن سے جنس تبدیل کرنے کا حکم

سوال [۱۱۲۳۹]: سیکس تبدیل کرنا (اپنی ہیئت مخلوق تبدیل کرنا، مرد سے عورت بننا اور عورت سے مرد بننا) شریعت مطہرہ کی رو سے سیکس تبدیل کرنے کے لئے آپریشن کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ کیا اس حرکت شنیع سے تغیر خلق لازم نہیں آئے گی، جواز و عدم جواز کا قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کا مفصل و مدلل جواب دیں۔

نصوت: اس واقعہ کا وقوع ہو چکا ہے، اس لئے آپ کو زحمت دی جا رہی ہے، کہ اس کے بارے میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:

اٹلی کی کہانی منیجر کی زبانی: ”ملانی (اٹلی) کے ایک شراب خانہ کے منیجر کو اس لئے نوکری سے الگ کر دیا گیا، کیونکہ اس کے بارے میں پتہ چل گیا ہے کہ یہ دراصل وہی لڑکی ہے، جو اس بار میں بار میٹر کا کام کر چکی ہے، جب کہ اس کا کہنا ہے کہ اس میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے، اس نے بتایا کہ چھ سال سے پہلے سیکس تبدیل کرنے کے لئے جو آپریشن کر دیا تھا، وہ کامیاب رہا اور اب وہ نہ صرف یہ کہ مرد دکھائی دیتی ہے، بلکہ مردوں کی طرح محسوس بھی کرتی ہے، اب وہ ایک شادی شدہ مرد ہے، جس کے دو بچے ہیں، منیجر نے یہ تسلیم کیا کہ چند سال پہلے وہ ایک عورت تھی اور اس کے ایک بیٹا بھی تھا، لیکن اب وہ ایک مرد ہے اور ایک کامیاب ازدواجی زندگی گزار رہا ہے۔“

= فیلحق بذلك ما في معناه من التداوي بالقطع أصلاً. (فتح الباري، كتاب النكاح، باب مايكره من التبتل والخصاء: ۹/۹۷، دارالمعرفة بيروت)

”كل ما يؤدي إلى ما لا يجوز، لا يجوز.“ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة،

فصل في اللبس: ۲/۳۶۰، سعيد)

الجواب حامداً ومصلحاً:

جو مرد زنانہ ہیئت اختیار کرے یا زنانہ لباس پہنے اس پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے، اسی طرح جو عورت مردانہ ہیئت اختیار کرے یا مردانہ لباس پہنے اس پر بھی حدیث پاک میں لعنت آئی ہے (۱)۔ یہاں تک کہ جو عورت مردوں کی طرح گھوڑے پر سوار ہو، اس پر بھی لعنت آئی ہے:

”لعن الله الفروج على السروج“ (۲) کذا في فتح القدير.

نیز ”لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء“.

اور ”لعن الله المتشبهات من النساء بالرجال“ (۳).

پھر مستقلاً صفت ذکورہ کو انوثت میں تبدیل کرنا اور بالعکس کہاں درست ہوگا کہ اس میں ہر مرد کی تخلیق

(۱) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: لعن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال“ (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء: ۸۷۴/۲، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۰، قديمی)

(و كذا في الجامع الصغير مع فيض القدير، رقم الحديث: ۷۲۶۵: ۱۰/۳۹۹۴، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۲۵۶/۳، سعيد)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الطلاق، باب إيقاع الطلاق: ۳۵۹/۳، رشيدیه)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الطلاق، باب الصريح: ۱۱۵/۲، دارالمعرفة بيروت)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل: وأما شرائط الركن فأنواع: ۲۲۵/۳، رشيدیه)

(۳) (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قديمی)

”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: لعن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال“ (صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب المتشبهين بالنساء: ۸۷۴/۲، قديمی)

(و كذا في الجامع الصغير مع فيض القدير، رقم الحديث: ۷۲۶۵: ۱۰/۳۹۹۴، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

کی مخصوص غایت ہی فوت ہو جاتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۹۹ھ۔

حاملہ کا پیٹ چاک کر کے بچہ نکالنا

سوال [۱۱۲۵۰]: اگر حاملہ عورت کا انتقال ہو جائے تو بچہ کو عورت کا پیٹ چاک کر کے نکالنا جائز

ہے، اس شبہ پر کہ بچہ پیٹ میں زندہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حاملہ مر جائے اور بچہ پیٹ میں زندہ ہو، تو پیٹ چاک کر کے بچہ نکال لیا جائے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۲ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا ضَلٰلَہُمْ وَلَا مَنِيۡہُمْ وَلَا مَرۡنَہُمْ فَلَيَبۡتَغُنَ اٰذَانَ الْاَنۡعَامِ، وَلَا مَرۡنَہُمْ فَلَيَغَيِّرُنَّ خَلۡقَ اللّٰہِ﴾
(النساء: ۱۱۹)

”قوله تعالى: ﴿خَلَقَ اللّٰہُ﴾ عن نهجه صورة او صفة، ويندرج فيه وخصاء العبد والوشم والوشر واللواطه والسحاق ونحو ذلك وتغيير فطرة الله تعالى التي هي الاسلام، واستعمال الجوارح والقوى فيما لا يعود على النفس كما لا، ولا يوجب لها من الله سبحانه زلفى“. (روح المعاني، النساء: ۱۱۹؛ ۵/۱۹۳، ۱۵۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۱۹؛ ۵/۲۶۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(۲) ”امراة حامل ماتت، وعلم أن ما في بطنها حي فإنه يشق بطنها من الشق الأيسر، وكذلك إذا كان أكبر رأيهم أنه حي يشق بطنها، كذا في المحيط. وحكي أنه فعل ذلك بإذن أبي حنيفة فعاش الولد.“
(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الحادي والعشرون: ۵/۳۶۰، رشيدية)

”امراة ماتت والولد يضطرب في بطنها، قال محمد: يشق بطنها ويخرج الولد، لايسع إلا ذلك“. (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، باب غسل الميت: ۱/۱۸۸، رشيدية)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب صلاة الجنائز: ۱/۳۹۸، إمداديه)

الفصل الثاني في التداوي بالمحرم وغيره (حرام وحلال سے دوا کرنے کا بیان)

”بولِ فیل“ برائے علاج

سوال [۱۱۲۵۱]: ایک حکیم صاحب مسلمان ہیں، نماز کے پابند ہیں، لیکن ڈاڑھی نہیں رکھتے ہیں، ایک عورت کا علاج پانچ مہینہ سے کر رہے ہیں، عورت کو سترہ سال سے کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے، بہت علاج کرا لیا ہے، ان حکیم صاحب کی دوائی سے حیض میں تھوڑا فائدہ ہے، اب پانچ ماہ علاج کے بعد حکیم صاحب نے اس مرتبہ جو دوائی دی، اس میں بولِ فیل ”ہاتھی نر کا پیشاب“ ہمبستری کے وقت پینے کے لئے دیا تھا، یہ سوچتے ہوئے کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ مریضوں کو جو استسقاء کے مرض میں مبتلا تھے، اونٹ کا دودھ اور پیشاب بتلایا تھا اور ٹھیک ہو گئے تھے تو میں یہ سوچتے ہوئے بولِ فیل دو مرتبہ استعمال کر چکا ہوں، لیکن طبیعت میں کچھ پریشانی ہے، براہِ کرم آپ بتلائیں کہ مرض کی صورت میں اس کو استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو کتنی مقدار میں اور اگر ناجائز اور حرام ہے تو جو استعمال کیا جا چکا ہے، اس کی تلافی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض اولاد کا نہ ہونا، ایسی بیماری نہیں، جس کے لئے بولِ فیل پینے کی اجازت دی جاسکے، جو کچھ اب تک ہو چکا، اس سے توبہ واستغفار کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”اختلف في التداوي بالمحرم، وظاهر المذهب المنع كما في رضاع البحر، لكن نقل المصنف ثمة وهنا عن الحاوي: وقيل: يرخص إذا علم فيه الشفاء ولم يعلم دواء آخر كما رخص الخمر للعطشان، وعليه الفتوى“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، باب المياہ، مطلب في التداوي بالمحرم: ۲۱۰/۱، سعید)

”(للتداوي) أي: من مرض أو هزال مؤد إليه لا لنفع ظاهر كالتقوي على الجماع كما قدمناه، =

خراطین و خاکستہ دوائی کا استعمال

سوال [۱۱۲۵۲]: امعاء الارض یعنی خراطین و نیز کاخستہ یعنی عروسک کا داخلی استعمال کیسا ہے، نیز

خارجی استعمال کے بعد نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کھانا درست نہیں، جس جانور میں خون نہ ہو، اس کے خارجی استعمال کے بعد بغیر دھوئے بھی نماز

درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

= ولا للسمن كما في العناية. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۹/۲، سعيد)
(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۱۹۵/۳،
دارالمعرفة بيروت)

”فالحاصل: أن التداوي بالمحرم يجوز مع مراعاة الشرائط، والقيود لدفع المضرة لا لجلب
المنفعة، وحصول الولد إنما هو جلب المنفعة فحسب، فإنه لا يجوز له شرب بول الفيل“. (من المخرّج).
(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”إذا وقع الذباب
في إناء أحدكم فليغمسه كله، ثم ليطرحه؛ فإن في إحداه جناحيه شفاء وفي الآخر داء“. رواه البخاري.
(مشكاة المصابيح، كتاب الصيد والذبائح، باب ما يحل أكله: ۸۱/۲، دارالكتب العلمية بيروت)
”عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”إذا
وقع الذباب في الطعام فامقلوه“. رواه أبو داود. (مشكاة المصابيح، كتاب الصيد، باب ما يحل أكله:
۸۵/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

”وجه الاستدلال به أن الطعام قد يكون حاراً فيموت بالغمس فيه، فلو كان يفسده لما أمر النبي صلى
الله تعالى عليه وسلم بغمسه ليكون شفاء لنا إذا أكلناه، وإذا ثبت الحكم في الذباب ثبت في غيره مما هو
بسمعناه كالبق والذناير والعقرب إما بدلالة النص وإما بالإجماع كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير
الماء وهو الأصح، كذا في المحيط والتحفة“. (البحر الرائق، كتاب الطهارة: ۱/۱۶۰، ۱۶۲، رشيدية)

”ويجوز رفع الحدث بما ذكر وإن مات فيه أي: الماء ولو قليلاً غير دموي كزنبور وعقرب
وبق“. (الدر المختار). ”(قوله: غير دموي) المراد ما لا دم له سائل لما في القهستاني: أن المعتبر عدم =

ڈاکٹری دوائی میں شراب کی آمیزش

سوال [۱۱۲۵۳]: ایک مسلمان ڈاکٹر سے سنا ہے کہ انگریزی جتنی بھی پینے کی دوا ہے، سب میں شراب کی آمیزش ضرور ہے، تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو ڈاکٹری علاج اور انگریزی دوا کا استعمال شریعت پاک کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شرعی ثبوت سے تحقیق ہو جائے کہ حلال دوا میں شراب ہے تو اس کا پینا درست نہیں، بلا تحقیق حرمت کا حکم نہیں لگایا جائے گا (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن غفرلہ، ۹۲/۳/۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین عفی عنہ، ۹۲/۳/۷ھ۔

خنزیر کی چربی والا تیل دوا کے طور پر استعمال کرنا

سوال [۱۱۲۵۴]: ایک تیل تیار کرنا ہے، جو کہ بہت سی بیماریوں میں کام آئے گا، جس میں پندرہ قسم کی یونانی دوائیاں شامل ہیں، جس میں ہر ایک کلو سروسوں کے تیل میں ڈھائی گرام خنزیر کی چربی ملا نا ہے، کیا شرعی حکم سے چربی ملائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بغیر ملائے تیل میں کمزوری باقی رہتی ہے۔

= السیلان لا عدم أصله حتى لو وجد حيوان له دم جامد لا ينجس فكل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء. (رد المحتار، کتاب الطهارة، باب المياة: ۱/۱۸۳، ۱۸۵، سعید)

(۱) ”الیقین لا يزول بالشك، اليقين عند الفقهاء هو جزم القلب بوقوع الشيء، أو عدم وقوعه عنى أن الأمر لا متيقن بثبوت لا يرتفع إلا بدليل قاطع، ولا يحكم بزواله بمجرد الشك، كذلك المتيقن عدم ثبوته لا يحكم بثبوته بمجرد الشك؛ لأن الشك أضعف من اليقين فلا يعارضه ثبوتاً وعدمًا.“ (شرح المجلة للأناسي، المادة: ۴: ۱/۱۸، رشیدیہ)

”ما ثبت بيقين لا ترتفع إلا بيقين.“ (قواعد الفقه، ص: ۱۱۳، الصدف)

(و کذا في الأشباه والنظائر مع شرح الحموي، القاعدة الثالثة: ۱/۱۸۳، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنزیر نجس العین ہے (۱)، اس کی چربی کا استعمال کرنا بھی حرام ہے (۲)، ایسا تیل بھی نجس ہوگا، اگر کوئی ایسے مرض میں مبتلا ہو کہ تجربہ کار دیندار طبیب کی تشخیص کے مطابق اس کی دوا اور کوئی نہ ہو، بلکہ اس میں شفاء منحصر ہو، تو ایسی مجبوری کی حالت میں استعمال کی گنجائش ہوگی (۳)، مگر ناپاکی کا حکم پھر بھی باقی رہے گا (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۶/۱۴۰۱ھ۔



(۱) ”بخلاف الخنزیر؛ لأنه نجس العین، إذا لہاء في قوله تعالى: ﴿فإنه رجس﴾ منصرف إليه لقربه“۔ (الہدایۃ، کتاب الطہارات، باب الماء الذي يجوز به الوضوء، وما لا يجوز به: ۴۱/۱، شرکت علمیۃ ملتان)

”وشعر الخنزیر لنجاسة عينه أي: عين الخنزیر بجميع أجزائه“۔ (رد المحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۱، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب البیع، باب البیع الفاسد: ۶/۱۳۲، رشیدیہ)

(۲) ”وأما الخنزیر، فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة“۔ (البحر الرائق، کتاب الطہارۃ: ۱/۱۹۱، رشیدیہ)

(و کذا في الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سہیل اکیڈمی لاہور)

(و کذا في الدر المختار، کتاب البیوع، مطلب في التداوی بلبن البنت: ۵/۷۲، سعید)

(۳) ”وجوزہ في النهاية بمحرم إذا أخبره طبيب مسلم أن فيه شفاء، ولم يجد مباحاً يقوم مقامه“۔ (الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل في البیع: ۶/۳۸۹، سعید)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریۃ، الباب الثامن عشر في التداوی والمعالجات: ۵/۳۵۵، رشیدیہ)

(و کذا في المحيط البرہانی، کتاب الاستحسان، الفصل التاسع عشر في التداوی والمعالجات: ۶/۱۱۶، مکتبہ غفرانیہ کوئٹہ)

(۴) راجع رقم الحاشیۃ: ۲، ۱

باب المال الحرام ومصرفه

(مال حرام اور اس کے مصرف کا بیان)

مشتبه مال سے بچنا

سوال [۱۱۲۵۵]: عاجز کو اپنی خوراک کے حلال یا حرام ہونے کے بارے میں بہت تشویش ہے، میرا کھانا پینا ایک ایسے شخص کے پاس ہے، جس کا مال حرام اور مشتبه ہے، ایک ایسے شخص کے پاس خوراک کی دے کر کھانا میرے لئے شرعاً جائز اور حلال ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کا مال بالکل حرام ہے، یا غالب مال حرام ہے، تو اس کا کھانا آپ کے لئے جائز نہیں، اپنا انتظام کہیں اور کریں، اگر اس کا غالب یعنی اکثر و بیشتر مال حلال ہے اور کم مقدار میں حرام بھی ہے اور وہ سب مخلوط ہے تو آپ کے لئے اس کے کھانے کی گنجائش ہے (۱)، اگر محض مشتبه ہے تو پھر پریشان ہو کر تشویش میں نہ پڑیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، ۱۳/۱/۹۲ھ۔

(۱) "أهدى إلى رجل شيئاً، أو أضافه إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام، فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية، ولا يأكل الطعام إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل كذا في الينابيع، ولا يجوز قبول هدية أمراء الجور؛ لأن الغالب في مالهم الحرمة، إلا إذا علم أن أكثر ماله حلال فالمعتبر الغالب، وكذا أكل طعامهم". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثاني عشر في الهدايا: ۵/۳۴۲، رشيدية) =

مشتبہ مال سے بنے مکان میں رہائش

سوال [۱۱۲۵۶]: کیا مشتبہ مال سے بنے مکان میں بالغ بچوں کے لئے رہنا جائز ہے اور اس طرح کے گھر میں کوئی چیز استعمال میں لانا کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مال کا حرام ہونا معلوم ہو اس سے کھانا درست نہیں، نہ اس کو بحیثیت میراث لیا جائے، مالک اور اس کے ورثاء کا علم نہ ہو، تو اس کو صدقہ کر دیا جائے (۱)، اگر مال مخلوط ہو اور حلال غالب ہو، تو اس کا لینا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چوری کا مال خریدنا

سوال [۱۱۲۵۷]: مسروقہ شیء مثلاً: جانور کپڑا جوتہ وغیرہ کو دانستہ یا غیر دانستہ خریدنا اور اس کو

= (و کذا فی فتح باب العناية لملا علي القاري، کتاب الکراہیۃ: ۳۶/۳، سعید)

(و کذا فی المحيط البرہانی، کتاب الاستحسان، الفصل السابع عشر فی الهدایا: ۱۱۰/۶، حقانیہ)
(۱) ”ولو مات الرجل وکسبه من بیع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شیئاً، وهو أولى بهم، ويردونها علی أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعدل الرد علی صاحبه“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع: ۳۶۹/۸، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الغصب: ۳۲۱/۶، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”إذا کان غالب مال المهدی حلالاً، فلا بأس بقبول هدیته، أو أکل ماله مالم یتبین أنه حرام، وإن کان غالب ماله الحرام، لا یقبلها ولا یأکل، إلا إذا قال: إنه حلال ورثه أو استقرضه“۔ (الأشباه والنظائر: ۳۰۹/۱، إدارة القرآن)
”ولا یجیب دعوة الفاسق المعلن، لیعلم أنك غیر راض بفسقه، وکذا دعوة من کان غالب ماله من حرام مالم ینحصر أنه حلال، وبالعکس یجیب مالم یتبین عنه أنه حرام، کذا فی التمرتاشی“۔

(الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثانی عشر فی الهدایا والضيافات: ۳۴۳/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الکراہیۃ، فصل فی الأکل: ۵۲۹/۲، دار إحياء التراث العربی بیروت)

استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

معلوم ہونے پر کہ یہ چوری کی چیز ہے اس کا خریدنا درست نہیں، اس سے اس کی ملک ثابت نہیں ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنی، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

جو کپڑا درزی بچالے اس کا حکم

سوال [۱۱۲۵۸]: مسئلہ یہ ہے کہ ایک درزی میرا دوست ہے، اس کا لڑکا بھی میرے پاس پڑھتا ہے، وہ درزی یہ کہتا ہے کہ میں آپ کو ایک جواہر کٹ دوں گا، میرے پاس دس سال کا ایک کپڑا کسی کی شیروانی میں کا بچا ہوا ہے، درزی مسلمان ہے اور نماز بھی پڑھتا ہے، مگر چونکہ درزی کپڑا جو بچاتے ہیں، وہ چوری کا ہی بچاتے ہیں، مجھے یہی شبہ ہے کہ وہ شاید چوری کا ہے۔ درزی سے یہ معلوم کیا تو یہ بتایا کہ بہت دنوں کی بات ہے، معلوم نہیں کہ کس کا کپڑا تھا، اس سے کہہ کر رکھا تھا یا چوری سے بچایا تھا۔

اب مسئلہ کے بارے میں فرمادیں کہ اس درزی سے میں وہ جواہر کٹ انعام میں لے سکتا ہوں یا نہیں؟ اس کو پہن کر نماز پڑھائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر اجازت ہو تو میں وہ جواہر کٹ اس درزی سے لڑکے کی پڑھائی میں انعام کے طور پر لے سکتا ہوں یا نہیں؟

(۱) ”(قوله: الحرمة تتعدد) نقل الحموي عن سيدي عبد الوهاب الشعراني: أنه قال في كتاب المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبی، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلاً، يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذ من ذلك الآخر فهو حرام“۔ (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد: ۹۸/۵، سعید)

(وکذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۸۵/۶، سعید)

(وکذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، الحظر والإباحة، ص: ۳۴۴، دار الفکر بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ عام طور پر درزیوں کی عادت معروف و مشہور ہے کہ وہ کپڑا چوری کر کے رکھ لیتے ہیں اور خود آپ کے درزی صاحب کو بھی یہ یاد نہیں کہ چوری سے رکھا ہے یا اجازت سے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس کا اپنا خرید ہوا نہیں ہے اور آپ کا ظن غالب ہے کہ یہ چوری کا ہے، تو اس کو آپ نہ لیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، ۱/۹/۸۸ھ۔

شراب کی کمائی کا مصرف

سوال [۱۱۲۵۹]: شراب کے پیسے میں الجھن یہ ہے کہ بعض علماء شراب کی آمدنی کو حرام کہہ کر لین دین سے منع کرتے ہیں، مگر مدرسہ میں چندہ لیتے ہیں اور کھاتے پیتے بھی ہیں اور شراب کے کاروبار کرنے والے کے یہاں کھڑے ہوتے ہیں اور ان ہی پیسے کو یہ کہہ کر بھی لیتے ہیں کہ اس پیسے سے حدیث و تفسیر منگوا کر مدرسہ میں لڑکوں کو دے دیں گے، وہ پڑھیں گے تو ثواب ہوگا اور ان ہی کے یہاں کھاتے پیتے ہیں۔

نیز ہندوستان دارالحرب ہے وغیرہ اور سمجھاتے ہیں کہ ہر طرح یہ پیسہ حرام ہے، یہ کسی طرح مسلمان کے لئے جائز نہیں، اس پر ایسے پیسے والے مطعون کرتے ہیں کہ فلاں فلاں حضرات اس کو لیتے ہیں، میرے یہاں قیام بھی کرتے ہیں، اب آپ فرمائیے کہ آیا اس کو مدرسہ کے کسی مد میں استعمال کیا جائے یا نہیں؟ کوئی حیلہ شرعی بھی ہے۔

(۱) "(قوله: الحرمة تعدد) نقل الحموي عن سيدي عبد الوهاب الشعراني: أنه قال في كتاب المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشليبي، فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلاً يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تعدد: ۹۸/۵، سعيد)

"جمع عظيم يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم (قوله: وهو غلبة الظن)؛ لأنه العلم

الموجب للعمل". (ردالمحتار، كتاب الصوم: ۳۸۸/۳، سعيد)

(وكذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، الفوائد، الحظرو الإباحة، ص: ۳۳۳، دار الفكر بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شراب بیچنے اور خریدنے والے پر حدیث میں لعنت آئی ہے (۱)، اس کی بیع، مسلم کے حق میں بیع باطل ہے، اس سے قیمت پر ملک ثابت نہیں ہوتی (۲)۔ یہ معلوم ہو کہ فلاں شخص کے پاس روپیہ خالص حرام کا ہے، وہ روپیہ لینا اور کھانا ہرگز جائز نہیں (۳)، جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ وہ شخص قرض وغیرہ کے ذریعہ سے حلال

(۱) "عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في الخمر عشرة: عاصرها، ومعتصرها، وشاربها، وحاملها، والمحمولة إليه، وساقيتها، وبائعها، وأكل ثمنها، والمشتري لها، والمشتري له". رواه الترمذي وابن ماجه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۵۱۶/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لعن الله الخمر وشاربها وساقيتها وبائعها ومتباعها وعاصرها ومعتصرها وحاملها والمحمولة إليه". (أبو داود، كتاب الأشربة، باب العصير للخمر، رقم الحديث: ۳۶۷۴: ۱۶۲/۲، مكتبة رحمانية)

(وسنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه، رقم الحديث: ۳۳۸۰، ص: ۲۴۲، قديمي)
(وسنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، باب لعنت الخمر على عشرة أوجه، ص: ۴۸۹، دار السلام)

(۲) "لم يجر بيع الميتة، والدم، والخنزير، والخمر، والحر، وأم الولد، والمدبر، والمكاتب لعدم ركن البيع، وهو مبادلة المال بالمال وبيع هذه الأشياء باطل". (تبين الحقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳۶۲/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"والبيع الباطل حكمه عدم ملك المشتري إياه إذا قبضه". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۹/۵، سعيد)

(وكذا في ملقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع: ۹۴/۳، مكتبة غفاريه كوئٹہ)

(۳) "(قوله: الحرمة تتعدد) نقل الحموي عن سيدي عبد الوهاب الشعراني أنه قال في كتابه المنن: وما نقل عن بعض الحنفية من أن الحرام لا يتعدى ذمتين، سألت عنه الشهاب بن الشلبی فقال: هو محمول على ما إذا لم يعلم بذلك، أما لو رأى المكاس مثلاً يأخذ من أحد شيئاً من المكس، ثم يعطيه آخر، ثم يأخذ من ذلك الآخر آخر فهو حرام". (رد المحتار، باب البيع الفاسد، مطلب الحرمة تتعدد: ۹۸/۵، سعيد)

"الحرمة تنتقل مع العلم". (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في =

روپیہ دے رہا ہے اور کھلا رہا ہے، ایسا روپیہ واجب التصدق ہے یا اس کا مالک کا واپس کرنا ضروری ہے، اگر مالک اور اس کے ورثاء کا علم نہ ہو، تو غریبوں پر صدقہ کر دیا جائے (۱)۔

غریب محتاج طلباء بھی اس کے مستحق ہیں، لیکن مدرسین کی تنخواہ یا مدرسہ کی تعمیر وغیرہ میں اس کو خرچ نہیں کیا جاسکتا ہے (۲)، اگر کسی کا عمل خلاف شرع ہو، تو حسن ظن کی بناء پر اس کی تاویل کی جائے گی، یا اس کو رد کر دیا جائے گا، اس کی وجہ سے مسئلہ شرعیہ نہیں بدلا جائے گا (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۸۹ھ۔

آتش بازی کا سامان رکھنے والے کے لئے بکس بنانے کی کمائی کا حکم

سوال [۱۱۲۶۰]: انعام الحق اور ان کے بڑے بھائی ایک کارڈ بکس کے کارخانہ کے مالک ہیں،

= البیع: ۳۸۵/۶، سعید)

”الحرمة تتعدى في الأموال مع العلم بها“، (الأشباه والنظائر، الفن الثاني الفوائد، الحظر

والإباحة، ص: ۳۳۳، دار الفکر)

(۱) ”(وهو حرام مطلقاً على الورثة) أي: سواء علموا أربابه أولاً، فإن علموا أربابه ردوه عليهم، وإلا تصدقوا به“، (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۳۸۶/۶، سعید)

”ویردونه علی أربابه إن عرفوهم وإلا يتصدقوا به؛ لأن سبيل الكسب الخبيث التصديق إذا

تعذر الرد“، (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل في البیع: ۳۶۹/۸، رشیدیہ)

(و کذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البیع: ۱۹۳/۴، دار المعرفة بیروت)

(۲) اس لئے کہ مال حرام کے تصدق میں بھی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، اس مسئلہ کی مفصل وضاحت و دلائل ملاحظہ فرمائیں: (امداد المفتیین، کتاب الزکوٰۃ، ص: ۳۸۳، دارالاشاعت)

(۳) چونکہ کسی شخص کا عمل کوئی حجت شرعیہ نہیں، لہذا مسئلہ شرعیہ میں اس کی وجہ سے تبدیلی بھی نہیں ہو سکتی۔

”اعلم أن أصول الشرع ثلاثة والأصل الرابع هو القياس“، (نور الأنوار، ص: ۴، ۵، سعید)

(و کذا في نسيمات الأسفار، ص: ۹، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا في أصول الشاشي، ص: ۱۲، المكتبة الغفورية العاصمية)

انعام الحق دین دار ہے، مگر وہ بڑے بھائی کے تابع اور مرعوب ہے، اس کارخانہ میں قلیل مقدار میں آتش بازی کا سامان رکھنے کے بکس بھی بنائے جاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ آیا ان کا پیشہ حرام ہے یا مشتبہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورت مسئلہ کی آمدنی حرام نہیں، بلکہ حلال ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۹۷ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) ”لایکروہ بیع الجاریۃ المغنیۃ والکبش النطوح والدیك المقاتل والحمامۃ الطیارۃ؛ لأنه لیس عینہا منکراً“۔ (ردالمحتار، کتاب الجہاد، باب البغاة: ۲/۲۶، سعید)

”وکرہ بیع السلاح من اهل الفتنة..... لأنه إغانة على المعصية..... وعرف بهذا أنه لایکروہ بیع مالم تقم المعصية به کبیع الجاریۃ المغنیۃ، والکبش النطوح، والحمامۃ الطیارۃ، والعصیر، والخشب الذي يتخذ منه المعازف“۔ (النہر الفائق، کتاب الجہاد، باب البغاة: ۳/۲۶۸، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب السیر، باب البغاة: ۵/۲۴۰، رشیدیہ)

باب الرشوة

(رشوت کا بیان)

رشوت اور شراب کی رقم کا حکم

سوال [۱۱۲۶۱]: رشوت دے کر روپیہ کمایا ہو یا شراب فروخت کر کے روپیہ کمایا جائے، کیا دونوں برابر ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر رشوت دے کر، مثلاً: پرمٹ حاصل کیا اور پھر حلال مال کی جائز طریقہ پر تجارت کی، تو وہ روپیہ حرام نہیں، البتہ رشوت دینے کا گناہ ہوگا (۱)، مجبوری کی حالت میں اپنا حق وصول کرنے کے لئے رشوت دینا بھی گناہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۸۸ھ۔

(۱) ”والإسلام يحرم الرشوة في أي صورة كانت، وبأي اسم سميت، فتسميتها باسم الهدية لا يخرجها عن دائرة الحرام إلى الحلال“۔ (الحلال والحرام، ص: ۲۷۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

”أخذ الأمير الهدية سحت، وقبول القاضي الرشوة كفر“۔ (كنز العمال، كتاب الإمارة والقضاء، الباب الثاني في القضاء، الفصل الثالث في الهدية والرشوة، رقم الحديث: ۱۵۰۶۹: ۱۱۲/۶، مكتبة التراث الإسلامي بيروت)

(و كذا في رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة: ۳۶۲/۵، سعيد)

(۲) ”ومن كان له حق مضيع لم يجد طريقة للوصول إليه إلا بالرشوة، أو وقع عليه ظلم، فلم يستطع دفعه عنه إلا بالرشوة..... فإن سلك سبيل الرشوة من أجل ذلك، فالإثم على الأخذ المرتشي، وليس عليه =

سیمنٹ کی تجارت اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا

سوال [۱۱۲۶۲]: زمانہ موجودہ میں سیمنٹ کی خریداری و فروخت کی عام اجازت نہیں ہے، بلکہ صرف ان لوگوں کو سیمنٹ فروخت کرنے کی اجازت ہے، جن کے پاس لائسنس اور کوٹہ ہو اور انہیں حکومت معین مقدار میں سیمنٹ دیتی ہے اور اس کے خریدار اور قیمت بھی خود حکومت متعین کرتی ہے، چنانچہ اگر دکاندار متعین خریداروں کے علاوہ کچھ سیمنٹ دوسروں کو دینا چاہے، یا مقررہ قیمت میں اضافہ کے ساتھ فروخت کرنا چاہے، تو قانوناً اس کی اجازت نہیں اور اگر تمام سیمنٹ مقررہ قیمت پر فروخت کر دے تو بجائے نفع کے اسے نقصان ہوگا، اس خسارہ سے بچنے کے لئے دکان دار اپنے یا کسی دوسرے شخص کے نام کچھ سیمنٹ کی پرمٹ (اجازت) حاصل کر لیتے ہیں اور اسے حکومت سے چوری، بازاری نرخ کے مطابق فروخت کرتے ہیں اور چونکہ پرمٹ حاصل کرنے میں بہت دشواری ہوتی ہے کہ عام لوگوں کو رشوت دیئے بغیر پرمٹ نہیں ملتی، لہذا اس پریشانی سے بچنے کے لئے لوگ چوری والے سیمنٹ خرید لیتے ہیں۔

۱..... اب سوال یہ ہے کہ کیا حکومت کو اس قسم کے قوانین کے نفاذ اور دکانداروں کے اختیاروں کو سلب کرنے کا حق حاصل ہے؟

۲..... اور اگر حکومت ایسے جبری قوانین نافذ کرے، تو مسلمانوں پر اس کی پابندی کس حد تک لازم ہے؟ اور قانون کی رعایت نہ کرنے کی صورت میں کیا شرعاً مواخذہ کے مستحق نہ ہوں گے؟

۳..... اور اگر پابندی لازم ہے تو کیا دکان دار کو اپنے نام کی پرمٹ لے کر اسے عام نرخ کے مطابق فروخت کرنا درست ہے؟

= إثم الراشي في هذه الحالة مادام قد جرب كل الوسائل الأخرى، فلم تأت بجدوي. (الحلال والحرام

في الإسلام، في العلاقات الاجتماعية، الرشوة لرفع الظلم، ص: ۲۷۲، مصطفى البابی الحلبي مصر)

(و كذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۷/۲۳۸، رشيدية)

(و كذا في أحكام القرآن، البقرة: ۱۸۸: ۲/۴۳۳، دار الكتب العربي بيروت)

(و كذا في إعلاء السنن، كتاب القضاء، باب الرشوة، تحقيق معنى الرشوة لغةً وشرعاً: ۱۵/۶۱، إدارة

القرآن كراچی)

۴..... اور پرمٹ حاصل کرنے کے لئے رشوت دینا پڑے، تو کیا یہ رشوت دینا جائز ہے؟ اور اگر بغیر رشوت دیئے اجازت نہ ملے، تو حکومت کی چوری سے سیمنٹ لینا درست ہے یا نہیں؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱..... یہ حکومت نے کہاں اعلان کیا ہے کہ وہ دین اسلام کی پابندی کرے گی اور اس کے مطابق قانون بنائے گی، اگر ایسا ہوتا تو آپ کو دریافت کرنے کا بلکہ اس کو ٹوکنے کا بھی حق ہوتا۔
 - ۲..... جو شخص بھی کسی حکومت میں رہتا ہے، وہ اس کے قوانین کی پابندی کرتا ہے، ورنہ اپنے آپ کو خطرے میں ڈالتا ہے، جب تک حکم خدا کی بغاوت نہ ہو، قانون حکومت تسلیم کرنا چاہیے (۱)۔
 - ۳..... ایسا کرنے سے قانونی بچاؤ ہو جائے گا، یا اس پر بھی پکڑ ہوگی، حفاظت عزت لازم ہے، عزت کو خطرے میں ڈالنا دانش مندی نہیں (۲)۔
 - ۴..... چوری بہر حال چوری ہے، اپنا حق حاصل کرنے کے لئے اگر مجبوراً رشوت دینے کی نوبت آئے، تو امید ہے کہ پکڑ نہیں ہوگی (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
- حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۱۴۰۱ھ۔

(۱) ”عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا طاعة في معصية، إنما الطاعة في المعروف“۔ متفق عليه۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۳/۲، ۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(و صحيح البخاري، كتاب أخبار الآحاد، رقم الحديث: ۷۲۵۷، ص: ۱۲۴۹، دار السلام)

(و كذا في رد المحتار، باب العيدين، مطلب تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية: ۲/۷۲، سعيد)

(۲) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا ينبغي للمؤمن أن يذل نفسه، قالوا: وكيف يذل نفسه، قال: يتعرض من البلاء لما لا يطيق“۔ (جامع الترمذي، أبواب الفتن عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، باب ما جاء في النهي عن سب الرياح: ۵۱/۲، سعيد)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الفتن، باب قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ﴾، ص: ۵۷۹، دار السلام)

(و كذا في شرح ابن بطلال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۵۱/۱۰، مكتبة الرشد)

(۳) رشوت دینے والے پر پکڑ نہیں ہوگی، البتہ لینا پھر بھی حرام ہوگا۔

سرکاری ہسپتال سے رشوت دے کر دوائیاں لینا

سوال [۱۱۲۶۳]: سرکاری اسپتال میں مفت دوائیں ملتی ہے، لیکن رشوت نہ دی جائے تو ٹال دیتے ہیں اور غریب آدمی باہر کا علاج نہیں کر سکتا، تو رشوت دینا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور مالدار بھی ایسی دوائیں استعمال کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنا حق وصول کرنے کے لئے مجبوراً رشوت دی جائے، تو گناہ نہیں (۱)، ہسپتال اگر غرباء کے لئے مخصوص نہ ہو تو مالدار بھی اس سے دوائیں لے سکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد وغفرلہ۔

= ”لو اضطر إلى دفع رشوة لإحياء حقه جاز له الدفع، وحرم على القابض“۔ (ردالمحتار، کتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۷/۵۲، سعید)

”من الرشوة المحرمة على الأخذ دون الدافع ما يأخذه الشاعر، وفي وصايا الخانية قالوا: بذل المال لاستخلاص حق له على آخر رشوة“۔ (البحر الرائق، کتاب القضاء: ۶/۴۴۱، رشیدیہ)
(و کذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، کتاب القضاء: ۳/۸۷۱، دارالمعرفة بیروت)
(۱) ”الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعاً للضرر، أو جلباً لنفع، وهو حرام على الأخذ فقط“۔ (ردالمحتار، کتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة والهدية: ۵/۳۶۲، سعید)
(و کذا في البحر الرائق، کتاب القضاء: ۶/۴۴۱، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاوى العالمگیریة، کتاب الهبة، الباب الحادي عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۳، رشیدیہ)
(و کذا في الحلال والحرام في الإسلام، ص: ۲۷۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)
(۲) جب ہسپتال غرباء کے لئے مخصوص نہیں، تو اس کا مقصد یہ ہے کہ اس نفعی صدقات کے پیسوں سے علاج کرایا جاتا ہے اور نفلی صدقات کا لینا غنی کے لئے بھی جائز ہے۔

”فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع، فلا بأس به، وكذلك يجوز النفل للغني“۔ (الفتاوى التاتارخانية، کتاب الزکاة، من توضیح الزکاة فیہ: ۲/۲۷۵، إدارة القرآن کراچی)

”وقيد بالزكاة؛ لأن النقل يجوز للغني كما للهاشمي لا تحل صدقة لغني خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة“۔ (البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصروف: ۲/۴۲۷، رشیدیہ)
=

محصول کم کرنے کے لئے رشوت کا مشورہ دینا

سوال [۱۱۲۶۴]: احقر بحیثیت منشی چند کارخانوں میں حسابات کا کام کرتا ہے، حساب کی جانچ کے لئے سرکاری انسپکٹر مقرر ہوتا ہے، چنانچہ جہاں احقر کام کرتا ہے، وہاں پر انسپکٹر آیا اور اس سے بیس ہزار کا بقایا نکال دیا، جانچ کے دوران انسپکٹر نے کہا کہ تم بہت سے کارخانوں میں کام کرتے ہو، کہیں سے ہمیں رشوت نہیں دلائی، میں نے یہ ذکر مالک سے کر دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ رشوت لینے کے بعد کچھ رقم تخفیف کر دے (حالانکہ تخفیف کا من انسپکٹر کو نہیں ہے) اس پر مالک رشوت دینے کے لئے تیار ہو گئے، رشوت دے دی گئی اور رقم میں کافی تخفیف ہو گئی، اس گناہ میں احقر بھی ملوث رہا۔

رشوت پا کر انسپکٹر صاحب خاص طور سے احقر پر مہربان ہوئے اور اکثر کارخانوں میں احقر کی تعریف کرنے لگے، کوئی جگہ نکلی تو مجھے پہلے بتلا دیتے کہ اُن سے بات کر لو، سوال یہ ہے کہ ان کی معرفت جو کام ملے، اس سے ہونے والی آمدنی میرے لئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

رشوت لینا، دینا، دانا سب حرام ہے (۱)، صدق دل سے توبہ کر لیں، انسپکٹر صاحب نے ابھی پتہ

= (و کذا فی الدر المختار، کتاب الہبة: ۵/۲۹۸، سعید)

(و کذا فی الفقہ الإسلامی وأدلته، المتصدق علیہ: ۳/۲۰۵۶، رشیدیہ)

(۱) "لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الراشي والمرتشي، رواه أبو داود وابن ماجه". (مشكاة

المصابيح، كتاب الإمامة والقضاء، باب رزق الولاية، الفصل الأول: ۲/۱۷۷، دار الكتب العلمية بيروت)

"عن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من شفع

لأحد شفاعة فأهدى له هدية عليها، فقبلها فقد أتى باباً عظيماً من أبواب الربا" رواه أبو داود. (مشكاة

المصابيح، كتاب الإمامة والقضاء، باب رزق الولاية: ۲/۱۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"الرشوة منها ما هو حرام من الجانبين، وذلك في موضعين: أحدهما: إذا نقلد القضاء بالرشوة

حرم على المعطي والأخذ. الثاني: إذا دفع الرشوة إلى القاضي ليقضي له حرم من الجانبين سواء كان

القضاء بحق أو بغير حق". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب القضاء: ۳/۱۷۷،

دار المعرفة، بيروت)

بتانے کا معاوضہ آپ سے نہیں لیا ہے، لیکن اس نے یہ ضرور دیکھ لیا کہ آپ اس کو رشوت دلا سکتے ہیں اور اس کے بتانے کے موافق جہاں چاہیں گے، آپ اس کو رشوت دلائیں گے، تو گویا اس نے آپ کو اپنا دلال تجویز کر لیا ہے، پتہ بتانے کا معاوضہ اگر وہ آپ سے لیتا تو بہت قلیل ہوتا اور کارخانے سے وقتاً فوقتاً آپ کے ذریعہ سے بہت کثیر معاوضہ کی توقع قائم ہوگی، اس لئے انسپکٹر صاحب کی اس پتہ بتانے کی مہربانی کا پس منظر دیکھ لیں۔

ایک دفعہ ثالث بن کر رشوت دلانے پر سخت ندامت بھی ہوگئی، آئندہ سخت ندامت بھی نہیں ہوگی اور تیسری دفعہ ندامت بھی نہ ہوگی، حتیٰ کہ اس کی ندامت و قباحت بھی نہیں رہے گی، اگرچہ جہاں بھی آپ کام کریں گے، آپ کام کی اجرت لیں گے اور وہ جائز ہوگی، مگر یہ دلالی اور ثلثی آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۷/۸۹ھ۔

کیا داخلہ فیس رشوت میں داخل ہے؟

سوال [۱۱۲۶۵]: میں اپنے لڑکے کو جس کی عمر ۳ سال ہے، اسکول میں داخل کرنا چاہتا ہوں، لیکن کوئی اسکول ایسا نہیں ملتا جہاں بغیر رقم کے داخل ہو، کم از کم ایک ہزار روپیہ دیئے بغیر داخلہ نہیں ہوتا، کیا یہ میرا دینا رشوت شمار ہوگا؟ اگر رشوت دینے میں شمار ہے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر یہ روپیہ بچہ کے اخراجات کے لئے ہیں، مثلاً: کمرے کا کرایہ، پانی اور روشنی کا معاوضہ کھانے اور ناشتے کی قیمت کپڑوں کے مصارف خدمت گار کی تنخواہ وغیرہ وغیرہ، تو یہ رشوت نہیں، یہ مصارف آپ کے ذمہ ہوں گے اور اگر یہ روپیہ فیس اور حفاظت و نگرانی کے ذیل میں ہے، تب بھی یہ رشوت نہیں (۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۱۴۰۰ھ۔

(۱) اس لئے کہ یہ رقم کھانے، ناشتے یا حفاظت وغیرہ کا عوض ہے، جب کہ رشوت کا معنی اس وقت متحقق ہوگا کہ کوئی کام ذمہ پر واجب تھا اس کے کرنے پر معاوضہ لیا جائے یا جس کام کو چھوڑنا اس کے ذمہ لازم ہے، اس کے کرنے پر معاوضہ لیا جائے۔

”لعن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الراشي والمرتشي) أي: معطي الرشوة، واخذها،

وهي الوصلة إلى الحاجة بالمصافحة قيل: الرشوة ما يعطي لإبطال حق، أو لإحقاق باطل“۔ (مراقبة

المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، باب رزق الولاية وهداياهم: ۳۲۲/۷، رشيدية) =

رشوت دے کر حاصل کی گئی ملازمت کا حکم

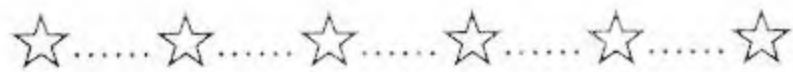
سوال [۱۱۲۶۶]: علیم الدین نے بہت رشوت دے کر سرکاری ملازمت حاصل کی، اب اس

ملازمت سے جو روپیہ کمایا ہے، وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ملازمت کا کام جائز ہے، تو اس ملازمت کی آمدنی، تنخواہ بھی جائز ہے (۱)، ابتداءً اگر ملازمت حاصل کرنے کے لئے رشوت دی، تو اس کی وجہ سے ملازمت کی آمدنی، جو کہ درحقیقت خدمت و محنت کا معاوضہ ہے، ناجائز نہیں، رشوت کا گناہ اس آمدنی تک نہیں پہنچتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم یوبند۔



= "الرشوة بالكسر ما يعطيه الشخص الحاكم، وغيره ليحكم له، أو يحمله على ما يريد".

(رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب في الكلام على الرشوة: ۵/۳۶۲، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب القضاء: ۶/۴۴۰، رشیدیہ)

(۱) بشرطیکہ ملازم میں ملازمت کے شرائط اور وہ صلاحیتیں پائی جاتی ہوں، جس سے وہ ملازمت کا مستحق بھی ہو۔

"ومن كان له حق مضيع لم يجد طريقة للوصول إليه إلا بالرشوة، أو وقع عليه ظلم، فلم يستطع دفعه عنه إلا بالرشوة..... فإن سلك سبيل الرشوة من أجل ذلك، فالإثم على الأخذ المرتشي، وليس عليه إثم الراشي في هذه الحالة..... الخ". (الاحلال والحرام في الإسلام في العلاقات الاجتماعية، الرشوة لدفع الظلم، ص: ۲۷۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و کذا في مرقاة المفاتيح، کتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۷/۲۴۸، رشیدیہ)

(و کذا في إعلاء السنن، کتاب القضاء، باب الرشوة..... الخ: ۱۵/۶۱، إدارة القرآن کراچی)

باب المعاشرة والأخلاق

الفصل الأول في الكذب والنميمة والبهتان

(جھوٹ، چغلی اور بہتان کا بیان)

کسی پر جھوٹا الزام لگانا

سوال [۱۱۲۶]: ایک قاضی جو سرکاری مدرس بھی ہیں، چند آدمیوں کی موجودگی میں چند مشہور ذمہ دار حضرات پر اپنا تبادلہ کرانے کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگا کر قوم میں نفاق پیدا کرتا ہے، لیکن بوقت صفائی ان ہی آدمیوں کی موجودگی میں، جن سے اس نے یہ بات کہی تھی، حلف کی رو سے انکار کر دیتا ہے اور دوسری طرف وہ چار پانچ مسلمان بھی حلف اٹھا کر بیان کرتے ہیں کہ قاضی نے الگ الگ اوقات میں اور الگ الگ نشستوں میں بات ایسے کہی ہے، ایسی صورت میں شرعی نقطہ نظر سے کس کی بات بھروسہ کے قابل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً.

کسی غلط خبر یا غلط گمان کی وجہ سے بلا تحقیق الزام لگانا فتنہ کا باعث ہوتا ہے (۱)، اس لئے اس کی صفائی

(۱) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ (الحجرات: ۶)

”مقتضى الآية إيجاب الثبوت في خبر الفاسق، والنهي عن الإقدام على قبوله، والعمل به إلا بعد التبين، والعلم بصحة مخبره“۔ (أحكام القرآن للجصاص، الحجرات: ۳/۵۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

”عن الزبير رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ، لَا أَقُولُ: تَحْلُقُ الشَّعْرَ، وَلَكِنْ تَحْلُقُ الدِّينَ“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب ما ينهى من التهاجر والتقاطع، الفصل الثاني، رقم الحديث: ۵۰۳۹)

۲۲۳/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

اور تحقیق لازم ہے، جس کے متعلق غلط بات کہی ہو، اس کی صفائی کر لی جائے کہ فلاں وجہ سے اس کی نوبت آئی ہے، اب معلوم ہوا کہ وہ بات غلط تھی، اس لئے معذرت خواہ ہوں، جھوٹ بولنا اور جھوٹا حلف اٹھانا اتنا سخت گناہ ہے کہ اس کو شرک کے قریب ذکر کیا گیا ہے (۱)، اس سے پورا پرہیز لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۰/۹۱ھ۔

مسجد میں فاسق کی تعریف کرنا

سوال [۱۱۲۶۸]: جو شخص عقائد فاسدہ رکھتا ہو، سلف صالحین کی شان میں نہایت گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کرتا ہو، فاسق ہے، ایسے شخص کی شان میں مسجد میں تعریفیں وعظ کے درمیان بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جھوٹی تعریف کرنا ہر ایک کی ناجائز ہے، فاسق کے فسق کی تعریف کرنے سے عرش اعظم لرزتا ہے، اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں:

”إذا مدح الفاسق غضب الرب تعالیٰ، واهتزله العرش“ (مشکوۃ:

۲/۴۱۴) (۲).

جو کام مسجد کے باہر منع ہے، مسجد میں اس کی قباحت اور شاعت اور شدید ہو جاتی ہے، جس شخص کو ناجائز کے منع کرنے کی قدرت ہو، اس کو منع کرنا لازم ہے (۳)۔ اچھی صحیح بات کی تعریف کرنا درست ہے، اگرچہ وہ

(۱) ”عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”الکبائر: الإشراک باللہ، وعقوق الوالدین، وقتل النفس، والیمین الغموس“۔ (صحیح البخاری، کتاب الأیمان والنذور، باب الیمین الغموس، ص: ۱۱۵۲، دارالسلام)

(وسنن النسائی، کتاب المحاربة، باب ذکر الکبائر، ص: ۵۶۰، دارالسلام)

(۲) (وسنن الترمذی، کتاب تفسیر القرآن، باب من سورة النساء، رقم الحدیث: ۳۰۲۱: ۴/۸۸، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۳) (مشکاة المصابیح، کتاب الأداب، باب حفظ اللسان والغیبة، الفصل الثالث: ۲/۴۱۴، قدیمی)

(۳) ”قال أبو سعید: أما هذا فقد قضی ما علیہ سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: ”من =

فاسق ہی کیوں نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

بیع میں دھوکہ دینا

سوال [۱۱۲۶۹]: نائلون میں بیل چنٹ دار ہے، وہ ہمیں ۹/ میٹر پر ملتی ہے اور ہم اس کو کھینچ کر گیارہ میٹر بڑھا دیتے ہیں اور ہم اس کو ناپ کر فروخت کرتے ہیں اور اگر گاہک کہتا ہے کہ یہ کھینچی ہوئی ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ کھینچ رکھی ہے، گاہک کی مرضی ہے کہ لے یا نہ لے، اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب آپ بتلا دیتے ہیں کہ ہاں یہ کھینچ رکھی ہے اور دھوکہ نہیں دیتے، تو خریدار کی مرضی ہے، دل چاہے، خریدے، نہ دل چاہے نہ خریدے (۲)، دھوکہ دیں تو ناجائز اور گناہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۹۱ھ۔

= رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان“.

(صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان كون النهي عن المنكر من الإيمان، ص: ۴۲، دار السلام)

”والصواب: أن الواجب على كل من رأى منكراً أن ينكره إذا لم يخف على نفسه عقوبة لا قبل

له بها“۔ (شرح ابن بطال، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۱۰/۵۱، مكتبة الرشد)

(وسنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ص: ۵۷۸، دار السلام)

(۱) ”ظاهر الحديث مطلق في التحذير عن مدح الفاسق، وقيل: هذا إذا مدح على وجه عام، ولو مدح بوجه

خاص كالسخاوة والتواضع فجائز“۔ (التعليق الصبيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان: ۵/۹۲، رشيدية)

(و كذا في شعب الإيمان للبيهقي، رقم الحديث: ۴۸۸۶: ۴/۲۳۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”أما تعريفه، فمبادلة المال بالمال بالتراضي، كذا في الكافي“۔ (الفتاوى العالمية، كتاب

اليوع، الباب الأول في تعريف البيع وركنه وشرطه الخ: ۲/۳، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰، ۴۳۱، رشيدية)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب اليوع: ۲/۳، دار المعرفة بيروت)

(۳) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”مر على صبرة من =

بڑے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر فروخت کرنا

سوال [۱۱۲۷۰]: ایک شخص یا دو چار لوگ یہ کام کرتے ہیں کہ بکرے کا گوشت فروخت کرتے ہیں اور اس کے ساتھ بڑے، یعنی بیل بھینس وغیرہ کا قیمہ بکرے کا کہہ کر فروخت کرتے ہیں اور ایسا کرنے کے باوجود وہ لوگ مال زکوٰۃ یا قربانی یا حج وغیرہ کرتے ہیں، تو یہ درست ہے یا نہیں؟

۲..... دو چار لوگ وہ قیمہ تیار کر کے اپنی دکان پر رکھتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس کو بکرے کا کہہ کر فروخت کریں گے، مندرجہ بالا لوگوں کو واضح کرانے کے باوجود بھی کہ آپ ایسا کرتے ہیں، تو ایسا ہوتا ہے، ان لوگوں کے بارے میں تحریر فرمائیے کہ ان کا حج، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ ادا ہو گا یا نہیں؟ اور کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جھوٹ بولنا اور دھوکہ دینا حرام ہے (۱)، اس روپے سے زکوٰۃ دیتے ہیں اور حج کرتے ہیں، تو

= طعام، فادخل يده فيها، فنالت أصابعه بلاءً، فقال: "يا صاحب الطعام! ما هذا؟" قال: أصابته السماء يا رسول الله!، فقال: "أفلا جعلته فوق الطعام حتى يراه الناس"، ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع: ۲۳۵/۱، قديمی)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ومن غشنا فليس منا". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۷۰/۱، قديمی)

(و كذا في الترغيب والترهيب، كتاب البيوع، الترهب من الغش والترغيب في النصيحة في البيع وغيره: ۴۵۰/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "آية المنافق ثلاث"، وزاد مسلم: "وإن صام، وصلى، وزعم أنه مسلم" ثم اتفقا: "إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا أؤتمن خان". (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق، الفصل الأول: ۱۷/۱، قديمی)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: مر على صبرة من طعام ثم قال: "من غش فليس منا". (جامع الترمذي، كتاب البيوع، باب ما جاء في كراهية الغش في البيوع: ۲۳۵/۱، قديمی)

فریضہ ادا ہو جاتا ہے، جھوٹ اور دھوکہ دینے سے توبہ لازم ہے (۱)۔

۲..... اگر وہ خود دھوکہ نہیں دیتے، تو ان سے خرید کر دھوکہ دینے والوں کی ذمہ داری ان پر نہیں؛ اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ یہ دھوکہ دیں گے (۲)۔ واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۴/۹۲ھ۔
الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۲/۴/۹۲ھ۔

چنگی کو بچالینا

سوال [۱۱۲۷۱]: اپنے شہر کی چنگی سے مال بلا محصول لے آنا یہ کیسا ہے؟ گویا یہ چنگی کی چوری ہے جب کہ مال اسی طرح بحفاظت آسکتا ہے، یہ ٹیکس کی چوری کرنا کیسا ہے؟

= ”عن أبي هريرة (رضي الله تعالى عنه)، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ومن غشنا فليس منا“. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من غشنا فليس منا: ۷۰/۱، قديمی)

(۱) ”واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور، ولا يجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة“. (روح المعاني، التحريم: ۸: ۲۸/۵۹، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

”قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالى: فينبغي للعاقل أن يتوب إلى الله في كل وقت، ولا يكون مصراً على الذنب، فإن الراجع من ذنبه لا يكون مصراً، وإن عاد في اليوم سبعين مرة..... وروى عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: والله! إنني لأتوب إلى الله تعالى في اليوم مائة مرة“. (تنبيه الغافلين، باب التوبة، ص: ۵۳، حقانيہ پشاور)

(و کذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲ قديمی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنزر وازرة وزر أخرى﴾ (فاطر: ۱۸)

”قوله تعالى: ﴿ولا تنزر وازرة﴾ أي: لا تحمل نفس ائمة ﴿وزر أخرى﴾ أي: إثم نفس أخرى بل تحمل كل نفس وزرها“. (روح المعاني، فاطر: ۱۸: ۲۲/۱۸۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(و کذا فی الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، فاطر: ۱۸: ۲۱۸/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

جہاں مال کی حفاظت کی فکر ہے، وہاں عزت کی حفاظت کا بھی خیال ضروری ہے، قانونی چوری بھی کچھ کم جرم نہیں (۱)، اگر ظلماً کوئی ٹیکس لیا جائے اور اس کو ادا کر کے عزت محفوظ رہ سکے، تو یہ بھی غنیمت ہے، ٹیکس سے بچنے کی صورت میں عزت کو خطرہ میں ڈالنا نہیں چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۱/۸۸ھ۔

اچھے علاج کے حصول کے لئے حیلہ کرنا

سوال [۱۱۲۷۲]: ہمارے دفتر میں طبی سہولیات اس قسم کی دی جاتی ہیں کہ چند نامزد ڈاکٹروں کے بغیر کسی اور ڈاکٹر کا علاج نہیں کروا سکتے ہیں اور صرف چند مخصوص دوائیاں دی جاتی ہیں جو کہ ہم پر سراسر ظلم ہے، مگر جب کبھی ہم یا ہمارے گھر کے افراد بیمار پڑتے ہیں، تو کسی بڑے ڈاکٹر کو ۲۰/ روپیہ فیس دے کر علاج کروانا پڑتا ہے اور وہ بہت سے اقسام کی دوائیاں تجویز کرتے ہیں، تو ان نامزد ڈاکٹروں کو دس روپیہ دے کر رسیدات جو کہ اپنی دکان سے دیتے ہیں، ان سے ہی تصدیق کرا کے دفتر میں داخل کرنے پڑتے ہیں، وہ ایسی دوائیاں ان رسیدوں پر لکھ دیتے ہیں جس کا پیسہ ہمیں دفتر سے ملتا ہے، چاہے وہ دوائی ہم نے کھائی ہو یا نہیں۔ ہم یہ صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ہمیں خرچ کیا ہو پیسہ اس طریقہ سے واپس ملتا ہے۔

(۱) اگر حکومت کا حکم، حکم شرعی کے مخالف نہ ہو اور نہ اس میں کوئی دینی یا دنیاوی مفسدہ ہو، تو حکومت کا حکم ماننا واجب ہے۔

”(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته عن الحموي أن صاحب

البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا: أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة“. (رد المحتار، كتاب القضاء، مطلب:

طاعة الإمام واجبة: ۵/۲۲۲، سعيد)

(و كذا في شرح الحموي على الأشباه، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام منوط بالمصلحة: ۱/۳۳۲،

إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في القواعد الفقهية، الفن الأول، القواعد الكلية، ص: ۱۰۸، مير محمد كتب خانہ)

دوسری بات یہ کہ بڑے ڈاکٹر جس کا ہم علاج کرتے ہیں، وہ رسید اور بل پر دستخط کرنے کو اپنی شان کے خلاف تصور کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم ایسا کرنے پر مجبور ہوتے ہیں، یہ جو مذکورہ بالا طبی سہولیات کا ذکر کیا گیا ہے، وہ ہمیں اپنی ذات اور خاندان کے لئے ملتا ہے، جس میں خاندان کے لئے صرف سال بھر کے لئے سو روپیہ ملتا ہے، جب کہ اپنی ذات کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے، خاندان بڑا بھی ہوتا ہے کہ سال بھر میں سو روپیہ سے زائد رقم خرچ ہوتی ہے، پھر ہم کو مجبوراً وہ بھی خود اپنے نام پر ہی نکالنی پڑتی ہے۔

اب اگر ایسا نہیں کریں گے تو اپنا گزارہ کرنا آج کل کے مہنگائی کے وقت میں ناگزیر ہو جائے گا، جب کہ ہمارا کافی پیسہ دوائیوں پر صرف ہوتا ہے، شریعت کے لحاظ سے یہ طریقہ درست ہے تو ٹھیک، اگر نہیں تو اس کا کیا حل ہو سکتا ہے اور نہیں تو دوائیوں پر صرف کیا ہوا پیسہ کیسے واپس ملے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر قانونی طور پر آپ کا حق ہے اور ظماً وہ حق دبایا جاتا ہے اور اس کے وصول کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں، تو آپ کو اپنا حق وصول کرنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۱۴۰۰ھ۔

ٹیکس سے بچنے کے لئے دو حساب رکھنا

سوال [۱۱۲۷۳]: ہماری دکان کے دو حساب رہتے ہیں، ایک صحیح، ایک غلط، پہلا اپنے پاس رکھا جاتا ہے اور دوسرا سرکار کو دیا جاتا ہے، تو کیا جائز ہے؟ کہ جب یہ سب غیر شرعی ٹیکسوں سے بچنے کے لئے کیا جاتا ہے، جو سرکار کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، عام طور پر دکان دار اس طرح حساب رکھتے ہیں، اس میں کچھ گناہ تو نہیں؟

(۱) "الثالث: أخذ المال ليسوي أمره عند السلطان دفعاً للضرر، أو جلباً لنفع، وهو حرام على الأخذ

فقط". (رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب: في الكلام على الرشوة الخ: ۵/۳۶۲، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب القضاء: ۶/۴۴۱، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب لحادی عشر في المتفرقات: ۴/۴۰۳، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلحاً:

جھوٹ حرام ہے (۱)، ظلم سے تحفظ کے لئے جائز تدبیر کرنا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۹۵ھ۔



(۱) "عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أكبر الكبائر الإشراك بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين، وقول الزور، أو قال: وشهادة الزور". (صحيح البخاري، كتاب الديات، باب قول الله، ومن أحيها: ۱۰۱۵/۲، قديمي)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم الكبائر، أو سئل عن الكبائر، فقال: الشرك بالله، وقتل النفس، وعقوق الوالدين، وقال: ألا أنبئكم بأكبر الكبائر، قال: قول الزور، أو وقال: شهادة الزور، قال شعبة وأكبر ظني أنه شهادة الزور". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب الكبائر وأكبرها: ۶۴/۱، قديمي)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الكبائر وعلامات النفاق، الفصل الأول، ص: ۱، قديمي)

(۲) "الحيل جمع حيلة: وهي ما يتوصل به إلى مقصود بطريق خفي، وهي عند العلماء على أقسام بحسب الحامل عليها..... وإن توصل بها بطريق مباح إلى سلامة من وقوع في مكروه فهي مستحبة أو مباحة". (فتح الباري، كتاب الحيل: ۴۰۴/۱۲، قديمي)

"قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: الكذب مباح لإحياء حقه، ودفع الظلم عن نفسه، والمراد التعريض؛ لأن عين الكذب حرام". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۷/۶، سعيد)

"﴿فقال إني سقيم﴾ (الصفات: ۸۹) وقال الضحاك: معنى "سقيم" سأسقم سقم الموت؛ لأن من كتب عليه الموت يسقم في الغالب ثم يموت، وهذا تورية وتعريض؛ كما قال للملك لما سأله عن سارة: هي أختي". (أحكام القرآن للجصاص، الجزء الخامس عشر: ۶۲/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في روح المعاني، الأنبياء: ۶۳: ۶۵/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۷/۶، سعيد)

الفصل الثانی فی الغیبة والحسد

(غیبت اور حسد کا بیان)

غیبت کی چند صورتوں کا حکم

سوال [۱۱۲۷]: غیبت کی چند صورتیں یہ ہیں: مظلوم اپنے ظالم کے ظلم کو بیان کرے، لوگوں کو نقصان سے بچانے کے لئے اس قسم کی باتیں کہنا کہ مثلاً: فلاں مرد کے پیغام نکاح کو منظور نہ کرنا، کیونکہ شرابی ہے یا جواری ہے۔ فلاں تاجر سے سودا مت خریدنا، کیونکہ فریبی ہے کم تولتا ہے۔ یا فلاں کو قرض مت دینا، کیونکہ نادہندہ ہے۔ یا فلاں طبیب سے علاج مت کرانا، کیونکہ نیم حکیم ہے، سند یافتہ نہیں ہے۔ یا فلاں کارِیگر سے کام مت کرانا کیونکہ اناڑی ہے۔ فلاں پیر سے مرید مت ہونا کیونکہ بدعتی ہے۔ احقر سمجھتا ہے کہ یہ سب صورتیں جائز بلکہ دوسروں کو نقصان سے بچانے والی ہیں۔

الف..... خیال میرا درست ہے یا نہیں؟

ب..... کھلم کھلا گناہ کرنے والے اور بدعتی کے گناہ اور بدعت کو بلا ضرورت بیان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

ج..... اس کے کھلے گناہ یا بدعت کے علاوہ اس کے دوسرے عیوب کا ذکر کرنا منع ہے یا نہیں؟

د..... گناہ بدعت اور عیوب کے علاوہ اس کے دیگر اذکار میں اس کی آبرو کا لحاظ نہ کرنا، مثلاً: بجائے اس کے

کہ وہ گھڑی سازی کرتے ہیں، یوں کہنا کہ گھڑی ساز ہے اور آئے تھے کے بجائے ”آیا تھا“ کہنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا خیال صحیح ہے، مگر قدر ضرورت سے تجاوز نہ کیا جائے، اگر کہیں بغیر بیان عیب نقصان و مضرت

سے تحفظ ہو سکے مثلاً: اتنی بات کافی ہو جائے کہ فلاں پیغام نکاح کو منظور کرنا اچھا نہیں، تو پھر اس کے شرابی

جواری وغیرہ ہونے کی صراحت بھی نہ کی جائے، ضرورت پیش آئے تو کم سے کم بیان پر کفایت کی جائے، یہی

حال دیگر امور کا ہے (۱)۔

ب..... بدعتوں اور گناہوں کی قباحت و مذمت تو صاف صاف بیان کی جائے، مگر جہاں ضرورت ہو، بلا ضرورت بجائے اس کے سنتوں اور اطاعتوں کے فضائل و مناقب بیان کئے جائے، جہاں تک ہو سکے گناہ گار اور بدعات کے مرتکب کا نام نہ لیا جائے (۲)۔

ج..... اس کی وجہ سے جن عیوب میں دوسروں کے مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو، اُن عیوب کی مذمت کی جائے، مگر یہ کہہ کر نہیں کہ فلاں شخص میں یہ عیوب ہیں (۳)۔
د..... محض آبروریزی کے لئے ایسا ہرگز نہ کیا جائے (۴)۔

”آپ کی نصیحت سر آنکھوں پر جی خوش ہوا، ایسے آدمی کم ہیں جو اس طرح خیر خواہی سے نصیحت کریں، ضوابط کام کی سہولت کے لئے ہی بنائے جاتے ہیں، یہ بھی صحیح ہے کہ بعض سوال کا جواب بہت مختصراً ”ہاں“ یا ”نہیں“ میں چلتا ہے، بعض کا جواب تفصیل طلب ہوتا ہے، جس میں دیر لگتی ہے، اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لئے دفتر اہتمام سے مراجعت فرمائیں“ (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

(۴-۱) ”اعلم أن المرخص في ذكر مساوي الغير هو غرض صحيح في الفرح لا يمكن التوصل إليه إلا به، فيدفع ذلك إثم الغيبة..... الأول: التظلم..... الثاني: الاستعانة على تغيير المنكر ورد العاصي إلى منهج الصلاح..... إنما إباحة هذا بالقصد الصحيح، فإن لم يكن ذلك هو المقصود كان حراماً..... الرابع: تحذير المسلم من الشر، فإذا رأيت فقيها يتردد إلى مبتدع، أو فاسق، وخفت أن تتعدى إليه بدعته وفسقه، فلك أن تكشف له بدعته، وفسقه مهما كان لك الخوف عليه من سرية البدعة، والفسق لا غيره، وذلك موضع الغرور إذ قد يكون الحسد هو الباعث..... فإن علم أنه يترك التزويج بمجرد قوله: لا تصلح لك فهو الواجب، وفيه الكفاية، وإن علم أنه لا يترجر إلا بالتصريح بعينه، فله أن يصرح به.“ (التعليق الصحيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان: ۵/۱۸۰، رشیدیہ)

(و کذا فی إحياء العلوم، کتاب افات اللسان: ۳/۱۸۳، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۵) جواب کے اس حصے کا تعلق بظاہر مستفتی کے کسی ایسے شکوے سے معلوم ہوتا ہے جو مذکورہ سوال میں مذکور نہیں، ممکن ہے کہ کسی الگ رقعہ پر لکھا ہو یا زبانی عرض کیا گیا ہو۔ (از مرتب)۔

جب کوئی عالم خلاف سنت میں مبتلا ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۲۷۵]: اگر کوئی شخص دیکھنے میں بہت ہی نیک ہو، ان کے اخلاق اچھے ہوں، ان کی علمی صلاحیت بھی اچھی ہو، اچھے عالم میں شمار ہوتے ہوں، مگر ان کا فعل سنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف ہو، ایسے شخص کو تنبیہ سنت کی طرف توجہ دلانا درست ہے یا نہیں؟ خلاف سنت پر ان کو ٹوکنا بتانا کہ یہ خلاف اسلام کام ہے، جائز ہے یا نہیں؟ حالانکہ ان کو اچھی طرح ان باتوں کا علم ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

ایسے شخص کے بارے میں کسی دوسرے کے سامنے یہ کہنا کہ فلاں شخص کو ہم نے سنت کے خلاف کام کرتے دیکھا، ایسا ان کو نہ کرنا چاہیے کیونکہ عوام الناس پر برا اثر پڑے گا کہ جب ایسے مولوی حضرات کا یہ فعل ہے، تو ہم جاہلوں کا کیا ہوگا؟ یہ گفتگو کرنا درست ہوگا یا نہیں؟ کیونکہ اس کے بارے میں دو آدمی کے ساتھ حجت ہوگئی ہے، ایک آدمی کا کہنا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں، دوسرے کا کہنا ہے کہ اگر کوئی شخص حدیث نبوی، سنت کے خلاف کام کرتا ہے، تو اس کے بارے میں کہنا درست ہے، شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس شخص سے خلاف سنت کام ہوتے ہوں اور وہ عالم صالح ہو، اس سے خلاف سنت کاموں کے متعلق دریافت کر لیا جائے کہ فلاں کام سنت کے موافق ہے یا خلاف ہے، انشاء اللہ اپنے علم اور اصلاح کی وجہ سے جلد ہی خلاف سنت چیز ترک کر دیں گے، لیکن اپنی مجالس کا مشغلہ نہ بنایا جائے کہ فلاں شخص سنت کے خلاف کام کرتا ہے، یہ طریقہ غلط ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۱۳۹۹ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا يَغْتَبِ بَعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾ (الحجرات: ۱۲)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أتدرون ما الغيبة قالوا: الله ورسوله أعلم، قال: ذكرك أخاك بما يكره، قيل: أفرأيت إن كان في أخي ما أقول؟ قال: إن كان فيه ما تقول فقد اغتبته، وإن لم يكن فيه فقد بهته“ (صحيح مسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب تحريم الغيبة: ۳۲۲/۲، سعيد)

(ومشكاة المصابيح، باب حفظ اللسان والغيبة والشتيم، ص: ۳۱۵، قديمی)

کسی کو ضرر سے بچانے کے لئے دوسرے کے عیب کو ظاہر کرنا

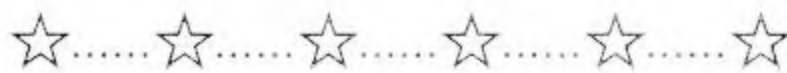
سوال [۱۱۲۷۶]: ایک پرچہ جس کا عنوان تھا ”ہر مسلمان کو رات دن اس طرح رہنا چاہیے“ اور جس کو منجانب حضرت حکیم الامت تھانوی شائع کیا گیا تھا، اس میں ص: ۳۰ پر یہ لکھا ہے کہ ”کسی کا کوئی عیب معلوم ہو جائے تو اس کو چھپا ڈالو، البتہ اگر کوئی کسی کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے اور تم کو معلوم ہو جائے تو اس شخص سے کہہ دو۔“ اس عبارت کا کیا مطلب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبارت کا مطلب بالکل صاف اور واضح ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو ضرر پہنچانا چاہتا ہے تو ضرر رساں کے ضرر سے دوسرے شخص کو مطلع کر دیا جائے، تاکہ وہ اس کے ضرر سے محفوظ رہے (۱) اور محض ذلیل کرنے کے لئے کسی کے عیب کو کھولنا جائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۸۸ھ۔



(۱) ”اعلم أن المرخص في ذكر مساوي الغير هو غرض صحيح في الفرح لا يمكن التوصل إليه إلا به، فيدفع ذلك إثم الغيبة، وهي ستة أمور: الرابع: تحذير المسلم من الشر“۔ (التعليق الصريح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة: ۵/۹، ۱۸۰، رشیدیہ)

(و کذا فی احیاء العلوم، کتاب افات اللسان، بیان الأعذار المرخصة للغيبة: ۳/۸۳، دار إحياء التراث العربی بیروت)

الفصل الثالث في نقض الوعد

(وعدہ خلافی کا بیان)

زمین دوسرے کو دینے کا وعدہ کر کے انکار کرنا

سوال [۱۱۲۷۷]: ایک سرکاری زمین پر دو آدمی جھونپڑیوں میں رہتے تھے، سرکار نے یہ جگہ لے کر دوسری جگہ دی، جس پر پیسہ بھی لیا، ان دونوں آدمیوں میں سے ایک نے لینے سے انکار کر دیا، کہ مجھ سے پیسہ نہیں دیا جائے گا۔ تو دوسرے نے کہا، میں لے لیتا ہوں تجھے کوئی اعتراض نہ ہو تو اور میں ہی پیسہ ادا کروں گا۔ دوسرے نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں، تو لے لے۔ اس پر دوسرے شخص نے پھر کہا کہ چونکہ زمین تیری بھی ہوگی، اس لئے کہیں ایسا نہ ہو، بعد میں اپنی بات سے پھر جائے، اس نے کہا، نہیں، ایسا نہ ہوگا، یہ ایمانداری ہے، اس پر اس شخص نے اس کے نام سے لکھوا کر زمین لے لی اور خود اسی کے پاس چھوڑ دی، جس پر ایک طرف اس کی جھونپڑی ہے، دوسری طرف مالک کے بھانجے کی جھونپڑی ہے۔

اب جب یہ پلاٹ فروخت ہونے لگا، تو اس شخص کے دل میں بے ایمانی آگئی اور وہ اپنے اقرار سے پھر گیا اور اس پلاٹ کو دینے سے انکار کرتا ہے، اس صورت میں کیا اپنے حق کے لئے اس سے لڑا جائے یا اس کے عوض آخرت میں نیکی ملنے کا خیال رہے؟

عبدالکریم بہشتی مردہگان تھانہ بھون مظفرنگر

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ اس نے پہلے اقرار کر لیا تھا کہ ”یہ ایمان داری ہے میں نہیں لوں گا“ اور روپیہ کا بھی ذمہ دار ہونے سے انکار کر کے دوسرے آدمی سے کہہ دیا تھا کہ تو ہی خرید لے اور یہ معاملہ طے ہونے کے بعد اس کے نام سے وہ پلاٹ خریدا گیا، تو وہ یقیناً اسی شخص کا ہے، جس نے قیمت کی ذمہ داری لی ہے (۱)، پھر اس نے احسان کیا کہ جس کے نام سے خریدا ہے، اسے رہنے دیا، پھر اب اس کا لالچ میں آ کر اپنے اقرار سے انکار کرنا اور اس

(۱) ”وأما حكمه فثبوت الملك في المبيع للمشتري، وفي الثمن للبائع، إذا كان البيع باتاً“۔ (حاشیہ =

پلاٹ کو اپنا کہنا، وعدہ خلافی اور گناہ ہے (۱)۔

مالک کو حق ہے کہ جس تدبیر سے ممکن ہو اسی کا قبضہ کرے (۲)، لیکن اگر وہ تبرع اور احسان کر کے درگزر کرے اور اس کا قبضہ نہ ہٹائے، بلکہ اس کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے اسی کو دے دے، تو یہ مکارم اخلاق کے عین مطابق ہے اور ایسا کرنے پر حدیث پاک میں بڑی بشارت آئی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۶ھ۔

جواب درست ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۳/۱/۸۶ھ۔

= الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب البیوع: ۳/۴، دارالمعرفة بیروت

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب البیوع، الباب الأول فی تعریف البیع الخ: ۲/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المختار، کتاب البیوع، مطلب: شرائط البیع أنواع أربعة: ۵۰۴/۴، سعید)

(۱) ”عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما: أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: أربع من کن فیہ کان منافقاً خالصاً، ومن كانت فیہ خصلۃ منہن كانت فیہ خصلۃ من النفاق حتی يدعہا، إذا أؤتمن خان، وإذا حدث کذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر.“ (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة النفاق: ۱۰/۱، قدیمی)

(ومشکاة المصابیح، کتاب الإیمان، باب علامات النفاق، ص: ۱۷، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۶/۱، قدیمی)

(۲) ”غصب أرضاً وزرعها ونبت فلصاحبها أن يأخذ الأرض، ويأمر الغاصب بقلع الزرع تفريغاً لملكه.“ (البحر الرائق، کتاب الغصب: ۲۰۲/۸، رشیدیہ)

”ولو غصب ساحة وبني فيها لا ينقطع حق المالك، وكان له أن يأخذها.“ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الغصب، الباب الثاني فی أحكام المغصوب إذا تغير بعمل الغاصب أو غيره: ۱۲۴/۵، ۱۲۵، رشیدیہ)
”(وحكمه الإثم لمن علم أنه مال الغير ورد العين قائمة والغرم هالكه.....“ (الدر المختار، کتاب الغصب: ۱۷۹/۶، سعید)

(۳) ”عن أبي أمامة الباهلي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أنا زعيم بيت في ربض الجنة لمن ترك المراء، وإن كان محققاً، وبيت في وسط الجنة لمن ترك الكذب، وإن كان مازحاً، وبيت في أعلى الجنة لمن حسن خلقه.“ (سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب في حسن الخلق: ۳۱۳/۲، إمدادیہ)

(و کذا فی ریاض الصالحین، باب حسن الخلق، ص: ۳۷۰، دارالسلام)

(و کذا فی کنز العمال، کتاب الأخلاق، قسم الأقوال، الجزء الثالث: ۲۵۶/۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

الفصل الرابع في ترك الموالاة (قطع تعلقی کا بیان)

جو شخص غلط فتویٰ دے اس سے تعلق رکھنا

سوال [۱۱۲۷۸]: احقر ۸۰ء میں دارالافتاء کا طالب علم تھا، اس زمانے میں سب حضرات کو معلوم ہے کہ حضرت مفتی مہدی حسن صاحب اور نائب مفتی ہندوستان میں ربوا کے متعلق گنجائش بتلاتے تھے اور بینک وغیرہ کی شکلیں جس سے مسلمانوں کو فائدہ ہو، جائز بتلاتے تھے، اس سلسلے میں ایک مفصل فتویٰ حضرت مفتی صاحب نے لکھا تھا، ۸۰ء کے رجسٹر میں درج ہے۔

اسی زمانے میں ایک استفتاء ربوا کے متعلق بھی آیا تھا، میں نے حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق جواب لکھا تھا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کاٹ دیا تھا، اس بناء پر جو لوگ مسئلہ پوچھتے تھے، میں مفتی صاحب والی بات نقل کر دیا کرتا تھا، کہ گنجائش بتلاتے ہیں، اس بناء پر بعض لوگ اس قسم کا معاملہ کر چکے تھے، کاروباری موقع پر جب ضرورت ہوتی تو بعض روپیہ لے لیتے تھے، کچھ لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ ایسے لوگوں سے قطع تعلق کیوں نہیں کر لیتے ہیں تو میں نے ان سے اکابر کے فتویٰ مختلف ہونے کے بارے میں کہا اور کہا کہ جب یہ عمل بعض اکابر کے فتویٰ کی بناء پر ہے تو ان کی تفسیق نہ کی جائے گی، ایسی صورت میں شدت بھی نہ برتوں گا کہ ان سے قطع تعلق کروں، اس پر انہوں نے کہا کہ یہ مولویانہ تاویل ہے، تو ایسی صورت میں قطع تعلق کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصد اصلاح ہے، اگر تعلق و ملاطفت سے اصلاح متوقع ہے تو ترک تعلق نہ کیا جائے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ترک تعلق سے طبیعت میں ضد پیدا ہو جاتی ہے اور اس کا نتیجہ شرفساد ہوتا ہے، کبھی ترک تعلق مفید ہوتا

ہے اس لئے معاملہ سہل ہے (۱)۔ مگر صرف تعلق پر اکتفاء نہ کیا جائے، بلکہ آہستہ آہستہ اصلاح بھی لازم ہے، ورنہ یہ تعلق مدہانت بن کر رہ جائے گا، جو لوگ اصل حال بتا کر اپنے معتقد سے دیانت داری سے فتویٰ لیتے ہیں وہ تو انشاء اللہ نفع میں رہیں گے۔

جوابِ علم ایک فتویٰ کو دلائل کی روشنی میں صحیح نہیں سمجھتے، اس کو اس فتویٰ پر عمل کرنا درست نہیں، اس لئے کہ وہ خود اہل علم ہے اور جب کوئی اسی سے پوچھے کہ یہ فتویٰ صحیح ہے تو کہہ دے کہ صحیح نہیں، دوسروں کے لئے اختلافی مسائل میں تشدد کا پہلو اختیار کرنا بھی مناسب نہیں، اپنے لئے احوط کو اختیار کرنا اور ع ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۹/۸۸ھ۔

غیر حاضری کی بناء پر برادری سے خارج کرنا

سوال [۱۱۲۷۹]: گاؤں کی ایک برادرانہ پنچایت میں جھگڑے کے اندیشہ سے منصرف حاضر نہیں ہوا، تو گاؤں نے اس کی غیر حاضری کی بناء پر برادری سے خارج کر دیا۔ کیا اس کا یہ اخراج شریعت کی رو سے درست ہے؟ منصرف کسی خطا اور جرم کی بناء پر مطلوب بھی نہ تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بلا جرم کے برادری سے خارج کرنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امامہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۱۳۹۹ھ۔

(۱) "أراد بهذه الترجمة بيان الهجران الجائز؛ لأن عموم النهي مخصوص لمن لم يكن لهجره سبب مشروع. فتبين هنا السبب المشروع للهجر، وهو لمن صدرت منه معصية، فيسوغ لمن اطلع عليها منه هجره عليها ليكف عنها". (فتح الباري، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران لمن عصي: ۶۰۹/۱۰، قديمي)

(و كذا في شرح ابن بطل، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الهجران: ۲۷۲/۹، مكتبة الرشد)

(و كذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب ما ينهي عنه من التهاجر: ۷۵۸/۸، رشيدية)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "الرحم شجرة من الرحمن، فقال: من وصلك وصلته، ومن قطعك قطعته". (رواه البخاري، كتاب الأدب، باب من =

چھوٹی بڑی باتوں کی وجہ سے قطع تعلق کرنا

سوال [۱۱۲۸۰]: آپس میں چھوٹی باتوں کو پکڑ کر برادری سے بائیکاٹ کر دیتے ہیں، ایسا کرنا شرعاً ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹی باتیں تو زیادہ گرفت کے قابل نہیں ہوتی (۱)، لیکن کسی بات کے متعلق یہ تجویز کرنا کہ یہ شریعت کی نظر میں بڑی ہے یا چھوٹی ہے؟ ہر ایک کے بس میں نہیں، اس کو ماہرین اور حدود شرع سے واقف حضرات ہی سمجھتے ہیں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۸/۲/۸۶ھ۔

= وصل وصلہ اللہ، ص: ۱۰۴۸، دارالسلام

”قولہ: وصلۃ الرحم واجبة“ نقل القرطبی فی تفسیرہ: اتفاق الأمة علی وجوب صلتہا وحرمة قطعہا۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۱۱۱، سعید)
(ومشکاة المصابیح، کتاب الأدب، باب البر والصلۃ، رقم الحدیث: ۴۹۲۰: ۳/۲۰۴، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۱) ”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”إياکم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تناجسوا، ولا تحاسدوا، ولا تباغضوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد اللہ إخواناً“۔ (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما ینہی عن التحاسد: ۲/۸۹۶، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظن: ۲/۳۱۶، قدیمی)

(وسنن أبی داود، کتاب الأدب، باب فی الظن: ۲/۳۳۱، رحمانیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فاسئلوا أهل الذکر إن کنتم لاتعلمون﴾ (النحل: ۴۳)

”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”قتلوہ، قتلہم اللہ ألا سألوا إذا لم یعلموا، فإنما

شفاء العی السؤل.....“۔ (سنن أبی داود، کتاب الطہارۃ، باب فی الجروح یتیمم: ۱/۶۰، رحمانیہ)

مسلمان کا بائیکاٹ کرنا

سوال [۱۱۲۸۱]: مسلمانوں میں آپس میں ایک دوسرے سے بغیر کسی عذر شرعی کے بائیکاٹ

کر دینا کیسا ہے؟ اور بائیکاٹ کرنے والوں پر کفارہ آتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسلمانوں میں آپس میں اتفاق اور میل ملاپ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، بلاوجہ شرعی بائیکاٹ کرنا

تعلیمات اسلام کے خلاف ہے، اس سے حدیث شریف میں سخت وعید آئی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کبار میں مبتلا رشتہ داروں کے ساتھ تعلق

سوال [۱۱۲۸۲]: اعزاء و اقرباء میں جو لوگ علی الاعلان کبار میں مبتلا ہوں، تو ان لوگوں سے ترک

تعلق ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ اعزہ غیر محرم ہوں، تو کیا حکم ہے؟ کیونکہ وہ تو غیر کے حکم میں ہیں اور اگر ساتھ

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لا يحل لمسلم أن يهجر أخاه فوق ثلاث، فمن هجر فوق ثلاث، فمات دخل النار“۔ رواه أحمد وأبو داود۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رقم الحديث: ۵۰۳۵: ۲/۲۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إياكم والظن، فإن الظن أكذب الحديث، ولا تحسسوا، ولا تجسسوا، ولا تناجسوا، ولا تحاسدوا، ولا تباعضوا، ولا تدابروا، وكونوا عباد الله إخواناً“۔ متفق عليه۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه التهاجر، رقم الحديث: ۵۰۲۸: ۲/۲۲۳، دارالكتب العلمية بيروت)

”والمعنى أنتم مستوون في كونكم عبيد الله، وملتكم واحدة، والتحاسد، والتباغض، والتقاطع منافية لحالكم، فالواجب أن تعاملوا معاملة الإخوة، والمعاشرة في المودة، والمعاونة على البر، والنصيحة بكل حسنة“۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عن التهاجر: ۲۳۳/۹، رشیدیہ)

ساتھ وہی مبتلاء کبار ہوں، اہل دین کا مذاق اڑاتے ہوں، یا بے وقوف و ذلیل سمجھتے ہوں، یا وہ خود اہل دین سے اجتناب رکھتے ہوں، محض دین دار ہونے کی وجہ سے تو اہل دین کو کیا کرنا چاہیے؟ جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حسن اخلاق و مروت سے متاثر ہو کر کبار کو ترک کر دیں، یا ان کو فہمائش کا موقع ہے، جس سے نفع کی امید ہو تو ان سے تعلق باقی رکھ کر اصلاح کی کوشش کی جائے، اگر ترک تعلق سے اصلاح کی توقع ہو یا تعلق کی وجہ سے خود مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو، تو تعلق ترک کر دیا جائے، دعا بہر حال کرتے رہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۴ھ۔

اہل محلہ کا کسی مسلمان کی تجہیز و تکفین سے بائیکاٹ کرنا

سوال [۱۱۲۸۳]: مسمی زید کے باپ کا چند معمولی باتوں پر بائیکاٹ کر دیا تھا، جب باپ کا انتقال ہو گیا، تو جماعت نے فیصلہ سنا دیا کہ جو شخص جنازہ میں شریک ہوگا اسے مناسب سزا دی جائے گی، مردہ نہلانے کا تختہ اور چار پائی، سب منع کر دی گئی، حتیٰ کہ امام مسجد کو نماز پڑھانے سے روکا گیا، درزی کو کفن سینے سے منع کرایا گیا، مسلمان دکان دار کو کفن بیچنے سے منع کر دیا گیا، مجبوراً گھر کے کواڑ پر تختہ بنا کر نہلایا اور دوسرے گاؤں کے لوگوں نے جنازہ پڑھا اور اٹھایا۔ سوال یہ ہے کہ اس جماعت کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کی یہ کارروائی سخت ترین ظلم اور نا انصافی ہے، میت ہو جانے پر پرائے دشمن بھی آ کر ہمدردی کرتے ہیں اور اس وقت بغض و عداوت کا اثر نہیں لیتے (۲)، امام، درزی، پارچہ فروش وغیرہ کسی کے ذمہ اس

(۱) "وأجمع العلماء على أن من خاف من مكالمه أحد، وصلة ما يفسد عليه دينه، أو يدخل مضرة في دنياه يجوز له مجانبته، وبعده "ورب صرم جميل خير من مخالطة تؤذيه". (مراقبة المفاتيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر، الفصل الأول: ۲۳۰/۹، رشیدیہ)

(۲) "عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "لا يحل لرجل أن يهجر أخاه فوق ثلاث ليال، فيلتقيان، فيعرض هذا ويعرض هذا، وخيرهما الذي يبدأ بالسلام". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب الهجرة: ۸۸۷/۲، قديمی)

ظالمانہ جماعت کے حکم کا ماننا لازم نہیں، بلکہ جائز بھی نہیں (۱)، جماعت اپنی خیر چاہتی ہے تو اپنے فیصلہ پر نادم ہو کر توبہ کرے اور معافی مانگے، ورنہ خدائے قہار کی پکڑ کی منتظر رہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔



= "قوله: "ولا يحل لمسلم..... فيه التصريح بحرمة الهجران فوق ثلاثة أيام، وهذا فيمن لم يجن على الدين جنابة". (عمدة القارئ، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التحاسد الخ: ۱۳۷/۲۲، مكتبه منيرية، بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى من التهاجر والتقاطع الخ، ص: ۲۲۷، قديمي)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عنه من التهاجر الخ: ۷۵۸/۸، رشيدية)

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم..... قال: "لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف". (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۱۲۵/۲، قديمي)

"فقام عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه، فلقية بين الناس فقال: تذكروا يوم قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله"..... (مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰: ۵۹/۲، ۶۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فيض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۳: ۲۳۸۶/۱۲، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَصُوحًا﴾ (التحريم: ۸)

"قال الفقيه أبو الليث السمرقندي رحمه الله تعالى: فينبغي للعاقل أن يتوب إلى الله في كل وقت، ولا يكون مصراً على الذنب..... وروي عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: والله إني لأتوب إلى الله تعالى في اليوم مائة مرة". (تنبيه الغافلين، باب التوبة، ص: ۵۳، حقانيه پشاور)

"واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور..... سواء كانت المعصية صغيرة أو كبيرة". (روح المعاني: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

الفصل الخامس في إيداء المسلم

(مسلمان کو اذیت پہنچانے کا بیان)

اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا

سوال [۱۱۲۸۴]: اپنے کو بڑا سمجھنا اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنے کو بڑا سمجھنا تکبر ہے جو کہ حرام ہے (۱)، جس کو اپنا امام یا امیر بنا لیا ہے، جائز کاموں میں اس کی مخالفت کرنا نہیں چاہیے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۲۳/۸۵ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَصْعَرَ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ (لقمان: ۱۸)

”قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: ﴿وَلَا تَصْعَرَ خَدَّكَ لِلنَّاسِ﴾ أي: لا تملِه عنهم، ولا تولهم صفحة وجهك كما يفعل المتكبرون ﴿مَرَحًا﴾ أي: فرحاً وبطراً ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾ والمختال من الخيلاء، وهو التبختر في المشي كبراً، قال الراغب: التكبر عن تخيل فضيلة تراءت للإنسان من نفسه“. (روح المعاني، لقمان: ۱۸: ۹۰/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”عن عبد الله رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا يدخل النار أحد في قلبه مثقال حبة خردل من إيمان، ولا يدخل الجنة أحد في قلبه مثقال حبة خردل من كبرياء“. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانہ: ۶۵/۱، قديمی)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: ۵۹)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من أطاعني فقد أطاع الله، ومن يعصني فقد عصي الله، ومن يطع الأمير فقد أطاعني، ومن يعص الأمير فقد عصاني“۔ =

کسی مستند عالم کو برا کہنا

سوال [۱۱۲۸۵]: کسی مستند عالم پر لعن طعن کرنا اور اس سے بغض رکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب تک بغض کی وجہ مدلل سامنے نہ ہو، تو اس کے متعلق کیا کہا جائے، اگر بغض کی شرعی وجہ موجود نہیں تو بغض رکھنا حرام ہے، اگر شرعی وجہ موجود ہو، تو بغض رکھنا واجب ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۳/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۹۲/۳/۲۲ھ۔

مسلمان یتیموں کو پریشان کرنا

سوال [۱۱۲۸۶]: مسلمان یتیموں کو طرح طرح سے پریشان کرنے والے مسلمان کے بارے

میں کیا حکم ہے؟

= (صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء الخ: ۱۲۳/۲، سعید)

(وصحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب یقاتل من وراء الإمام ویتقی بہ: ۳۱۵/۱، قدیمی)

(۱) قال الله تعالى: ﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ (المجادلة: ۲۲)

”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم لأبي ذر:

”يا أباذر! أي عرى الإيمان أوثق؟“ قال: الله ورسوله أعلم، قال: ”الموالة في الله، والحب في الله،

والبغض في الله“ رواه البيهقي في شعب الإيمان“. (مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب الحب في الله

ومن الله، الفصل الثاني: ۲/۲۱۹، دار الكتب العلمية بيروت)

”وحقيقة التباغض أن يقع بين اثنين، وقد يطلق إذا كان من أحدهما، والمذموم منه ما كان في

غير الله تعالى، فإنه واجب فيه، ويثاب فاعله لتعظيم حق الله تعالى“ (فتح الباري، كتاب الأدب، باب

ماينهى من التحاسد والتدابير: ۵۹۲/۱، قدیمی)

(وكذا في عمدة القارئ، كتاب الأدب، باب ماينهى من التحاسد والتدابير: ۲۲/۲۱۳، دار الكتب

العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلحاً:

اس کا وبال دنیا میں بھی پڑے گا اور آخرت میں بھی سخت سزا ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

اپنی نالی سے دوسرے کو اذیت دینا

سوال [۱۱۲۸۷]: زید کے مکان میں سے عمرو کی ایک نالی قریب یک صد سال سے گزر کر آتی تھی اور اس نالی سے زید کو اس وقت تکلیف ہے، یہ نالی اس وقت دوسری طرف کو بھی پھیرائی جاسکتی ہے، جس سے زید کی موجودہ تکلیف دور ہو جائے گی اور عمرو کا کوئی نقصان نہ ہوگا، تو آیا عمرو کو قضاۃً مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی نالی کو دوسری طرف کو نکال لے؟

الجواب حامداً ومصلحاً:

اگر وہ نالی مجبوراً اس طرف رکھی گئی تھی اور اب وہ مجبوری نہیں رہی اور اس نالی سے زید کو تکلیف اور اذیت ہے، تو اب وہاں سے ہٹا کر دوسری طرف منتقل کر دی جائے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ (النساء: ۱۰)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”اجتنبوا السبع الموبقات وأكل مال اليتيم“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، باب الكبائر: ۳۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

”روي: أنها نزلت في رجل من غطفان، يقال له: مرثد بن زيد ولي مال ابن أخيه، وهو يتيم صغير، فأكله فأنزل الله فيه هذه الآية حدثنا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن ليلة أسري به، قال: ”رأيت قوماً لهم مشافر كمشافر الإبل، وقد وكل بهم من يأخذ بمشافرهم، ثم يجعل في أفواههم صخراً من نار يخرج من أسافلهم فقلت: يا جبرئيل من هؤلاء؟ قال: هم الذين يأكلون أموال اليتامى ظلماً“. فدل الكتاب والسنة على أن أكل مال اليتيم من الكبائر“. (أحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۰: ۳/۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) ”لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه“. (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب القصب: ۲۰۰/۶، سعيد) =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۶ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۲/۲/۸۶ھ۔

مدرسہ کے مدرس کو نوکر کہنا

سوال [۱۱۲۸۸]: کیا کسی دینی مکتب و مدرسہ کے مدرس کو مزبور یا نوکر یا ملازم کہہ سکتے ہیں؟ اور اگر کوئی کہتا ہے تو وہ کیسا ہے؟ اور کیا یہ مثال دے سکتے ہیں؟ ”مزدور خوش کن کند کار بیش“ وہ مثال دینے والا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دینی معلم و مدرس کا منصب بہت باعزت اور اعلیٰ منصب ہے، ایسے شخص کو مزدور یا نوکر کہنا اس کی توہین و تحقیر ہے (۱)، معلم و مدرس کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے منصب کے لحاظ سے باوقار اور مستغنی ہو کر رہے کہ اس کا مقصد خدمت دین ہے، نہ کہ تحصیل زر اور نوکری۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔



= ”ترک الإیذاء واجب“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحج: ۲/۴۹۴، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۲۶۲، عباس أحمد الباز مکة)

(۱) قال الله تعالى: ﴿ولا تنابزوا بالألقاب بئس الاسم الفسوق بعد الإيمان﴾ (الحجرات: ۱۱)

”قال الإمام القرطبي: أن كل ما يكرهه الإنسان إذا نودي به فلا يجوز لأجل الأذية“۔ (الجامع

لأحكام القرآن، الحجرات: ۱۱: ۸/۲۱۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”قال النووي: اتفق العلماء على تحريم تلقيب الإنسان بما يكره“۔ (تفسير روح المعاني:

۲۶/۱۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”من أبغض عالماً من غير سبب ظاهر خيف عليه الكفر“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير،

ومنها ما يتعلق بالعلم والعلماء: ۲/۲۷۰، رشيدية)

باب المعاصی والتوبة

(گناہ اور توبہ کا بیان)

کسی کا راستہ اور پانی بند کرنا

سوال [۱۱۲۸۹]: جو شخص پانی بند کر دے اور راستے بند کریں تو اس بارے میں کیا حکم؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی مستحق کا پانی اور راستہ بند کر دینا ظلم ہے، جس کا وبال سخت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ۔

گالی کے بدلے گالی

سوال [۱۱۲۹۰]: برائی کا بدلہ برائی ہے، تو گالی کے بدلے گالی جائز ہے یا نہیں؟

(۱) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”الظلم ظلمات يوم القيامة“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۲۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

”عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن الله ليملي للظالم حتى إذا أخذه لم يفلته“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۲۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

”للمضطر أخذه قهراً وقتاله، فإن قتل رب الماء فهدر“. (الدر المختار). ”الأولى أن يقاتله بغير

سلاح؛ لأنه ارتكب معصية (حيث منع الماء) فكان كالتعزير“. (رد المحتار، باب التيمم: ۱/۲۳۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس لفظ پر حد لازم نہیں ہوتی ہو، بدلے میں ایسے لفظ کی گنجائش ہے، لیکن معاف کر دینا اعلیٰ مقام

ہے (۱)۔

﴿وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَى﴾ (۲)۔

اگر مردی احسن الی من اساء

بدی را بدی سهل باشد جزاء

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

نکاح کی عملی صورت سمجھانے پر ایک استاذ کا دوسرے کو گالی دینا

سوال [۱۱۲۹۱]: ایک لڑکے نے (استاد سے) سوال کیا نکاح کے متعلق، آپ ہم لوگوں کو سمجھا

دیجئے، تب استاذ نے اس کو سمجھا دیا، لڑکے نے کہا کہ ہم سمجھے نہیں، آدمی جس طرح نکاح کرتا ہے، اس طرح ہم کو سمجھا دیجئے، تب استاذ صاحب نے مثال کے طور پر ایک لڑکے کو دلہا اور دوسرے کو دلہن بنایا، ایک لڑکے کو وکیل اور دو گواہ بنا کر جس طرح آدمی شادی کرتا ہے، اسی طرح لڑکوں کو سمجھا رہا تھا، تب دوسرا ایک استاذ اس کی یہ حرکت دیکھ کر کے نکلا گالی گلوچ بھی دیا، یعنی اس طرح جو اس نے اس طرح شادی کر کے مسئلہ بتایا ہے، کیا اس طرح کرنا جائز ہے یا کہ نہیں؟ دوسرے آدمی نے جو اس کو گالی دی اس کو گالی دینا جائز ہے؟

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾ (البقرہ: ۴۰)

”قال ابن أبي نجیح: إنه محمول على المقابلة في الجراح، وإذا قال: أخزاه الله، أو لعنه الله أن يقول مثله، ولا يقابل القذف يقذف، ولا الكذب بكذب“ (أحكام القرآن للقرطبي، الشوری: ۲۸/۱۶، داراحیاء التراث العربی بیروت)

”ولو قال: يا ولد الزنا! أو قال: يا ابن الزنا! وأمه محصنة، حد؛ لأنه قذفها بالزنا“ (الفتاویٰ

العالمکیریة، کتاب الحدود، الباب السابع في حد القذف: ۲/۱۶۲، رشیدیہ)

(و کذا في بدائع الصنائع، کتاب الحدود: ۷/۲۲، سعید)

(۲) (البقرہ: ۲۳۸)

الجواب حامداً ومصلیاً:

استاذ کو اس کا تجزیہ کرا کر سمجھانے کی ضرورت نہیں، بلکہ جواب میں کہہ دینا چاہیے کہ بڑے ہو کر جب نکاح کا وقت آئے گا یہ سب سمجھ لو گے، گالی دینا منع ہے۔

”سباب المسلم فسوق“ (الحديث) (۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۶/۸۵ھ۔

فتنہ وفساد پیدا کرنے والے کا حکم

سوال [۱۱۲۹۲]: جو مسلمان حق و انصاف کا دامن چھوڑ دے، فتنہ وفساد پیدا کرے، دیکھنے میں پرہیزگار و شرعی نظر آوے، وہ کیسا شخص ہے، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فتنہ وفساد پیدا کرنے اور حق و انصاف کے خلاف کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

زنا حق العبد ہے یا حق اللہ؟

سوال [۱۱۲۹۳]: ایک عالم زنا کو حق العبد بتاتے ہیں، دوسرے نہیں بتاتے، کس کا قول درست ہے؟

(۱) (صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب ما ینہی عن السباب واللعن: ۸۹۳/۱، قدیمی)

(و صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق

.....: ۵۸/۱، قدیمی)

(و مشکاة المصابیح، کتاب الأدب، باب حفظ اللسان، والغیبة، الفصل الأول، ص: ۴۱۱، قدیمی)

(۲) ”عن أوس بن شرحبیل، أنه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ’من مشى مع ظالم

ليقويه وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام‘. (مشكاة المصابيح، کتاب الأدب، باب الظلم:

۲/۲۳۶، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وسنن ابن ماجه، کتاب الأحکام، من ادعی ماليس له وخاصم فيه، ص: ۱۶۷، قدیمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

فتح المبین (۱) میں لکھا ہے جس عورت کا شوہر موجود ہو، اس سے زنا کرنا حق العبد بھی ہے، حق اللہ ہونا تو ظاہر ہے، لہذا دونوں عالموں کا قول صحیح ہے، ایسا شخص حق اللہ اور حق العبد ہر دو کا ضائع کرنے والا ہے (۲)۔

گالی دینے والے کی نماز روزہ کا حکم

سوال [۱۱۲۹۴]: زید صوم و صلوٰۃ کا پابند ہے، لیکن گالی ہر وقت منہ سے جاری رہتی ہے، کیا اس قبیح خصلت والے کی نماز روزہ میں قباحت آئے گی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس خصلت قبیحہ کے باوجود نماز روزہ جو کچھ بھی شرعی طریقہ پر ادا کیا جائے، وہ ادا ہو جائے گا (۳)،

(۱) لم أجده هذا الكتاب

(۲) ”قال عبد الله: قال رجل: يا رسول الله! أي الذنب أكبر عند الله؟ ثم أي؟ قال: أن تزاني حيلة جارک“

”قال النووي: ومعنى تزاني أي: تزني بها برضاها، وذلك يتضمن الزنا، وإفسادها على زوجها، واستمالة قلبها إلى الزاني، وذلك أفحش“۔ (صحيح مسلم مع شرحه للنووي، كتاب الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح الذنوب وبيان أعظمها بعده: ۶۳/۱، قديمی)

”ومسلم: (حرمة نساء المجاهدين على القاعدين كحرمة أمهاتهم، ما من رجل من القاعدين يخلف رجلاً من المجاهدين في أهله فيخونه فيهم إلا وقف له يوم القيامة فيأخذ من حسناته ما شاء حتى يرضى، ثم التفت إلينا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فقال: فما ظنكم؟“۔ ورواه أبو داود إلا أنه قال فيه: (إلا نصب له يوم القيامة، فليل هذا خلفك في أهلك فخذ من حسناته ما شئت)“۔ وعلم من ذلك أيضاً أن الزنا له مراتب: فهو بأجنبيّة لا زوج لها عظيم، وأعظم منه بأجنبيّة لها زوج، وأعظم منه بمحرم.....“۔ (الزواجر عن اقتراف الكبائر، الكبيرة الثامنة والخمسون بعد الثلاثمائة: الزنا أعاذنا الله منه ومن غيره بمنه وكرمه: ۲۲۳/۲، ۲۲۶، دار الفكر)

(۳) ”اتفق جمهور العلماء على أن الصائم لا يفطره السب، والشتم، والغيبة، وإن مأموراً أن ينزه صيامه عن اللفظ القبيح“۔ (شرح ابن بطال، كتاب الصوم، باب هل يقول إني صائم إذا شتم: ۲۴/۲، مكتبة الرشد) =

اس خصلت کی قباحت حدیث شریف میں ہے:

”سباب المسلم فسوق“ (متفق علیہ مشکوٰۃ: ۲/۴۱۱) (۱).

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

شراب و جوا

سوال [۱۱۲۹۵]: ہمارے محلہ کے چند لوگوں نے ایک کمیٹی بنائی کہ شراب و جوا دیگر خرافات سے سب کو روکیں گے، مگر کمیٹی کے بعض ممبران حضرات خود ان قبیح برائیوں میں مبتلا ہیں، امام محلہ اس کمیٹی کے صدر ہیں، اس سلسلہ میں شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اہل محلہ نے اس مقصد کے لئے یہ ممبران مقرر کئے ہیں کہ بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کی جائے تو شراب پینا بھی تو خرابی حالات سے ہے، اس کی بھی انشاء اللہ اصلاح کی جائے گی اور شراب و جوا سے ان حضرات کو بھی روکا جائے گا۔

جب یہ ممبر دوسروں کو ناجائز باتوں سے روکیں گے تو کیا ان کو خود احساس نہیں ہوگا؟ یا ان کے سامنے

= ”الأداء تسليم عين الثابت بالأمر..... والمراد بالثابت، بالأمر ما علم ثبوته بالأمر“ (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ۲/۶۳، سعید)

”الأداء المحض إن كان مستجمعاً لجميع الأوصاف المشروعة فأداء كامل“ (نسمات

الأسفار شرح شرح المنار، مبحث: الأداء أنواع، ص: ۳۸، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی منحة الخالق علی البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۳۸، رشیدیہ)

(۱) (مشكاة المصابيح، کتاب الاداب، باب حفظ اللسان والشم: ۲/۴۱۱، قدیمی)

(وصحيح البخاري، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله: ۱/۱۲، قدیمی)

(وصحيح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق:

۵۸/۱، قدیمی)

خود ان کا معاملہ پیش نہیں کیا جائے گا کہ ان کی بھی اصلاح ضروری ہے، اس مقصد کے پیش نظر اگر امام صاحب کو صدر تجویز کر دیا گیا ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ خیر کی امید ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند۔

خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے کا حکم

سوال [۱۱۲۹۶]: جو کوئی شریعت کے خلاف کوئی حکم کرے اور خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کرے، وہ شریعت کے نزدیک کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نافرمان ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران: ۱۰۴)

وقال الله تعالى: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰)

”عن حذيفة رضي الله تعالى عنه، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”والذي نفسي بيده لتأمرن بالمعروف، ولتنهون عن المنكر، أو ليوشكن الله أن يبعث عليكم عذاباً من عنده، ثم لتدعنه ولا يستجاب لكم“ رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الثاني: ۲/۲۳۸، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ (الأحزاب: ۳۶)

”فيه الدلالة على أن أوامر الله تعالى وأوامر رسوله على الوجوب ”ومن يعص الله ورسوله“ في نسق ذكر الأوامر يدل على ذلك أيضاً، وأن تارك الأمر عاص لله تعالى ولرسوله“. (أحكام القرآن للجصاص، الأحزاب: ۳/۴۷۱، دار الكتب العلمية بيروت) =

خدا اور رسول کے حکم کے خلاف حکم کرنے کا کسی کو حق نہیں

سوال [۱۱۲۹۷]: کسی شخص کو یہ حق ہے کہ اپنی رائے سے دین میں کچھ کہے اور حکم لگائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکم شرعی کے خلاف اپنی رائے سے دین میں حکم لگانے کا کسی کو حق نہیں اور اس کا ایسا حکم بالکل قابل قبول نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خدا اور رسول کے خلاف کہنے کا کسی کو حق نہیں

سوال [۱۱۲۹۸]: کسی بھی شخص کو خدا اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلاف کسی بات کا حکم

کرنے کا حق ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہرگز حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "كل أمتي يدخلون الجنة إلا من أباي" قيل: ومن أباي؟ قال: "من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أباي" رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۴۹/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "خدا اور رسول کے حکم کے خلاف کرنے والے کا حکم"۔

(۲) قال الله تعالى: ﴿وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضلّ ضلالاً مبيناً﴾ (الأحزاب: ۳۶)

"فيه الدلالة على أن أوامر الله تعالى وأوامر رسوله على الوجوب "ومن يعص الله ورسوله" في نسق ذكر الأوامر يدل على ذلك أيضاً، وأن تارك الأمر عاصٍ لله تعالى ورسوله". (أحكام القرآن للمجصاص، الأحزاب: ۳/۴۷۱، دارالكتب العلمية بيروت) =

زبردستی زنا

سوال [۱۱۲۹۹]: تقریباً ایک سال ماہ جولائی میں میرے شوہر کے ایک دور کے رشتہ دار بھائی میرے گھر اچانک رات کے وقت آئے کہ میری بس چھوٹ گئی، لہذا میں ایک رات یہاں بسر کرنا چاہتا ہوں، اس رات میرے شوہر باہر کسی کام سے گئے ہوئے تھے، اسی رات میرے شوہر کے رشتہ دار نے میرے ساتھ جبراً زنا کیا، میری مزاحمت کے باوجود انہوں نے چاقو دکھا کر مجھ پر حملہ کر دیا، اس کے بعد مجھ کو مسلسل دھمکیاں بھی دیتا رہا کہ میں یہ کسی پر ظاہر نہ کروں اور اکثر میرے شوہر کی موجودگی اور غیر موجودگی میں آتا رہا۔

ابھی حال میں ۱۹/ جون کو وہ میرے شوہر کی عدم موجودگی میں آیا اور میرے ہاتھ پکڑ لئے، دن کا وقت تھا، اتفاق سے میرے شوہر دفتر سے جلد آ گئے، انہوں نے یہ سب دیکھ لیا اور مجھ سے پوچھتا چھ کی، مجھے یہ سب کچھ بتانا پڑا، میں نے گڑگڑا کر معافی مانگی انہوں نے یہ کہہ کر معاف کر دیا کہ ”میں نے معاف کیا، میرے اللہ نے معاف کیا“، مگر ان کے دل میں خلش باقی ہے اور مجھ سے کٹے کٹے رہتے ہیں، تیرا بھی دل ملامت کرتا ہے کہ یہ کام میری مرضی کے خلاف ہوا ہے اور میں اس کو سارے سال ڈر اور خوف کی وجہ سے نہیں کہتی تھی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ جبر و تشدد کیا گیا، لیکن جب اس کے بعد بار بار یہ نوبت آئی تو اس میں جبر و تشدد نہیں ہوا اور شوہر کو اطلاع بھی نہیں کی گئی، علاوہ ازیں جب کہ وہ نامحرم ہے تو شوہر کی عدم موجودگی میں اس کا مکان میں داخل کرنا اور شب باشی کی اجازت دینا بھی غلط ہے اور موجب فتنہ ہے۔

اب تازہ غسل کر کے دو رکعت نماز توبہ پڑھ کر استغفار میں دیر تک مشغول رہیں، اس تصور کے تحت جیسے کسی نجس کپڑے کو دھونے کے لئے پانی کی دھار ڈالی جائے، صابن لگا کر اس کو ملا جائے، آہستہ آہستہ اس کی نجاست دور ہوتی ہے اور میل چھوٹتا ہے، اسی طرح اللہ کے سامنے سچی دلی ندامت کے ساتھ استغفار کی برکت

= ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”كل أمتي

يدخلون الجنة إلا من أبی“ قيل: ومن أبی؟ قال: ”من أطاعني دخل الجنة ومن عصاني فقد أبی“ رواه

البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الأول: ۴۹/۱،

دار الكتب العلمية بيروت)

سے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اس کا پکا عہد کیا جائے کہ اگر مجھے آگ میں بھی ڈال دیا جائے، تب بھی اس کام کی نوبت نہیں آئے گی، آگ میں گرنا پسند ہوگا، اللہ تبارک و تعالیٰ معاف فرمائے (۱)۔ شوہر نے معاف کر دیا، یہ حوصلہ کا کام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۸/۱۴۰۰ھ۔

قوم میں تفرقہ ڈلوانا

سوال [۱۱۳۰۰]: قوم میں تفرقہ ڈلوانا، جھوٹ ڈلوانا اور نئی شرع قائم کرنا اور نوا ایجاد باتیں اور جھوٹ بہتان و اتہام لگانا کیسا ہے؟ اور ایسا کام کرنے والا شخص کون ہو سکتا ہے؟ جواب عنایت فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفسانی اغراض (مال و اقتدار کی خاطر) پھوٹ ڈلوانا کبیرہ گناہ ہے (۲)، حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مقابلے میں نئی شریعت ایجاد کرنا رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بغاوت کرنا ہے (۳)، جھوٹ (۴)، بہتان (۵) حرام ہے۔ مسلمان کو ایسے کاموں کے پاس بھی نہیں جانا

(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ (النساء: ۱۷)

”وفي الشريعة: هي الندم على المعصية مع عزم أن لا يعود إليها إذا قدر عليها قد نصوا على أن أركان التوبة ثلاثة: الندامة على الماضي، والإقلاع في الحال، والعزم على عدم العود في المستقبل فتوبته أن يندم على تفریطه أولاً، ثم يعزم على أن لا يعود أبداً“ (شرح الفقه الأكبر، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قديمی)

(و کذا في روح المعاني، التحريم: ۲۸/۴۹۰، رشیدیہ)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (ال عمران: ۱۰۳)

”هو أمر بالاجتماع، ونهي عن الفرقة، وأكده بقوله: ولا تفرقوا معناه التفرق عن دين الله الذي أمروا جميعاً بلزومه والاجتماع عليه“ (أحكام القرآن للجصاص، ال عمران: ۲/۳۶، دارالكتب العلمية بيروت)

(و کذا في أحكام القرآن للقرطبي: ۴/۱۰۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“، متفق عليه =

چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۹/۸۸ھ۔

ایک امیر کے حالات

سوال [۱۱۳۰۱]: ایک شخص دینی جماعت کا امیر ہو کر مندرجہ ذیل امور کا مرتکب ہے:

۱- حکام کو رشوت پہنچانے میں اپنے لڑکے کے ذریعہ سے معاون ہے اور رشوت کی رقم کو اپنے پاس رکھا

اور سب کچھ ان کے علم و ایماء سے ہوا۔

= (مشکاۃ المصابیح، کتاب الإیمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنة: ۱/۴۸، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وصحیح مسلم، کتاب الأقضية، باب نقض الأحکام الباطلة، ص: ۶۲، دارالسلام)

(وسنن ابن ماجہ، کتاب السنة، باب تعظیم رسول اللہ، ص: ۲، دارالسلام)

(۴) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إياكم والكذب وإن الكذب يهدي إلى الفجور، وإن

الفجور يهدي إلى النار.....“ متفق عليه. (مشکاۃ المصابیح، کتاب الأداب، باب حفظ اللسان:

۲/۴۱۲، قدیمی)

”والكذب الحرام“، (الدر المنقذ علی هامش مجمع الأنهر، کتاب الکراہیۃ، فصل فی

المتفرقات: ۲/۵۵۲، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، الحظر والإباحة: ۶/۴۲۷، سعید)

(۵) ”أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أتدرون ما الغيبة؟ قالوا: الله ورسوله أعلم قال:

”ذكرک أخاک بما یکره“، قيل: أفرأیت إن کان فی أخی ما أقول؟ قال: ”إن کان فیہ ما تقول فقد

اغتبته، وإن لم یکن فیہ ما تقول فقد بهته“، (صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الغیبة، ص:

۱۱۳۲، دارالسلام)

”إن قلت ما لم یکن فی أخیک فهو بهتان لا غیبة، والبهتان کذب عظیم“، (التعلیق الصبیح،

کتاب الأداب، باب حفظ اللسان: ۵/۱۷۸، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، الحظر والإباحة: ۶/۴۱۰، سعید)

۲- ایک شخص کی رقم ان کی وجہ سے ان کے لڑکے کو دی گئی، مگر عدالت نے کسی قانونی نکتہ کی وجہ سے ان کو بری کر دیا اور لڑکے پر رقم کی ڈگری ہو گئی، اب اس کا پروانہ گرفتاری جاری ہے، تو اس نے عدالت سے دیوالیہ ہو کر وہ رقم بچالی، لڑکا اور وہ ساتھ رہتے ہیں اور اس رقم سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہنوز وہ رقم ان کے ذمہ ہے اور دینے کی کوئی نیت نہیں ہے۔

۳- راشن کارڈ میں جعلی یونٹ بڑھوائے ہیں، جس کی وجہ سے حکومت سے دھوکہ دے کر غلط طریقہ سے غلہ حاصل کیا گیا۔

۴- جماعت کے احباب میں اگر اختلاف ہو، تو بجائے اس کو رفع کرانے کے اس کو خوب ہوا دیتے ہیں اور وہ گروہ بناتے ہیں، جن سے وہ ذاتی مالی نفع حاصل کرتے ہیں ان کی عزت کرتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کی تذلیل تحقیر کرتے ہیں اور عام مجموعوں میں ذلیل کرتے ہیں۔

۵- غیبت بھی کرتے ہیں اور بعض مرتبہ جھوٹ بولنا بھی ان سے ثابت ہو چکا ہے، جس کی وجہ سے نوبت فساد تک پہنچ جاتی ہے، جو لوگ فساد کو رفع کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔

۶- مدرسوں اور خانقاہوں کی عام تقریروں میں مذمت کرتے اور کہتے ہیں کہ مولویں اور جھولی والوں میں کیا فرق ہے، مسئلہ تملیک کا بار بار استہزا اڑاتے دیکھا گیا ہے، ایک عالم دین کو جب اپنی خواہشات کا ساتھ دیتے نہ دیکھا تو ان کو بھی غلط کار قرار دیا اور اس کا خوب پروپیگنڈہ کیا، خانقاہوں اور مدارس دینیہ کے خلاف ان کی تقریریں اور صوفیاء کے طریقہ ذکر کے استخفاف کے بڑے بڑے علماء شاہد ہیں اور ابھی تک اس عمل فسق پر توبہ کا کوئی اعلان نہیں ہے۔

۷- اور جماعتی بھائی کا روبرو کرنا چاہتے تھے، ایک ان میں سے کہتے تھے کہ میں اتنے ہزار روپیہ لگا دوں گا اور اس پر کچھ فیصدی نفع لوں گا، نقصان کا ہرگز ذمہ دار نہیں، جناب امیر صاحب نے اس کی اجازت دے دی اور فرمایا کوئی حرج نہیں، جب کہ آپ علم دین سے بالکل نابلد ہیں، ویسے دنیاوی تعلیم کے اعتبار سے بی اے ہیں، کیا اس قسم کی اطاعت جائز ہے یا نہیں؟ یا ایسے امیر کو بدل کر کسی ایسے امیر کو جو کہ عالم ہو، حرام و حلال سے واقف ہو، اس کو منتخب کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلحاً:

اس دینی جماعت کے ان امیر صاحب کے متعلق جو سوال میں درج ہیں، ان میں کوئی امر بھی ایسا نہیں جس کا جواب اور حکم کسی کو معلوم نہیں، تھوڑے علم والا، بلکہ بے علم سادہ لوح بھی ان کی قباحت کو جانتا ہے، معصیت میں کسی کی اطاعت نہیں (۱)۔

۱۔ کیا اس جماعت کا کوئی دستور اساسی ہے جس میں امیر کی شرائط مذکور ہیں کہ جس میں یہ شرائط موجود ہوں گی، وہ امیر ہو سکے گا؟ اور کیا امارت کے لئے انتخاب عام ہوتا ہے یا کچھ خصوصی اہل الرائے حضرات چن لیتے ہیں؟

۲۔ مدت کا تعین ہے، مثلاً: تین سال یا پانچ سال، نیز امیر کو معزول کرنے کے لئے دستور میں کیا شرائط ہیں؟

۳۔ معزول کرنے کا حق کس کو دیا گیا ہے، مجلس مشاورت کو یا عوام کو؟ الحاصل دستور اساسی میں دفعات مذکورہ بالا کا جواب دیکھ کر مسئلہ بہت سہولت سے حل ہو سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۱۳۸۹ھ۔

زنا بالجبر کو منع نہ کرنے کی صورت میں کون لوگ گنہگار ہیں؟

سوال [۱۱۳۰۲]: عبد المتین اپنے سالے کی بیوی کو بھگا کر اپنے گھر لے گیا، مگر ان کے خسر یا سالے وغیرہ کوئی اعتراض نہیں کرتے، برابر اس کی خاطر تواضع داماد جیسی ہی کیا کرتے ہیں۔ عبد المتین کے خسر کے گھر والے بھی کھاتے پیتے ہیں، لہذا اس زنا بالجبر کے کتنے لوگ گنہگار ہیں؟ صاف تحریر فرمائیں۔

(۱) "عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا طاعة في معصية، إنما الطاعة في المعروف". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول: ۳/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب أخبار الآحاد، رقم الحديث: ۷۲۵۷، ص: ۱۲۴۹، دار السلام)

(وكذا في رد المحتار، باب العيدين، مطلب تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية: ۱۷۲/۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلحاً:

زنا کرنے کا گنہگار تو زانی ہی ہے، اگر اس کی کسی نے اس میں مدد کی ہے، تو مدد کا گنہگار وہ بھی ہے (۱)، جو شخص اس کے فعل سے ناخوش ہے، خوش ہونے کا گنہگار وہ بھی ہے (۲)، جو شخص اس سے روک سکتا ہے، مگر روکتا نہیں ہے، تو نہ روکنے کا گنہگار وہ بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۹۴ھ۔

ظالم سے انتقام

سوال [۱۱۳۰۳]: بستی میں ایک صاحب گاؤں کے امیر اور سردار ہیں، عوام اس کے ظلم سے از حد

(۱) قال الله تعالى: ﴿تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الإثم والعدوان﴾ (المائدة: ۲)

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أعان على خصومة بظلم، أو يعين على ظلم لم يزل في سخط الله حتى ينزع“۔ (سنن ابن ماجه، كتاب الأحكام، من ادعى ماليس له وخاصم فيه، ص: ۱۶۷، قديمی)

”من أعان على معصية الله تعالى فهو شريك في إثمها بقدر سعيه وعمله“۔ (شرح ابن بطل، كتاب البيوع، باب اكل الربا وشاهدته وكاتبه: ۲۱۷/۶، مكتبة الرشد)

(۲) ”عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: ”إنه يستعمل عليكم أمراء، فتعرفون، وتنكرون فمن كره، فقد برئ، ومن أنكر فقد سلم، ولكن من رضي، وتابع“۔ (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء: ۱۲۸/۲، قديمی)

”وفيه دليل على أن من عجز عن إزالة المنكر لا يأثم بمجرد السكوت، بل إنما يأثم بالرضا به“۔ (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء: ۱۲۸/۲، قديمی)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۶۶/۱۳، قديمی)

(۳) ”يجب إنكار المنكر، لكن شرطه أن لا يلحق المنكر بلاء لا قبل له به من قتل ونحوه“۔ (فتح الباري،

كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۶۶/۱۳، قديمی)

(و كذا في شرح ابن بطل، كتاب الفتن، باب الفتنة التي تموج كموج البحر: ۵۰/۱۰، مكتبة الرشد)

(و كذا في شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب وجوب الإنكار على الأمراء: ۱۲۸/۲، قديمی)

پریشان ہیں، کیونکہ ظلم حد سے بڑھ چکا ہے، شرابی بھی ہے، بلا وجہ مار دھاڑ کرنا، کچھ لوگوں کے گھر لٹوانے اور آگ لگوانے کی سازش کرتا ہے، ایسی حالت میں ایسے ظالم سے بچنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی، ایک خون بھی کر چکا ہے، جو غالباً کسی دوسرے پروگرام میں تھے کہ اچانک گولی داغ دی اور ایک لڑکی مر گئی، زنا کاری میں مبتلا ہیں، اگر ان کے ساتھ کوئی جانی کارروائی کی جائے، تو کیا خداوند کریم کے یہاں گرفت ہوگی؟ فقط۔

محمد اشفاق مدرسہ ہتھورا باندہ

الجواب حامداً ومصلیاً:

ظالم سخت گنہگار ہے اور مستحق سزا ہے، ہر مظلوم کو انتقام کا حق ہے (۱)، مگر قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں اس سے پوری احتیاط کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۹۵ھ۔

گالی کی معافی اور از خود قوم کا سردار بننا

سوال [۱۱۳۰۲]: کوئی شخص قوم کو بیٹی کی گالی دے اور قوم سے معافی مانگ لے، تو اس کو معاف کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور قوم کا سردار بننا کیسا ہے؟

(۱) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”الظلم ظلمات يوم القيامة“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۲۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

”عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن الله ليملئ للظالم حتى إذا أخذه لم يفلته“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۲/۲۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

”عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه أخذ سناً، فجاء صاحبها يتقاضاه فقالوا له، فقال: ”إن لصاحب الحق مقالا“. (صحيح البخاري، كتاب الهبة وفضلها، باب من أهدي له هدية، ص: ۴۲۲، دارالسلام)

الجواب حامداً ومصلحاً:

گالی دینا غلط طریقہ ہے (۱)، اگر کسی نے غصہ میں آکر گالی دے دی، پھر نادوم ہو کر معافی مانگتا ہے، تو معاف کر دینا چاہیے (۲)۔

از خود قوم کا سردار بننے کی خواہش و کوشش کرنا غلط ہے (۳)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۹۵ھ۔

سخت گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا

سوال [۱۳۰۵]: جو شخص شراب پیتا ہے اور ماں باپ کی نافرمانی کرتا ہے اور ان کی شان میں گستاخانہ لفظ استعمال کرتا ہے اور دین کی معلومات سے نا آشنا ہے اور دینی باتوں کو ٹھٹھا اور کھیل سمجھتا ہے، نمازی

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر". متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتيم: ۲/۹۰، دار الكتب العلمية بيروت)
(وصحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله، ص: ۱۱، دار السلام)
(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم سباب المسلم فسوق، ۳۸، دار السلام)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَأَن تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَى﴾ (البقرة: ۲۳۷)

"عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: "من اعتذر إلى أخيه فلم يعذره، أو لم يقبل عذره كان عليه مثل خطيئة صاحب مكس". (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر، الفصل الثالث: ۲/۲۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من ابتغى القضاء، وسأل فيه شفعاء، وكل إلى نفسه، ومن أكره عليه أنزل الله عليه ملكاً يسدده". (مشكاة المصابيح، كتاب الإمارة، باب العمل في القضاء، الفصل الثاني: ۲/۱۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"إن النفس مائلة إلى حب الرياسة، وطاب الترفع على الناس، فمن منعها سلم من هذه الآفات. ومن اتبع هواها، وسأل القضاء هلك، فلا سبيل إلى الشروع فيه إلا بالإكراه". (التعليق الصريح، كتاب الإمارة والقضاء، باب العمل في القضاء: ۳/۲۷۸، رشيدية)

(وسنن ابن ماجه، أبواب الأحكام، باب ذكر القضاء، ص: ۳۳۰، دار السلام)

آدمی کو بے ایمان خیال کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ پریشان حال رکھتے ہیں، گھریلو اختلافات اور روپیہ کی لالچ کی وجہ سے اپنی بیوی کو ایک سال سے نہیں بلاتا ہے اور باپ کو چاقو دکھلا کر قتل کی دھمکی دیتا ہے، اس شخص کے بارے میں کیا رائے ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا شخص بھی سخت گنہگار ہے اور سوئے خاتمہ کا قوی اندیشہ ہے، اللہ پاک رحم فرماوے کافر اس کو بھی نہ کہا جائے گا کہ کفر کا حکم آخری حکم ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کسی بزرگ سے سوء ظن

سوال [۱۱۳۰۶]: اگر کسی بزرگ سے عقیدہ نہ ہو بلکہ سوء ظن ہو، تو کیا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوچے کہ میں بھی اللہ سے رحمت اور مغفرت کا طالب ہوں، بغیر اس کے بیڑا پار نہیں ہو سکتا۔ ان بزرگ پر رحمت ہو جائے تو کون روک سکتا ہے، وہ نجات پا جائیں گے، لیکن ان کے ساتھ سوء ظن کا جرم مجھ پر باقی رہے گا، جب تک وہ معاف نہیں کریں گے، میری بخشش نہیں ہوگی، اس لئے اس سوء ظن کو ختم کر دینا چاہیے، اگر یہ سوء ظن بے محل اور خلاف واقعہ ہے تو بہت بڑا وبال ہے، سوء ظن میں عامۃً زبان پر قابو نہیں رہتا اور ان کے فیض سے محرومی تو یقینی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۳/۸۹ھ۔

(۱) "والکبيرة لاتخرج العبد المؤمن من الإيمان، ولا تدخله الکفر". (شرح العقائد النسفية، مبحث

الکبيرة، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، قدیمی)

(و کذا فی شرح الفقه الاکبر للملا علی القاری، الکبيرة لاتخرج المؤمن عن الإيمان، ص: ۷۱، ۷۲، قدیمی)

(و کذا فی شرح العقيدة الطحاوية للمیدانی، مبحث الکبيرة، ص: ۱۰۶، زمزم)

(۲) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ (الحجرات: ۱۲) =

خنزیر کھالیا تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۳۰۷]: محترم مولانا صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ موانہ کے قریب ایک گاؤں ہے، ایک شخص نے خنزیر کھالیا ہے،
نہ معلوم کہ اس نے یہ جان بوجھ کر کھالیا ہے یا بھول سے کھالیا ہے، اس آدمی کے بارے میں مذہب اسلام کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید مجددہ!

علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خنزیر نجس العین اور بالکل حرام ہے، جس نے کھالیا، حرام کھالیا (۱)، اگر جان کر کھالیا تو بہت سخت گناہ کیا،
توبہ واستغفار لازم ہے، مگر اسلام سے خارج نہ ہوا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۹۱ھ۔

= "عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: إياكم والظن
فإن الظن أكذب الحديث". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا
مِّنَ الظَّنِّ.....﴾ الخ، رقم الحديث: ۲۰۶۶، ص: ۱۰۵۹، دارالسلام)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الظن، رقم الحديث: ۴۹۱۷: ۳۶۵/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أَهْلَ بِهِ لغير الله﴾ (البقرة: ۱۷۳)
وقال الله تعالى: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِيْمَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا
مُسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خَنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ (الأنعام: ۱۴۵)

"وأما الخنزير فشعره وعظمه وجميع أجزائه نجسة". (البحر الرائق، كتاب الطهارة:
۱۹۱/۱، رشیدیہ)

"(ولحم الخنزير وسائر أجزائه) هذه الأشياء نجاستها معلومة في الدين بالضرورة لا خلاف
فيها". (الحلبي الكبير، فصل في الأنجاس، ص: ۱۵۴، سهيل اكيڈمی لاہور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء: ۴۸) =

یتیموں کے مال میں بے جا تصرف کرنے والے کی سزا

سوال [۱۱۳۰۸]: یتیموں کا مال کھانے والے پر یتیموں کو اجاڑنے والے پر اور ان یتیموں کو اپنا حق حاصل کرنے میں دقتیں پیدا کرنے والے پر خدا اور اس کے پیارے نبی کا کیا حکم ہے؟ جب کہ یتیموں کو لا وطن کر دیا گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کو خدا کے قہر سے ڈرنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

یتیموں کا مال غصب کرنے والے کا حکم

سوال [۱۱۳۰۹]: جو لوگ یتیموں کا مال غصب کرنے والے کی مدد کریں، یا خود اس آڑ میں کچھ حاصل کرنا چاہیں، یا ناجائز دباؤ ان یتیموں پر ڈال کر ان کی ملکیت مسجد یا مدرسہ میں یا خود لینا چاہیں، تو وہ کیسا مسلمان ہے؟

= ”مع الاتفاق علی أن مرتکب الكبيرة لا ینخرج من الإیمان، بل هو فی مشیئة اللہ إن شاء عذبه،

وإن شاء عفا عنه“۔ (شرح العقیلة الطحاویة لابن أبی العز، مبحث الكبيرة، ص: ۳۳۳، قدیمی)

”الكبيرة لا تخرج العبد المؤمن من الإیمان لبقاء التصدیق الذي هو حقيقة الإیمان“۔ (شرح

العقائد النسفیة، مبحث الكبيرة، ص: ۱۰۸، ۱۰۹، قدیمی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ

سَعِيرًا﴾ (النساء: ۱۰)

”قوله تعالى: ﴿إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ روي عن السُّدي: ”أن لَهَبَ النَّارِ يَخْرُجُ مِنْ فَمِهِ

وَمَسَامِعِهِ، وَأَنْفِهِ، وَعَيْنِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَعْرِفُهُ كُلُّ مَنْ رَأَاهُ أَنَّهُ أَكَلَ مَالَ الْيَتِيمِ“، وقيل: إنه كالمثل لأنهم

يَصِيرُونَ بِهِ إِلَى جَهَنَّمَ فَتَمْتَلِي بِالنَّارِ أَجْوَاهَهُمْ“۔ (أحكام القرآن للجصاص، النساء: ۱۵: ۹۴/۲،

دارالكتب العلمية بيروت)

الجواب حامداً ومصلحاً:

ایسا کرنے والے سب گنہگار ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

یتیموں کا مال مسجد اور مدرسہ میں دینا

سوال [۱۱۳۱۰]: مسجد و مدرسہ کے نام پر یتیموں کی ملکیت مسجد و مدرسہ میں لینے کے لئے طرح طرح کی سازش کرنا اور اس میں عیب جوئی کرنا اور غیر انسانی حرکت کرنا کیا فعل ہے؟ جو لوگ اس حرکت میں شامل ہوں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلحاً:

بلاوجہ شرعی نہ مسجد میں لینے کا حق ہے، نہ مدرسہ میں (۲)۔ ظالم کی مدد کرنا ظلم بھی ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ (النساء: ۱۰)

”قولہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ روي عن السُّدي: ”أن لهب النار يخرج من فمه ومسامعه، وأنفه، وعينه يوم القيامة، يعرفه كل من رآه أنه أكل مال اليتيم“، وقيل: إنه كالمثل لأنهم يصيرون به إلى جهنم فتمتلى بالنار أجوافهم“۔ (أحكام القرآن للجصاص، النساء: ۱۵: ۲/۹۴، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“۔ (رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزير، مطلب التعزير بأخذ المال: ۲/۶۱، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل في التعزير: ۵/۲۸، رشیدیہ)

(وكذا في النهر الفائق، کتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۳/۱۶۵، رشیدیہ)

(۳) ”عن أوس بن شرحبيل رضي الله تعالى عنه، أنه سمع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”من مشى مع ظالم ليقويه، وهو يعلم أنه ظالم، فقد خرج من الإسلام“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب =

یتیموں کا مال ناحق کھانا

سوال [۱۱۳۱]: یتیموں کا مال خرد برد کرنے والے کے بارے میں خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنے والے ظالم اور سخت گنہگار ہیں، دوسروں کا مال ناحق کھانے والے اپنے پیٹ میں آگ بھڑ رہے ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

زنا کے معاف کرانے کا طریقہ

سوال [۱۱۳۲]: ”کلو“ نے ”ملو“ کی بیوی سے زنا کیا، ”ملو“ کو کچھ خبر نہیں، مگر ”کلو“ اس کو خبر کرنا

چاہتا ہے اور اس سے معافی کا طالب بھی ہے، اب عورت بھی توبہ کرتی ہے، تو اب ”کلو“ کس طرح ”ملو“ سے معاف کرائے یا کس طرح ”ملو“ کا حق ادا کرے؟

= الأدب، باب الظلم، الفصل الثالث، رقم الحديث: ۵۱۳۵: ۲/۲۳۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت

(و کذا فی شعب الإیمان للبیہقی، رقم الحديث: ۷۶۷۵: ۶/۱۲۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۱) قال الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ (النساء: ۱۰)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”اجتنبوا

السبع الموبقات وأكل مال اليتيم“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، باب الكبائر: ۳۱/۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”روي: أنها نزلت في رجل من غطفان، يقال له: مرثد بن زيد ولي مال ابن أخيه وهو يتيم

صغير، فأكله فأنزل الله فيه هذه الآية حدثنا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن ليلة أسري به، قال:

”رأيت قوماً لهم مشافر كمشافر الإبل، وقد وكل بهم من يأخذ بمشافرهم، ثم يجعل في أفواههم صخراً

من نار يخرج من أسافلهم فقلت: يا جبرئيل من هؤلاء؟ قال: هم الذين يأكلون أموال اليتامى ظلماً.“ فدل

الكتاب والسنة على أن أكل مال اليتيم من الكبائر. (أحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۰: ۳/۴۲، دار

إحياء التراث العربي بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح معافی مانگ لے کہ میں نے جو تمہارے حقوق لئے یا ضائع کئے خواہ تم کو ان کا علم ہو یا نہ ہو، اللہ کے واسطے معاف کر دو، شوہر معاف کر دے، بس انشاء اللہ کافی ہے (۱)۔ اللہ پاک سے مستقل معافی مانگے اور سچے دل سے نادم ہو کر پختہ توبہ کرے اور آئندہ اس سے بالکل تعلق نہ رکھے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۴/۸۶ھ۔

توبہ کی تعریف

سوال [۱۱۳۱۳]: گناہ کبیرہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں اور نماز روزہ چھوڑ دینا گناہ کبیرہ ہے، پھر قضاء کے کیا معنی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کے ذمہ سرکاری محصول یا کسی اور کاروبار واجب الادا ہو، جس کی ادائیگی کی تاریخ متعین ہو اور وہ وقت پر ادا نہ کرے، جو کہ جرم ہے، جس کی پاداش میں مقدمہ قائم ہو اور وہ معافی مانگ لے کہ میں نے وقت پر ادا نہیں کیا، معافی چاہتا ہوں، تو حاصل صرف اتنا ہے کہ وقت پر ادا نہ کرنے کو یعنی دیر ہو جانے کو معاف کر دیا

(۱) ”ظاہرہ أن لا تكفي البراءة العامة، لكن ينبغي أن يستثنى منه ما إذا كان يترتب على البيان إيذاء لا يطاق“۔ (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، الحظر والإباحة: ۲۰۵/۴، دارالمعرفة بيروت)

”رجل قال لا خير حللني من كل حق هو لك ففعل فأبرأه، إن كان صاحب الحق عالماً به برئ حكماً بالإجماع، وأما ديانة، فعند محمد رحمه الله تعالى: لا يبرأ، وعند أبي يوسف: يبرأ، وعليه الفتوى“۔ (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۹، قديمي)

(و كذا في رد المحتار، الحظر والإباحة: ۴۱۱/۶، سعيد)

(۲) ”قد نصوا على أن أركان التوبة ثلاثة: الندامة على الماضي، والإقلاع في الحال، والعزم على عدم العود في المستقبل“۔ (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، التوبة وشرائطها، ص: ۱۵۸، قديمي)

(و كذا في حاشية النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب نقصان الإيمان بالمعاصي: ۵۵/۱، قديمي)
(و كذا في روح المعاني، التحريم: ۲۸/۴۹۰، رشيدية)

جائے، مگر اس کی وجہ سے نفس روپیہ معاف نہیں ہو جاتا، وہ تو ادا ہی کرنا ہوگا۔

اسی طرح نماز کا معاملہ سمجھئے کہ توبہ سے تاخیر ادا معاف ہوگی، یہ کبیرہ گناہ ہے، نفس نماز ساقط نہیں ہوگی، یا پھر اس طرح سمجھئے کہ بغیر قضاء نماز پڑھے تو یہ ادا ہی نہیں ہوئی، توبہ اسی وقت ہوگی، جب تاخیر پر ندامت ہو اور قضاء نماز پڑھ لے، توبہ صرف الفاظ کا نام نہیں، کہ یا اللہ میری توبہ ہے۔

”سئل عن علي عن التوبة، فقال: ”يجمعها ستة أشياء: على الماضي من الذنوب الندامة، وللغرائض الإعادة، ورد المظالم، واستحلال الخصوم، وأن تعزم على أن لا تعود، وأن ترى نفسك في طاعة الله تعالى اه“.

(بيضاوی: ۳۵۷/۵، مطبوعہ دار الفکر) (۱).

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۳/۷ھ۔

حرمت کے حکم سے پہلے صحابہ مکلف نہیں تھے

سوال [۱۱۳۱۲]: کہا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم مسلمان بنے تو سارا مال چھوڑا تھا، اسی طرح جب ہم نے توبہ کی تو کیا ہم مال چھوڑیں گے، چاہے کسی ناجائز طریقہ سے ہی کیوں نہ آیا ہو، کیا یہ صحیح ہے، اگر صحیح نہیں ہے تو صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام لانے اور حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے وہ مکلف نہیں تھے، آج جو مسلمان ہیں، وہ مکلف ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (تفسیر أنوار التنزیل المعروف بالبیضاوی، التحريم: ۸: ۳۷۳/۳، کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

”فقال الأعرابي ما التوبة؟ قال علي كرم الله وجهه: يجمعها ستة أشياء: على الماضي من الذنوب الندامة، وللغرائض الإعادة، ورد المظالم، واستحلال.....“ (روح المعاني، التحريم: ۸: ۲۸/۴۹۰، رشیدیہ)

(وكذا في تفسير الكشاف، التحريم: ۵۷۴/۲، قديمی)

اپنے فعل کی تہمت خدا پر لگانا

سوال [۱۱۳۱۵]: ظلم و ستم لوٹ مار تو انسان کرے، تہمت خدا پر لگائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنے ظلم اور گناہ کو خدا کی طرف منسوب کر کے جان نہیں بچے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

مسلمانوں کو سور کا گوشت دھوکہ سے بیچنا

سوال [۱۱۳۱۶]: یہاں پر ایک واقعہ نہایت دردناک رونما ہوا، واقعہ یوں ہوا کہ ایک محلہ دیپا

سرائے ہے، جس کی آبادی مکمل مسلم ہے، وہاں پر دیگر محلہ کے مسلم قصائی نے سور کا گوشت عرصہ تک فروخت کیا، اچانک ۳۱ جولائی کو یہ راز فاش ہو گیا اور اس کو پولیس کے حوالہ کر دیا گیا، اب آپ سے گزارش ہے کہ آپ شریعت محمدی کی رو سے اس کی سزا کے بارے میں تحریر کریں اور جن لوگوں نے دھوکہ سے وہ گوشت کھایا، ان کے بارے میں کیا طریقہ کفارہ ہے؟ تحریر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن مسلمانوں نے جھوٹ بول کر سور کے گوشت کو بکرے کا گوشت بتا کر مسلمانوں میں فروخت کیا اور بات واقعہ صحیح ثابت ہے تو یہ شخص خدا کا بھی مجرم ہے اور مسلمانوں کا بھی مجرم ہے، اگر شرعی حکومت ہو تو اس کو ایسی عبرتناک سزا دی جائے کہ آئندہ کسی کو بھی ایسی حرکت کی جرأت نہ ہو، جن لوگوں نے بے خبری میں ایسے

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿من عمل صالحاً فلنفسه، ومن أساء فعليها﴾ (حم السجدة: ۴۶)

”قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: ﴿فلنفسه﴾ فلنفسه يعمله، أو فلنفسه نفعه لا لغيره،

﴿ومن أساء فعليها﴾ ضره لا على الغير“ (روح المعاني، حم السجدة: ۴۶: ۲۳/۱۳۱، دار إحياء

التراث العربي بيروت)

(و كذا في تفسير ابن كثير: ۴/۱۰۳، سهيل اكيڈمی لاہور)

گوشت کوهایا، وه استغفار کریں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفر له، دارالعلوم دیوبند، ۶/۸/۹۴ھ۔



(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم : من غش فليس مني". (صحيح مسلم، كتاب

الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم من غشنا فليس منا، ص: ۵۸، دارالسلام)

"(سقاسما حتى مات وإن دفعه له في شربة فشربه ومات) منه (فكالأول)؛ لأنه شرب منه

باختياره إلا أن الدفع خدعة فلا يلزم إلا التعزير والاستغفار". (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب

الجنایات، مبحث شریف: ۶/۵۴۲، سعید)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب المنهي عنه من البيوع: ۱/۵۲۹، دارالكتب العلمية بيروت)

باب أحكام الزوجین

(میاں بیوی کے حقوق کا بیان)

شوہر کی اجازت کے بغیر ماں کے گھر جانا

سوال [۱۱۳۱۷]: میرا لڑکا عبد الجبار ایک ماہ سے باہر گیا ہوا ہے، اس کی زوجہ بغیر میری اجازت کے اپنی والدہ کے گھر چلی گئی ہے، جب کہ میں نے کہا کہ شوہر سے اجازت لے لو پھر جانا، مگر وہ باز نہیں آئی اور اس کی ماں ہی لے گئی، اس صورت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بغیر شوہر کی اجازت کے نہیں جانا چاہیے تھا (۱)، لڑکی نے بھی غلطی کی اور والدہ نے بھی غلطی کی، شوہر کے مکان پر واپس آ کر معافی مانگنا لازم ہے، جب تک واپس نہیں آئے گی، نان و نفقہ شوہر سے پانے کی حق دار نہیں ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۸/۸۸ھ۔

(۱) ”ولها السفر والخروج من بيت زوجها لزيارة أبيها“۔ (الدر المختار)۔ ”قوله: أو لزيارة أبوبها“ سیأتي في باب النفقات عن الاختيار تقييده بما إذا لم يقدر على إتيانها. وفي الفتح: أنه الحق“۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۲۵، ۱۲۶، سعيد)

”عن أبي يوسف في النواذر: تقييد خروجها بأن لا يقدر على إتيانها، فإن كانا يقدران على إتيانها لا تذهب وهو حسن“۔ (فتح القدير، كتاب الطلاق، باب المهر: ۳/۳۵۸، رشيدية)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب المهر: ۲/۶۳، دار المعرفة بيروت)

(۲) ”لا نفقة لأحد عشر خارجة من بيته بغير حق، وهي الناشئة حتى تعود“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، باب النفقة، مطلب لا تجب على الأب نفقة زوجة ابنه الصغير: ۳/۵۷۵، ۵۷۶، سعيد) =

شوہر کو بھیا کہنا

سوال [۱۱۳۱۸]: ایک محترمہ ہیں، جن کو بات بات میں ”بھیا“ کہنے کی عادت ہے، مثلاً: آؤ بھیا! جاؤ بھیا! لاؤ بھیا! نہ بھیا وغیرہ وغیرہ، اسی طرح وہ اپنے شوہر سے بھی مخاطب ہوتی ہیں، میں نے ان کو کئی بار ٹوکا، مگر ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ بے خیالی میں ان کی زبان سے نکل جاتا ہے، وہ دل سے نہیں کہتی ہیں، اس صورت میں ان کے نکاح پر کوئی اثر تو نہیں پڑا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کے لئے یہ بات مکروہ ہے کہ شوہر کو بھیا کہے (۱)، اس کی احتیاط چاہیے، مگر اس کی وجہ سے اس کا نکاح فسخ نہیں ہوا، نہ وہ اپنے شوہر پر حرام ہوئی (۲)، زبان پر جو لفظ بطور تکیہ کلام چڑھ جاتا ہے، وہ اگر غلط ہو، تو

= ”لا تجب النفقة للناشئة خرجت من بيته أي: بيت الزوج بلا حق حتى تعود إلى منزله؛ لأن فوات الاحتباس منها، وإذا عادت جاء الاحتباس فتجب النفقة“۔ (درر الحکام فی شرح غرر الأحکام، باب النفقة: ۴/۱۲۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(و کذا فی فتح القدير، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۳۳، رشیدیہ)

(۱) ”(ویکره أن يدعو) بل لا بد من لفظ يفيد التعظيم، کیا سیدی ونحوہ؛ لمزيد حقهما على الولد والزوجة“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظرو الإباحة: ۶/۲۱۸۰، سعید)

”قولہ: ویکره أن يدعوه) بل لا بد من لفظ يفيد التعظيم کیا سیدی، أو یامالک أمري، ونحوہ، وذلك لمزيد حقهما على الولد والزوجة، وقال صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لو كنت امرأةً أحداً أن يسجد لأحد لأمرت الزوجة أن يسجد لزوجها“۔ (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحة: ۴/۲۰۸، دار المعرفۃ بیروت)

(و کذا فی الفتاوی العالمگیریہ، کتاب الکراهیہ، الباب الثانی والعشرون: ۵/۳۶۲، رشیدیہ)

(۲) بھیا کہنے سے شوہر واقعہً بھائی نہ بنے گا، اگرچہ اس طرح کہنا درست نہیں۔

”وظہارها منه لغو فلا حرمة عليها، ولا كفارة، به یفتی“۔ (الدر المختار مع ردالمحتار، الظہار:

۳/۳۶۷، سعید)

”وظہارها منه لغو) بأن تقول: أنت علي كظهر أمي، أو أنا عليك كظهر أمك، بحر. وإنما

كان لغوا؛ لأنه ليس إليها، والمراد بكونه لغوا أنه لا يكون يميناً ولا ظهاراً“۔ (حاشیة الطحطاوی علی =

اس کی اصلاح چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۷/۱۴۰۱ھ۔

خواب کی وجہ سے میاں بیوی کا ایک دوسرے سے بدظن ہونا

سوال [۱۱۳۱۹]: میں نے چھ سات دن ہوئے دن کے دو بجے ایک خواب دیکھا کہ زید کی بیوی کسی دوسرے شخص سے زنا کر کر باہر نکلی اور زانی شخص بھی باہر نکلا، عورت اپنی شلواریں درست کر رہی ہے اور شلواریں پر منی کا نشان بھی دیکھا، زید کو غصہ آیا اور اس شخص سے دریافت کرنا چاہا، مگر عورت زید کے سامنے آڑے آگئی اور وہ مرد بھاگ نکلا، اس مرد کا نقشہ آنکھوں میں گھوم رہا ہے۔

اس روز سے شوہر اور بیوی ایک دوسرے سے بدظن ہیں، اس لئے کہ شبہ کافی ہو گیا، زید اور اس کی بیوی کے درمیان بول چال بند ہے، زید کی بیوی برقع اوڑھ کر بلا اجازت شوہر محلہ میں اپنی سہیلیوں کے پاس بھی جاتی ہے، آنجناب اس خواب کی تعبیر عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس خواب کی بناء پر زید کی بیوی کو زانیہ کہنا حرام ہے (۲)، اگر وہ شخص سامنے آجائے جس کو یہ حرکت

= الدر المختار، باب الظہار: ۱۹۶/۲، دارالمعرفة بیروت

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب الظہار: ۱۵۹/۳، رشیدیہ)

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن العبد ليتكلم بالكلمة من رضوان الله لا يلقي لها بالاً، يرفع الله بها درجات، وإن العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقي لها بالاً، يهوي بها في جهنم“ رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان: ۱۸۹/۲، دارالكتب العلمية بیروت)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن العبد ليقول الكلمة لا يقولها إلا ليضحك به الناس، يهوي بها أبعد ما بين السماء والأرض، وإنه لينزل عن لسانه أشد مما ينزل عن قلمه“. رواه البيهقي. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب حفظ اللسان: ۱۹۳/۲، دارالكتب العلمية بیروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان: ۹۵۹/۲، قديمی)

(۲) ”الزنا وطء مكلف، ناطق، طائع في قبل مشتهاة، خال عن ملكه وشبهته في دار السلام، أو تمكينه من =

کرتے دیکھا اور اس کو خوب اچھی طرح پہچان لیا جائے کہ ہاں یہ وہی ہے، تو اس کو بھی زانی کہنا جائز نہیں، توبہ واستغفار لازم ہے، زید اور اس کی بیوی کے درمیان اگر بول چال بند ہے اور لڑائی اور نا اتفاقی ہے، تب بھی اس قسم کا شبہ پختہ کرنے کا حق نہیں۔

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شیطان تھا اور شیطان مختلف آدمیوں کی صورت بنا سکتا ہے اور عورت سے ایسی حرکت بھی کرا لیتا ہے اور شوہر کے دل میں بھی بدگمانی پیدا کر کے زوجین میں تفرقہ ڈال دیتا ہے، بیوی کے دل میں بھی نفرت ڈال دیتا ہے، اس لئے نہ اپنے دل میں بدگمانی کریں، شوہر بیوی کے درمیان نا اتفاقی کی وجہ دریافت ہو سکے تو صلح کرا دیں (۱)، اگر واقعہ صحیح بھی ہو، تب بھی بغیر ثبوت شرعی کے کسی کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۹/۸۶ھ۔

بیوی کا شوہر کے کاروبار میں ہاتھ بٹانے کی اجرت کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۱۳۲۰]: بنگر برادری میں جس کا آبائی پیشہ پارچہ بانی ہے، علی العموم عورتیں آبائی پیشہ کا کام شوہروں سے زیادہ کرتی ہیں اور جملہ خانگی امور کی دیکھ ریکھ پوری ذمہ داری سے کرتی ہیں، اس پر معاشرہ کی عام

= ذلك أو تمكينها“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحدود و: ۳/۲-۶، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحدود: ۶/۵، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الحدود، الباب الثاني في الزنا: ۱۳۳/۲، رشیدیہ)

(۱) ”عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ألا أخبركم

بأفضل من درجة الصيام والصدقة والصلاة؟ قال: قلنا، بلى، قال: إصلاح ذات البين، وفساد ذات البين

هي الحالقة“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع، رقم: ۵۰۳۸:

۲۲۳/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب الآداب، باب في إصلاح ذات البين، رقم: ۴۹۱۹: ۳۶۵/۴، دار إحياء التراث

العربي بيروت)

(وسنن الترمذي، كتاب الصفة القيامة والرقاق والورع، باب، رقم الحديث: ۲۵۰۹: ۳۸۶/۳،

دار الكتب العلمية بيروت)

حالت یہ ہے کہ خانگی امور میں رہ کر عورت نے شوہر کے آبائی پیشہ کا کام کیا، تو اس کو گالیاں دیتا ہے، طعن و تشنیع کرتا، مارتا پیٹتا ہے، اگر عورت کی طرف سے کچھ بددلی کا اظہار ہوا، تو شوہر کبھی فوراً طلاق دے دیتا ہے اور کبھی سخت ست کہہ کر میکہ پہنچا دیتا ہے اور کبھی عورت خود چلی جاتی ہے، موجودہ معاشرہ کی وجہ سے چار ہزار کی بنکر آبادی میں ہر مہینہ طلاق کی دو چار رواتیں ہوتی رہتی ہیں، اس کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوال کا جواب مطلوب ہے:

تفریق سے پہلے عورت نے شوہر کے گھر رہ کر جو اس نے آبائی پیشہ کا کام کیا ہے، بعد تفریق عورت کو اس کا معاوضہ طلب کرنا جائز ہے یا نہیں؟ نیز شوہر کے ذمہ اس کا دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب خرابیاں علم و تقویٰ کی قلت یا فقدان کی وجہ سے ہیں، سوال کا جواب حسب ذیل ہے:

یہ سب صلہ اور ہمدردی ہے، اس کا کوئی معاوضہ اب نہ طلب کیا جاسکتا ہے اور نہ دینا واجب ہے (۱)۔
واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۷ھ۔

گناہ کے کام میں شوہر کی اطاعت کرنا

سوال [۱۱۳۲۱]: میرے بھائی بیمار تھے، میں نے منت مانی اور قسم کھائی، اگر یہ اچھے ہو گئے تو فلم چھوڑ دوں گی۔ وہ اچھے ہو گئے، اب مجھے فلم دیکھے چار سال ہو گئے ہیں، لیکن اب میرے شوہر چاہتے ہیں کہ میں ان کے ساتھ فلم دیکھوں، جب میں نے منت کی بات بتلائی تو کہتے ہیں کہ یہ گناہ مجھ پر ہو گا یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس منت اور قسم کو میں کسی اور کی طرف پھیر دوں، ایسی صورت میں مجھ پر شوہر کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب قسم یا منت کو بدلنے اور رخ پھیر دینے کا حق نہیں رہا، فلم دیکھنا خدائے پاک سے بد عہدی کرنا، جس

(۱) "ولا رجوع له على المعير؛ لأنه متبرع". (رد المحتار، کتاب العاریۃ: ۵/۶۷۸، سعید)

"لا رجوع فیما تبرع عن الغیر". (قواعد الفقہ، رقم القاعدۃ: ۲۵۱، ص: ۱۰۶، الصدف پبلشرز)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب العاریۃ: ۷/۶۷۸، رشیدیہ)

کا نتیجہ دنیا و آخرت میں نہایت خراب اور ناقابل برداشت ہے (۱)، شوہر کا یہ کہنا کہ گناہ مجھ پر ہوگا، آپ کے حق میں بے سود ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ گناہ اور وبال آپ کے سر سے اتر کر شوہر پر چلا جائے اور آپ بری ہو جائیں (۲)۔ اگر بالفرض ایسا ہو بھی، تو کیا آپ کو یہ پسند ہے کہ آپ تو چھوٹ جائیں اور شوہر گرفتار ہو کر وہاں کے قید خانہ میں بند کر دیئے جائیں، کیا تعلق و محبت کا تقاضہ یہی ہے، ایسی باتوں میں شوہر کی اطاعت جائز نہیں (۳)، شوہر کو خود بھی ایسی بات کہنے سے اور اس پر اصرار کرنے سے پورا پرہیز لازم ہے (۴)، ان کو گناہ کی

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ بِهِ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (لقمان: ۶)

”قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: ﴿لهو الحديث﴾ على ما روي عن الحسن: كل ما شغلك عن عبادة الله تعالى، وذكره من السمر، والأضاحيك، والخرافات، والغناء، ونحوها..... الخ“
(روح المعاني، لقمان: ۶: ۲۱/۶۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى“ ذكر شيخ الإسلام: أن كل ذلك مكروه عند علمائنا، واحتج بقوله تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ الآية، جاء في التفسير: أن المراد الغناء.....
سماع غناء، فهو حرام بإجماع العلماء“ (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۹، سعيد)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (فاطر: ۱۸)

”قوله تعالى: ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ أي: لا تحمل نفس ائمة ﴿وزر أخرى﴾ أي: إثم نفس أخرى بل تحمل كل نفس وزرها“ (روح المعاني، الفاطر: ۱۸۲/۲۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، فاطر: ۱۸: ۲۱۸/۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(۳) ”عن علي رضي الله تعالى عنه: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم..... قال: ”لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف“ (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۲/۱۲۵، قديمي)

(و كذا في مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱: ۶/۵۹، ۶۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في فيض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۳: ۱۲/۶۲۸۶، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

(۴) معاصی اور گناہ کے کام میں تعاون سے بھی اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، چہ جائیکہ اس کا امر جائز ہو۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة: ۲)

سزا کا تصور بھی نہیں، جو ایسی بات کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ علم دے، سمجھ دے کہ اپنی زندگی سنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موافق بنائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۱۴۰۱ھ۔

عورت کی بدتمیزی و بدکلامی پر شوہر کے مارنے کا حکم

سوال [۱۱۳۲۲]: ایک عورت ہے جو کہ شوہر کی مرضی کے بغیر اپنے میکہ چلی جاتی ہے، میکہ سے کوئی لینے آیا تو اس کے ساتھ ہوگئی، بعض اوقات محض مصالح کی بناء پر لینے والے کو اجازت دے دی شوہر نے، لیکن عورت نے بذات خود جانے کے بارے میں کوئی معلومات نہیں کی اور اس پر طرہ یہ کہ شوہر پر الزام لگایا کہ یہ میرے ساتھ غلاموں جیسا معاملہ کرتا ہے، شوہر اور اس کے والدین نے سمجھایا، مگر اس نے قطعاً انکار کر دیا اور کہا کہ میں اس شرط پر رہ سکتی ہوں کہ تم میرے پاس نہ لگو اور خرچہ برابر دیتے رہو۔

۲..... عورت سے شوہر نے مہر بھی معاف کرالیا، مگر اب وہ کہتی ہے کہ اگر اب میں مطالبہ پر آگئی تو تمہارا راستہ بند ہو جائے گا، اب وہ اپنے میکہ میں ہے اور آنے کے لئے تیار نہیں ہے، کیا ایسی صورت میں شوہر پر عورت کا نان و نفقہ واجب ہے یا نہیں؟ عورت کی ایسی بدکلامی پر عورت کو ضرب کا حکم ہے یا نہیں؟

۳..... عورت مذکورہ نے مکرر یہ بھی کہا کہ تم اپنی ضروریات دوسری شادی سے پوری کرلو، میری طرف سے پوری اجازت ہے۔

۴..... اکثر والدین کو برا بھلا کہتی رہتی ہے، تم جیسا میرے واسطہ کروے گے، تمہاری اولاد کے آگے آئے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کو شوہر سے جو شکایت ہو، اس کے دفعیہ کا اس کو مطالبہ کرے گا پورا حق حاصل ہے، اگر اس

= "قال ابن كثير تحت هذه الآية: "يأمر تعالى عباده المؤمنين بالمعونة على فعل الخيرات، وهو البر، وترك المنكرات، وهو التقوى، وينهاهم عن التناصر على الباطل، والتعاون على الماثم والمحارم". (تفسير ابن كثير: ۲/۱۰، دارالسلام)

(و كذا في التفسيرات الأحمديّة، ص: ۳۳۱، حقانيہ پشاور)

کا دفعیہ ہو جائے اور اس کو نفقہ وغیرہ کی پریشانی نہ ہو، تو پھر بغیر شوہر کی اجازت کے میکہ جانے کا حق نہیں، اگر جائے گی، تو ناشزہ کہلائے گی اور جب تک شوہر کے مکان پر واپس نہ آجائے، نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی (۱)۔ شوہر کا پورا احترام لازم ہے (۲)۔ شوہر کے والدین کے ساتھ عزت و احترام سے معاملہ کرنا چاہیے، بدکلامی سے پوری احتیاط کی جائے، یہ شرعاً و اخلاقاً نہایت مذموم ہے۔

عورت اگر بلا وجہ حق زوج ادا کرنے سے انکار کرے، تو شوہر کو جبر کا بھی حق ہے (۳)، شوہر کو عورت کی

(۱) ”وإن نشزت فلا نفقة لها حتى تعود إلى منزلها“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الطلاق، الباب السابع عشر: ۵۴۵/۱، رشیدیہ)

”لا نفقة لأحد عشر: مرتدة، ومقبلة ابنه وخارجة من بيته بغير حق، وهي الناشرة حتى تعود“۔ (الدرالمختار، باب النفقة: ۵۷۶/۳، سعید)

(و كذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۴۳۸/۲، شرکت علمیہ ملتان)

(۲) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لو كنت امرأ أحدًا أن يسجد لأحد، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها“۔ وعن طلق بن علي رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا الرجل دعا زوجته لحاجته، فلتأته، وإن كانت على التنور“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء ومالك واحد من الحقوق الخ، الفصل الثاني، ص: ۲۸۱، قديمی)

”(قوله) لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها) أي: لكثرة حقوقه عليها، وعجزها عن القيام بشكرها، وفي هذا غاية المبالغة لوجوب إطاعة المرأة في حق زوجها، فإن السجدة لا تحل لغير الله“۔ (مرقاۃ المفاتیح، كتاب النكاح، باب عشرة النساء ومالك واحد من الحقوق: ۳۶۹/۲، رشیدیہ)

”ومنها وجوب طاعة الزوج على الزوجة وعليها أن تطيعه في نفسها، وتحفظ في غيبته“۔ (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في طاعة الزوج: ۶۱۳/۳۳، دار الكتب العلمیہ بیروت)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَالَّتِي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضجع واضربوهن﴾ النساء: ۳۴

”﴿وَالَّتِي تخافون نشوزهن﴾ أي: ترفعهن عن مطاوعتكم وعصيانهن لكم ﴿فعظوهن﴾ أي: فانصحوهن ﴿واهجروهن في المضجع﴾ أي: مواضع الاضطجاع والمراد: أتركوهن منفردات في مضاجعهن ﴿واضربوهن﴾ یعنی: ضرباً غير مبرح وفي الكشف الترتیب مستفاد من =

طبعی کمزوری کو برداشت کرنا چاہیے، اس کے والدین بھی ہرگز بے جا زیادتی نہ کریں، اس کی کمزوری کی اصلاح مشفقانہ طور پر کریں کہ اسی میں انشاء اللہ تعالیٰ خیر ہے۔ مارنے کا بھی حق ہے، مگر مارنا بعد میں ہے، سمجھانے کی پہلے ضرورت ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۸۷ھ۔

بیوی کے زیور کی زکوٰۃ کس کے ذمہ ہے؟

سوال [۱۱۳۲۳]: شوہر کی طرف سے ملا ہوا زیور عورت کی ملکیت میں ہے یا شوہر کی؟ اگر عورت کی ملکیت میں ہے، اس زیور کی زکوٰۃ دینے کے واسطے شوہر کو مالک بنادے، تو آیا اس زیور کی زکوٰۃ بیوی پر ہے یا شوہر پر؟ مالک بننے کے باوجود شوہر نے زکوٰۃ نہ دی، تو گنہگار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر کی طرف سے زیور دے کر بیوی کو مالک بنا دیا گیا ہے، یا اس خاندان میں مالک بنا دینے کا عام رواج ہے، تو وہ زیور بیوی کی ملک ہو گیا (۲)، اس کی زکوٰۃ بیوی کے ذمہ ہے، وہ اگر زکوٰۃ سے بچنے کے لئے حیلہ

= دخول الواو علی أجزائه مختلفة في الشدة والضعف مترتبة علی أمر مدرج، فإنما النص هو الدال علی الترتیب۔ (روح المعانی، النساء: ۳۴: ۲۴/۵، ۲۵، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی الجامع لأحكام القرآن، النساء: ۳۴: ۱۲۲/۳، ۱۲۳، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(۱) راجع رقم الحاشیة: ۳

(۲) ”(سئل) فی أم جهزت ابنتها بجهاز، ودفعته لها، ثم ماتت الأم، فادعی بقية ورثتها علی البنت الجهاز أنه عارية، وادعت هي أنه ملك، والأم ممن تدفع ذلك ملكاً لا عارية، هل القول قولهما أم قول بقية الورثة؟ (أجاب) المختار للفتوى أنه إن كان العرف مستمراً أن الأم تدفع ذلك الجهاز ملكاً لا عارية لم يقبل قول بقية الورثة أنه عارية، والقول قول البنت في ذلك؛ لأن الظاهر شاهد لها، والحال هذه المنظور إليه العرف، وقد صرح بذلك غير واحد من علمائنا۔ (الفتاویٰ الخيرية علی هامش تنقيح الفتاویٰ الحامدية، کتاب الدعوی: ۸۱/۳، رشیدیہ)

”جهز ابنته بجهاز وسلمها ذلك ليس له الاسترداد منها، ولا لورثته بعده إن سلمها ذلك في صحته والحيلة أن يشهد عند التسليم إليها أنه إنما سلمه عارية۔ (الدر المختار مع رد المحتار، =

کرے کہ سال ختم ہونے سے پہلے شوہر کو مالک بنا دے اور پھر شوہر بیوی کو مالک بنا دے، غرض دونوں اسی طرح زکوٰۃ سے بچنے کے لئے کرتے رہیں، تو یہ مکروہ ہے (۱)۔ اگر بیوی کو مالک نہیں بنایا، بلکہ عاریت کہہ کر دیا گیا ہے، یا اس خاندان میں عاریت پر دینے کا دستور ہے، تو وہ زیور بیوی کی ملک نہیں، بلکہ دینے والے کی ملک ہے، اس پر زکوٰۃ لازم ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کا علیحدہ مکان کے لئے مطالبہ کرنا

سوال [۱۱۳۲۲]: اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے کہے کہ میں تمہارے والدین کے ساتھ نہیں رہوں گی، بلکہ تم مجھے اپنے والدین کے گھر سے الگ رکھو، تو کیا شوہر پر لازم ہے کہ اپنی بیوی کو الگ گھر دے، اگر بیوی کسی ایک مکان کو منتخب کر دے، کہ مجھے فلاں جگہ مکان بنا کر رکھو اور شوہر اس جگہ مکان دینے پر قادر ہے، تو شوہر کو اس متعینہ جگہ میں بھی مکان بنا کر دینا لازم ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلے میں جو بھی احکام ہوں، اس پر روشنی ڈالیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کے لئے ایک کوٹھری مستقل ہونا ضروری ہے، جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو، باقی صحن، بیت الخلاء وغیرہ مشترک ہو کہ شوہر کے والدین بھی استعمال کریں اور بیوی بھی، تو ٹھیک ہے، ہر چیز کے الگ الگ مطالبہ کرنے کا حق نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ۔

= کتاب النکاح: ۱۵۵/۳، سعید

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب النکاح: ۶۷/۲، دار المعرفۃ بیروت)

(۱) ”ومنها أن يهبه لطفله قبل تمام بيوم“۔ (الدر المختار)۔ ”(وهي من الحيل) أي: هذه المسألة من حيل إسقاط الزكاة بأن يهب النصاب قبل الحول بيوم مثلاً، ثم يرجع في هبة بعد تمام الحول“۔

(رد المحتار، کتاب الزکاة، باب زکاة المال: ۳۰۸/۲، سعید)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الزکاة، قبیل باب العاشر: ۴۱۱/۱، دار المعرفۃ بیروت)

(و کذا فی الأشباه والنظائر، الفن الخامس الحیل، ص: ۴۷۸، دار الفکر بیروت)

(۲) ”تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها إلا أن تختار ذلك امرأة أبت أن تسكن =

بیوی کے لئے الگ مکان

سوال [۱۱۳۲۵]: میری لڑکی کی شادی ۱۹۵۱ء میں ہوئی، جس لڑکے سے شادی ہوئی، وہ مالدار گھر اور شریف خاندان ہے، میری لڑکی کے تین بچے بھی ہیں، اس دوران میں اس لڑکے کا طوائف سے تعلق ہو گیا اور اس طوائف کے پاس دوسرے لوگ بھی آتے جاتے رہے، غرض یہ کہ اس طوائف سے لڑکے کے ناجائز تعلقات چار پانچ سال رہے، اس دوران طوائف کے دو بچے بھی پیدا ہوئے، جب طوائف کو یہ معلوم ہو گیا کہ مالدار گھر کا لڑکا ہے تو چار پانچ برس کے ناجائز تعلقات کے بعد نکاح کر لیا اور نکاح کے بعد بھی وہ عورت بے پردہ رہتی ہے۔

لڑکے نے اپنی تفریح کی وجہ سے یہ نکاح کیا، ایسی حالت میں یہ نکاح جائز ہے یا ناجائز؟ جس مکان میں میری لڑکی قصبہ چھتاری میں رہتی تھی اسی مکان میں طوائف کو مع بچوں کے لے آیا، اس پر میری لڑکی نے کہا، میں اس مکان میں نہیں رہوں گی، اگر مجھے اس مکان میں رکھنا ہے تو اس طوائف کو علی گڑھ ہی میں رکھو، لڑکے کے والدین نے میری لڑکی کو مع بچوں کے میرے گھر بھیج دیا، اس معاملہ میں میری لڑکی کا طرز عمل صحیح ہے یا لڑکے کے والدین کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ایجاب و قبول گواہوں کے سامنے کر لیا، تو نکاح منعقد ہو گیا (۱)، نکاح کر کے جو کچھ خواہش پوری کی جاوے، وہ ہزار ہا درجہ بہتر ہے، اس سے کہ بغیر نکاح کے خواہش پوری کی جاوے، البتہ جب کسی کے دو

= مع ضررتها، أو مع أحمائها كأمه وغيرها، فإن كان في الدار بيوت، وفرغ لها بيتاً، وجعل لبيتها غلقاً على حدة، ليس لها أن تطلب من الزوج بيتاً آخر“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الطلاق، الباب السابع في النفقات، الفصل الثاني في السكنی: ۵۵۶/۱، رشیدیہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۵۹۹/۳-۶۰۰، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳۲۸/۲، رشیدیہ)

(۱) ”النکاح ینعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما، وقبول من الآخر“۔ (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۴۳/۲، ۱۴۵، رشیدیہ)

(و کذا في الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، شرکتہ علمیہ ملتان)

بیویاں ہوں تو دونوں میں برابری لازم ہے (۱)، اگر ایک بیوی کے پاس ایک مختصر سا کمرہ ہو، جس میں کسی اور کا دخل نہ ہو اور مکان کی دیگر ضروریات صحن وغیرہ دوسری بیوی کے ساتھ مشترک ہوں، تو پھر یہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں کہ مجھے علیحدہ مستقل مکان دیا جائے، یا میکہ بھیج دیا جائے، میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی، اگر شوہر ایک ہی کمرہ میں رہنے پر مجبور کرے، تو اس کو یہ حق ہے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۹/۱۰/۸۷ھ۔

بیوی کے ساتھ زیادتی کی مکافات

سوال [۱۱۳۲۶]: سائل نے کچھ خانگی واقعات کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد لکھا ہے کہ میں اپنی اہلیہ کے ساتھ بعض مرتبہ غصے میں بے قابو ہو جاتا تھا اور جب مجھے غصہ آتا، تو میں اس کو مار بھی دیتا، چنانچہ ایک روز میں نے اپنے بچے کو مارا، اس پر میری اہلیہ بولی، میں نے اس کے بھی طمانچہ رسید کیا، جس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا، کیونکہ یہ حقوق العباد ہے، اس لئے آپ حضرات سے گزارش ہے کہ آپ فرمادیں کہ میرے اس فعل کی تلافی کس طرح ممکن ہو سکتی ہے اور عذاب آخرت سے بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟

(۱) ”(و یجب أن يعدل فيه) أي: في القسم بالتسوية في البيتوته (وفي الملبوس والمأكل) والصحة لا

في المجامعة، بل يستحب“۔ (الدر المختار، کتاب النکاح، باب القسم: ۳/۲۰۱، ۲۰۲، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب النکاح، باب القسم: ۳/۳۷۹-۳۸۱، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاویٰ التاتاریخانیہ، کتاب النکاح، باب القسم: ۳/۲۲۶، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”تجب السكنى لها عليه في بيت خال عن أهله وأهلها بقدر حالهما، كطعام وكسوة، وبيت منفرد

من دار له غلق، فإن كانت فيها بيوت وأعطى لها بيتا يغلق ويفتح، لم يكن لها أن تطلب بيتا آخر إذا لم

يكن ثمة أحد من أحماء الزوج يؤذيها وذكر الخصاص: أن لها أن تقول: لا أسكن مع والديك

وأقربائك في الدار فأفرد لي داراً، قال صاحب الملتقط: هذه الرواية محمولة على المؤسرة الشريفة،

وما ذكرنا قبله أن أفراد بيت في الدار كاف، إنما هو في المرأة الوسط اعتباراً بالسكنى المعروف“۔

(رد المحتار على الدر المختار، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۵۹۹-۶۰۱، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۲۸، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الطلاق، الفصل الثاني في السكنى: ۱/۵۵۶، رشیدیہ)

۲..... ایک واقعہ اور پیش آیا، کہ میری اہلیہ بہت زیادہ بیمار رہتی تھی، میں ان کے علاج کے لئے کوئی کمی باقی نہ چھوڑتا تھا، چنانچہ اس کی وجہ سے میں ہمیشہ مقروض رہتا تھا اور پریشان رہتا تھا، اس وجہ سے میں اپنی اہلیہ کو میکہ چھوڑ دیا کرتا تھا، دس دس ماہ تک چھوڑ دیتا تھا، جس سے یہ بات اس کو نا پسند تھی اور کہا کرتی تھی کہ تم جو مجھ کو میکہ کئی کئی ماہ تک چھوڑ دیتے ہو، میں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مواخذہ کروں گی، اب مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اگر میں نے زیادتی کی ہے، تو کیا حشر میرا ہوگا اور کوئی صورت نجات کی نظر نہیں آتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہلیہ مرحومہ کے ساتھ جو زیادتی کی ہے، اس کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کیجئے، نوافل پڑھ کر، تلاوت کر کے، صدقہ دے کر، ان کو ثواب پہنچایا کیجئے، ان کے بچوں کو اچھی تربیت کیجئے (۱)۔ انشاء اللہ تعالیٰ کام چل جائے گا، خدائے پاک مرحوم کو آغوش رحمت میں جگہ دے اور جنت الفردوس عطا فرمائے اور آپ کو صبر و سکون دے، بچوں کی پرورش کو آسان فرمائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۸۹ھ۔

عورت کا شوہر کے مال میں بلا اجازت تصرف کرنا

سوال [۱۱۳۲۷]: زید اور بکر چند آدمیوں نے مل کر مدرسہ کا جلسہ کرانا چاہا، با اجازت مہتمم مدرسہ، گاؤں میں عورتوں وغیرہ سے بلا اجازت ان کے شوہروں کے چندہ میں غلہ لیا گیا، جو کہ عورتوں نے بخوشی دیا تو

(۱) ”عن أبي أسيد الساعدي قال: بينا نحن عند رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إذ جاءه رجل من بني سلمة فقال: يا رسول الله! هل بقي من برّ أبوي شيء أبرهما به بعد موتهما؟ قال: نعم! الصلاة عليهما والاستغفار لهما وإنفاذ عهدهما من بعدهما، وصلة الرحم التي لا توصل إلا بهما، وإكرام صديقهما“ رواه أبو داود وابن ماجه. (مشكاة المصابيح، كتاب البر والصلة، الفصل الثاني، ص: ۴۲۰، قديمی)

”(وعن أبي أسيد الساعدي) (شيء) أي: من البر، (أبرهما) بفتح الموحدة أي: أصلهما وأحسن إليهما (به) أي: بذلك الشيء من البر الباقي (بعد موتهما قال: نعم! الصلاة عليهما) أي: الدعاء، ومنه صلاة الجنازة، (والاستغفار) أي: طلب المغفرة لهما إلى آخر الحديث“۔ (مراقبة

المفاتيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة: ۱۵۱/۹، رشیدیہ)

(وسنن أبي داود، كتاب الآداب، باب في البر بالوالدين: ۳۵۳/۲، إمدادیہ)

اس آمدنی سے جلسہ ہوا، یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ صحیح ہے کہ عورت کو بغیر شوہر کے اجازت کے شوہر کے مال میں تصرف درست نہیں، لیکن جب شوہر اس تصرف پر رضامند ہیں تو یہ چندہ میں وصول کیا ہوا غلہ شرعاً سب درست ہے، اب اس پر اعتراض بے محل ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱/۸۶ھ۔



(۱) ”عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا أنفقت المرأة من طعام بيتها غير مفسدة كان لها أجرها بما أنفقت، ولزوجها أجره بما كسب، وللخازن مثل ذلك لا ينقص بعضهم أجر بعض شيئاً.“

وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إذا أنفقت المرأة من كسب زوجها من غير أمره فلها نصف أجره“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الزكاة، باب صدقة المرأة من مال الزوج، ص: ۱۷۲، قديمی)

”قال محي السنة: عامة العلماء على أنه لا يجوز لها التصديق من مال الزوج بغير إذنه، وكذا الخادم، والحديث الدال على الجواز أخرج على عادة أهل الحجاز يطلقون الأمر للأهل والخادم في التصديق والإنفاق عند حضور السائل..... (قوله من غيره أمره) أي: مع علمها برضى الزوج أو محمول على النوع الذي سومت فيه من غير إذن“۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الزكاة، باب صدقة المرأة من مال الزوج، الفصل الأول، رقم الحديث: ۱۹۴۷، ۱۹۴۸: ۳/۳۷۹، رشیدیہ)

”قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: اعلم أنه لا بد في العامل وهو الخازن والزوجة والمملوك من إذن المالك في ذلك، فإن لم يكن إذن أصلاً فلا أجر لأحد من هؤلاء الثلاثة، بل عليهم وزر بتصرفهم في مال غيرهم بغير إذنه، والإذن ضربان: الإذن الصريح في النفقة والصدقة، والثاني: الإذن المفهوم من إطراد العرف كإعطاء السائل..... وعلم بالعرف رضا الزوج والمالك به، فإذنه في ذلك حاصل وإن لم يتكلم“۔ (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الزكاة، باب أجر الخازن الأمين والمرأة الخ: ۳۲۹/۱، قديمی)

فصل فی الجماع و متعلقاتہ

(ہمبستری وغیرہ کا بیان)

وطی میں بیوی کا حق شوہر پر

سوال [۱۱۳۲۸]: ایک شخص نے مسئلہ بتاتے وقت یوں فرمایا کہ شادی کرنے کے بعد بیوی سے ہمبستری کرنا صرف ایک مرتبہ ضروری ہے، باقی پوری زندگی تبرع ہے، یہ مسئلہ درست ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کا مقصد تو یہ ہے کہ اگر ایک دفعہ ہمبستری کر لی تو عورت کو قاضی کی عدالت میں درخواست دے کر کہ میرا شوہر ناکارہ ہے، مجھے نکاح ثانی کی اجازت دی جاوے، نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں، ویسے دیانۃ شوہر کو لازم ہے کہ ہمبستری کر کے عورت کو مطمئن رکھے، ایسا نہ ہو کہ اس کا میلان دوسرے کی طرف ہو جاوے۔
(ہکذا فی درمختار) (۱). واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔
الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۲/۲/۸۷ھ۔

(۱) ”و یسقط حقها بمرة، و یجب دیانة أحيانا، ولا یبلغ مدة الإیلاء إلا برضاها، و يؤمر المتعبد بصحبته أحيانا، و قدره الطحاوي بیوم و ليلة من كل أربع لحررة و سبع لأمة“۔ (الدرالمختار)۔ ”قال فی الفتح: و اعلم أن ترک جماعها مطلقاً لا یحل له. صرح أصحابنا بأن جماعها أحيانا واجب دیانة، لكن لا یدخل تحت القضاء و الإلزام إلا الوطأة الأولى و لم یقدروا فیہ مدة..... و فی البدائع: لها أن تطالبه بالوطء؛ لأن حله لها حقها كما أن حلها له حقه، و إذا طالبتہ یجب علیه، و یجبر علیه فی الحکم مرة، و الزیادة تجب دیانة لا فی الحکم..... یسقط حقها بمرة فی القضاء أي: لأنه لو لم یصبها مرة یؤجله القاضي سنة، ثم یفسخ العقد، أما لو أصابها مرة واحدة لم یتعرض له؛ لأنه علم أنه غیر عین و وقت العقد، بل یأمره بالزیادة =

ہمبستری کے وقت کی دعا

سوال [۱۱۳۲۹]: صحبت کرتے وقت جو دعا پڑھنا ہے، وہ کس وقت پڑھنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک دعا صحبت کرنے سے پہلے پڑھی جاتی ہے (۱) اور ایک انزال ہونے پر (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۸۸ھ۔

= أحياناً لوجوبها عليه (قوله: ويؤمر المتعبد) في الفتح: فأما إذ لم يكن له إلا امرأة واحدة فتشاغل

عنها بالعبادة أو السراري، اختار الطحاوي رواية الحسن عن أبي حنيفة أن لها يوماً وليلة من كل أربع

ليال، وباقيها له. (رد المحتار، كتاب النكاح، باب القسم: ۴۰۲/۳، ۴۰۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳۸۲/۳، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحاوي على الدر المختار، كتاب النكاح، باب القسم: ۸۸/۲، دار المعرفة بيروت)

(۱) "عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ذكر يوماً ما يصيب الصبيان، فقال: لو أن أحدكم إذا جامع

أهله، قال: "بسم الله اللهم جنبنا الشيطان، وجنب الشيطان ما رزقنا" فكان بينهما ولد من ذلك، لم يضره

الشيطان أبداً". (عمل اليوم والليلة لابن سني، باب ما يقول إذا جامع أهله، ص: ۵۶۱، ۵۶۲، مكتبة الشيخ)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات: ۴۵۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في كتاب الأذكار للنووي، باب ما يقوله عند الجماع، ص: ۳۵۷، دار البيان)

(۲) انزال کے وقت کی دعا صرف دل میں پڑھنی چاہیے، دعا یہ ہے:

"أن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه كان إذا غشي أهله فأنزل، قال: "اللهم لا تجعل للشيطان

فيما رزقنا نصيباً". (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب النكاح، باب ما يؤمر به الرجل إذا دخل على أهله:

۳۳۵/۹، المجلس العلمي)

"قد روى ابن أبي شيبة، عن ابن مسعود موقوفاً: أنه إذا أنزل قال: "اللهم لا تجعل للشيطان فيما

رزقنا نصيباً". ولعله يقولها في قلبه، أو عند انفصاله لكرهه ذكر الله باللسان في حال الجماع

بالإجماع". (مرقاة المفاتيح، كتاب الدعوات، باب الدعوات في الأوقات: ۲۶۵/۵، رشيدية)

(وكذا في فتح الباري، كتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع: ۳۲۲/۱، قديمي)

یہ دعا کرنا کہ ”یا اللہ! صالح اولاد دے یا اس سے محروم رکھ“

سوال [۱۱۳۳۰]: اگر کوئی دعا کرتا ہے کہ ”یا اللہ! نیک اولاد دے یا اس سے محروم رکھ“، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دعا کی گنجائش ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، ۱۵/۹/۹۶ھ۔

بیوی سے ہمبستری کا طریقہ

سوال [۱۱۳۳۱]: میں گنگوہ کے مدرسہ میں تعلیم پارہا تھا، اس وقت شیخ الحدیث مولانا زکریا

صاحب مدظلہ سے بیوی سے ہمبستری کا مسنون طریقہ معلوم کیا تھا، لیکن اب وہ تحریر گم ہو گئی، آپ تحریر فرمادیں تو نوازش ہوگی، کیونکہ احقر کی شادی ہونے والی ہے۔

حافظ عبدالسلیم مدرسہ تعلیم القرآن وجیالپوری ناتھ، ضلع نلکنڈہ آندھرا پردیش

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿هنا لك دعا زكريا ربه قال رب هب لي من لدنك ذرية طيبة﴾ (ال عمران: ۳۸)

”باب طلب الولد..... أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”إذا دخلت ليلاً فلا تدخل على

أهلك حتى تستحد المغيبة، وتمشط الشعثة“ قال: قال رسول الله تعالى عليه وسلم: ”فعليك

بالكيس الكيس“، أي: الولد“. (صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب طلب الولد: ۷۸۹/۲، قديمي)

”دلت هذه الآية على طلب الولد وهي سنة المرسلين والصديقين..... وفي هذا رد على بعض

جهال المتصوفة حيث قال: الذي يطلب الولد، أحق، وما عرف أنه هو الغبي الأخرق، قال الله تعالى عن

إبراهيم الخليل ﴿واجعل لي لسان صدق﴾ وقال: ﴿والذين يقولون ربنا هب لنا من أزواجنا وذرياتنا قرة

أعين﴾..... فإذا ثبت هذا فالواجب على الإنسان أن يتضرع إلى خالقه في هداية ولده، وزوجه بالتوفيق

لهما، والهداية، والصلاح، والعفاف، والرعاية“. (أحكام القرآن للقرطبي، آل عمران: ۳۸: ۵۲/۴، دار

إحياء التراث العربي بيروت)

”وعن ابن عباس رضي الله عنه: كان من دعاء داود النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”اللهم إني

أعوذ بك من مال أن يكون فتنه، ومن ولد يكون عليّ وبالاً..... الخ“. (مجمع الزوائد منبع الفوائد،

كتاب الأدعية، باب دعاء داود عليه السلام، رقم الحديث: ۱۷۴۲۹: ۱/۲۹۳، دار الفكر بيروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہشتی زیور، تحفۃ الزوجین میں مطالعہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

بیوی کو برہنہ کر کے اس کا پستان منہ میں لے کر سونا

سوال [۱۱۳۳۲]: ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ اس کو بالکل برہنہ کر کے روزانہ سوتا ہے اور بیوی کے دودھ نہ ہونے کے زمانہ میں اس کے پستان چوسنے کا عادی ہے، کیا اس کی اجازت ہے، حرام یا مکروہ ہے یا نہیں؟ دودھ نہ نکلنے پر پھوس سکتا ہے، کیا اس کے پیچھے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کو برہنہ کر کے اس کے ساتھ سونے اور دودھ نہ ہونے کے زمانہ میں اس کا پستان منہ میں لینے کی وجہ سے اس شخص کی امامت میں خرابی نہیں آتی، ان میں سے کوئی بات حرام یا مکروہ تحریمی نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۰/۹۴ھ۔

حیض و نفاس کی حالت میں عورت کے کس حصہ کو دیکھنا درست ہے؟

سوال [۱۱۳۳۳]: صحبت کے وہ کون چار طریقے مشہور ہیں۔ نیز اس کی دعا کیا ہے؟ اگر کسی نے غیر حیض میں ناف اور گھٹنے کے بیچ دیکھا ہے، تو گنہگار ہوگا؟ اور حیض یا نفاس کے دنوں میں تو کیا گناہ ہوگا؟

(۱) ”وہو تحقیق وجیہ؛ لأنه یجوز له أن یلمس بجمیع بدنہ، حتی بذكرہ جمیع بدنہا، إلا ماتحت الإزار، فکذا ہی لها أن تلمس بجمیع بدنہا، إلا ماتحت الإزار جمیع بدنہ“۔ (رد المحتار، کتاب الطہارۃ، باب الحيض، مطلب: لو أفتی مفت بشيء الخ: ۱/۲۹۳، سعید)

”وله أن یقبلها ویضاجعها ویستمتع بجمیع بدنہا ما خلا ما بین السرة والركبة عند أبي حنیفۃ وأبي یوسف، هكذا فی السراج الوہاج“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الطہارۃ، الفصل الرابع فی احکام الحيض الخ: ۱/۳۹، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، باب الحيض: ۱/۳۴۳، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

دعا یہ ہے: ”بسم اللہ اللہم جنبنا الشیطان وجنب الشیطان ما رزقنا“ (عمل الیوم واللیلہ) (۱)۔

نیز صحبت سے پہلے ﴿رب أعوذ بك من همزات الشیاطین وأعوذ بك رب أن يحضرون﴾ (المؤمنون: ۹۷) پڑھنا مستحسن ہے۔

صحبت کے چار طریقے مجھے معلوم نہیں (۲) بیوی کو غیر حیض میں برہنہ دیکھنے سے گناہ نہیں (۳)، البتہ

(۱) (عمل الیوم واللیلہ لابن سنی، باب ما یقول إذا جامع أهله، ص: ۵۶۱، مکتبہ الشیخ)

(ومشكاة المصابيح، کتاب الدعوات، باب الدعوات فی الأوقات: ۱/۳۵۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی کتاب الأذکار للنووی، باب ما یقولہ عند الجماع، ص: ۳۵۷، دارالبیان)

(۲) بعض حضرات نے کچھ طریقوں کا ذکر کیا ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

”وأما أشکالہ: فأحسنها أن یعلو الرجل المرأة رافعاً فخذیها بعد الملاعبة التامة، ودغدغة الثدي والحالب، ثم حک الفرج بالذکر، فإذا تغيرت هیئة عینیها، وعظم نفسها، وطلبت التزام الرجل، أولج الذکر، وصب المنی، وذلك هو المحبل، فإذا فرغ من الجماع نام علی ظهره ساعة رافعاً رجلیه علی مثل الحائط لتستقر بقایا المنی إلى مستقره. وأردأ أشکالہ أن تعلو المرأة الرجل وهو مستلق. ویلیه أن یكونا فیہ قائمین. ویلیه وهما علی جنبیهما. ویلیه أن یكونا قاعدين. والشکل الذی تستلذه المرأة عند المجامعة أن تستلقي علی ظهرها، ویلقي الرجل نفسه علیها، ویكون رأسها منكسا إلى أسفل كثير التصویب، ویرفع أو راکها بالمخاد، فإذا أحس بالإنزال فلیدخل یدہ تحت أوراکها، ویشیلها شیلاً عنیفاً، فإن الرجل والمرأة یجدان عند ذلك لذة عظيمة لا توصف“. (إتحاف السادة المتقین، کتاب آداب النکاح، الباب الثالث: ۶/۱۷۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳) برہنہ دیکھنا جائز ہے، البتہ بہتر یہ ہے کہ شرمگاہ کو نہ دیکھے۔

”وینظر الرجل من عرسہ إلى فرجها بشهوة، وغیرها، والأولی ترکہ“۔ (الدر المختار

مع ردالمحتار، الحظر والإباحة: ۶/۳۶۴-۳۶۷، سعید)

”وینظر الرجل إلى فرج أمته وزوجته) یعنی: عن شهوة، وغیر شهوة إلا أن الأولى أن لا ینظر کل

منهما إلى عورة صاحبه“۔ (البحر الرائق، کتاب الکراہیة، فصل فی النظر واللمس: ۸/۳۵۴، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیة، الباب الثامن: ۵/۳۲۷، رشیدیہ)

حیض و نفاس میں ناف اور گھٹنے کے درمیان سے احتیاط چاہیے (۱)۔ واللہ اعلم۔
املاہ العبد محمود وغفرلہ، ۱۵/۹/۹۶ھ۔

حالت حیض میں بیوی کے عضو مخصوص کو دیکھنا اور چھونا

سوال [۱۱۳۳۴]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ بیوی کے حائضہ ہونے کی حالت میں ماتحت السرة نیز اعضاء مخصوصہ کو دیکھنا، چھونا وغیرہ کیسا ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

درمختار میں ہے:

”وہل النظر ومباشرتها له فيه تردد الخ“.

شامی میں ہے:

”أي: بشهوة، وهكذا كالاستثناء من عموم حل ما عدا القربان، وأصل التردد لصاحب البحر حيث ذكر: أن بعضهم عبر بالاستمتاع، فيشمل النظر، وبعضهم بالمباشرة، فلا يشمل، ومال إلى الثاني، ومال أخوه في النهر إلى الأول، انتصر العلامة للأول، وأقول: فيه نظراً“.

إلى أن قال بعد بحث ونقل العبارات:

”ولا يخفى أن الأول صريح في عدم حل النظر إلى ماتحت الإزار،

والثاني قريب منه“.

وقال بعد السطر:

”واستظهر في النهر الثاني، لكن فيما إذا كانت مباشرتها له بما بين

(۱) ”(منع حل قربان ماتحت إزار) يعني ما بين سرة، وركبة، ولو بلا شهوة. وحل ما عداه مطلقاً“.

(الدر المختار مع رد المحتار، باب الحيض: ۲۹۲/۱، سعيد)

(وكذا في درر الحکام في شرح غرر الأحکام، باب دماء تختص بالنساء: ۴۲/۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطهارة، باب الحيض: ۳۴۲/۱، رشیدیہ)

سرتها ور کبتیه کما إذا وضعت یدھا علی فرجھا کما اقتضاه کلام البحر، لا إذا كانت بما بین سرتها ور کبتها کما إذا وضعت فرجھا علی یدہ“ الخ.

ردالمحتار نعمانیہ: ۱/ ۱۹۴، ۱۹۵، باب الحيض (۱).

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بیوی کے ماتحت السره کے اعضاء مخصوصہ کو حالت حیض میں دیکھنے اور چھونے کی اجازت نہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۸۹ھ۔

کیا لونڈیوں کے ساتھ صحبت بلا نکاح درست ہے؟

سوال [۱۰۰۳۵]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں لونڈیاں اور غلام فروخت ہوتے تھے، کیا ان لونڈیوں کو خرید کر بغیر عقد ان کے ساتھ صحبت کرنا جائز تھا یا نہیں؟ یہاں ایک صاحب فرماتے ہیں کہ زرخرید لونڈی کے ساتھ بغیر عقد کے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی صحبت کرنا جائز نہیں تھا، کتاب وحدیث سے حوالہ عنایت فرما کر جواب دیں، مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی لونڈی جو جہاد میں گرفتار کر کے لائی جائے، وہ جس کے حصہ میں آجائے اس سے صحبت کرنا جائز تھا، اس کے ساتھ عقد نکاح کی ضرورت نہیں تھی (۲)۔ ایسی باندی کو مالک بھی فروخت کر سکتا تھا، لیکن اگر کسی سے

(۱) (ردالمحتار، باب الحيض: ۱/ ۲۹۲، ۲۹۳، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الطهارة، باب الحيض: ۱/ ۳۴۴، ۳۴۵، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الطهارة، الباب السادس: ۱/ ۳۹، رشیدیہ)

(۲) ”و حرم نکاح المولیٰ امتہ والعبد سیدتہ؛ لأن المملوکیۃ تنافی المالکیۃ“۔ (الدرالمختار)۔ ”علة

للمسألتین، قال في الفتح: لأن النکاح ما شرع إلا مشمرا ثمرات مشترکة في الملك بین المتناکحین“۔

(ردالمحتار، کتاب النکاح، مطلب مهم في وطء السراري: ۳/ ۴۴، سعید)

”لا يجوز للرجل أن يتزوج بجاریتہ..... لقوله تعالى: ﴿والذین هم لفروجهم حافظون، إلا علی =

عقد کر دیا تو مالک کو اس سے صحبت کی اجازت نہیں تھی (۱)، یہ مسئلہ کتب حدیث و فقہ میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں بھی ہے:

﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنً وَثُلَّةً وَرُبَاعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ

لَا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ الآية (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= أزواجہم أو ما ملکت أیمانہم﴾ الآية۔ ثم أباح الله عز وجل الوطء إلا بأحد أمرين؛ لأن كلمة أو تتناول أحد المذکورين فلا تجوز الاستباحة بهما جميعاً (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، من شروط صحته أن لا يكون أحد الزوجین ملک صاحبه: ۵۵۵/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۱۸۰/۳، رشیدیہ)

(۱) ”الصحيح وجوب الاستبراء على اليد إذا أراد أن يزوجهما وكان يطؤها“۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الرقيق: ۱۷۲/۳، سعید)

”عن رويفع بن ثابت الأنصاري رضي الله تعالى عنه قال: قام فينا خطيباً قال: أما إنني لا أقول لكم إلا ما سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: يوم حنين قال: ”لا يحل لا مرئ يؤمن بالله واليوم الآخر أن يسقي ماءه ذرع غيره“۔ (سنن أبي داود، کتاب النکاح، باب فی وطء السبايا: ۳۱۰/۱، رحمانیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الرقيق: ۳۴۲/۳، رشیدیہ)

(۲) (النساء: ۳)

باب حقوق الوالدین وغیرہا

(والدین کے حقوق کا بیان)

والدین کے حقوق

سوال [۱۱۳۶]: والدین کے حقوق کوئی اولاد پر بھی ہیں کہ نہیں؟

۲..... اولاد کے یہ حقوق وجوبی ہیں یا صرف احسان کے درجہ میں ہیں؟

۳..... بعض لوگ والدین پر تین حقوق بتاتے ہیں:

الف- پیدا کرنا، ب- پال پوس کر بڑا کرنا، ج- شادی کرنا۔

اس میں کسی قسم کے جزئیات کو نہیں معائنہ کیا، صرف یہ تینوں حقوق ہیں اور بغیر جزئیات کے تسلیم کئے یہ

کافی ہوں گے؟

۴..... اگر والدین اولاد کے حقوق ادا نہ کرے، تو ان سے باز پرس ہوگی یا نہیں؟

۵..... اس صورت میں بھی اولاد کے حقوق لازم ہوں گے کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳..... والدین اپنی اولاد کی تربیت جسمانی تو طبعی محبت کی بناء پر کرتے ہی ہیں، اپنے اپنے طرز

پر جانور بھی اپنے بچوں کو پالتے ہیں، مگر انسانی بچوں کا حق اس سے زیادہ ہے، جب بچہ پیدا ہو، اس کو نہلا کر

دائیں کان میں اذان، بائیں کان میں اقامت کہی جاتی ہے (۱)، جب بولنا سیکھے، تو کلمہ شہادت اور آیات

(۱) "قلت: قد جاء في مسند أبي يعلى الموصلي، عن الحسين رضي الله تعالى عنه، مرفوعاً: "من ولد له

ولد، فأذن في أذنه اليمنى، وأقام في أذنه اليسرى، لم تضره أم الصبيان، كذا في الجامع الصغير

للسيوطي". (مرواة المفاتيح، كتاب الصيد والذباح، باب العقيقة: ۵/۷، رشیدیہ)

"وقال الرافعي رحمه الله تعالى: "قال السندي رحمه الله تعالى: فيرفع المولود عند ولادة علي =

توحید اس کو سکھائیں، نماز سکھائیں (۱)، سات برس کا ہو جائے، تو نماز کی تاکید کرائیں (۲)، رہن سہن میں تمیز سکھائیں، بڑوں کا ادب، چھوٹوں پر شفقت کی تلقین کریں (۳)۔ کھانے پینے کیڑے پہنے وغیرہ جملہ امور میں

= یدیدہ مستقبل القبلة، ویؤذن فی أذنه الیمنی، ویقیم فی الیسری“۔ (تقریرات الرافعی علی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۴۵/۱، سعید)

(و کذا فی العرف الشذی علی جامع الترمذی، باب الأذان فی أذن المولود: ۲۷۸/۱، سعید)

(۱) ”المقصود بالتربية الإيمانية ربط الولد منذ تعقله بأصول الإيمان كل ما ثبت عن طريق الخبر الصادق والحقائق الإيمانية، والأمور الغيبة كالإيمان بالله سبحانه، والإيمان بالملائكة، والإيمان بالكتب السماوية، والإيمان بالرسول جميعاً ونعني بأركان الإسلام كل العبادات البدنية، وهي الصلاة والصوم والزكاة، والحج من استطاع إليه سبيلاً، ونعني بمبادئ الشريعة، كل ما يتصل بالمنهج الرباني، وتعاليم الإسلام من عقيدة، وعبادة، وأخلاق، وتشريع، وأنظمة، وأحكام“۔ (تربية الأولاد في الإسلام، الفصل الأول، مسئولية الإيمان: ۱۵۷/۱، ۱۵۸، دار السلام)

”عن علي ابن أبي طالب رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أدبوا أولادكم على خصال ثلاث: على حب نبيكم، وحب أهل بيته وعلى قراءة القرآن إلى آخر الحديث“۔ (إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة، رقم الحديث: ۱۰۱۰۱، باب فيمن يظل في ظل الله الخ: ۳۸۶/۱۰، مكتبة الرشد)

”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما: افتحوا على صبيانكم أول كلمة لا إله إلا الله، ولقنوههم عند الموت لا إله إلا الله إلى آخر الحديث“۔ (كنز العمال، كتاب النكاح، الفصل الرابع في حقوق واداب متفرقة، رقم الحديث: ۳۵۳۲۲: ۱۶/۱۸۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: مروا أولادكم بالصلاة وهم أبناء سبع سنين، واضربوهم عليها، وهم أبناء عشر، وفرقوا بينهم في المضاجع“۔ (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة: ۸۲/۱، رحمانیہ)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، الفصل الثاني، ص: ۵۸، قديمی)

(و کذا فی کنز العمال، کتاب النکاح، الفصل الرابع في حقوق واداب متفرقة، رقم الحديث: ۳۵۳۱۶: ۱۶/۱۸۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۳) ”عن جابر بن سمرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لأن يؤدب =

طریقہ سنت پر چلائیں۔

حسد، بخل، حرص، تکبر، دھوکہ، فریب، جھوٹ، غیبت، بہتان وغیرہ اخلاقِ رذیلہ سے بچائیں (۱)۔
ایثار، سخاوت، تواضع، متانت، صبر و تحمل، توکل وغیرہ کا عادی بنائیں، علم دین پڑھائیں (۲)، اکل حلال کا انتظام کریں، غرض ہر شعبہ زندگی کو درست کرنے کی فکر کریں، کوشش کریں حقوق کی بڑی تفصیل ہے۔ بعض حقوق بطور مثال لکھ دیئے ہیں، ان کو اختیار کرنے سے دیگر حقوق کی طرف رہنمائی ہوتی ہے۔

۴..... والدین اگر باوجود قدرت کے حقوق واجبہ کو ضائع کریں گے، تو ان سے باز پرس ہوگی (۳)۔

= الرجل ولده خير من أن يتصدق بصاع..... حدثنا أيوب بن موسى، عن أبيه، عن جده أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ما نحل والد ولداً من نحل أفضل من أدب حسن. (جامع الترمذي، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في أدب الولد: ۱۶/۲، سعيد)

(و كذا في تربية الأولاد في الإسلام، الفصل الثاني في مسئولية التربية الخلقية: ۱/۱۸۱، دار السلام)
” (مانحل)..... (والد ولده)..... أي: ما أعطاه عطية (أفضل من أدب حسن) أي: من تعليمه ذلك..... فأهم الآداب أدبه مع الله باطنا بآداب الإيمان كالتعظيم، والحياء، والتوكل، وظاهراً لمحافظة الحدود، والحقوق، والتخلق بأخلاق الإسلام، وأدابه مع المصطفى صلى الله تعالى عليه وسلم في متابعة سننه في كل صغير وكبير وجيل وحقير، ثم أدبه في صحبة القرآن بالانقياد له على غاية التعظيم، ثم يتعلم علوم الدين ففيها جميع الآداب. (فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۸۱۱۸: ۵۳۶۹/۱۰، ۵۳۷۰، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً وأيضاً رقم الحاشية: ۱، ص: ۲۹۸

(۳) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: أنه قال: ألا كلکم راع وكلکم مسئول عن رعيته..... والرجل راع على أهل بيته، وهو مسئول عنهم، والمرأة راعية على بيت بعلها، وولده، وهي مسئولة عنهم إلى آخر الحديث“. (صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل الخ: ۱۲۲/۲، سعيد)

” (قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: كلکم راع وكلکم مسئول عن رعيته) قال العلماء: الراعي هو الحافظ، المؤمن، الملتزم صلاح ما قام عليه، وما هو تحت نظره. ففيه أن كل من كان تحت نظره =

۵..... اولاد پر بھی حقوق لازم ہیں، والدین اگر اپنا واجب ادا نہ کرے تو بھی اولاد سے حقوق ساقط نہیں

ہوتے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۲/۱۴۰۰ھ۔

کیا والدین کا درجہ استاذ اور پیر سے زیادہ ہے؟

سوال [۱۱۳۳]: استاذ اور پیر کا درجہ والدین سے کم ہے یا زیادہ؟ بہشتی زیور میں والدین کا درجہ

زیادہ لکھا ہے، بحوالہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جسمانی تربیت کی بناء پر والدین کا درجہ زیادہ ہے کہ وہی بنیاد ہے جمیع کمالات کی اور روحانی تربیت علم

= شیء فهو مطالب بالعدل فيه، والقيام بمعالجه في دينه، ودنياه، ومتعلقاته“۔ (شرح النووي علی

صحيح مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل الخ: ۲/۱۲۲، سعید)

”(وهي مسئولة عنهم) عن حق زوجها وأولاده، وقال الطيبي: الضمير راجع إلى بيت زوجها

وولده، وغلب العقلاء فيه على غيرهم“۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الإمارة والقضاء، الفصل الأول:

۲۴۱/۷، رشیدیہ)

(۱) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أصبح مطيعاً لله

في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فواحداً، ومن أمسى عاصياً لله في والديه، أصبح

له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فواحداً، قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: ”وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن

ظلماه“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، ص: ۴۲۱، قديمی)

(وكذا في كنز العمال، كتاب النكاح، قسم الأقوال، بر الأب والأم من الإكمال: ۱۶/۱۹۹، دارالكتب

العلمية بيروت)

”(ومن أمسى عاصياً لله تعالى في والديه أصبح له بابان مفتوحان من النار، وإن كان واحداً

فواحداً، قال رجل: وإن ظلماه) قال الطيبي: يراد بالظالم ما يتعلق بالأمور الدنيوية، لا الأخروية، (قال:

وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه) ثلاث مرات، للتأكيد والمبالغة“۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب،

باب البر والصلة، الفصل الثالث: ۹/۱۵۹، رشیدیہ)

و عمل کے اعتبار سے استاد کرتے ہیں، اگرچہ وہ تربیت بلند ہے، لیکن والدین جسمانی تربیت کر کے استاد کے حوالہ نہ کریں، تو استاد کو تربیت کا موقع کہاں ملے گا؟ (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۴ھ۔

والد کی نافرمانی

سوال [۱۱۳۳۸]: میرے والد صاحب مجھ سے بدظن ہو گئے ہیں، انہوں نے کہلایا کہ گھر سے نکل جاؤ اور اپنے آپ انتظام کرلو، اس وقت میرے چار بچے ہیں، تنخواہ تین سو روپیہ ہے، میں نے الگ دکان لے لی ہے، اب کچھ مالی امداد کرتا رہتا ہوں، تو کیا میں نافرمان ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات کے ماتحت آپ ان کے نافرمان نہیں، اپنی استطاعت کے مطابق جانی، مالی خدمت کرتے رہیں اور دعا بھی ان کے لئے کرتے رہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۸۸ھ۔

صاحب حق کی طرف حق پہنچانے کی صورت نہ ہو، تو کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۳۳۹]: میں ایک محلہ میں رہتا تھا، وہاں ایک دودھ والا آیا کرتا تھا، جو کہ گاؤں سے آتا تھا، وہ پورے محلہ کو دودھ دیا کرتا تھا اور یہ غیر مسلم تھا، میں نے جب وہ محلہ چھوڑا تو اس کے کچھ روپے میری طرف نکلتے تھے، اس لئے میں نے ایک محلہ کے زمیندار آدمی کو کہہ دیا کہ آپ اس سے ہمارا حساب کر لینا اور جتنے روپے بتائے، مجھ سے لے لینا، جب وہ اس محلہ میں آیا تو انہوں نے اس سے کہا، اس نے جواب دیا کہ ان کا اور ہمارا

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (البقرة: ۸۳)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا﴾ (الأحقاف: ۱۵)

(۲) چونکہ والد نے خود ہی گھر سے نکالا ہے اور بیٹا استطاعت کے مطابق مالی امداد بھی کر رہا ہے، لہذا نافرمانی کا تحقق نہیں۔

حساب ہو گیا، ان پر ہمارا کوئی پیسہ نہیں ہے، لیکن جب اس سے کہا گیا کہ وہ کہہ گئے ہیں اور بتا رہے تھے اور اس کے روپے تھے بھی، تو اس نے کہا حساب دیکھ کر بتاؤں گا۔

پھر کئی ہفتہ دودھ دینے ہی نہیں آیا، اس کے بعد آیا تو انہوں نے پھر اس سے کہا، تو وہ پھر دو تین ہفتہ دودھ دینے نہیں آیا، اس کے بعد پھر آیا تو پھر انہوں نے کہا، تو پھر آج تک واپس نہیں آیا اور اس کے گاؤں اور نام کا پتہ نہیں کیا ہے، تلاش بھی کرایا، مگر کسی محلہ والے کو پتہ نہیں ہے، اب بتائیے، میں اس میں کیا کروں، اس پیسہ کو کس کو دوں؟ میں اس کا قرض دار ہوں، کل آخرت میں یہ مجھ سے مانگے گا اس لئے مجھے پریشانی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کے نزدیک اس دودھ والے کے جتنے پیسے آپ کے ذمہ ہیں، وہ پیسے ان صاحب کو دے دیں۔ جن کے پاس وہ کبھی کبھی دودھ دینے آتا ہے، کہ جب بھی آئے، اس کو وہ دے دیں، اس میں جتنی مدت بھی انتظار کرنا پڑے، جب اس کی زندگی کی ہی توقع نہ رہے اور سمجھیں کہ مر گیا ہوگا، تو اتنے پیسے کسی غریب کو صدقہ کر دیں (۱) کہ یا اللہ! اس کے وبال سے مجھے بچانا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند ۶/۲/۹۲ھ۔

والد کی غلط رائے قابل عمل نہیں

سوال [۱۱۳۴۰]: میری عمر اس وقت گیارہ سال ہے، تین سال قبل میں چاند پورا اپنے استاذ کے

(۱) "لومات الرجل وکسب من بیع الباذق، أو الظلم، أو أخذ الرشوة، يتورع الورثة، ولا يأخذون منه شيئاً، وهو أولى لهم، ويردونها على أربابها إن عرفوهم، وإلا تصدقوا بها؛ لأن سبيل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه"۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۳۸۵، سعید)

"والحاصل: أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا، فإن علم عين الحرام لا يحل له،

ويتصدق به بنية صاحبه"۔ (ردالمحتار، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد: ۵/۹۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس عشر فی الکسب: ۵/۳۴۹، رشیدیہ)

(وکذا فی الفتاویٰ الکاملیۃ، کتاب الزکاة، ص: ۱۵، مکتبۃ القدس)

پاس آیا، میرے استاذ نے مجھ سے مندرجہ ذیل سوالات کئے، میرے پاس اس کا جواب سوائے نفی کے اور کچھ نہیں تھا، انہوں نے مجھ سے سوال کیا:

الف- کلمہ یاد ہے یا نہیں؟ ب- نماز آتی ہے یا نہیں؟ ج- تم کس مذہب پر ہو؟

مجھے یہ باتیں معلوم نہیں تھیں، کیونکہ میں صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ میں ایک مسلم گھرانے میں پیدا ہوا ہوں، باقی اور کچھ خبر نہیں تھی، نہ یہ معلوم تھا کہ زکوٰۃ کیا ہے؟ صدقہ کیا ہے؟ حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون ہیں؟ چاند پور کے میرے استاذ نے مجھے نماز یاد کرائی اور سب سوالات کے جوابات بھی بتلائے، لیکن اب مجھے خدا کا شکر ہے کہ نماز چھوڑنا تو درکنار جماعت کے ترک ہونے پر بھی بہت دکھ ہوتا ہے، جس پر میرے والدین سخت ناراض ہیں اور کہتے ہیں کہ تو ملا بن گیا، بلکہ بگڑ گیا ہے، یہاں تک میرے استاذ سے سخت ناراض ہیں اور کہتے ہیں یہ تو ملا بن گیا۔

اب میں اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، جو پردہ میں رہے، والدین پردہ دار لڑکی کے خلاف ہیں اور کہتے ہیں کہ ایسی لڑکی سے شادی ہونی چاہیے کہ جو قضائے حاجت بھی جنگل جا کر کرے اور بے پردہ رہے، اب میں پریشان ہوں اور سوچتا ہوں کہ یہاں سے بھاگ جاؤں، لیکن استاذ اس سے منع کرتے ہیں، والدین اپنی ضد پر قائم ہیں اور میں اپنی ضد پر قائم ہوں۔ برائے کرم شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ!

استاذ کا مشورہ بالکل شریعت کے مطابق ہے، وہی قابل عمل ہے، والد کی رائے غلط اور خلاف شرع ہے، اس پر عمل جائز نہیں (۱)، آپ نہ کہیں بھاگیں، نہ والد کی رائے پر خلاف شرع عمل کریں (۲)، نہ والد کی شان میں

(۱) ”عن علي رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”لا طاعة في معصية الله، إنما الطاعة في المعروف“۔ (صحيح مسلم، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية وتحريمها في المعصية: ۱۲۵/۲، قديمی)

”فقام عمران بن حصين رضي الله تعالى عنه، فلقيه بين الناس قال: تذكرو يوم قال رسول الله =

گستاخی اور بے ادبی کریں، ان کی خدمت بھی اپنی وسعت کے موافق کیا کریں، اللہ پاک سے دعا بھی کرتے رہیں کہ وہ والد کو سیدھے راستے پر چلائے، حق تعالیٰ آپ کی مدد اور حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۳/۹۱ھ۔

باپ کو دھکا اور گالیاں دینا

سوال [۱۱۳۴۱]: زید مالدار آدمی ہے، اس کا باپ عمر ضعیف آدمی ہے، جو بہت متقی ہے، بیٹا باپ کی خدمت کر سکتا ہے، لیکن کرتا نہیں، باپ کے پاس کچھ کاشت کی زمین ہے، بیٹا باپ سے زمین خریدتا ہے، باپ نے یہ سوچ کر کے کہ میرے دولڑکیاں ہیں، دونوں کو کچھ روپیہ دے دوں گا اور اپنے گزارے کے لئے کچھ رکھ لوں گا، باپ نے بیٹے کو زمین بیچ دے دی، کچھ روپیہ بیٹے نے کاغذات کراتے وقت دے دیا اور کہا کچھ بعد میں دیتا ہوں، باپ نے بیٹے سے کہا، یہ روپیہ تم ہی لو، ایک ماہ بعد پورا روپیہ دے دینا۔

باپ ایک ماہ بعد روپیہ لینے بیٹے کے یہاں جاتا ہے، بیٹا باپ کو دھکے دے کر نکال دیتا ہے اور کہتا کہ حرام خور، میں تجھ کو روپیہ دے چکا ہوں، باپ کمزور ہونے کی وجہ سے واپس چلا آتا ہے اور روتا پھرتا ہے اور بیٹا اس زمین سے روپیہ کما کر حج کرتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی حج کراتا ہے، آیا اس کا حج اس روپے ممنوع سے مقبول ہے یا نہیں؟ اور ایسے آدمی کی کیا سزا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فریضہ حج ادا ہو گیا (۱)، مگر بیٹے کی حرکت سخت گناہ اور ظلم ہے، جس کی وجہ سے مستحق عذاب ہے۔

= صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا طاعة لمخلوق في معصية الله"..... فقال عمران لكم: سمعت رسول

الله صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول: "لا طاعة لأحد في معصية الله تبارک وتعالیٰ". (مسند الإمام أحمد

بن حنبل، رقم الحديث: ۲۰۱۳۰، ۲۰۱۳۱: ۲/۵۹، ۶۰، دار إحياء التراث العربی بیروت)

(و کذا فی فیض القدير، رقم الحديث: ۹۹۰۳: ۱۲/۶۳۸۶، مکتبہ نزار مصطفى الباز مکہ)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۱) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه

يسقط الفرض عنه معها، ولا تنا في بين سقوطه، وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب =

قرآن کریم میں (ہے):

﴿وَلَا تَقْلُ لَهُمَا أَفْ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ (۱) ﴿و

اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذَّلٰلَةِ﴾ (۲)۔

اس کو لازم ہے کہ والد سے معافی مانگے، ان کا حق ادا کرے، ان کی خدمت کرے، ان کو خوش کرے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= تارک الحج۔ (ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب: فی من حج بمال حرام: ۲/۳۵۶، سعید)

”ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل الحج بالنفقة الحرام، مع أنه یسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبة“ کذا فی فتح القدير۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الحج، الباب الأول فی تفسیر الحج الخ: ۱/۲۲۰، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، کتاب الحج: ۱/۲۶۱، دار إحياء التراث العربی بیروت) (۱) (الاسراء: ۲۳)

”قال العلامة الألوسی رحمہ اللہ تعالیٰ: ”والنهي عن ذلك يدل على المنع في سائر أنواع الإيذاء۔“ (روح المعاني، الإسراء: ۲۳: ۱۵/۵۵، دار إحياء التراث العربی بیروت) (و کذا فی تفسیر ابن کثیر، الإسراء: ۲۳: ۳/۳۴، سهیل اکیڈمی لاہور) (۲) (الاسراء: ۲۴)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۳)

وقال الله تعالى: ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَسَنًا﴾ (العنکبوت: ۸)

وقال الله تعالى: ﴿وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (لقمان: ۱۵)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رجل: يا رسول الله! من أحق بحسن صحابتي؟ قال: ”أمك“ قال: ثم من؟ قال: ”أمك“، قال: ثم من؟ قال: ”أبوك“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، ص: ۴۱۸، قديمی)

”عن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”رضي الرب في رضي الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الآداب، باب البر والصلة، ص: ۴۱۹، قديمی)

بیٹے کو بیٹا نہ ماننے والے باپ کے ساتھ کیا سلوک کرے؟

سوال [۱۱۳۴۲]: زید اپنے گھر پیدا ہوا، اس کے والد کی لاپرواہی سے اس کی والدہ اور اس کی حالت زیادہ نازک ہو گئی، تو اس کے ماموں اپنے گھر لے گئے اور اس کی والدہ کچھ دنوں کے بعد اللہ کو پیاری ہو گئیں، اس کے بعد اس کے والد نے کوئی خبر نہ لی، اس کے ماموں نے لکھایا، پڑھایا، شادی کی، لیکن اس کے والد نے ایک پیسہ بھی نہیں دیا۔

زید کے والد نے اپنی جائیداد بھتیجیوں کے نام لکھ دی اور کہا میرا کوئی لڑکا نہیں ہے، زید نے اپنی کوشش سے کچھ حصہ پایا۔ اب وہ اپنے والد کے ساتھ نہیں رہتا ہے اور نہ اس کے ساتھ اس کے والد رہنا چاہتے ہیں، زید کیا کرے؟ زید اپنے گھر سے قریب سو میل کی دوری پر رہتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کو اگر والد اپنے ساتھ رکھتا نہیں اور وہ سو میل کے فاصلہ پر رہتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، کبھی کبھی اپنی حیثیت کے موافق ان کی خدمت کرتا رہے، والد کے اس کہنے سے کہ میرا کوئی لڑکا نہیں، پریشان نہ ہو، دعائیں کرتا رہے، کبھی کبھی موقع ملنے پر ملاقات بھی کر لیا کرے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱۱/۹۵ھ۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿واخفض لهما جناح الذل من الرحمة وقل رب ارحمهما كما ربياني صغيراً﴾ (الإسراء: ۲۴)

”قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: أي: تواضع لهما وتألل ﴿من الرحمة﴾ أي: من فرط رحمتك عليهما“۔ (روح المعاني، الإسراء: ۲۴: ۱۵/۵۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”عن معاذ رضي الله تعالى عنه قال: أوصاني رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعشر كلمات، قال: ”لا تشرك بالله شيئاً وإن قتلت أو حرقت، ولا تعقن والديك وإن أمراك أن تخرج من أهلك ومالك“۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل رضي الله تعالى عنه، رقم الحديث: ۲۱۵: ۶/۳۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أصبح مطيعاً لله في والديه، أصبح له بابان مفتوحان من الجنة، وإن كان واحداً فواحداً، ومن أَمسى عاصياً =

والد کے گناہ پران کی اصلاح کا طریقہ

سوال [۱۱۳۴]: احقر کے والد محترم زراعت کا پیشہ کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بیاج (۱) پر روپیہ بھی دیتے ہیں، جب کہ بیاج لینا اور دینا سخت گناہ حرام ہے، تو میرے دل میں اس طرح سے بہت تشویش ہوتی ہے، دل میں آتا ہے کہ والد محترم سے اس کی برائی بیان کروں، لیکن والد کا مزاج اتنا سخت ہے کہ اگر ایک مرتبہ بھی میں تذکرہ کروں، تو مجھ کو اپنی جان کا خطرہ ہے اور اب تک میرا خرچ بھی گھر سے ہی آتا رہا۔

لہذا دریافت طلب بات یہ ہے کہ ان مجبوریوں کے باوجود میں گھر سے روپیہ منگا کر اپنی ضروریات میں صرف کروں، تو عندالشرع کیسا ہے؟ جب کہ کسی دوسری جگہ سے خرچ کے لئے پیسہ آنے کی کوئی امید نہیں ہے، لہذا اگر قول کے علاوہ کوئی دوسری تدبیر ایسی ہو سکتی ہو کہ جس کے ذریعہ میرے والد محترم کے دل میں اس امر قبیح کی برائی جم جائے، تو اس سے مطلع فرمائیں۔

محمد نسیم الحق مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ شریف

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بزرگ یا با اثر آدمی کے ذریعہ ان کو متنبہ کر دیا جائے، یا کسی ایسی مجلس میں ان کو پہنچا دیا جائے، جہاں دینی مسائل کا تذکرہ رہتا ہو، یا تبلیغی جماعت میں کسی ترکیب سے ان کو بھیج دیا جائے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۲/۹۵ھ۔

= اللہ فی والدیہ، أصبح له بابان مفتوحان من النار، إن كان واحداً فواحداً، قال رجل: وإن ظلماه؟ قال: "وإن ظلماه، وإن ظلماه، وإن ظلماه". (مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب البر والصلة، الفصل الثالث، ص: ۴۲۱، قديمی)

(۱) "بیاج: سود، ربوا"۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۶۴، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ (التوبة: ۱۱۹)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "مثل المجلس الصالح والسوء كحامل المسك ونافع الكير، فحامل المسك إما أن يحذيك، وإما أن تبتاع منه، وإما أن تجد منه ريحاً طيبة، ونافع الكير إما أن يحرق ثيابك، وإما أن تجد منه ريحاً خبيثة". (صحيح البخاري، كتاب الذبائح والصيد، باب المسك، ص: ۹۸۴، دارالسلام)

والد پر خرچ کی ہوئی رقم کو ترکہ میں محسوب کرنا

سوال [۱۱۳۴۲]: جب والدین مریض اور ضعیف ہو جائیں اور یہ ہر قسم کی خدمت کے محتاج

ہو جائیں تو ان کے خرچہ و صرفہ کے ذمہ دار کون کون اولاد میں ہوں گے؟

۲..... ان حالات میں اگر ایک لڑکے نے اپنے والدین کی بھرپور خدمت کی اور علاج و خوراک،

پوشاک وغیرہ میں کوئی کمی نہیں رکھی اور والد مرحوم کی دیوانگی اور پاگل پن کی حالت میں ہر قسم کے نقصانات

کپڑوں کا پھاڑنا، لحاف اور گدوں میں آگ لگانا، چارپائیوں اور برتنوں کا توڑنا وغیرہ وغیرہ برداشت کرتا رہا اور

والد مرحوم کے صاحبِ جائیداد ہونے کی وجہ سے مالی نقصانات کو اس امید پر برداشت کرتا رہا کہ یہ خسارے ان کی

جائیداد سے بوقتِ تقسیم وصول ہو جائیں گے، کیا شرعاً اس کو حق ہے کہ بوقتِ تقسیم جائیداد واجبی اور ضروری

خسارے تقسیم ترکہ سے قبل وصول کر لے؟

۳..... اگر اس ضرورت اور ذمہ داری کے پیش نظر کچھ لڑکوں نے والدین کے اخراجات کے لئے کچھ

ماہانہ رقم مقرر بھی کر لی اور پھر یہ لوگ اس رقم وعدہ کی ہوئی کوادانہ کریں، تو اس شخص کو جس نے والدین کی خدمت

کی اور ان دعویٰ کنندگان سے بوقتِ تقسیم جائیداد رقم ملنے کی توقع رکھی، یہ حق ہے کہ بوقتِ تقسیم جائیداد اس طے

شدہ کو لے لے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... سب لڑکوں کے ذمہ حسب استطاعت واجب ہے (۱)۔

= ”هذا الحديث إرشاد إلى الرغبة في صحبة الصلحاء والعلماء ومجالستهم؛ فإنها تنفع في الدنيا

والآخرة قيل: مصاحبة الأخيار تورث الخير، ومصاحبة الأشرار تورث الشر كالريح إذا هبت على

الطيب عبت طيباً، وإن مرت على النتن حملت نتناً والحاصل أن الصحبة تؤثر“. (التعليق الصبيح،

كتاب الأداب، باب الحب في الله: ۲۵۶/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الأداب، باب الحب فی اللہ: ۷۴۲/۸، رشیدیہ)

(۱) ”لو کان للفقیر ابنان أحدهما فائق فی الغنی، والآخر یملک نصاباً فہی علیہما سویة“۔

(رد المحتار، باب النفقة، مطلب فی نفقة الأصول: ۶۲۳/۳، سعید) =

۲..... محض توقع وامید پر ان مصارف کو تقسیم کرنے سے قبل بحیثیت دین وصول کرنے کا حق نہیں، جب تک اس کی تصریح نہ کی ہو، کہ میں بطور قرض یہ سب خسارہ برداشت کر رہا ہوں (۱)۔

۳..... جنہوں نے وعدہ کر کے ابھی رقم خرچ نہیں کی، اس کی ذمہ داری خود اُن پر ہے، جس نے خرچ کی وہ اپنا ذمہ پورا کر چکا ہے، اگر دوسرے بھائیوں سے یہ معاملہ نہیں کیا، ایک بھائی دوسرے بھائی کی وعدہ کی ہوئی رقم بھی دے دے، اس توقع پر کہ پھر وصول کر لے گا، تو محض توقع پر تقسیم جائیداد سے قبل طے شدہ رقم لینے کا حق نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۵/۸۸ھ۔

جیسا خود کھائے ویسا باپ کو کھلائے

سوال [۱۱۳۴۵]: سعید نے اپنے بیٹے عبدالصمد سے کہا کہ تم اپنے اور میرے خوراک و پوشاک میں برابری کا معاملہ رکھو، یعنی جو تم کھاؤ پیو وہ مجھے بھی کھاؤ، پلاؤ، اگر تم نے ایسا نہ کیا بلکہ خود تو اچھا کھایا، پیا، پہنا، اوڑھا اور مجھے خراب چیزیں استعمال کرائیں، تو یہ سب تیرا کرنا حرام ہوگا، اب عبدالصمد نے اپنے باپ کی نصیحت پر عمل نہ کیا، تو کیا اس کا مال بڑھانا، کھانا، پینا حرام ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیٹے کو خود چاہیے تھا کہ خدمت دل و جان سے کرتا اور اس کے لئے ہر چیز اپنے سے بہتر تیار کرتا،

= (و کذا فی درر الحکام فی غرر الأحکام، باب النفقة: ۱/۹۱، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب النفقة: ۲/۲۷۷، دار المعرفۃ بیروت)

(۱) ”(عمر دار زوجته بماله بإذنہا، فالعمارة والنفقة دین علیہا) لصحة أمرها (ولو) عمر (لنفسه بلا إذنہا فالعمارة له) ولها بلا إذنہا فالعمارة لها وهو متطوع) في البناء فلا رجوع له“. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۶/۷۷۷، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۹/۳۵۷، رشیدیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۷/۴۶۲، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حدیث پاک میں ہے: ”أنت ومالك لأبيك“ (۱) یعنی تم اور تیرا مال تیرے باپ ہی کے لئے ہے، خود اچھا کھانا پینا اور باپ کو گھٹیا چیز دینا، حیا کے بھی خلاف ہے، قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم فرمایا، تو والدین کے ساتھ احسان کا حکم بھی فرمایا، ﴿وقضى ربك أن لا تعبدوا إلا إياه وبالوالدين إحسانا﴾ (۲) بیٹے کو ہمیشہ اس کا لحاظ رکھنا لازم ہے۔ باپ کو بھی چاہیے کہ وہ اس قسم کا فتویٰ بیٹے پر نہ لگائے، بلکہ زبان کو محتاط رکھے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۸/۱۴۰۰ھ۔

بچپن کی چوری کا گناہ کس پر ہے؟

سوال [۱۱۳۲۶]: بچپن کی چوری کا محاسبہ ہوگا یا والدین پر اس کا گناہ ہوگا؟ اور اسی طریقے

سے جتنے بھی گناہ بچپن میں کئے ہوں؟

بچپن کے بد نیک کام کا عذاب و ثواب

سوال [۱۱۳۲۷]: بچپن کے نیک کام کا ثواب اور بد کام کا عذاب والدین پر ہوتا ہے، تو یہ

قاعدہ حقوق اللہ میں ہے یا حقوق العباد میں بھی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... بچوں پر گناہ نہیں، البتہ چوری کی مقدار کا ضمان ان کے مال میں لازم ہوگا (۳)۔

(۱) (سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولده، ص: ۳۲۸، دارالسلام)

(ومشكاة المصابيح، کتاب النکاح، باب النفقات وحق المملوک: ۶۱۶/۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وسنن أبي داود، کتاب البیوع، باب الرجل يأكل من مال ولده: ۱۴۲/۲، رحمانیہ)

(۲) (بنی اسرائیل: ۲۳)

(۳) ”عن علي رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”رفع القلم عن ثلاثة: عن

النائم حتى يستيقظ، وعن الصبي حتى يبلغ، وعن المعتوه حتى يعقل“ رواه الترمذي وأبو داود. (مشكاة

المصابيح، کتاب النکاح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۶۰۲/۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”(وموضوعه: فعل المكلف) المراد بالمكلف البالغ العاقل، ففعل غير المكلف ليس من =

۲..... بچوں نے جتنے نیک کام کئے ہیں، ثواب کے وہ خود مستحق ہیں، والدین کو تعلیم و تربیت کا اجر ملے گا (۱) گناہ کا مسئلہ نمبر ۱ میں آگیا ہے، والدین تعلیم و تربیت کے ذمہ دار ہیں، اس میں جتنی کوتاہی کریں گے، تو ماخوذ ہوں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۴ھ۔

بچہ کوئی چیز بازار سے خرید لایا اس میں سے ماں باپ وغیرہ کو کھانا

سوال [۱۱۳۲۸]: باپ نے اپنے بچہ کو چار آنے دیئے، بچہ بازار سے کوئی چیز کھانے پینے کی لے آیا تو ماں باپ یا بھائی وغیرہ اس چیز میں سے کچھ لے کر کھالیں، تو درست ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جب نابالغ بچہ کو پیسہ دے دیئے اور وہ کوئی چیز بازار سے خرید کر لے آیا، تو ماں باپ، بھائی بہن کو اس سے محض اپنی خواہش سے لے کر کھانا نہیں چاہیے (۲)، البتہ اس کی تربیت کی نیت سے کہ اس کو عادت ہو جائے کہ

= موضوعہ، وضمان المتلفات، ونفقة الزوجات، إنما المخاطب بها الولي لا الصبي، والمجنون“۔
(ردالمحتار، مقدمة: ۳۸/۱، سعید)

” (السرقۃ هي أخذ مكلف) وأخرج الصبي، والمجنون؛ لأن القطع عقوبة، وهما ليسا من أهلها، لكنهما يضمنان المال“۔ (ردالمحتار، کتاب السرقة: ۸۳/۲، سعید)

(۱) ” (قوله: ثواب الطفل للطفل) لقوله تعالى: وأن ليس للإنسان إلا ما سعى، وهذا قول عامة مشايخنا، وقال بعضهم: ينتفع المرء بعلم ولده بعد موته ويؤيده قوله صلى الله تعالى عليه وسلم ”إذا مات ابن آدم انقطع عمله إلا من ثلاث“ وتصح عبادته، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنها له، وللمعلم ثواب التعليم وكذا جميع حسناته“۔ (ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۳۰/۶، سعید)

”وتصح عباداته، وإن لم تجب عليه، واختلفوا في ثوابها، والمعتمد أنه له، وللمعلم ثواب التعليم وكذا جميع حسناته“۔ (الأشباه والنظائر، الفن الثالث، الجمع والفرق، أحكام الصبيان: ۳۱۱/۳، ۳۱۲، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، الحظر والإباحة: ۲۱۳/۴، دارالمعرفة بیروت)
(۲) اس لئے کہ بچہ اس کا مالک ہے اور دوسرے شخص کے لئے اس کا استعمال درست نہیں۔

وہ تنہا نہ کھائے، بلکہ سب کو کھلایا بھی کرے۔ اس کو نصیحت کرنی چاہیے کہ وہ تقسیم کر کے خود بھی کھائے اور جتنی مقدار اس نے جس کو دی ہے، دوسرے وقت اسی انداز سے وہ بھی اس کو دے دیا اور کھلادیا کریں، اس طرح نابالغی کے مال میں تصرف کا اشکال بھی باقی نہیں رہے گا اور اس کی تربیت بھی اچھی ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۷ھ۔

نابالغ بچوں سے تربیت کے لئے خدمت لینا

سوال [۱۱۳۴۹]: نابالغ بچوں سے اگر نل یا کنویں سے پانی منگایا جائے تو اس کو استعمال کر سکتے

ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ بچوں سے خدمت نہ لی جائے، الا یہ کہ ان کا مربی ہو اور تعلیم و تربیت کے لئے ان سے کام لے، خواہ نل یا کنویں سے پانی منگانا ہو یا کوئی سودا منگانا ہو (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) لہذا جب وہ چیز (جولی تھی) دوبارہ بطور ضمان دے دی تو تصرف فی مال الغیر بھی لازم نہیں اور مقصد تربیت کرنا تھا، وہ بھی حاصل ہو گیا۔

”وکذا الأب لا يملك هبة مال الصغير من غير شرط العوض بلا خلاف؛ لأن المبترع بمال الصغير قربان ماله لا على وجه الأحسن“۔ (بدائع الصنائع، کتاب الوكالة، ما يرجع إلى الواهب: ۱۶۸/۵، دار إحياء التراث العربی بیروت)

”والولاية في مال الصغير إلى الأب ثم وصيه، قوله: (إلى الأب.....) وفي جامع الفصولين: ليس للأب تحرير قنه بمال وغيره، ولا أن يهب ماله ولو بعوض، ولا إقراضه في الأصح“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوكالة، فصل لا يعقد وكيل البيع والشراء: ۵۲۸/۲، ۵۲۹، سعید)

(۲) ”عن أم سليم رضي الله تعالى عنه، أنها قالت: يا رسول الله! أنس خادمك، ادع الله له، قال: ”اللهم أكثر ماله وولده، وبارك له فيما أعطيته“ (مشكاة المصابيح، کتاب المناقب والفضائل، باب جامع المناقب، الفصل الأول، ص: ۵۷۵، قديمی)

چوری حق اللہ ہے یا حق العبد؟

سوال [۱۱۳۵۰]: چوری حقوق اللہ یا حقوق العباد کے لئے سوال کیا تھا کہ چوری وغیرہ توبہ سے معاف ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا، غالباً تین مرتبہ ”وإن زنی وإن سرق“ میں نے چوری کو حقوق العباد سمجھا تھا، کیونکہ بندہ کی چیز گئی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوری حق اللہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون کے خلاف کرتا ہے، حق العبد بھی ہے کہ دوسرے کا مال لیتا ہے، اگر مال موجود ہو، تو اس کو واپس کرنا لازم ہے، حق اللہ ہونے کی وجہ سے چوری کی سزا ملے گی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۳/۹۴ھ۔

استاذ کا شاگرد کو معاف نہ کرنا

سوال [۱۱۳۵۱]: زید نے اپنے استاذ کی توہین کی اور استاذ کو اس کے اس گستاخانہ الفاظ سے دلی

= ”وعن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: إن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم دخل الخلاء فوضعت له وضوءاً، فلما خرج، قال: ”من وضع هذا؟“ فأخبر، فقال: ”اللهم فقهه في الدين“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب المناقب، باب مناقب أهل بيت النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۴۳۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وصحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل عبد الله بن عباس رضي الله تعالى عنهما، ص: ۱۰۹۰، دارالسلام)

(۱) ”ويضمن المال المسروق؛ لأنه حق العبد فلا يسقط بالتقادم“. (الدر المختار). ”وحاصله: أن في السرقة أمرين: الحد، والمال، وإنما تشترط الدعوى للزوم المال، لا للزوم الحد، ولذا ثبت المال بها بعد التقادم؛ لأنه لا يبطل به، بخلاف الحد“. (رد المختار، كتاب الحدود: ۳۱/۴، سعيد)

”ولا يرد حد السرقة؛ لأن الدعوى ليس بشرط للحد؛ لأنه خالص حق الله تعالى ويضمن المال يعني في صورة شهادتهم بسرقة متقدمة؛ لأن الدعوى شرط في حقوق العباد“. (البحر الرائق، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۳۲/۵، رشيدية)

تکلیف ہوئی، لیکن لڑکا اپنی غلطی و گستاخی پر نادم و شرمندہ ہے، مگر استاذ یہ کہتا ہے کہ میں اب معاف نہیں کر سکتا، مگر لڑکا بار بار اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہے، اب ایسے وقت میں استاذ کو کیا کرنا چاہیے؟ جب کہ استاذ پہلے بھی تین بار معاف کر چکا ہے اور اب چوتھی بار بھی معافی کی درخواست کرتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکارم اخلاق اور شاگرد پر شفقت کا تقاضہ یہی ہے کہ استاذ معاف کر دے (۱)، لیکن اگر اس کے خصوصی حال کے ماتحت اس کی اصلاح کے لئے بطور سزا کچھ بے تعلقی مناسب و مفید ہو، تو اس میں بھی مضائقہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، ۱۲/۴/۸۶ھ۔

اپنے افلاس کی وجہ سے زمین ایک بیٹے کے نام کرنا

سوال [۱۱۳۵۲]: زید کی دو اولاد ہیں، ۱- خالد، ۲- ہاشم۔ زید اب اپنی ضعیفی اور لاغری کی وجہ سے کسب پر قادر نہیں، کچھ مدت تک کھانے وغیرہ کا نظم خالد نے کیا، اس کے بعد اب ہاشم کر رہا ہے، مگر وہ سہولتیں

= (و کذا فی الدرر الحکام فی غرر الأحکام، کتاب الحدود: ۶۷/۲، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿الذین ینفقون فی السراء والضراء والکظمین الغیظ والعافین عن الناس﴾ (ال عمران: ۱۳۴)

”﴿والعافین عن الناس﴾ أي: المتجاوزین عن عقوبة من استحقوا مؤاخذته، إذا لم یکن فی ذلک إخلال بالدين، وقيل: عن المملوکیں إذا أساءوا والعموم أولى“۔ (روح المعانی، ال عمران: ۳۷۳/۴، رشیدیہ)

(و کذا فی تفسیر ابن کثیر، ال عمران: ۵۲۹/۱، قدیمی)

(۲) ”رخص للمسلم أن یغضب علی أخیه ثلاث لیل، ولا یجوز فوقها، إلا إذا کان الهجران فی حق من حقوق اللہ تعالیٰ، فیجوز فوق ذلک“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الأدب، باب ما ینهی عنه من التهاجر: ۷۵۸/۸، رشیدیہ)

(و کذا فی عمدة القارئ، کتاب الأدب، باب ما ینهی من التحاسد: ۱۳۷/۲۲، منیریہ)

فراہم نہیں کر رہا ہے، جو خالد کیا کرتا تھا، تاہم خالد کو اس کا احساس ہے، لیکن خالد کہتا ہے کہ والد صاحب کے پاس جو زمین ہے، وہ سب اگر میرے نام لکھ دیں تو میں ان کو اپنے گھر رکھوں گا اور جو کھائیں گے، کھلاؤں گا۔ اور ہر طرح کی سہولت فراہم کروں گا، تو کیا زید کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنی ضعف عمری کی پریشانی دور کرنے کے لئے تمام اراضی اپنے لڑکے خالد کے نام لکھ دے اور بقیہ ورثاء کو محروم کر دے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل یہ ہے کہ ہر شخص کا نفقہ خود اس کے ذمہ اس کے مال میں لازم ہے (سوائے بیوی کے) کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے (۱)۔ دوسرے کے ذمہ نفقہ جب واجب ہوتا ہے، جب اس کے پاس خود کچھ نہ ہو (۲)، والد کا نفقہ خود والد کے ذمہ ہے، اگر والد کے پاس کچھ نہ ہو، تو ان دونوں لڑکوں کے ذمہ ہے (۳)، خالد کا یہ کہنا کہ اگر والد زمین میرے نام لکھ دیں تو میں بہتر سہولت ان کے لئے پہونچاؤں، غلط اور بے محل ہے، اس سے ہاشم کو نقصان پہونچے گا اور کسی ایک بیٹے کو نقصان پہونچانے کے لئے دوسرے کو دے دینا ظلم اور ناجائز ہے (۴)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”تجب علی موسر النفقة لأصوله الفقراء“، (الدر المختار)، ”(قوله: الفقراء) قيد به لأنه لا تجب نفقة الموسر إلا الزوجة“، (رد المحتار، باب النفقة، مطلب في نفقة الأصول: ۳/۲۲۱، ۲۲۳، سعيد)
” (قوله: الفقراء) شرط الفقر؛ لأنهم لو كانوا ذوي مال فإيجاب النفقة في مالهم أولى من إيجابها في مال غيرهم بخلاف الزوجة“، (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب النفقة: ۲/۲۷۷، دارالمعرفة بيروت)

(و كذا في الدرر الحکام في غرر الأحكام، باب النفقة: ۱/۴۱۹، مير محمد كتب خانہ كراچی)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) ”لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق في الغنى والآخر يملك نصيباً فهي عليهما سوية“، (رد المحتار،

باب النفقة، مطلب في نفقة الأصول: ۳/۲۲۳، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب النفقة: ۲/۲۷۷، دارالمعرفة بيروت)

(و كذا في الدرر الحکام في غرر الأحكام، باب النفقة: ۱/۴۱۹، مير محمد كتب خانہ كراچی)

(۴) ”لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب وكذا في العطايا إن لم يقصد به =

حقوق العباد میں ہونے والی کوتاہی

سوال [۱۱۳۵۳]: بلوغ کے بعد اگر حقوق العباد میں غلطی ہوئی ہو اور یاد نہ ہو، اگر یاد ہو، مگر وہ معاملہ جس میں غلطی ہوئی ہو صحیح طریقہ پر یاد نہ ہو کہ کس سے ہوا تھا اور کس طرح ہوا تھا، مثلاً: کسی کو کوئی تکلیف پہنچائی، یا کسی سے کوئی چیز خریدی تھی، مگر یہ یاد نہیں ہے کہ کیا چیز تھی اور کتنے کی خریدی تھی اور یہ یاد ہے خریدی ضرور تھی، یا وہ شخص جس سے یہ معاملہ ہوا تھا، مرگیا ہو، اسی طریقہ پر تکلیف پہنچانے کا معاملہ بھی ہو، تو ان سب صورتوں میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر دعا کر لیا کریں کہ ”یا اللہ! جس جس کو مجھ سے تکلیف پہنچی اور جس کا کوئی حق میرے ذمہ رہ گیا، اس کا ثواب اس کو پہنچا دے“۔ اگر صاحب حق موجود ہو اور یاد بھی ہو، تو اس سے معافی تلافی کر کے صفائی کر لی جائے، یا کوئی مالی حق ہو، ادا کر دے، صاحب حق معلوم نہ ہو، تو اتنی مقدار اس کی طرف سے خیرات کر دی جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۴ھ۔

= الإضرار وإن قصدہ فسوی بینہم“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبة: ۵/۶۹۶، سعید)

”لو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة، وأراد تفضيل البعض في ذلك على البعض أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، فإن كانا سواء يكره. وروى المعلى رحمه الله تعالى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار فسوی بینہم“۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الہبة، فصل فی ہبة الوالد لولدہ: ۳/۲۷۹، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الہبة: ۳/۳۹۹، دار المعرفۃ بیروت)

(۱) ”وإن كانت عما يتعلق بالعباد، فإن كانت من مظالم الأموال، فتوقف صحة التوبة منها مع ما قدمناه في حقوق الله تعالى على الخروج عن عهدة الأموال، وإرضاء الخصم في الحال، والاستقبال بأن يتحلل منهم، أو يردّها إليهم وفي القنية: رجل عليه ديون لأناس لا يعرفهم من غصوب، أو مظالم، أو جبايات يتصدق بقدرها على الفقراء“۔ (شرح الفقہ الأكبر لملا علی القاری، مطلب یجب معرفۃ مکفرات لاجتنابہا، ص: ۱۵۸، حقانیہ)

حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا

سوال [۱۱۳۵۴]: بکر کے ساتھ ظلم و ستم لوٹ مار تو زید کرے، جب تک بکر معاف نہیں کرے گا، تو کیا خدا معاف کر دے گا؟ شریعت خدا اور رسول کا کیا حکم ہے؟ کرنے والے یا کرانے والے کو ایک ہی گناہ ہے یا علیحدہ علیحدہ؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قانون یہی ہے کہ حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاء العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۷/۱۳۹۹ھ۔

= (وکذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب اللقطة: ۲۸۳/۴، سعید)

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء، فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار ولا درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه فحمل عليه“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول، ص: ۴۳۵، قدیمی)

”وعن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: (فليتحلله) أي: فليطلب الظالم حل ما ذكر (منه) أي: من المظلوم: في النهاية يقال: تحلته واستحلته إذا سألته أن يجعلك في حل وفي التعبير به تنبيه على أنه يجب عليه أن يتحلل منه، ولو ببذل الدينار والدرهم في بذل مظلمته“۔ (مرقاة المفاتيح، کتاب الآداب، باب الظلم، الفصل الأول: ۳۱۲/۹، ۳۱۳، رشیدیہ)

”قوله: (ناداه فقال: نعم إلا الدين) مستثنى مما تقررہ، نعم وهو قوله: يكفر الله عني خطاياي، أي: نعم! يكفر الله خطاياك إلا الدين أي: لكن الدين لكم يكفر؛ لأنه من حقوق الأدميين، فإذا أدي، أو أَرْضَى الخصم خرج عن العهدة“۔ (مرقاة المفاتيح، کتاب البیوع، باب الإفلاس والإنظار: ۱۱۱/۶، رشیدیہ)

”قال العلامة النووي رحمه الله تعالى: ”أن لها ثلاثة أركان: الإقلاع، والندم على فعل تلك المعصية، والعزم أن لا يعود إليها أبداً، فإن كانت المعصية لحق آدمي، فلها ركن رابع، وهو التحلل من صاحب ذلك الحق“۔ (شرح النووي على صحيح مسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قدیمی)

(وکذا فی روح المعاني، التحريم: ۸: ۱۵۹/۲۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حقہ پینا اور قرض لے کر دوسروں کی خدمت کرنا

سوال [۱۱۳۵۵]: زید مفلس ہو گیا، لیکن غیر مسلم فاسق سادھو (۱) اور دین دار کی خدمت قرضہ سے کرتا رہتا ہے، لیکن ادھار ادا کرنے کا نام نہیں لیتا اور حقہ نوشی کا اس قدر زور ہے کہ منہ سے بدبو نکلتی ہے، کسی کا نام لے کر جھوٹی تاویلات پیش کر کے بچاؤ کرتا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شرعی ضمان کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قرض حقوق العباد میں سے ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک جنازہ لایا گیا، نماز کے لئے، دریافت فرمایا کہ: اس نے کوئی قرض چھوڑا ہے، عرض کیا گیا کہ جی ہاں! پھر دریافت فرمایا کہ ادا کرنے کے لئے بھی چھوڑا ہے، تو معلوم ہوا کہ نہیں چھوڑا تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھانے سے انکار فرما دیا تھا (۲)۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو پیسے (قلیل مقدار) کے عوض سات سو مقبول فرض نمازیں قیامت کو دلائی جائیں گی (۳)، بدبو سے ملائکہ اور انسانوں کو اذیت ہوتی ہے، جس کے منہ سے پیاز وغیرہ کی بدبو آتی

(۱) ”سادھو: جوگی، درویش، پارسا“۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۰۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”عن سلمة بن الأكوع رضي الله تعالى عنه، قال: كنا جلوساً عند النبي صلى الله تعالى عليه وسلم إذ أتني بجنازة..... ثم أتني بالثالثة، فقال: ”هل عليه دين؟“، قالوا: ثلاثة دنانير، قال: ”هل ترك شيئاً؟“ قالوا: لا، قال: ”صلوا على صاحبكم“..... رواه البخاري. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الإفلاس والإنظار، الفصل الأول: ۵۳۸/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب البيوع، باب في حسن القضاء، رقم الحديث: ۳۳۲۳: ۳۳۲/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وسنن النسائي، كتاب الجنائز، باب الصلاة على من عليه دين، رقم الحديث: ۱۹۵۹: ۳۶۷/۳، دار المعرفة بيروت)

(۳) ”جاء أنه يؤخذ لدانق ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة“۔ (الدر المختار). ”لعل المراد بها الكتب السماوية، أو يكون ذلك حديثاً نقله العلماء في كتبهم.....“ (قوله: ثواب سبعمائة صلاة بالجماعة) أي: من الفرائض لأن الجماعة فيها والذي في المواهب عن القشيري سبعمائة صلاة مقبولة، ولم يقيد =

ہے، اس کو بغیر منہ صاف کئے، مسجد میں آنے سے روک دیا جاتا تھا (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

یتیموں کی مدد کرنا

سوال [۱۱۳۵۶]: یتیموں کی مدد کرنے والوں کے لئے کیا حکم ہے؟

= بالجماعة“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، فروع في النية: ۱/۲۳۹، سعید)

(و كذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثانية، ص: ۲۶، دارالفکر بیروت)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب شروط الصلاة: ۱/۲۰۰، دارالفکر بیروت)

(و كذا في البزازیة على هامش الفتاوى العالمکیریة، کتاب الصلاة، نوع فيما یکره: ۲۸/۴، رشیدیہ)

مذکورہ بالا تمام کتب میں ”جاء في بعض الكتب“ کے عنوان سے اس بات کا ذکر ہے، کتاب کی تعیین نہیں کی گئی، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے یا تو کتب سادہ مراد ہیں یا یہ علماء کرام میں سے کسی کا قول ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث نہیں اور نہ ہی ذخیرہ احادیث میں کوئی ایسی حدیث مل سکی، البتہ احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے کہ جو شخص کسی صاحب حق کا حق ادا کئے بغیر دنیا سے رخصت ہو جائے تو آخرت میں صاحب حق کو اس کا حق دوسرے شخص کی حسنت سے دلایا جائے گا، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من كانت له مظلمة لأخيه من عرضه أو شيء فليتحلله منه اليوم قبل أن لا يكون دينار أو درهم، إن كان له عمل صالح أخذ منه بقدر مظلمته، وإن لم يكن له حسنات أخذ من سيئات صاحبه، فحمل عليه“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الظلم، ص: ۲۳۵، قدیمی)

(۱) ”عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس“۔ متفق عليه۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الصلاة، باب المساجد ومواضع الصلاة، الفصل الأول، ص: ۲۸، قدیمی)

(و كذا في ردالمحتار، کتاب الصلاة، مطلب في الغرس في المسجد: ۱/۲۶۱، سعید)

(و كذا في الحلبي الكبير، کتاب الصلاة، فصل في أحكام المسجد، ص: ۲۱۰، سهیل اکیڈمی لاہور)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بہت بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

کیا یتیم کو اپنا حق وصول کرنے کا حق ہے؟

سوال [۱۱۳۵۷]: کیا ایسا بھی حکم ہے کہ یتیم اپنا حق حاصل کرنے کے لئے حق کی لڑائی نہ لڑے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنا حق وصول کرنے کا حق ہے، اس کے لئے مناسب تدبیر اختیار کی جائے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۷/۹۶ھ۔

ایک لڑکی کو دینا دوسری کو نہ دینا

سوال [۱۱۳۵۸]: ہمارے خسر صاحب کی دو لڑکیاں موجود ہیں، دونوں شادی شدہ ہیں،

ہمارے خسر صاحب اور خوشدامن دونوں ان کے ساتھ رہتے ہیں۔ عبدالستار صاحب پوری جائیداد پر قابض ہیں، پورا فائدہ اٹھا رہے ہیں، چھوٹی لڑکی میری نکاح میں ہے، اخیر میں خسر صاحب کی رائے سے خوشدامن نے اپنے نام کی پانچ بیگھ زمین اپنی بڑی لڑکی کے نام سے لکھ دیا ہے، اس طرح سے اپنی چھوٹی لڑکی کو حق سے محروم کر دیا، تقریباً ۸ ہزار روپیہ کا نقصان ہم سمجھتے ہیں، ایسی حالت میں شرعاً کیا حل ہے؟

۲..... چونکہ ہم پہلے فیصلہ میں تقریباً ۱۵/ ہزار کا نقصان اٹھا چکے ہیں، دوسرے فیصلہ میں بھی نقصان اٹھا

(۱) ”أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: أنا وكافل اليتيم له، أو لغيره في الجنة كهاتين“۔ (سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب فی من ضم یتیمًا: ۳/۳۶۰، رحمانیہ)

”كافل اليتيم) القائم بأموره من نفقة، وكسوة، وتأديب، وتربية، وغير ذلك“۔ (شرح

النووي على صحيح مسلم، کتاب الزهد والرفاق، باب الإحسان إلى الأرملة: ۲/۴۱۱، قدیمی)

(وصحيح مسلم، کتاب الزهد والرفاق، باب فضل الإحسان إلى الأرملة: ۲/۴۱۱، قدیمی)

(۲) ”عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنه أخذ سناء فجاء صاحبه يتقاضاها، فقالوا له، فقال: ”إن

لصاحب الحق مقالاً“۔ (صحيح البخاري، کتاب الهبة، باب من أهدي له هدية، ص: ۴۲۲، دارالسلام)

چکے ہیں، ایسی حالت میں ان کی خوشی اور غمی میں اگر ہم شامل نہ ہوں، تو کیا حکم ہے؟ اتنا نقصان اٹھانے کے بعد بھی ہم کو ان کی خوشی میں شامل ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... خسر صاحب اور خوشدامن صاحبہ نے جو کچھ اپنی ایک لڑکی کو دے دیا اور دوسری لڑکی کو نہیں دیا اور اس سے مقصود اس کو کسی وجہ سے نقصان پہونچانا ہے، تو وہ گنہگار ہیں (۱)، مگر اس پر دوسری لڑکی کو دعویٰ کرنے اور مطالبہ کرنے کا حق نہیں۔ حق وراثت انتقال مورث کے بعد ہوتا ہے، زندگی میں نہیں (۲)۔

۲..... اگر شادی غمی میں شرکت نہ کی، تو کیا نقصان کا عوض مل جائے گا؟ یا جو کچھ تکلیف پہونچی وہ ختم ہو جائے گی؟ مناسب تو یہی ہے جہاں اتنا صبر کیا، شرکت بھی کر لیں، خاص کر کسی کی میت ہو، تو جنازہ کی نماز اور تدفین میں شرکت کر لیں اور تعزیت بھی کریں، اس میں بہت بڑا اجر ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/شعبان/۱۴۰۰ھ۔

(۱) ”لا بأس بتفضیل بعض الأولاد فی المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا فی العطایا إن لم یقصد به الإضرار، وإن قصد فسوی بینهم“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبة: ۵/۶۹۶، سعید)
(و كذا فی فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الہبة، فصل فی ہبة الوالد لولده: ۳/۲۷۹، رشیدیہ)

(و كذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الہبة: ۳/۳۹۹، دار المعرفۃ بیروت)
(۲) ”وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة، أو حکما كمفقود أو تقدیراً كجنین فیہ غرة“۔ (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۸، سعید)

(و كذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشیدیہ)

(و كذا فی ہامش السراجی فی كتاب المیراث، ص: ۴، مكتبة البشرى)

(۳) ”عن عمران بن حصین رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: إن أحاكم قدما ت فقوموا فصلوا عليه“۔ (سنن النسائي، كتاب الجنائز، رقم الحديث: ۱۹۴۵: ۳/۳۵۸، دار المعرفۃ بیروت)

(وصحيح مسلم، كتاب الجنائز، باب فی التكبير علی الجنازة، رقم الحديث: ۲۲۱۰، ص: ۳۸۴، دار السلام)

چورڈاکو پڑوسی پر احسان کرنا

سوال [۱۱۳۵۹]: اگر پڑوسی چور یا ڈاکو ہوں، تو ان پر احسان کرنا چاہیے یا نہیں؟ جب کہ وہ چور

ڈاکو اکثر ایذا پہونچاتے رہتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان پر بھی احسان کرنا چاہیے، امید ہے کہ وہ اس احسان سے متاثر ہو کر نیک عمل اختیار کریں گے (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۵/۸۶ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) ”عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”ما زال جبریل یوصیني بالجار حتی ظننت أنه سیورثه“.

(صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب الوصاءة بالجار: ۸۸۹/۲، قدیمی)

”واسم الجار یشتمل المسلم، والکافر، والعابد، والفاسق، والصديق، والعدو، والغریب، والبلدی، والنافع، والضار، والقريب، والأجنبي“۔ (فتح الباری، کتاب الأدب، باب الوصاءة بالجار:

۵۴۱/۱۰، قدیمی)

(وسنن الترمذی، أبواب البر والصلة، باب فی حق الجوار: ۱۶/۲، قدیمی)

(وکذا فی عمدة القارئ، کتاب الأدب: ۱۰۸/۱۶، الطباعة المنيرية)

باب السلام والقیام والمصافحة

الفصل الأول في السلام وإجابته

(سلام اور اس کے جواب کا بیان)

مسجد میں داخل ہوتے وقت اور مسجد سے خارج ہوتے وقت سلام

سوال [۱۱۳۶۰]: اندرون مسجد جب کہ نمازی سنت بھی پڑھ رہے ہوں، سلام کرنا مسنون ہے یا نہیں؟ دروازہ پر سلام کر کے داخل ہونا اور سلام کر کے نکلنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اندرون مسجد نماز میں مشغول ہوں، تو سلام نہ کیا جائے (۱)۔ بیرون مسجد اگر دروازہ کے قریب لوگ فارغ ہوں، تو ان کو سلام کر لیا جائے، مسجد سے باہر نکل کر جب اپنے راستہ پر جائیں، تب بھی سلام کر لیا کریں، تو اچھا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

(۱) ”کما یکرہ علی عاجز عن الرد حقيقة کاکل، أو شرعاً کمصل، وقارئ، ولو سلم لا یستحق

الجواب“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲/۴۱۵، سعید)

(و کذا في الفتاوى العالمکیریه، کتاب الکراهیہ، الباب السابع في السلام: ۵/۳۲۵، رشیدیہ)

(و کذا في فتاوى قاضي خان علی هامش الفتاوى العالمکیریه، کتاب الکراهیہ، نوع في السلام:

۲/۳۵۴، رشیدیہ)

(۲) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، واضربوا الهام، تورثوا =

استنجا خشک کرتے ہوئے سلام وکلام

سوال [۱۱۳۶۱]: استنجا خشک کرنے کے متعلق احقر کے خیالات ایسے تھے کہ اس میں اگرچہ خاص استنجا اور غسل کی طرح برہنگی نہیں ہوتی، مگر کامل ستر پوشی بھی نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے شرم آتی ہے، لوگوں کے سامنے استنجا خشک کرنے میں حیاداری چاہیے، کہ جہاں تک ہو سکے، لوگوں کی نظروں سے بچ کر استنجا خشک کیا جائے بالخصوص عورتوں کے سامنے تو ہرگز نہ کرے، وہ محرم ہوں یا نامحرم، لیکن باوجود اس احتیاط کے استنجا خشک کرنے میں بیت الخلاء کی طرح بالکل تنہائی بھی اکثر نہیں ہوتی، جس میں کسی وقت کسی کی بات کا جواب دینا بھی پڑتا ہے، جس کے جواز پر حضرت گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ظاہر ہے کہ استنجا سکھانے کی حالت پیشاب کرنے کی حالت نہیں ہے۔

پس اس حال میں سلام وکلام کرنا یا جواب سلام دینا مکروہ نہیں ہے، کیونکہ سلام وکلام کی ممانعت حالت بول میں ہے، کیونکہ وہی ستر کے کھلنے کا وقت ہے اور بول سے فارغ ہو کر استنجا سکھانا جب کلام کے لئے مانع نہیں ہے، تو ذکر اللہ اور سلام کے لئے کس طرح مانع ہو جائے گا۔

اب احقر عرض کرتا ہے کہ کلام کی تعریف میں گفت و شنید دونوں آتے ہیں، بلکہ نوشت و خواند بھی گفت و شنید کے قائم مقام ہیں، پھر بھی نوشت و خواند کے متعلق احقر معلوم کرنا چاہتا ہے، کیونکہ استنجا سکھانے میں کبھی اپنا تنہا مکان یا کمرہ ہوتا ہے، جس میں پڑھنے کی چیزیں موجود ہوتی ہیں، اس کے بارے میں استفتاء ارسال کیا تھا، سوال یہ تھا کہ استنجا خشک کرنے کی حالت میں کتاب، خط یا اشتہار وغیرہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب اگر قطرہ نہیں آ رہا ہے تو پڑھ سکتا ہے۔ اس پر مزید عرض ہے کہ سوال میں پڑھنے سے مراد اردو محاورہ کے مطابق ہر طرح کا پڑھنا ہے، یعنی پڑھنے کی خبر دینی ہو یا دیوبی، داہنے ہاتھ میں لے کر بغیر ہاتھ لگائے ہی

= الجنان“۔ (سنن الترمذی، أبواب الأطعمة، باب ماجاء في فضل إطعام الطعام: ۷/۲، قدیمی)

”بین النبی علیہ الصلاۃ والسلام فائدة السلام، وسبب مشروعیۃ فان التحابب فی الناس خصلۃ یرضاها اللہ تعالیٰ، وإفشاء السلام الۃ صالحۃ لإنشاء المحبة، وكذلك المصافحة، وتقبیل الید، ونحو ذلك قوله صلى الله تعالى عليه وسلم: يسلم الصغير على الكبير، والمار على القاعد، والقليل على الكثير“۔ (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب السلام: ۵/۱۰۰، ۱۰۱، رشیدیہ)

سر آیا جہر ازبان سے پڑھنا یا دل ہی میں پڑھنا، اب اس کے ساتھ ہاتھ لگانے کا سوال اور پیدا ہو گیا ہے، جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔

حضرت والا نے جو جواب تحریر فرمایا ہے، اس میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ بشرطیکہ مذکورہ پڑھ سکنے کا جواز کا تعلق وقت کے کون سے حصے سے ہے، کیونکہ قطرہ جب آتا رہے اور مسلسل ہو جو کہ مرض ہے، یا وقفے کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر ہو، جس کے عام حالات ہیں، تب بھی استنجاء سکھانے کا شغل جاری رہتا ہے اور سوال مذکورہ سب ختم ہو جاتے ہیں، اگر کہا جائے کہ جواز کا تعلق درمیانی وقفوں سے ہے، جس میں قطرہ کی آمد رُک کی ہوئی ہو، تو ان وقفوں کو کون دیکھتا ہے اور اگر دیکھے بھی تو ان میں گنجائش کب ہے؟ کہ کچھ پڑھ لکھ سکے، استنجاء کی حالت میں کھانے کے بارے میں بھی آپ مہربانی فرما کر جواب عنایت فرمادیئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں پر دو حالتیں قابل لحاظ ہیں: ایک برہنگی، دوسری خروج بول، استنجاء خشک کرنے کے وقت عامۃً پہلی حالت نہیں ہوتی جو امور برہنگی کی وجہ سے ممنوع ہیں (۱)۔ وہ اس حالت میں ممنوع نہیں یہی محمل ہے، فتاویٰ رشیدیہ کی عبارت منقولہ کا لکھنا پڑھنا، کھانا، پینا، کلام و سلام کرنا، جواب دینا، سب کا حکم اس سے معلوم ہو گیا۔ خروج بول کی حالت بھی سلام و کلام وغیرہ سے مانع ہے، اس میں وہ تفصیل ہے، جو احقر نے پہلے تحریر کی تھی، کبھی استنجاء خشک کرنا محض رفع وہم اور تحصیل اطمینان کے لئے ہوتا ہے، کہ قطرہ تو نہیں آتا ہے، صرف مخرج میں کچھ نمی تری سی ہے، تو اس کو خشک کرنا مقصود ہے۔

ایسی حالت میں سلام و کلام وغیرہ کے ممانعت نہیں، کبھی قطرہ آتا ہے، خواہ مرض کی وجہ سے مسلسل آئے اور کچھ دیر بعد ختم ہو جائے یا وقفہ کے ساتھ آئے، اس کا احساس ہوتا ہے، ایسی حالت میں امور مذکورہ

(۱) برہنگی کی حالت میں سلام و کلام مکروہ ہے۔

”دع کافراً أيضاً ومكشوف عورة“۔ (الدرالمختار)۔ ”(ومكشوف عورة) ظاهره ولو الكشف

لضرورة“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة، مطلب المواضع التي یکرہ السلام:

۱/۶۱۷، سعید)

(وکذا فی البرازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، نوع فی السلام: ۲/۳۵۵، رشیدیہ)

ممنوع ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲ھ۔

نامحرم کو سلام کرنا

سوال [۱۱۳۶۲]: اپنے خاندان کی نامحرم عورتوں یا مردوں میں سے ایک دوسرے کو سلام کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً کہلایا جاسکتا ہے، اگر فتنہ نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۱۶ھ۔

چھینک پر الحمد للہ رب العالمین کہنا

سوال [۱۱۳۶۳]: چھینک آنے پر الحمد للہ کہنے کے بجائے الحمد للہ رب العالمین کہتے ہیں، یہ کیسا ہے؟

(۱) ”وأما السلام على من يستنجي من البول بالحجر، أو المدر قاعداً أو قائماً - كما تعرف اليوم في بلادنا -

فلم يثبت فيه من القدماء شيء، وكان الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي رحمه الله تعالى يقول يرد السلام عند

ذلك، وكان الشيخ محمد مظهر النانوتوي - مؤسس المعهد العربي ”مظاهر علوم“ بسهارةفور - يقول

بترك الرد“۔ (معارف السنن، باب في كراهية رد السلام غير متوضي: ۳۱۷/۱، سعيد)

(و كذا في إمداد الفتاوى، كتاب الحظر والإباحة، أحكام سلام وتعظيم أكابر: ۹/۴، دارالعلوم)

(۲) ”الرجل مع المرأة إذا التقيا سلم الرجل أولاً“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب

السابع في السلام: ۳۲۵/۵، رشيدية)

(و كذا في فتاوى قاضي خان، الحظر والإباحة، فصل في التسبيح والتسليم: ۴۲۳/۳، رشيدية)

(و كذا في رد المحتار، الحظر والإباحة، فصل في النظر واللمس: ۴۱۴/۶، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

الحمد لله کہنا ہی ثابت ہے (۱)، اس پر اپنی طرف سے اضافہ کرنا، اگرچہ دوسری جگہ موجود بھی ہو بدعت ہے، لہذا چھینک پر صرف الحمد لله ہی کہا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۹۴ھ۔



(۱) واضح رہے کہ ”الحمد لله رب العالمین“ کہنا بھی ثابت ہے۔

”عن ہلال بن یساف قال: کنا مع سالم بن عبید، فعطس رجل من القوم، فقال: السلام علیکم، فقال له سالم: وعلیک وعلی أمک، فکان الرجل وجد فی نفسه، فقال: أما إنی لم أقل إلا ما قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: إذا عطس رجل عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال: السلام علیکم فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”علیک وعلی أمک، إذا عطس أحدکم فلیقل: الحمد لله رب العالمین، ولیقل له من یرد علیہ: یرحمک اللہ ولیقل: یغفر اللہ لی ولکم“۔ (جامع الترمذی، کتاب الأدب، باب ماجاء کیف تسمیت العاطس: ۵۰۹/۳، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(ومشکاة المصابیح، کتاب الأدب، باب العطاس والتأویب، الفصل الثانی: ۱۷۸/۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

الفصل الثاني في المصافحة والمعانقة

(مصافحہ اور معانقہ کا بیان)

ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا

سوال [۱۱۳۶۲]: ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنا جائز ہے یا حرام؟ کیا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے کا طریقہ مردود ہے، یا ایک ہاتھ سے مصافحہ کرنے والا مردود ہے، اس طریقہ کو یا اس طریقہ کو اپنانے والے کو مردود سمجھنے والا کیسا ہے؟ مصافحہ کا طریقہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مصافحہ دونوں ہاتھ سے مسنون ہے (۱)، یہ کہنا کہ دو ہاتھوں سے ثابت نہیں، ایک ہی ہاتھ سے کرنا چاہیے، غلط ہے (۲)، گا ہے گا ہے ایک ہاتھ سے بھی منقول ہے (۳)، ان دونوں میں سے کسی ایک طریقہ کو حرام

(۱) ”باب المصافحة“ قال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه : علمني النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

التشهد، وكفي بين كفيه“. (صحيح البخاري، كتاب الاستئذان، باب المصافحة: ۹۲۶/۲، قديمی)

”والسنة أن تكون بكلتا يديه، وبغير حائل من ثوب أو غيره، وعند اللقاء بعد السلام، وأن يأخذ

الإبهام، فإن فيه ينبت المحبة، كذا جاء في الحديث، ذكره القهستاني وغيره“. (رد المحتار، كتاب

الحظرو الإباحة، باب الاستبراء وغيره: ۳۸۱/۲، ۳۸۲، سعيد)

(و كذا في تحفة الأحوذی شرح الترمذی: ۵۱۸/۷، مكتبه سلفیه مدینه منوره)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة آنفاً

(۳) ”اعلم أن السنة أن تكون المصافحة باليد الواحدة، أعني اليمنى من الجانبين“. (تحفة الأحوذی،

أبواب الاستئذان والأدب، باب ماجاء في المصافحة، فائدة في بيان أن السنة في المصافحة أن تكون

باليد الواحدة، رقم الحديث: ۲۸۷۵: ۵۱۸/۷، ۵۱۹، مكتبه سلفیه مدینه منوره)

”وفي رواية أبي ذر عن الحموي والمستملي: الأخذ باليد، بالافراد“. (عمدة القارئ، كتاب=

کہنا صحیح نہیں، البتہ جو طبقہ دین سے تعلق نہیں رکھتا، ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ پر اصرار کرتا ہے، اس کے ساتھ تشبہ سے بچنے کے لئے اگر ایک ہاتھ سے مصافحہ کو ترک کیا جائے، تو بہتر ہے ”عمدة القاری“ شرح بخاری شریف میں دو ہاتھ سے مصافحہ کا ثبوت موجود ہے (۱) اور الکوکب الدرّی میں بھی مذکور ہے، کہ ایک ہاتھ سے بھی منقول ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۶/۱۴۰۱ھ۔



= الاستیذان، باب الأخذ بالیدین: ۳۹۳/۲۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(وکذا فی فتح الباری، کتاب الاستیذان: ۱۱/۲۶، قدیمی)

(۱) ”رأیت حماد بن زید، وجاءه ابن مبارک بمکة، فصافحه بکلتا یدیه قوله: ”وکفی بین کفیه“

وهو الأخذ بالیدین“۔ (عمدة القاری، کتاب الاستیذان، باب الأخذ بالیدین: ۳۹۳/۲۲، ۳۹۴،

دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۲) ”قوله: الأخذ بالید اللام فیہ للجنس فلا تثبت الوحدة، والحق فیہ: أن مصافحة صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم ثابتة بالید وبالیدین، إلا أن المصافحة بید واحدة لما كانت شعار أهل الإفرنج وجب ترکہ

لذلك“۔ (الکوکب الدرّی، أبواب الاستیذان والأداب، باب المصافحة: ۱۴۱/۲، ۱۴۲، المكتبة

الیحویہ، سہارنپور)

الفصل الثالث في القيام والتقيل

(قيام اور تقیل کا بیان)

پیر کی قدم بوسی کرنا

سوال [۱۱۳۶۵]: پیر کی قدم بوسی کرنا کہ جس سے نقل سجدہ کی ہو اور اسی حالت میں زور زور سے چلانا کہ دوسرے آدمی کو خوف کے مارے لرزہ آجائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

منع ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

(۱) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رجل: يا رسول الله! الرجل منا يلقي أخاه أو صديقه أينحني له؟ قال: لا“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني: ۲/۴۰۱، قديمی)

”أينحني له“ من الانحناء، وهو إمالة الرأس، والظهر تواضعاً، وخدمةً قال: ”لا“ أي: فإنه في معنى الركوع وهو كالسجود من عبادة الله“۔ (مرقاة المفاتيح، كتاب الأداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني: ۸/۴۶۱، رشیدیہ)

”تقییل الأرض بین یدی العلماء، والعظماء فحرام، والفاعل، والراضي به اثنان؛ لأنه يشبه عبادة الوثن وهل يكفر؟ إن على وجه العبادة، والتعظيم كفر، وإن على وجه التحية لا، وصار اثماً مرتكب للكبيرة“۔ (رد المحتار، الحظر والإباحة، فصل في الاستبراء: ۲/۳۸۳، سعید)

(وكذا في الفتاوى العالمية، الكراهية، الباب الثامن والعشرون: ۵/۳۶۹، رشیدیہ)

جھک کر سلام کرنا اور پیروں پر سر رکھنا

سوال [۱۱۳۶۶]: پیر صاحب کو مرید کا جھک کر سلام کرنا اور پیروں پر سر رکھنا کیا یہ عمل جائز ہے؟
اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جھک کر سلام کرنا منع ہے، پیروں پر سر رکھنا بھی منع ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۴/۹۱ھ۔



(۱) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رجل: يا رسول الله! الرجل منا يلقي أخاه أو صديقه، أينحني له؟ قال: لا“۔ (جامع الترمذي، كتاب الاستئذان، باب المصافحة: ۱۰۲/۲، قديمی)

”الانحناء إمالة الرأس والظهر، وهو المشهور. أن المراد هنا انحناء الظهر، كما قال محي السنة: إن انحناء الظهر مكروه، وإن كان يفعله كثير ممن ينسب إلى علم وصلاح. ونقل عن الشيخ أبي منصور أن تقبيل الأرض، وانحناء الظهر، وإمالة الرأس لا يكون كفراً؟ بل إثماً ومعصية وكبيرة؛ لأن المقصود التعظيم دون العبادة انتهى. وبعض المشايخ قد شدوا في المنع عن ذلك وقالوا: كاد الانحناء أن يكون كفراً“۔ (التعليق الصبيح، كتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة، الفصل الثاني: ۱۱۹/۵، رشیدیہ)
(و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب المصافحة والمعانقة: ۴۶۲/۸، رشیدیہ)

باب الترضی والترحم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور علیہ السلام کہنے کا بیان)

حضرت حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ علیہما الصلوٰۃ والسلام کہنا

سوال [۱۱۳۶۷]: بعض حضرات اس چیز کے قائل ہیں کہ امام حسن اور حسین علیہما الصلوٰۃ والسلام کہنا ضروری ہے، آیا یہ ان کا کہنا صحیح ہے یا نہیں؟ اگر یہ کہا جائے تو اس کہنے پر کیا غلطی ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

علیہ الصلوٰۃ والسلام عامۃً انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے کہنا رائج ہو گیا، بعض لوگ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معصوم مان کر ان کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے ہیں، سو یہ عقیدہ اور عمل (۱) ”(قوله: ولا یصلی علی غیر الأنبیاء)؛ لأن فی الصلاة من التعظیم مالیس فی غیرها من الدعوات، وہی زیادة الرحمة، والقرب من اللہ تعالیٰ، ولا یلیق ذلک بمن یتصور منه خطایا والذنوب إلا تبعاً..... والظاهر أن العلة فی منع السلام ما قالہ النووی فی علة منع الصلاة: أن ذلک شعار أهل البدع، ولأن ذلک مخصوص فی لسان السلف بالأنبیاء علیہم الصلاة والسلام كما أن قولنا: عزوجل مخصوص باللہ تعالیٰ، فلا یقال: محمد عزوجل وإن کان عزیزاً جلیلاً، ثم قال اللقانی: وقال القاضي عیاض: الذی ذهب إلیہ المحققون، وأمیل إلیہ ما قالہ مالک وسفیان، واختاره غیر واحد من الفقهاء والمتکلمین أنه یجب تخصیص النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وسائر الأنبیاء بالصلاة والتسليم، كما یختص اللہ سبحانه عند ذکرہ بالتقدیس والتنزیہ..... وأيضاً فهو أمر لم یکن معروفاً فی الصدر الأول، وإنما أحدثه الزافضة فی بعض الأئمة، والتشبه بأهل البدع منہی عنہ، فتجب مخالفتهم“. (رد المحتار، مسائل شتی: ۷/۵۳، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الخشی، مسائل شتی: ۹/۳۶۱، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیہ، الباب الرابع فی الصلاة: ۵/۳۱۵، رشیدیہ)

غلط ہے، اس سے بچنا چاہیے (۱)۔ فقط۔

غیر مسلم کا درود شریف پڑھنا

سوال [۱۱۳۶۸]: کیا غیر مسلم کو درود شریف پڑھنے سے دنیوی فائدہ ہو سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امید ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۵/۴/۸۶ھ۔



(۱) ”﴿نوف إليهم أعمالهم﴾ فيها وجهان: أحدهما: أن يصل الكافر رَحِماً، أو يعطي سائلاً، أو يرحم مضطراً، أو نحو ذلك من أعمال البر، فيجعل الله له جزاء عمله في الدنيا بتوسعة الرزق، وقرّة العين فيما خَوَّل، ودفع مكاره الدنيا، روي ذلك عن مجاهد والضحاك“. (أحكام القرآن للجصاص، هود: ۲۱۱/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في أحكام القرآن للقرطبي: ۱۰/۱۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في روح المعاني: ۱۱/۲۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

باب الحجاب

الفصل الأول في ثبوت الستر ووجوبه

(پردہ کے ثبوت اور وجوب کا بیان)

نامحرم عورتوں کی جگہ پر جانا

سوال [۱۱۳۶۹]: اگر نامحرم عورت سے تنہائی میں بھی نہ ملے اور نہ اس کے چہرہ کی طرف نظر ڈالے، تب ایسی جگہ جانا جائز ہے؟ جہاں نامحرم عورتیں ہوں، عام ہے کہ معمر ہوں یا غیر معمر؟ جو عورتیں بے پردہ رہتی ہیں، لیکن دین داروں سے پردہ کرتی ہیں اور ان کے سامنے سر وغیرہ ڈھک کر آتی ہیں، ان کے یہاں جانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طرح عورت کو نامحرم مرد سے پردہ کرنا لازم ہے، مرد کو بھی نامحرم عورت سے بچنے کی کوشش لازم ہے، لہذا ایسی جگہ ہرگز نہ جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۴ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ﴾ (التوبة: ۳۰)

”عن عقبہ بن عامر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إياكم والدخول على النساء“، فقال رجل: يا رسول الله! رأيت الحمى؟ قال: ”الحمى الموت“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الأول: ۱/۵۷۱، دارالكتب العلمية بيروت)

”الخلوة بالأجنبية مكروهة، وإن كانت معها أخرى كراهة تحریم“. (رد المحتار، الحظر

والإباحة، فصل في النظر والمس: ۲/۳۶۸، سعيد)

پرانی وضع کا برقعہ

سوال [۱۱۳۷۰]: جو برقعہ پرانے زمانہ کا ہے، اس میں بھی بے احتیاطی سے ستر کھل جاتا ہے، ایسے برقعہ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پرانی وضع کے برقعہ میں اگر ستر نا تمام ہو اور اس کے مقابلہ میں چادر سے ستر تام حاصل ہوتا ہو، تو چادر ہی کو استعمال کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فیشنی مروجہ برقعہ

سوال [۱۱۳۷۱]: آج کل فیشنی مروجہ برقعہ جو ریشمی ہوتا ہے اور بدن سے چمٹا کر سیا جاتا ہے، ایسے برقعہ کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

(۱) مقصد ستر کا چھپانا ہے، چاہے وہ برقعہ سے حاصل ہو جائے یا چادر سے، لہذا اگر کوئی برقعہ ایسا ہے، جس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو اس کو ترک کر دیا جائے۔

قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزْوَاجِكُمْ وَنِسَاءَ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ (الأحزاب: ۵۹)

”روي عن عبد الله قال: ”الجلباب الرداء“ وقال ابن عباس ومجاهد: ”تغطي الحرة إذا خرجت جبينها ورأسها خلاف حال الإماء“ لما نزلت هذه الآية: ﴿يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ﴾ خرج نساء من الأنصار كان على رؤوسهن الغربان من أكسية سود يلبسنها، قال أبو بكر: في هذه الآية دلالة على أن المرأة الشابة مأمورة بستر وجهها عن الأجنيبين وإظهار الستر، والعفاف عند الخروج.“
(أحكام القرآن للجصاص، الأحزاب، باب حجاب النساء: ۳/۴۸۶، دار الكتب العلمية بيروت)

”(ستر عورتہ وجوبہ عام) أي: في الصلاة وخارجها (ولو في الخلوة) أي: إذا كان خارج الصلاة يجب الستر بحضرة الناس إجماعاً.“ (رد المحتار، كتاب الصلاة، مطلب في ستر العورة:

الجواب حامداً ومصلحاً:

عورت کو اگر کسی ضرورت سے مکان سے باہر جانا ہی پڑے تو میلی کچیلی چادر اوڑھ کر اس طرح جائے کہ جسم پر بھی کسی کی نظر نہ پڑے اور لباس بھی جاذب نظر نہ ہو، فیشنی برقعہ جس کا سائل نے ذکر کیا ہے، خود مستقل جاذب نظر ہوتا ہے، حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جو عورت مہکتی ہوئی خوشبو لگا کر مکان سے نکلتی ہے، وہ ایسی ایسی ہے (۱)، یعنی لوگوں کو بدکاری کی دعوت دیتی ہے، یہی حال قریب قریب فیشنی برقعہ کا ہے، لہذا اس سے اجتناب چاہیے، ایسا لباس استعمال کرنا، جس سے بدن کی پوری ہیئت ظاہر ہوتی ہو، ہرگز جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

دو بھائیوں کا ایک مکان میں رہنا

سوال [۱۱۳۷۲]: ایک ہی مکان میں دو مادرزاد بھائی رہتے ہیں، دونوں بھائی اور دونوں کی بیوی اسی مکان میں رہتی ہیں، ایسی صورت میں ایک بھائی کی بیوی پر دوسرے بھائی کی نظر اچانک پڑتی ہے، بات

(۱) ”عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”كل عين زانية، وإن المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس، فهي كذا وكذا“ يعني: زانية رواه الترمذي“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها: ۲۱۳/۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت)
(وسنن النسائي، کتاب الزینۃ، ما یکرہ للنساء من الطیب، ص: ۷۰۱، دارالسلام)

(۲) ”إن كان علی المرأة ثياب فلا بأس بأن يتأمل جسدها، وهذا إذا لم تكن ثيابها ملتزقة بها بحيث تصف ما تحتها، ولم يكن رقيقاً بحيث يصف ماتحتة، فإن كان بخلاف ذلك فينبغي له أن يغض بصره. وفي التبیین قالوا: ولا بأس بالتأمل في جسدها، وعليها ثياب مالم يكن ثوب يبين حجمها، فلا ينظر إليه حينئذ مفاده: أن رؤية الثوب بحيث يصف حجم العضو ممنوعة، ولو كثيفاً لا ترى البشرة منه“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی النظر والمس: ۳۶۶/۶، سعید)

(وکذا فی المحيط البرہانی، کتاب الاستحسان، الفصل التاسع فیما یحل للرجل النظر إلیه: ۶/۲۸، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ)

چیت نہیں ہوتی، دوسرا بھائی جب باہر سے آکر مکان میں کھانے کے لئے داخل ہوتے ہیں، تو پہلے کی بیوی پر نظر پڑتی ہے، بے حیائی وغیرہ کی بات یا اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ ایسی صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مکان کی تنگی اور غربت کے باعث کبھی ایسی نوبت آجائے اور نظر فوراً ہٹالی جائے، تو امید ہے کہ پکڑ نہ ہوگی، لیکن ایسی جگہ جانے کے لئے پہلے شریعت نے استیذان تجویز کر رکھا ہے، اس کا لحاظ رکھا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۸/۱۳۹۹ھ۔



(۱) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْذِنُوا وَتَسَلِّمُوا عَلَى أَهْلِهَا﴾ (النور: ۲۷)

”المعنى حتى تطلبوا علم أهل البيت، والمراد حتى تعلموهم على أتم وجه، ويرشد إلى ذلك ماروي عن أبي أيوب الأنصاري رضي الله تعالى عنه: أنه قال: قلنا يا رسول الله! ما الاستئناس؟ فقال: ”يتكلم الرجل بالتحية والتكبير والتحميدة يتنحسح ويؤخذ أهل البيت“ وما أخرجه ابن المنذر وجماعة عن مجاهد أنه قال: تستأنسوا تنحسحوا تنحسحوا“ (روح المعاني: ۱۸/۱۳۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في أحكام القرآن للقرطبي: ۱۲/۱۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فصل فی مایعلق بصوت المرأة

(عورت کی آواز کا بیان)

مردوں کا ٹیپ عورتوں کے لئے عورتوں کا مردوں کے لئے

سوال [۱۱۳۷۳]: جو عورتیں مرد سے پردہ کرتی ہیں، ان کو غیر مرد کا ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ میں نعت، حمد

بھر کر سننا جائز ہے یا نہیں؟ عورتیں گنہگار ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ریڈیو پر تقریر آئے، جو ضروری امور پر مشتمل ہو، اس کا سننا عورتوں کو درست ہے (۱)، مردوں کی

آواز عورتوں کے حق میں منع نہیں (۲)، عورتوں کا ٹیپ ریکارڈ مردوں کو نہیں سننا چاہیے (۳) اور گانا کسی کا کسی کو

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: خرج رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ذات يوم أو ليلة، فإذا هو بأبي بكر وعمر رضي الله تعالى عنهما فقال: ما أخرجكما من بيوتكما هذه الساعة..... فلما رآته المرأة، قالت: مرحباً وأهلاً، فقال لها رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أين فلان؟“ قالت: ذهب يستعذب لنا من الماء“.

قال النووي رحمه الله تعالى: فيه جواز سماع كلام الأجنبية ومراجعتها الكلام للحاجة“.

(شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك: ۹۷۷/۲، قديمی)

(و كذا في تكملة فتح الملهم، كتاب الأشربة: ۳۳/۴، دارالعلوم كراچی)

(و جامع الترمذي، كتاب الزهد، باب ماجاء في معشية الخ: ۶۲/۲، سعيد)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) ”فظهر الكف عورة على المذهب، والقدمين على المعتمد، وصوتها على الراجح“.

(الدر المختار). ”(قوله: على الراجح) عبارة البحر عن الحلية: أنه الأشبه،..... قال عليه السلام: =

نہیں سنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/۹۹ھ۔

ریڈیو پر عورت کی اناؤنسری

سوال [۱۱۳۷۴]: ریڈیو پر عورت کا اناؤنسری کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو اپنی آواز بلا ضرورت شرعیہ نامحرموں کو پہنچانا اگرچہ ریڈیو کے ذریعہ ہو، موجب فتنہ ہے (۲)۔

= ”الاستیبح للرجال، والتصفيق للنساء“، فلا يحسن أن يسمعها الرجل، وفي الكافي: ولا تلبی جهرًا؛ لأن صوتها عورة، ومشى عليه في المحيط في باب الأذان، بحر“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۲۰۶، سعید)

”ويرفع صوته بالأذان، والمرأة ممنوعة من ذلك، لخوف الفتنة“۔ (المبسوط للسرخسي، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷۷، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/۴۵۸، رشیدیہ)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (لقمان: ۶)

”قال العلامة الألوسي رحمه الله تعالى: ﴿لهو الحديث﴾ على ما روي عن الحسن: ”كل ما شغلك عن عبادة الله تعالى، وذكره من السمر، والأصاحيك، والخرافات، والغناء، ونحوها الخ“۔ (روح المعاني، لقمان: ۶: ۲۱/۲۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”وفي السراج: ”دلت المسألة أن الملاهي كلها حرام قال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: ”صوت اللهو والغناء ينبت النفاق في القلب كما ينبت الماء النبات“۔ (الدر المختار)۔ ”قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: واحتج بقوله تعالى: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ﴾ الآية، جاء في التفسير: أن المراد الغناء سماع غناء، فهو حرام بإجماع العلماء“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر ولاباحة: ۲/۳۳۹، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل في الأكل: ۸/۳۴۶، رشیدیہ)

(۲) ”ويرفع صوته بالأذان، والمرأة ممنوعة من ذلك، لخوف الفتنة“۔ (المبسوط للسرخسي، کتاب=

حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی آواز کو بھی عورت فرمایا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاء العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹۹ھ۔



= الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۷۷، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ

”وأما أذان المرأة، فلأنها منهيّة عن رفع صوتها؛ لأنه يؤدي إلى الفتنة“. (البحر الرائق، كتاب

الصلاة، باب الأذان: ۱/۲۵۸، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الصلاة، باب الأذان، ص: ۱۹۹، قدیمی)

(۱) ”(مالک أنه سمع أهل العلم يقولون: ليس على النساء رفع الصوت بالتلبية لتسمع المرأة نفسها) ش. وهذا كما قال: أنه ليس على النساء رفع أصواتهن بالتلبية؛ لأن النساء ليس شأنهن الهجر؛ لأن صوت المرأة عورة فليس عليها من الجهر، إلا بقدر ما تسمع نفسها، وما زاد على ذلك من إسماع غيرها فليس من حكمها، والجهر في الصلاة كذلك“. (كتاب المنتقى، كتاب الحج، رفع الصوت بالإهلال: ۲/۲۱۱، دارالكتب الإسلامي القاهرة)

”قال الباجي: لأن النساء ليس من شأنهن الجهر؛ لأن صوت المرأة عورة، فليس عليها من الجهر إلا بقدر ما تسمع نفسها، وما زاد على ذلك من إسماع غيرها فليس من حكمها“۔ (أوجز المسالك إلى مؤطا الإمام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، کتاب الحج، رفع الصوت بالإهلال: ۳/۳۲۸، إمدادیہ ملتان)

(و کذا فی کشف المغطا عن وجه المؤطا علی هامش مؤطا الإمام مالک، رفع الصوت بالإهلال، ص: ۳۲۳، قدیمی)

الفصل الثانی فیمن یجب عنہ الستر

(جن سے پردہ ضروری ہے، ان کا بیان)

دیور سے پردہ

سوال [۱۱۳۷۵]: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ عورت کے لئے دیور موت ہے، اس کا علم مجھے نہیں کہ کس موقع پر ارشاد فرمایا ہے اور منشاء ارشاد کیا ہے، کیا عورت کو بیوہ ہو جانے کے بعد دیور سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ یا شوہر کی زندگی میں بھی دیور سے پردہ ضروری ہے؟

۲..... ایک ہی مکان میں والدین کے ساتھ کئی بھائی رہتے ہیں اور بعض مکان بھی بالکل چھوٹے ہوتے ہیں، بھاج کے سوا بعض اوقات مکان میں کوئی اور عورت نہیں ہوتی، صرف شوہر اور اس کے بھائی مکان میں رہتے ہیں اور شوہر کی غیر موجودگی میں اپنے دیوروں کو کھانا وغیرہ دینا پڑتا ہے اور گھر میں شوہر کی غیر موجودگی میں صرف دیور ہی ہوتے ہیں، ان تمام صورتوں میں پردہ ضروری ہوتا ہے، اگر پردہ ضروری قرار دیا جائے تو تمام دیور اپنا مکان چھوڑ کر کہاں جا کر رہیں؟

بعض اوقات شوہر باہر ہوتا ہے، دیور ہی گھر کی نگرانی کرتے ہیں، اگر پردہ ہے تو گھر کی نگرانی شوہر کی عدم موجودگی میں مشکل ہو جائے گی، بعض اوقات بھاج بیوہ ہو جاتی ہے اور کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، مجبوراً دیوروں کے زیر پرورش ہو جاتی ہے اور بچوں کی پرورش اور نگرانی دیوروں کے ذریعہ ہوا کرتی ہے، کیا ان تمام صورتوں میں دیور کے سامنے عورت نکل سکتی ہے اور گھر کے اور افراد کی طرح ان سے بھی گفتگو کے ساتھ رہنا سہنا ہو سکتا ہے، شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

۳..... اگر پردہ لازم ہو، تو پھر بھائیوں بھائیوں میں تعلق ویسے نہیں رہ سکتا، جیسے کہ بے پردگی میں اور مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کے پاس آنے جانے میں ہوا کرتا ہے، بھائیوں کا تعلق بھی غیروں جیسا ہو جائے گا، جیسے کہ اور دوستوں سے تعلق ہوا کرتا ہے، تمام بھائی اور بھائی کی بیویاں سب مل جل کر بھی ایک جگہ

بیٹھ نہیں سکتے، حالانکہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، پردہ کی صورت میں ایک دوسرے سے کٹا ہوا ہو یا اس میں جو صورت ہو، مطلع فرمادیں، نیز اس کا خیال رکھیں، کہ آپس میں پردہ کی صورت میں تعاون و معیت کے مواقع ختم ہو جائیں گے، ایک ہی خاندان کے افراد بجائے قریب ہونے کے دور ہو جائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... پردہ کی تاکید پر کسی نے سوال کیا تھا کہ کیا دیور سے بھی پردہ کیا جائے؟ اس پر ارشاد فرمایا تھا کہ دیور تو موت ہے (۱)، فتنہ کا اندیشہ زیادہ ہے، اس سے پردہ شوہر کی زندگی میں بھی کیا جائے اور بعد میں بھی۔

۲..... بے تکلفی سے ہنسی مذاق نہ کیا جائے، چہرہ سامنے نہ کھولا جائے، تنہائی ایک کمرہ میں نہ ہو، وقت ضرورت بات کرنے میں مضائقہ نہیں، کھانا کسی بچے کے ہاتھ بھیج دیا کریں اس طریقہ سے پرورش ہو سکتی ہے، ایک مکان میں رہنا بھی ہو سکتا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ فتنہ بھی نہیں ہوگا، ورنہ جب بے تکلفی کے تعلقات ہوتے ہیں، تو عموماً فتنہ ہو جاتا ہے (۲)۔

(۱) ”أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”إياكم والدخول على النساء، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أفرأيت الحمور؟ قال: ”الحمور الموت“ (صحيح مسلم، كتاب الآداب، باب تحريم الخلوة بالأجنبية والدخول عليها، ص: ۹۶۶، دار السلام)

”قال النووي: والمراد بالحمور هنا أقارب الزوج غير ابائه؛ لأن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أوقع لتمكنهم من الوصول إليها، والخلوة بها من غير نكير عليهم بخلاف غيرهم، وعادة الناس المساهلة فيه، وتخلي الأخ بامرأة أخيه فهذا هو الموت“ (مرواة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۲۷/۶، رشيدية)

(ومشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة، الفصل الأول: ۵۷۱/۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”وتمنع الشابة من كشف الوجه بين الرجال، لا لأنه عورة، بل لخوف الفتنة“ (الدر المختار). ”فإننا نجيز الكلام مع النساء للأجانب، ومحاورتهن عند الحاجة إلى ذلك“ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۰۶/۱، سعيد)

”وللحررة جميع بدنهن خلا الوجه والكفين والقدمين، وتمنع من كشف الوجه بين رجال لخوف الفتنة“ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۰۶/۱، سعيد)

”الخلوة بالأجنبية حرام“ (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۸/۲، سعيد)

۳..... جواب نمبر ۲ میں جو صورت تحریر کی گئی ہے، ایسی صورت پر عمل کرنے سے بیگانگی ہوگی، خاندان میں یکجہتی رہے گی اور حکم شریعت پر عمل بھی رہے گا۔ اور مستورات آپس میں مل جل کر رہیں گی، ایک دوسرے کے خاندانوں سے پردہ رہے گا اور سب کے خاوند آپس میں ملے جلے رہیں گے اور ایک دوسرے کی بیوی سے علیحدہ رہے گا، اسی میں عزت ہے، اسی میں حفاظت ہے، ورنہ کہیں اکبر مرحوم کا قول صادق نہ آجائے۔

آج کل پردہ دری کا یہ نتیجہ نکلا جس کو سمجھتے تھے کہ بیٹا ہے بھتیجا نکلا

اللہ پاک نفس و شیطان کے شر سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۳/۸۹ھ۔

پھوپھی زاد خالہ زاد وغیرہ سے پردہ

سوال [۱۱۳۷۶]: پھوپھی ماموں کے دامادوں نیز شوہر کے بہنوئی کے سامنے عورت آسکتی ہے یا نہیں؟ اس طرح بیوی کی خالہ زاد بہن اور ماموں زاد پھوپھی زاد بہن ہے، کیا ان سب سے پردہ کرنا ضروری ہے؟ اسی طرح دودھ شریکی خالہ کے شوہر کے سامنے بھی عورت آسکتی ہے یا نہیں؟ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مذکورہ اعزہ میں سے بعض ایسے ہیں جو تعطیلات میں اپنے سسرال میں آکر رہتے ہیں اور ایک ہی گھر میں وہ عورتیں بھی رہتی ہیں، جن کے متعلق مسئلہ پوچھا جا رہا ہے، مثلاً: پھوپھی کے داماد اور بعض ایسے ہیں جن کے گھر میں جا کر کبھی کبھی مستقل طور پر ہفتہ، عشرہ، ماہ، پندرہ یوم رہنا ہوتا ہے، مثلاً: نندوئی کے گھر جا کر رہنا ہو، تو آپ نندوئی سے پردہ کا سوال پیدا ہوتا ہے، جس طرح سامنے آنے کے لئے سوال کیا جا رہا ہے، اس کی نوعیت تو وہ ہی ہوگی جو نماز کی ہوتی ہے، کہ سارا بدن ڈھکا رہے، سوائے چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کے پنجوں کے، دودھ شریک خالہ کے لڑکے اور ان کے دامادوں کے سامنے بھی کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان سب سے پردہ لازم ہے، یہ سب نامحرم ہیں، جس سے کسی وقت بھی نکاح جائز ہے (۱)، اس سے

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَأَحِلُّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ﴾ (النساء: ۲۳) =

پردہ کیا جائے، مکان تنگ ہونے کی وجہ سے اگر دشواری ہو، تو بھی چہرہ نہ کھولے، بے تکلف ہنسی مذاق نہ کریں، ایک جگہ تنہائی نہ ہونے پائے، جو لوگ اجنبی ہوں ان میں فتنہ کم ہوتا ہے، ان کو ہمت بھی نہیں ہوتی، جو نامحرم عزیز قریب ہوں، ان میں فتنہ زیادہ ہوتا ہے (۱)، ان سے بچنے کے لئے بڑے اہتمام کی ضرورت ہے، اسی لئے حدیث شریف میں دیور کو موت فرمایا گیا ہے۔

”الحمو الموت“ (مشکوۃ شریف: ۲/۲۶۸) (۲)۔

فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۹ھ۔

حالہ زاد ماموں زاد بھائی وغیرہ سے پردہ

سوال [۱۱۳۷۷]: ہمارے یہاں اجتماع میں قرآن پاک کا ترجمہ سنایا جاتا ہے، ایک روز پردہ کا

= ”ما عدا من ذکون من المحارم، هن لک حلال“۔ (تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۷۳، سہیل اکیڈمی لاہور)

”أما المرأة الحرة التي لا نکاح بینہ وبينہا، ولا حرمة ممن یحل لہ نکاحہا، فلیس ینبغی أن ینظر

إلی شیء منها“۔ (المبسوط للإمام محمد، کتاب الاستحسان: ۳/۵۶، إدارة القرآن کراچی)

”(أسباب التحريم أنواع: قرابة ومصاهرة.....) وتحل بنات العمات، والأعمام، والخالات

والأخوال“۔ (رد المحتار، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات: ۳/۲۸، سعید)

(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی المحرمات بالقرابة: ۳/۴۱۱، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۱) ”والمراد بالحموهنا أقارب الزوج غیر ابائہ؛ لأن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أوقع

لتمسکئهم من الوصول إليها، والخلوۃ بها من غیر نکیر علیہم بخلاف غیرہم، وعادة الناس المساهلة

فیہ“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة: ۲/۲۷۸، رشیدیہ)

(و کذا فی التعلیق الصبیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة: ۴/۱۳، ۱۵، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب الأداب، باب تحريم الخلوۃ بالأجنبية: ۲/۲۱۶، قدیمی)

(۲) (مشکاۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر إلی المخطوبة، الفصل الأول: ۲/۲۶۸، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لا یخلون رجل بامرأة: ۲/۷۸۷، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الأداب، باب تحريم الخلوۃ بالأجنبية: ۲/۲۱۶، قدیمی)

ذکر بھی سنایا گیا، پردہ کا ذکر سنتے ہی عورتیں پریشان ہو گئیں، کیونکہ قرآن کریم کا حکم اٹل ہے، اب یہ تمام عورتیں دریافت کرتی ہیں کہ ہم تمام منہ ڈھانک لیں یا صرف نگاہیں نیچی کر لیں؟ ہم لوگ سید ہیں، سب سے پردہ کرتی ہیں، لیکن ماموں کے بیٹے، چچا اور خالہ کے بیٹے سے پردہ نہیں کرتی ہیں اور سسرال میں دیور، جیٹھ، نندوئی سے پردہ نہیں رکھتیں اور کہتی ہیں کہ یہ سب تو گھر کے ہیں، اُن سے کیا پردہ صرف نڈھ کا پردہ کافی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دیور، جیٹھ، نندوئی، بہنوئی، خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، سب سے پردہ لازم ہے، اگر مکان تنگ ہو، تو اتنا پردہ کافی ہے کہ چہرہ نہ کھولا جائے، گھونگھٹ کر لیا جائے، بے تکلفی، ہنسی مذاق نہ کیا جائے، ایک جگہ تنہائی نہ ہونے پائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۴/۸۹ھ۔

سوتیلی والدہ کے ساتھ سفر کرنا

سوال [۱۱۳۷۸]: میری سوتیلی والدہ ہے اور حقیقی والدہ نہیں ہے، کیا میرے ساتھ سوتیلی ماں

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إياكم والدخول على النساء“، فقال رجل: يا رسول الله! أرايت الحموم؟ قال: ”الحموم الموت“..... سمعت الليث بن سعد يقول: الحموم أخ الزوج، وما أشبه من أقارب الزوج، ابن العم ونحوه“۔ (صحيح مسلم، كتاب الآداب، باب تحريم الخلوة بالأجنبية، ص: ۹۶۶، دارالسلام)

” (إياكم والدخول على النساء) أي: غير المحرمات على طريق التخلية، أو على وجه الكشف..... قال النووي: والمراد بالحموم هنا أقارب الزوج غير ابائه؛ لأن الخوف من الأقارب أكثر، والفتنة منهم أو وقع لتمكنهم من الوصول إليها، والخلوة بها من غير نكير عليهم بخلاف غيرهم، وعادة الناس المساهلة فيه، وتخلي الأخ بامرأة أخيه فهذا هو الموت“۔ (مرواة المفاتيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۲/۸، رشيدية)

” (أسباب التحريم أنواع: قرابة ومصاهرة.....) وتحل بات العمات والأعمام والخالات

والأخوال“۔ (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۲۸، سعيد)

(سفر پر) جاسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سوتیلی والدہ محرم ہے (۱)، اس کے ساتھ سفر کی اجازت ہے، وہ جاسکتی ہے، بشرطیکہ کسی مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱/۹۲ھ۔



(۱) ”أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة..... حرم..... زوجة أصله وفرعه مطلقاً“. (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۹/۳ - ۳۱، سعيد)

”يحمل قوله تعالى: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ على الوطء، فاقتضى ذلك تحريم من وطئها أبوه من النساء عليه“. (أحكام القرآن للجصاص، النساء، باب ما يحرم من النساء: ۱۴۳/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۱۶۳/۳، رشيدية)

(۲) ”(قوله: والصهرة الشابة) قال في القنية: ماتت عن زوج وأم فلهما أن يسكنا في دار واحدة إذا لم يخافا الفتنة، وإن كانت الصهرة شابة، فللجيران أن يمنعوها منه إذا خافوا عليهما الفتنة اهـ، وأصهار الرجل كل ذي رحم محرم من زوجته على اختيار محمد. والمسألة مفروضة هنا في أمها، والعلة تفيد أن الحكم كذلك في بنتها ونحوها كما لا يخفى“. (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۹/۶، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۱۸۴/۴، دارالمعرفة بيروت)

(و كذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۹/۳، إدارة القرآن كراچی)

الفصل الثالث في الخلوة والاختلاط بالأجنبية ومسها (اجنبی عورتوں سے تنہائی، میل جول اور مس کا بیان)

چوڑیاں پہنانے کا پیشہ

سوال [۱۱۳۷۹]: زید کے یہاں چوڑی پہنانے کا رواج ہے، عموماً عورتیں چوڑیاں پہنایا کرتی ہیں، زید چونکہ تنہا امور خانہ داری پورے نہیں کر سکتا ہے، اس لئے وہ چاہتا ہے کہ اس کی بیوی اس پیشہ کے ذریعہ زید کا ہاتھ بٹائے کیا زید کی یہ خواہش از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟ ویسے صورت مذکورہ میں جو عام طور پر ہندوستان کی ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہے، جو کہ اوروں کے لئے جائز بظاہر معلوم نہیں ہوتا ہے، یہ کیسا ہے اور اس سے حاصل شدہ رقم مرد کے لئے اور بچوں کے لئے استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت اگر پردہ میں رہے اور کسی نامحرم کے سامنے نہ آئے اور عورتوں کو چوڑیاں پہنا کر روپیہ حاصل کرے تو شرعاً وہ روپیہ درست ہے (۱)، کسی ایک قوم کے ساتھ اس پیشہ کے خاص ہو جانے کی وجہ سے اس کو دوسروں کے لئے ناجائز نہیں کہا جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) ”وجاز إجارة الماشطة لتزين العروس إن ذكر العمل والمدة“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الإجارة، مطلب يجب الأجر في استعمال السعد للاستغلال: ۶/۲۳، سعید)

(و كذا في عمدة القارئ، كتاب التفسير، الأحزاب، باب قوله تعالى: ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾: ۱۹/۱۷۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في فتح الباري، كتاب التفسير: ۸/۶۷۸، قديمي)

(۲) ”التحقيق عندي إباحة اتخاذه حرفة؛ لأنه نوع من الاكتساب، وكل أنواع الكسب في الإباحة سواء على المذهب الصحيح“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الصيد: ۶/۴۶۲، سعید)

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹/۳/۸۹ھ۔



الفصل الرابع في النظر إلى العورة وإفشاءها (اعضائے مستورہ کو دیکھنے اور کھولنے کا بیان)

برہنہ ورزش کرنا

سوال [۱۱۳۸۰]: زید پہلوانی کرتا ہے، لیکن ستر کھلی رہتی ہے، صرف قبل و دبر پر لنگوٹ رہتی ہے، کسرت (۱) کے وقت تنہا بھی ہوتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

تنہائی میں اس طرح ورزش منع نہیں، لوگوں کے سامنے اس طرح ستر کھول کر درست نہیں (۲)۔ واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔
سید احمد علی سعید، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۴/۸۶ھ۔

(۱) ”کسرت: ورزش، ریاضت، مشق، مہارت“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) واضح رہے کہ تنہائی میں بھی ستر کو چھپانا لازمی اور واجب ہے، بغیر ضرورت کے درست نہیں۔

”عن بهز بن حکیم عن أبيه عن جده رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”احفظ عورتك إلا من زوجتك، أو ما ملكت يمينك“ فقلت: يا رسول الله! أرايت إذا كان الرجل خالياً؟ قال: ”فإنه أحق أن يستحي منه“. (مشكاة المصابيح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۲/۲۶۹، قديمي)
”فإنه أحق أن يستحي منه“ وهذا يدل على وجوب الستر في الخلوة إلا عند الضرورة“۔ (مرقاۃ المفاتیح، كتاب النكاح، باب النظر إلى المخطوبة: ۲/۲۸۵، رشیدیہ)

”(قوله: ووجوبه عام) أي: في الصلاة وخارجها (قوله: ولو في الخلوة) أي: إذا كان خارج الصلاة يجب الستر بحضرة الناس إجماعاً، وفي الخلوة على الصحيح ثم إن الظاهر أن المراد بما يجب ستره في الخلوة خارج الصلاة وهو ما بين السترة والركبة فقط“۔ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۰۴، سعید)

دورانِ کاشت یا مچھلی کا شکار کرتے وقت اگر ستر کھل جائے، تو کیا کرے؟

سوال [۱۱۳۸۱]: ستر عورت کے لئے جو حکم شریعت میں بتلایا گیا ہے اور جس موقع پر کپڑا یا ستر ترک کرنے کا حکم بتلایا گیا ہے، اس کے علاوہ اوقات مثلاً: زمین میں بوتے وقت میں جب کہ پانی گھٹنہ کے اوپر ہو تو کپڑا اٹھانا پڑتا ہے یا مثلاً: راستہ میں کمر تک ہوتا ہے یا مثلاً: مچھلی پکڑتے وقت کہ اس صورت میں کپڑا ستر سے اوپر اٹھانا پڑتا ہے، بغیر اس کے کام نہیں ہو پاتا، از روئے شریعت کیا کام کرنا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب پانی کمر تک ہو، تو بغیر لنگی اس میں داخل ہونے میں مضائقہ نہیں، راستہ چلتے ہوئے اور شکار کرتے ہوئے اور کھیتی کرتے ہوئے اس کا اہتمام کیا جائے کہ جس حصہ بدن کا چھپانا ضروری ہے، وہ نہ کھلے بے خیالی میں گھٹنہ یا ران کھل جائے تو اس کو پھر ڈھانک لینا چاہیے، یہی احتیاط ہے، قصداً دوسروں کے سامنے نہ کھولیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) ”الرابع ستر عورتہ، وہی للرجل ماتحت سرتہ إلى ماتحت ركبته..... ولا يضر التصاقه وتشكله ولو حريراً أو طيناً يبقى إلى تمام الصلاة أو ماء كدر“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: ماء كدر) أي: بحيث لا ترى منه العورة“۔ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۱/۳۰۳-۳۱۰، سعيد)
(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصلاة، الباب الثالث في شروط الصلاة: ۵۸/۱، رشیدیہ)
(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۵۸/۱، رشیدیہ)

باب اللباس

الفصل الأول في القميص والسروال والإزار

(قميص اور شلوار کا بیان)

لباس کے بارے میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طرزِ عمل

سوال [۱۱۳۸۲]: آج کل بعض ہمارے اسلامی بھائی لباس ایسا استعمال کرتے ہیں، جو کہنیوں سے اوپر ہوتا ہے اور سر پر بغیر ٹوپی یا کپڑے کے سر بازار چلتے پھرتے ہیں اور بعض ایسا لباس استعمال کرتے ہیں، جو اس زمانہ کے صلحاء کے خلاف لباس ہے، کیا اس طرح کا لباس استعمال کرنا شریعت کی نظر میں کیسا ہے؟ سرکارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لباس کیسا تھا؟ اور آپ کے اصحاب کا لباس کس طرح تھا؟ بیان فرمادیں تو مہربانی ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لباس فساق و یا کفار کا شعار ہو، اس کے استعمال کی اجازت نہیں (۱)، صلحاء کا لباس استعمال کرنا چاہیے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عامۃً لنگی استعمال فرمایا کرتے تھے، وہاں پاجامہ کا رواج کم تھا، پاجامہ

(۱) ”ومن هنا كره لبسها جماعة من السلف والخلف، لما روي أبو داود والحاكم في المستدرک عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم أنا قال: ”من تشبه بقوم فهو منهم“ وفي الترمذي عنه صلى الله تعالى عليه وسلم ”ليس منا من تشبه بقوم غيرنا“. (زاد المعاد، فصل في ملابسه، ص: ۵۳، ۵۴، دار الفكر بيروت)

(و کذا في مرقاة المفاتيح، کتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشیدیہ)

(و کذا في فيض القدير: ۱۱/۵۷۳، رقم الحديث: ۸۵۹۳، نزار مصطفى الباز مكة)

خریدنا اور پسند فرمانا بھی احادیث سے ثابت ہے (۱)، کرتا پوری آستینوں کا ہوتا تھا (۲)، ٹوپی عامۃ سر پر چکی اور گول ہوتی تھی اس کے علاوہ بھی منقول ہے (۳)، عمامہ کی بھی عادت شریفہ تھی (۴)، چادر کا استعمال بھی

(۱) ”عن سوید بن قیس رضي الله تعالى عنه قال: أتانا النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فساومنا سراويل“۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب لبس السراويل، ص: ۲۵۶، قدیمی)

”واشتري سراويل، والظاهر أنه إنما اشتراها ليلبسها، وقد روي في غير أنه لبس السراويل، وكانوا يلبسون السراويلات ياذنه“۔ (زاد المعاد، فصل في ملابسه، ص: ۵۳، دار الفکر بیروت)

(و کذا في جمع الوسائل في شرح الشمائل، باب ماجاء في صفة إزار، رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۱، ۲۱۶، إدارة تالیفات اشرفیہ)

(۲) ”عن أسماء بنت يزيد رضي الله تعالى عنه، قالت: ”كان كم قميص رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم إلى الرصغ“ رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، الفصل الثاني: ۲/۱۱۵، دار الکتب العلمیة بیروت)

”كان يلبس القميص، وبل كان أحب الثياب إليه، وكانت كمه إلى الرصغ لا يجاوز اليد“۔ (زاد المعاد، فصل في ملابسه، ص: ۵۳، دار الفکر)

(و کذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في لباس رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۵۱، إدارة تالیفات اشرفیہ)

(۳) ”عن أبي كبشة رضي الله تعالى عنه قال: كان كمام رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بطحا“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۴، قدیمی)

”جمع کمة وهي القلنسوة المدورة، أي: كانت مبسوطة على رؤوسهم لازقة غير مرتفعة عنها، وكان يلبس القلائس اليمانية وهن البيض المضربة، ويلبس ذوات الأذان في الحرب، وكان ربما نزع قلنسوة فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي“۔ (مرقاة المفاتيح، کتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۴۱/۸، رشیدیہ)

(و کذا في جمع الوسائل، باب ماجاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲۰۴/۱، إدارة تالیفات اشرفیہ)

(۴) ”كانت له عمامة تسمى السحاب كساها عليا، وكان يلبسها ويلبس تحتها القلنسوة“۔ (زاد المعاد، فصل في ملابسه صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۳۵، مؤسسة الرسالة)

کثرت سے فرماتے تھے (۱)، لباس مبارک عموماً سادہ ہوتا تھا، جو کچھ حق تعالیٰ نے عطا فرمادیا، قدر و شکر کے ساتھ بے تکلف استعمال فرمایا اور سرخ خالص اور ریشم کے لباس مرد کے لئے منع فرمایا ہے (۲)۔ مدارج نبوت، شرح شمائل، زاد المعاد میں تفصیل موجود ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا نصف ساق تک کرتا پہننا ثابت ہے؟

سوال [۱۱۳۸۳]: نصف ساق تک کرتا پہننا فضول خرچی ہے یا نہیں؟ حدیث کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ حدیث پاک ہے (۳)، مدارج النبوة (۴)، زاد المعاد (۵)، شرح سفر السعادة (۶)، شرح شمائل

= (و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۸/۱۲۷، رشیدیہ)

(و کذا فی شمائل کبریٰ: ۱/۲۰۶، دارالاشاعت)

(۱) ”عن أبي بردة رضي الله تعالى عنه قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله تعالى عنها كساءً ملبداً، وإزاراً غليظاً، وقالت: في هذا نزع روح النبي صلى الله عليه وسلم“۔ (صحيح البخاري، كتاب الجهاد، باب ما ذكر من درع النبي، وعصاه وسيفه: ۱/۴۳۸، قديمی)

(و کذا فی شمائل الترمذی، باب ماجاء فی صفة إزار رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص ۸، سعید)

(و کذا فی جمع الوسائل، باب ماجاء فی صفة إزار رسول الله: ۱/۲۱۵، إدارة تالیفات اشرفیہ)

(۲) ”عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من لبس الحرير لبس الدنيا ثم يلبسه في الآخرة“۔

(صحيح البخاري، كتاب اللباس، باب لبس الحرير للرجال: ۴/۸۶۷، قديمی)

(و صحيح مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب: ۲/۱۹۲، قديمی)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الأول: ۲/۱۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) ”عن حذيفة بن اليمان رضي الله تعالى عنه قال: أخذ رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بعض

ساقبي أو ساقه وقال: ”هذا موضع الإزار، فإن أبيت فأسفل، فإن أبيت، فلا حق للإزار في الكعبين“۔

(شمائل الترمذی، باب ماجاء فی إزار رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۸، سعید)

ترمذی شریف (۱) میں موجود ہے۔ اس کو فضول خرچی کہنا غلط ہے، جو کہ حدیث شریف سے ناواقفیت کی بناء پر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔



= (۴) (مدارج النبوة، مترجم) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیرہن یا کرتے اور چادر مبارک کا دامن نصف پنڈلیوں تک تھا اور چادر گٹوں سے نیچے نہ رکھتے۔ (کرتہ مبارک، تہ بند شریف: ۶۸۲/۱، خزینہ علم و ادب لاہور)

(۵) ”وكان ذيل قميصه وإزاره إلى أنصاف الساقين لم يتجاوز الكعبين“. (زاد المعاد، فصل في تدبيره لأمر الملبس: ۲۳۷/۲، مؤسسة الرسالة بيروت)

(۶) (شرح سفر السعادة، فصل درپوش حضرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ص: ۴۳۳، مطبع نول کشور)

(۱) (جمع الوسائل شرح الشمائل، باب اللباس: ۱۳۴/۱، تالیفات اشرفیہ)

الفصل الثاني في لبس البنطلون والصُدرة وغيرهما

(پینٹ، کوٹ وغیرہ کے استعمال کا بیان)

پرانے غیر ملکی کپڑوں کے استعمال کا حکم

سوال [۱۱۳۸۴]: موجودہ کوٹ، چٹر، سویٹر اور دیگر غیر ملکی اشیائے ملبوسات جس کے بارے میں لوگ بتلاتے ہیں کہ یہ نجس ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہاں سے آنے میں یا فروخت کرنے کے وقت احتیاط نہیں کی جاتی، لہذا ان مندرجہ لباس کو پہن کر نماز پڑھنے اور پڑھانے میں کوئی گناہ تو نہیں؟ جب کہ بہت کثرت سے لوگ پہن کر بغیر پاک کئے استعمال کر رہے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو کپڑا غیر مسلموں کا بنایا ہوا ہو، اس کو ناپاک نہیں کہا جائے گا، جب تک اس میں نجس شیء کا علم نہ ہو جائے (۱)، البتہ پتلون اگر اس کا استعمال کیا ہوا ہو، تو اس کو بغیر دھوئے پہن کر نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ کبیری، ص: ۲۰۴ (۲)۔ یہ تو طہارت سے متعلق ہے۔ فی نفسہ ایسا لباس استعمال کرنا مکروہ ہے، جو دوسروں کا شعار

(۱) ”ومن شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة، أو لا فهو طاهر مالم يستيقن“۔ (رد المحتار، کتاب الطہارۃ، نواقض الوضوء: ۱/۱۵۱، سعید)

”قال أبو حفص البخاري رحمه الله تعالى: من شك في إنائه أو ثوبه أو بدنه أصابته نجاسة أم لا، فهو طاهر مالم يستيقن“۔ (الفتاویٰ التاتارخانیۃ، کتاب الطہارۃ، نوع آخر فی مسائل الشک: ۱/۱۱۰، قدیمی)

”شك في وجود النجس، فالأصل بقاء الطهارة“ (شرح الحموي عنی الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية، اليقين لا يزول بالشك الفن الأول في القواعد الكلية، النوع الأول: ۱/۱۸۸، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”قال بعض المشايخ تكره الصلاة في ثياب الفسقة؛ لأنهم لا يتقون الخمر، وقال صاحب الهداية في =

ہو (۱) اور نماز میں اس کا استعمال کرنا نماز کے لئے موجب کراہت ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا ٹائی عیسائیوں کا شعار ہے؟

سوال [۱۱۳۸۵]: سوٹ کے اوپر جو گلے میں ٹائی باندھی جاتی ہے، جس کا پٹہ گریبان تک لٹکا رہتا ہے، کیا وہ خاص کر کسی قوم کا شعار ہے، جواب سے مطلع فرمائیں۔

= التجنیس: الأصح أنها لا تکره؛ لأنه لم يكره من ثياب أهل الذمة إلا السراويل مع استحلالهم الخمر“. (الحلي الكبير، كتاب الطهارة، فروع شتى، ص: ۲۰۶، ۲۰۷، سهيل اكيڏمي لاهور)
”وقال بعض المشايخ: تکره الصلاة في ثياب الفسقة؛ لأنهم لا يتقون الخمر، وقال المصنف: الأصح أنه لا يكره؛ لأنه لم يكره من ثياب أهل الذمة إلا السراويل مع استحلالهم الخمر، فهذا أولى، انتهى“ (فتح القدير، كتاب الطهارات، باب الأنجاس وتطهيرها: ۱/۸۶، مكتبة رشيدية)
(وكذا في التجنیس والمزید لصاحب الهدایة، كتاب الطهارات، باب في النجاسة وتطهيرها: ۱/۲۷۴، إدارة القرآن کراچی)

(۱) ”وعنه (ابن عمر رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم“ (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۲/۵۵۸، دار الحديث ملتان)
”قال علي القاري: ”أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفاسق، أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، ”فهو منهم“ أي: في الإثم، أو الخير عند الله تعالى“ (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، رشيدية)

”المبدء الثالث: أن اللباس الذي يتشبه به الإنسان بأقوام كفره، لا يجوز لبس لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم“ (تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة: ۴/۸۸، مكتبة دارالعلوم کراچی)
(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمي)

(۲) ”وتكره الصلاة في ثياب اليهودي“ (مجموعة رسائل اللكنوي، الرسالة نفع المفتي والسائل، ذكر الثياب التي تکره الصلاة فيها: ۲/۱۱۳، إمداديه، مكة المكرمة)
(وكذا في السراجية الملحق بفتاوى قاضي خان، كتاب الصلاة، باب الصلاة النجاسة، ص: ۱۲، مطبع اللكنوي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عیسائیوں کا نشان ہے، مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۶/۱۳۹۵ھ۔



(۱) ”وعنه (ابن عمر رضي الله تعالى عنه) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم“۔ (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)
”قال علي القاري: ”أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، ”فهو منهم“ أي: في الإثم أو الخير عند الله تعالى“۔ (مرقاۃ المفاتیح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشیدیہ)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وكذا في فيض القدير شرح الجامع الصغير، رقم الحديث: ۸۵۹۳: ۱۱/۵۷۳۳، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

الفصل الثالث في العمامة والقلنسوة

(پگڑی اور ٹوپی کا بیان)

ٹوپی کس طرح ہو؟

سوال [۱۱۳۸۶]: بازار میں مختلف قسم کی ٹوپی چالو ہے، اس میں سے کس قسم کی سنت ہے اور کس قسم

کی ٹوپی کون کون نبی کے زمانے میں چالو ہوا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مجھے معلوم نہیں، آپ کے بازار میں کس کس قسم کی ٹوپی چالو ہے، حدیث پاک میں اتنا موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ٹوپی مبارک گول تھی (۱) اور سر مبارک سے ملی ہوتی تھی اور طویل ٹوپیاں بھی صحابہ کرام سے منقول ہیں، یہاں تک کہ ٹوپی سے سترہ کا کام لینا بھی مروی ہے (۲) اور کتب فقہ میں سترہ کی مقدار ایک ذراع لکھی ہے، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”عن أبي كبشة رضي الله تعالى عنه قال: كان كما م رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بطحا“

(مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۴، قديمی)

”جمع كمة وهي القلنسوة المدورة، أي: كانت مبسوطة على رؤوسهم لازقة غير مرتفعة عنها،

..... وكان يلبس القلانس اليمانية، وهن البيض المضربة، ويلبس ذوات الأذان في الحرب، وكان ربما نزع

قلنسوة فجعلها سترة بين يديه وهو يصلي“ (مرقاة المفاتيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۴۱/۸، رشیدیہ)

(و كذا في جمع الوسائل، باب ما جاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۲/۲، ادارہ

تالیفات اشرفیہ)

(۲) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۳) ”المستحب أن يكون مقدارها ذراعاً فصاعداً، لحديث مسلم عن عائشة رضي الله تعالى عنها: سئل =

رام پوری کیپ کا استعمال

سوال [۱۱۳۸۷]: زید نے اصغر کو کہا کہ کسی بھی اصلی رامپوری کیپ کا پہننا سنت کے خلاف ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایسی ٹوپی پہننا ثابت نہیں ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جو ٹوپی ثابت نہ ہو، وہ ناجائز ہے، ناجائز ہونے کا معیار الگ ہے (۱)، البتہ اس کو سنت کہنا صحیح نہ ہوگا اور اس کے استعمال سے سنت کا ثواب نہیں ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

لمبی ٹوپی کا ثبوت

سوال [۱۱۳۸۸]: جناب مفتی صاحب! یہاں ہنگلی ضلع میں فر فر ایک مقام ہے، پیری مریدی کا

= رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن سترۃ المصلی فقال: بقدر مؤخرۃ الرجل، وفسرھا عطاء بأنھا ذراع فما فوقہ کما أخرجه أبو داود۔ (البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا: ۳۰/۲، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۲۳۶/۱، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الصلاة، فصل ما یستحب الصلاة: ۸۲/۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۱) ”إن اللباس الذي یشتبه به الإنسان بأقوام کفرة، لا یجوز لبسه لمسلم إذا قصد بذلك التشبه بهم،

قال ابن نجیم فی مفسدات الصلاة من البحر الرائق: ”ثم اعلم أن التشبه بأهل الکتاب لا یکرہ فی کل

شیء، فإننا نأکل ونشرب کما یفعلون، إنما الحرام هو التشبه فیما کان مذموماً، وفيما یقصد به التشبه

..... فعلى هذا لو لم یقصد التشبه لا یکرہ عندهما“۔ (تکملة فتح الملهم، کتاب اللباس والزینة: ۸۸/۴،

دارالعلوم کراچی)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الصلاة، باب مفسدات الصلاة، مطلب فی التشبه بأهل الکتاب: ۶۲۴/۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۱۸/۲، رشیدیہ)

یہاں زبردست خانقاہ ہے اور اس کا سلسلہ بھی طویل ہے، حضرت مولانا ابوبکر رحمہ اللہ تعالیٰ جو ایک زمانے میں بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، ان کی اولاد کا سلسلہ بھی جاری ہے، چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں بڑا اختلاف اکابر کی کتابوں سے رکھتے ہیں، ان میں ایک گول اور لمبی ٹوپی ہے، لمبی ٹوپی کے سلسلہ میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ جواز کے بارے میں کلام نہیں، صرف ثبوت کے بارے میں عرض ہے۔ دوسری بات بذل المجہود کی ایک عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ مدینہ والوں کی ٹوپیاں اس طرح لمبی ہوتی تھیں، حضرت مولانا خود اپنا مشاہدہ بیان فرماتے ہیں، عبارت یوں ہے:

”والبرانس جمع برنس الخ. هو قلنسوة طويلة الخ: وهذا الثوب شائع عند

أهل العرب يلبسون ليس فيه كما سألت عنه الخ.“ بذل المجہود: ۱۳۰/۲.

یہاں حضرت مولانا رحمہ اللہ تعالیٰ لمبی ٹوپی سے تفسیر فرماتے ہیں اور نیز یہ بھی لکھتے ہیں کہ ہم نے اس کے متعلق سوال کیا، تو جواب میں اثبات کا پہلو نظر آیا۔ اب ”کمام“ کے صحیح معنی بالمشاہدہ آپ کی نظر میں کیا ہے؟

۲..... کیا اس حدیث سے لمبی ٹوپی کا ثبوت کافی ہو جاتا ہے یا اور کوئی حدیث ایسی ملتی ہے؟

۳..... اہل مدینہ سے متعلق اکثریت ان کی ٹوپی مشاہدہ میں آنجناب نے کیسا دیکھا؟ لمبی یا گول؟ لمبی تو کس شکل کی؟

۴..... استفسار محض معلومات کے لئے عرض ہے، کسی سے تعارض مقصد نہیں، تقی منصور صاحب بھی اس میں شریک ہے، سب بخیر ہیں، حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب علی گڑھ کی طبیعت خراب ہے، دعا فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”عن أبي كبشة قال: كان كمام أصحاب رسول الله صلى الله

تعالى عليه وسلم بطحا“ رواه الترمذي. وقال هذا حديث منكر (۱). (کمام

أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم) بكسر الكاف جمع كمة

بالضم، كقباب وقبة، ”وهي القلنسورة المدورة“ سميت بها؛ لأنها تغطي

الرأس“ (بطحا) بضم الموحدة فسكون المهملة، جمع بطحاء، أي: كانت

مبسوطۃ علی رؤوسہم، لازقۃ غیر مرتفعۃ عنہا“ (۱)۔

کمام کی دوسری تفسیر آستین کے ہے۔

”قال الطیبي فيہ: إن انتصاب القلنسوة من السنة بمعزل، كما يفعله

الفسقة، قلت: والآن صار شعار المشايخ من اليمنة، إلى قوله: وهن البيض

المضرية، ويلبس ذوات الأذان في الحرب، وكان ربما نزع قلنسوته، فجعلها

سترة بين يديه (۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی ٹوپی پہننا بھی ثابت ہے، جس کو نماز کے لئے سترہ بنایا جائے (۳)۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۸/۲۰۹، رشیدیہ)

(۲) (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۸/۱۴۱، رقم الحدیث: ۴۳۳۳، رشیدیہ)

(۳) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما، كان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: يلبس قلنسوة ذات اذان يلبسها في السفر، وربما وضعها بين يديه إذا صلى“۔ (جمع الوسائل، باب ماجاء في عمامة رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ۱/۱۶۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

”عن أبي كبشة الأنماري رضي الله تعالى عنه، قال: كانت كممام أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بطحاء، وفي رواية: أكمه، وهما جمع كثيرة وقلة، والكمة: القلنسوة المدورة، يعني: أنها كانت منطبعة غير منتصبة، وفي شرحه: وفي المصباح، الكمة بالضم، القلنسوة المدورة أنها تغطي الرأس“۔ (شرح مواهب اللدنية، النوع الثاني في لباسه وفراشه: ۲/۲۷۸، دار الكتب العلمية بيروت) (وكذا في فيض القدير، باب ”كان“ هي الشمائل الشريفة: ۹/۴۹۴، رقم الحدیث: ۷۱۶۸، مصطفى الباز مکه)

الفصل الرابع في لباس النساء (عورتوں کے لباس کا بیان)

جارجٹ کا استعمال

سوال [۱۱۳۸۹]: کیا بچیوں کو اور عورتوں کو گھر کے اندر رہتے ہوئے جالی کے باریک جارجٹ کے دوپٹے اڑھانے جائز ہیں کہ نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جن کے ذمے ستر عورت فرض ہے، ان کو کسی ایسے کپڑے کا استعمال درست نہیں جس سے ستر عورت نہ ہو پائے (۱)، چھوٹی بچیوں میں اگرچہ یہ اشکال نہ ہو، مگر جب ایسے کپڑے استعمال کرنے کی بچپن میں عادت ہو جائے گی تو اس سے باز رہنا دشوار ہو جائے گا۔ اس لئے ان کو بھی استعمال نہ کرائیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۲/۸۹ھ۔

عورت کا جالی دار دوپٹہ استعمال کرنا

سوال [۱۱۳۹۰]: ہلکے دوپٹے یا جالی کے دوپٹے کا استعمال ایسی جگہوں میں جہاں نا محرم مرد نہ ہو، جائز ہے یا نہیں؟

(۱) یہ اس وقت ہے جب غیر محرموں کے سامنے جائے، لیکن اگر صرف محرم حضرات ہی کے سامنے جائے اور فتنہ کا اندیشہ بھی نہ ہو، تو ایسے دوپٹے گھر کے اندر استعمال کرنے کی گنجائش ہے، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے خود ایک دوسرے سوال کے جواب میں اس طرح تحریر فرمایا ہے، دیکھیں، ”عورت کا جالی دار دوپٹہ استعمال کرنا“۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کچھ حصہ بدن کا ایسا ہے کہ اس کا مردوں اور عورتوں سب سے ہی چھپانا ضروری ہے (۱)، وہ اگر چھپا ہوا ہو، تو ایسے دوپٹوں کا استعمال درست ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۴/۸۹ھ۔

ساڑھی کا استعمال

سوال [۱۱۳۹۱]: زید حافظ قرآن اور فاضل دیوبند ہے، اپنی بیوی کو اپنی نگاہوں سے محفوظ اور شرعی حدود میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے، مگر ساڑھی پہناتا ہے، کیا اس کے لئے اپنی بیوی کو ساڑھی پہنانا جائز ہے؟ نیز امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لباس کیا تھا؟ وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس جگہ ساڑھی کفار و فساق کا شعار ہے، وہاں صلحاء کو اس سے پورا پرہیز لازم ہے (۲)، جس جگہ ان کا

(۱) ”وينظر الرجل من محرمه إلى الرأس والوجه والصدر والساق والعضد إن أمن شهوته وتنظر المرأة المسلمة من المرأة كالرجل من الرجل“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في النظر والمس: ۳۶۷/۶-۳۷۱، سعید)

”نظر المرأة إلى المرأة كنظر الرجل إلى الرجل وأما نظره إلى ذوات محارمه فنقول: يباح له أن ينظر منها إلى موضع زينتها الظاهرة والباطنة. وهي الرأس، والشعر، والعنق، والصدر، والأذن، والعضد، والساعد، والكف، والساق، والرجل، والوجه“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الثامن فيما يحل للرجل النظر إليه وما لا يحل: ۳۲۷/۵، ۳۲۸، رشیدیہ)

(وکذا في فتح باب العناية، کتاب الکراہیۃ، تحديد عورة المرأة والرجل: ۱۲/۳، ۱۳، سعید)

(۲) ”وعنه (ابن عمر رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من تشبه بقوم، فهو منهم“۔ (سنن أبي داود، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

”قال علي القاري: ”أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، =

شعار نہیں، بلکہ سب لوگ استعمال کرتے ہیں، وہاں اس کے استعمال کی ممانعت نہیں۔ امہات المؤمنین کے یہاں ساڑھی کا استعمال نہیں تھا، کرتہ، چادر، تہبند کا استعمال وہاں عام تھا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۵/۱۴۰۰ھ۔

ساڑھی پہن کر نماز پڑھنا

سوال [۱۱۳۹۲]: کیا عورت ساڑھی پہنے ہوئے کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتی ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصہ بدن کا نماز میں چھپانا فرض ہے، اگر وہ ساڑھی سے چھپا رہتا ہے تو اس سے نماز درست

= أو باهل التصوف الصلحاء الأبرار، ”فہو منہم“ أي: في الإثم أو الخير عند الله تعالى“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الثانی: ۸/۱۵۵، رشیدیہ)

(ومشكاة المصابيح، کتاب اللباس، الفصل الثانی، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وكذا في بذل المجهود، کتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵/۴۱، معهد الخلیل)

(۱) ”وعن علي رضي الله تعالى عنه قال: أهديت لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حلة سيرة، فبعث بها إلي فلبستها، فعرفت الغضب في وجهه، فقال: إني لم أبعث بها إليك لتلبسها، إنما بعثت بها إليك لتشققها حمراً بين النساء“۔ متفق عليه۔ (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، الفصل الأول، ص: ۳۷۴، قدیمی)

”فقال: ”إني لم أبعث بها إليك لتلبسها، إنما بعثت بها إليك لتشققها“..... أي: لتقطعها (خمرأ)..... (بين النساء)..... والمعنى ”لتقطعها قطعة قطعة كل قطعة قدر خمار، وتقسمها بين النساء“۔

(مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۳۲۲: ۸/۲۰۱، ۲۰۲، رشیدیہ)

”وأخرج ابن مردويه عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: رحم الله تعالى نساء الأنصار لما نزلت ﴿يا أيها النبي قل لأزواجك وبناتك﴾ الآية، شققن مروطهن فاعتجرن بها فصلين خلف رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم“۔ (روح المعاني، الأحزاب: ۲۲/۸۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت: كنت أغتسل أنا والنبي صلى الله تعالى عليه وسلم من إناء واحد، وكلانا جنب وكان يأمرني فأتزر فيباشرني وأنا حائض..... إلى آخر الحديث“۔ (صحيح البخاري، کتاب الحيض، باب مباشرة الحائض: ۱/۴۴، قدیمی)

ہوگی (۱) اور جس جگہ ساڑھی کا عام رواج ہے، فساق یا کفار کا یہ مخصوص شعار نہیں، وہاں اس کا پہننا درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورت مرد کے لئے چھینٹ کا کپڑا استعمال کرنا

سوال [۱۱۳۹۳]: چھینٹ کا کپڑا مسلمان مرد کے لئے پہننا کیسا ہے؟ جیسا کہ آج کل مرد اور عورت سب برابر کا لباس پہنتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لباس عورتوں کے لئے مخصوص ہے، مردوں کو اس کا استعمال کرنا ممنوع ہے، وہ کذا بالعکس (۳)،

(۱) ”والرابع ستر عورتہ وہی للرجل ماتحت سرتہ إلى ماتحت رکبتہ وللحرة جميع بدنہا خلا الوجه والكفين“. (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۰۴/۱، ۴۰۵، سعید)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة: ۴۶۱/۱، رشیدیہ)

(وکذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، کتاب الصلاة، باب شروط الصلاة، ص: ۲۱۰، قدیمی)
(۲) جہاں پر فساق یا کفار کا شعار ہو یا اتنی چست ہو کہ ستر نظر آتا ہو (جیسا کہ آج کل عمومی طور پر اسی طرح ہے) تو اجتناب کرنا لازم اور ضروری ہے۔

قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الجاثية: ۱۸)

”وأهوائهم“ هي ما يهوونه، وما عليه المشركون من هديهم الظاهر“. (اقتضاء الصراط المستقيم، ص: ۲۷، نزار مصطفى الباز)

”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من تشبه بقوم فهو منهم“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قدیمی)

”من شبه نفسه بالكفار، مثلاً: في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف الصلحاء الأبرار“ فهو منهم“ أي: في الإثم والخير“. (مرقاة المفاتيح، کتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشیدیہ)

(۳) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: ”لعن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم المتشبهين من =

جو عورت مرد کی ہیئت اختیار کرے اس پر لعنت آئی ہے، اسی طرح جو مرد عورت کی ہیئت اختیار کرے اس پر بھی لعنت آئی ہے (۱۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

عورت کے لئے سیاہ لباس

سوال [۱۱۳۹۴]: شادی شدہ عورت کے لئے چوڑیاں اور کالی پوت (۲) کا مالا (۳) ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چوڑیاں اور کالی پوت کا مالا شادی شدہ عورت کے لئے ضروری نہیں، البتہ ایسی ہیئت نہ بنائے جس سے شوہر کو نفرت ہو اور دوسرے یہ سمجھیں کہ یہ شوہر کے انتقال کی وجہ سے سوگ میں ہے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



= الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال“۔ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب المتشبهین بالنساء: ۸۷۴/۲، قدیمی)

”وعنه (ابن عباس رضي الله تعالى عنهما) قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب الترجل، الفصل الأول، ص: ۳۸۰، قدیمی)

(وكذا في الجامع الصغير مع فيض القدير، رقم الحديث: ۷۲۶۵: ۱۰/۳۹۹۴، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) ”پوت (پوتھ): شیشے یا کانچ کے دانے“۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۲۶، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”مالا: پھولوں، موتیوں یا سونے کا ہار، گجرا“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۳۶، فیروز سنز لاہور)

الفصل الخامس في الثياب المحرمة وغيرها (ناجائز لباس کا بیان)

ریشم ملی ہوئی ٹرائلین کا استعمال کرنا

سوال [۱۱۳۹۵]: ایک کپڑا جس کو ٹرائلین کہتے ہیں، مرد کے لئے اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟
جب کہ اس میں ریشم بھی ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ریشم اس میں مغلوب ہو، تو مرد کے لئے درست ہے۔

”ويحل لبس ما سداه إبريسم والحمته غيره“ كذا في رد المحتار (۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۸/۳/۹۲ھ۔

العبد نظام الدین، ۲۹/۳/۹۲ھ۔

مرد کے لئے کس رنگ کا کپڑا منع ہے؟

سوال [۱۱۳۹۶]: مرد کو کس رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مرد کو خالص سرخ اور زعفرانی رنگ کا کپڑا پہننا مکروہ ہے، باقی ہر رنگ کا درست ہے (۲)، اس کا لحاظ

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۶/۶، سعید)

(و كذا في فتح، باب العناية لملا علي القاري، كتاب الكراهية: ۱۱/۳، سعید)

(و كذا في الدرر الحکام في شرح غرر الأحكام، كتاب الكراهية والاستحسان: ۳۱۲/۱، میر محمد

كتب خانه كراچی)

(۲) ”وكره لبس المعصفر والمزعفر الأحمر والأصفر للرجال ولا بأس بسائر الألوان“۔

رہے کہ کسی غیر کا شعار اختیار نہ کرے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۷ھ۔



= (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۲، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ، فصل في اللبس: ۳۳۹/۸، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب التاسع في اللبس: ۳۳۲/۵، رشیدیہ)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (الجاثیۃ: ۱۸)

”وأهوائهم“ هي ما يهوونہ، وما علیہ المشرکون من ہدیہم الظاہر“. (اقتضاء الصراط

المستقیم، ص: ۲۷، نزار مصطفیٰ الباز)

”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من تشبه

بقوم فهو منهم“. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قديمی)

”من شبه نفسه بالكفار، مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو بأهل التصوف

الصلحاء الأبرار ”فهو منهم“ أي: في الإثم والخير“. (مرقاۃ المفاتیح، کتاب اللباس: ۱۵۵/۸، رشیدیہ)

الفصل السادس في أشياء الزينة

(زیب وزینت کی اشیاء کا بیان)

پھولوں کے ہار اور گجرے کا استعمال

سوال [۱۱۳۹۷]: پھولوں کا ہار بنا کر اور پھولوں کا گجر اوغیرہ بنا کر ہاتھوں میں اور گلے میں پہننا شوقیہ یا گول بنا کر ڈال دیں۔ اور عورتوں کو پھولوں کا ہار بنا کر چوٹی وغیرہ میں ڈالنا کیسا ہے؟ معلوم یہ کرنا ہے پھولوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مردوں کے لئے نہ ہار کی اجازت ہے، نہ گجرے کی (۱)، البتہ خوشبو کے لئے ہاتھ میں لینے اور پاس رکھنے کی اجازت ہے، عورتیں زینت کے لئے سونے چاندی کے ہار اور دیگر زیورات استعمال کر سکتی ہیں، پھول کے ہار بھی استعمال کر سکتی ہیں۔

تنبیہ: عورتیں مہکتی ہوئی خوشبو کے ساتھ گھر سے نکل کر نامحرموں کے قریب سے نہ گزریں (۲)۔

(۱) ”قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لعن الله المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الرجل، الفصل الأول: ۱۲۹/۲، قديمي)

”المتشبهين بالنساء من الرجال في الزي، واللباس، والخضاب، والصوت، والصورة، والتكلم،

وسائر الحركات، والسكنات“۔ (التعليق الصبيح، كتاب اللباس، باب الرجل: ۵۳۲/۴، رشيدية)

”وتشبه الرجال بالنساء في اللباس، والزينة التي تختص بالنساء، مثل: لبس المقانع، والقلائد

والمخانق، والأسورة، والخلاخل، والقرط، ونحو ذلك مما ليس للرجال لبسه“۔ (عمدة القارئ،

كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء: ۶۳/۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”كل عين زانية، =

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۱۰/۱۴۰۰ھ۔



= وإن المرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس، فهي كذا وكذا“ يعني: زانية“ (مشكاة المصابيح، كتاب

الصلاة، باب الجماعة وفضلها: ۲/۱۳، دارالكتب العلمية بيروت)

”وتعطرت المرأة ومرت بمجلس فقد هيئت شهوة الرجال، وحملتهم على النظر إليها، فإذا هي

سبب لذلك، فتكون زانية“ (التعليق الصريح، كتاب الصلاة، باب الجماعة وفضلها: ۲/۵۳، رشيديه)

(وسنن النسائي، كتاب الزينة، مايكره للنساء من الطيب، ص: ۷۰۱، دارالسلام)

باب استعمال الذهب والفضة

الفصل الأول في الخاتم

(انگوٹھی کا بیان)

انگوٹھی یا گھڑی کس ہاتھ میں پہنے

سوال [۱۱۳۹۸]: انگوٹھی (انگشتری) اور واچ (گھڑی) سیدھی ہاتھ میں پہننا سنت ہے یا بائیں

ہاتھ میں بھی پہن سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھڑی ہاتھ میں پہننے کو سنت کہنا غلط ہے، پھر داہنے بائیں کا سوال سنت کی حیثیت سے بے محل ہے، انگوٹھی (وزن محدود میں) جس ہاتھ میں چاہے، پہن سکتا ہے، کوئی قید نہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۳/۹۲ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

(۱) ”ولا يتحلى الرجال بذهب وفضة مطلقاً، إلا بخاتم ولا يزيد على مثقال“۔ (الدر المختار مع

ردالمحتار، الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶، ۳۶۱، سعید)

(و کذا في مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل في اللبس: ۱۹۵/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشیدیہ)

الفصل الثاني فيما يتعلق بساعة الوقت

(گھڑی کے استعمال کا بیان)

گھڑی کی چین

سوال [۱۱۳۹۹]: زید نے گھڑی میں فیتے کی چین باندھ کر نماز پڑھی، اس کی نماز ہوگئی یا نہیں؟
چین وہی ہے جو آج کل عام گھڑیوں میں استعمال ہوتی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فیتہ گھڑی کی حفاظت کے لئے باندھا جاتا ہے، یہ کوئی حلیہ زیور نہیں، اسی طرح چین گھڑی کی حفاظت کے لئے استعمال کی جاتی ہے یہ بھی زیور نہیں، مروجہ چین جو کہ نہ چاندی کی ہے، نہ سونے کی، گھڑی کی حفاظت کے لئے باندھے ہوئے نماز پڑھنا درست ہے، جیسا کہ فیتہ باندھے ہوئے نماز پڑھنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۵/۱۴۰۰ھ۔

(۱) "قال الشامي: وفي الجوهرية: والتختم بالحديد، والصفراء، والنحاس، والرصاص مكروه للرجال والنساء". چونکہ روایات فقہیہ میں مفہوم مخالف حجت ہے، لہذا معلوم ہوا کہ انگوٹھی کے علاوہ دیگر چیزوں میں لوہا استعمال کرنا جائز ہے اور اسٹیل کی حقیقت لوہا ہے، اس لئے اسٹیل کی چین گھڑی میں استعمال کرنا جائز ہے۔ (حاشیہ نظام الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحۃ: ۱/۳۸۰، رحمانیہ)

چین کے استعمال کی دو صورتیں ہیں:

۱- اس کا باندھنا بذاتِ خود مقصود ہو، جیسے زینت کے لئے لوگ باندھتے ہیں۔

۲- بذاتِ خود مقصود نہ ہو، کسی دوسری چیز کے باندھنے کے لئے استعمال کی جائے۔

صورتِ اولیٰ میں استعمال ناجائز اور ثانیہ میں بلا کراہت جائز ہے۔ (احسن الفتاویٰ، متفرقات الحظر والإباحۃ:

سونے کا پانی چڑھائی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال کرنا

سوال [۱۱۲۰۰]: گھڑی کی زنجیریں بعض لوہے کی ہوتی ہیں اور بعض پیتل وغیرہ کی اور جس کو ہم اسٹیل کہتے ہیں، وہ بھی ایک قسم کا لوہا ہوتا ہے، تو ایسی زنجیر کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اور اس طریقہ سے سونے کا پانی چڑھائی ہوئی گھڑی یا چین کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو لوہا یا رانگ اور پیتل وغیرہ کی انگوٹھی پر حدیث سے نکیر آئی ہے، اس کا کیا جواب ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ولا يتحلى الرجل بذهب وفضة مطلقاً إلا بخاتم ومنطقة، وحلية

سيف منها، ولا يتختم بغيرها، وذهب، وحديد، وصفر، ورصاص، وزجاج وغيرها“ (درمختار) (۱).

”وقال الشامي: فرع: لا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوى عليه

فضة، وألبس بفضة حتى لا يرى“ التاتارخانية (شامي: ۲۴۰/۵، نعمانيہ) (۲).

”وفي الجوهرة: وأما الأنية من غير الفضة والذهب، فلا بأس بالأكل

والشرب فيها. والانتفاع بها كالحديد، والصفر، والنحاس، والرصاص،

والخشب، والطين“ (شامي: ۲۱۸/۵) (۳).

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۸/۶-۳۶۰، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۱۸۰/۴، دارالمعرفة بيروت)

(و كذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية: ۶/۳، سعيد)

(۲) (ردالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۶۰/۶، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب: ۳۳۵/۵، رشيدية)

(و كذا في المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان، الفصل الحادي عشر في استعمال الذهب: ۸۶/۶، حقانيہ پشاور)

(۳) (ردالمختار، كتاب الحظر والإباحة: ۳۴۴/۶، سعيد)

”والخلاف في المفضض، أما المطلق فلا بأس به بالإجماع“ (درمختار).

”والخلاف في المفضض أراد به ما فيه قطعة فضة، والأظهر عبارة العيني

وغیره، وهي وهذا الاختلاف فيما يخلص: وأما التمويه الذي لا يخلص فلا بأس به

بالإجماع؛ لأنه مستهلك فلا عبرة ببقائه لونا“ (شامی: ۵/۲۱۹) (۱).

عبارات منقولہ سے معلوم ہوا کہ حلیہ اور غیر حلیہ میں فرق ہے۔ اول صرف فضہ کے محدود وزن میں مرد کے لئے درست ہے، اگر لوہے کی انگوٹھی یا چاندی کے پترے چڑھائے جائیں، جس سے لوہا مستور ہو جائے تو وہ بھی چاندی کے حکم میں ہو کر درست ہے، چاندی کا محض پانی اگر اس میں ہو، تو وہ درست نہیں، وہ پانی مستهلك ہے اور لوہے کے تابع ہے، غیر حلیہ میں اوانی جدیدہ کی اجازت ہے، اگر ان پر چاندی کا پانی ہو، تو ان کی بھی اجازت ہے، گھڑی کی زنجیر اگر بمقصد حلیہ استعمال کی جائے، تو اس پر حلیہ کا حکم ہوگا، ورنہ غیر حلیہ کا ہر دو کی تفصیل مع دلیل و عبارت نقل کر دی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۵/۳/۸۴ھ۔



= (و كذا في الفتاوى العالمية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب: ۵/۲۳۵، رشیدیہ)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۱، رشیدیہ)

(۱) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/۳۴۳، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في الأكل والشرب: ۸/۳۴۱، رشیدیہ)

(و كذا في الفتاوى العالمية، كتاب الكراهية، الباب العاشر في استعمال الذهب: ۵/۲۳۵، رشیدیہ)

الفصل الثالث في الحلية للنساء

(عورتوں کا زیورات کے استعمال کرنے کا بیان)

شادی کے موقع پر مخصوص ہار پہننا

سوال [۱۱۲۰۱]: الف..... ہمارے علاقہ میں مسلم اور غیر مسلم سب ہی اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ جب لڑکی کا نکاح ہو جائے تو لڑکی اپنے گلے میں لچھہ ڈال لے (لچھہ ایک زیور ہے) جو ہار کی شکل میں ہوتا ہے، جس میں تسبیح کے دانوں کی طرح بالکل ہی باریک سیاہ دانے ہوتے ہیں، بعض عورتیں تو صرف ان ہی سیاہ دانوں سے پُر ہار (لچھہ) پہنتی ہیں اور بعض عورتیں سونے کا ہار بنا لیتی ہیں، درمیان میں کہیں کہیں چند چنداں سیاہ دانوں کو رکھتی ہیں اور یہ ایسا رواج ہو گیا ہے کہ اگر کوئی عورت شوہر کے ہوتے ہوئے لچھہ نہ پہنے تو برا جانتی ہیں۔ گویا یہ ہار عورت کے لئے اس بات کا نشان ہے کہ اس کا شوہر زندہ ہے اور عورت کے گلے میں ایسا ہار نہ ہونا علامت ہے اس بات کی کہ اس کا شوہر نہیں ہے، اس ہار (لچھہ) کو مذکورہ خیالات کے ساتھ پہننا اور اس کو ضروری سمجھنا از روئے شریعت کہاں تک درست ہے؟ جائز ہے یا کہ ناجائز؟

ب..... اگر کوئی عورت مذکورہ خیالات سے نہیں بلکہ صرف زینت کے لئے ایک زیور سمجھ کر پہنے، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

ج..... ہمارے علاقہ میں اکثر عورتیں ہر روز تقریباً اکثر کنگھی کرنے کے بعد میں پھول لگا لیتی ہیں، یقیناً اس میں خوشبو بھی ہوتی ہے، جو نامحرم کو بھی متوجہ کر سکتی ہے۔ لہذا اس کا استعمال جائز ہے یا کہ ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف..... ہار، زیور، زینت کے لئے درست ہے (۱)، یہ چیز کہ جس کے گلے میں ہار نہ ہو اس کے شوہر

(۱) ”يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار، والخلخال والطورق الخ.“ (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله =

نہیں، یہ کوئی شرعی چیز نہیں، عورت کی زینت درحقیقت شوہر ہی کے لئے ہے (۱۲)، اگر ہار نہ ہو، دوسرا زیور یا سامان زینت ہو، کیا یہ علامت نہیں؟! تاہم اس تخیل کے تحت اس کو ممنوع نہیں کہا جائے گا اور نہ یہ غیر مسلموں کا شعار ہے۔

ب..... اوپر حکم معلوم ہو گیا۔

ج..... اگر وہ مکان سے باہر نامحرموں میں اس طرح جائیں تو اس کی اجازت نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ

تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= للنساء: ۱۷/۲۹۳، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۶/۲۲۰، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی اللبس: ۸/۳۲۸، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الکراهیة، فصل فی اللبس: ۳/۱۹۵، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱)

”وقد يجاب بأن الحل للنساء لأجل التزين للرجال، وترغيب الرجل فيها، وفي وطنها،

وتحسينها في منظره“، (البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی اللبس: ۸/۳۲۸، رشیدیہ)

”﴿إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ أي: أزواجهن، فإنهم المقصودون بالزينة، والمأمورات نساء هم بهالهم، حتى

أن لهم ضربين على تركها“، (روح المعاني، النور: ۳۱: ۱۸/۱۴۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَلَا يَبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ (النور: ۳۱)

”وأيضاً لو كان المراد من الزينة موقعها للزم أن يحل للأجانب النظر إلى مظهر من مواقع

التزين الظاهرة وهذا باطل؛ لأن كل بدن الحرة عورة“، (روح المعاني: ۱۸/۱۴۰، دار إحياء التراث

العربي بيروت)

”الخامس: يحرم عليهن إبداء زينتتهن إلا على الزوج والمحارم..... السادس: يحرم عليهن

إظهار صوت الحلي، وكل ما يكون سبباً لإظهار زينتتهن الباطنة من التعطر عند الخروج“، (أحكام

القرآن لمفتي محمد شفيع رحمه الله تعالى: ۳/۲۳۷، ۲۳۸، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب اللباس، باب الخاتم: ۸/۲۵۴، ۲۵۵، رشیدیہ)

شادی میں دوہن کو پوت کا ہار پہنانا

سوال [۱۱۴۰۲]: عورتوں کو شادی کے بعد لچھہ (۲) پہنانا ضروری ہے، عوام میں مشہور ہے کہ کالی پوت (۱) جنت سے آئی ہے، جو بی بی فاطمہ کے گلے میں تھی، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کو گلے میں لچھہ پہنانا بھی درست ہے، یعنی گلے میں پوت کا ہار پہنانا جائز ہے (۳)، یہ بات کہ جنت سے یہ ہار آیا ہے، بے اصل ہے اور غلط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

عورتوں کا بالوں میں کلپ لگانا

سوال [۱۱۴۰۳]: کلپ ایک زیور ہوتا ہے، جس کو عورتیں سر کے بالوں میں لگاتی ہیں، ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کلپ بالوں میں لگانا عورتوں کو جائز ہے، بشرطیکہ وہ ناپاک نہ ہو اور کفار یا فساق کا شعار نہ ہو کہ اصل جواز ہے۔ اور ممانعت وجہ مذکورہ پر ہے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) ”پوت: شیشے یا کانچ کے دانے، دانہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۳۰۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”لچھہ: سوت کی انٹی، ایک زیور، الجھی ہوئی ڈور، مسلسل اور پیچیدہ لپٹے ہوئے تار“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۵، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار، والخلخال والطوق الخ“۔

(إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال وحله للنساء: ۲۹۳/۱۷، إدارة القرآن کراچی)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۰/۶، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في اللبس: ۳۴۸/۸، رشیدیہ)

(۴) ”يجوز للنساء لبس أنواع الحلي كلها من الذهب، والفضة، والخاتم، والحلقة، والسوار،

لڑکیوں کے ناک کان چھیدنا

سوال [۱۱۲۰۴]: لڑکیوں کے کان اور ناک چھیدنا کیسا ہے؟ ونیز ناک اور کان میں جو سوراخ لگائے جاتے ہیں، اس میں کتنے سوراخ لگانا احسن ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناک کان چھید کر لڑکیوں کو زیور پہنانا شرعاً درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔



= والخلخال، والطوق، والعقد، والتعاویذ، والقلائد وغيرها وأما التاج، فقال الرافعي: قال أصحابنا: إن حرت عادة النساء بلبسه جاز وإلحرم؛ لأنه شعار عظماء الروم يباح للنساء من حلي الذهب، والفضة، والجواهر كل ما حرت عاداتهن بلبسه كالسوار، والخلخال، والقرط، والخاتم، وما يلبسه على وجوههن، وفي أعناقهن، وأيديهن، وأرجلهن، وإذا نهن وغيره". (إعلاء السنن، كتاب الحظر والإباحة، باب حرمة الذهب على الرجال: ۲۸۹/۱، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا في عمدة القارئ، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء: ۶۳/۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(و کذا في شرح ابن بطل، كتاب اللباس، باب المتشبهون بالنساء: ۱۲۰/۹، مكتبة الرشد)

(۱) "ولا بأس بشق أذن البنت والطفل استحساناً ملتقط. قلت: هل يجوز الخزام في الأنف؟ لم أره". (الدر المختار). "لم أره" قلت: إن كان مما يتزين النساء به كما هو في بعض البلاد فهو فيها كثقب القرط". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۰/۶، سعيد)

"ولا بأس بشق أذن الصغيرة؛ لأنه للزينة فصار كالختان". (فتح باب العناية بشرح النقاية، كتاب الكراهية: ۳۲/۳، سعيد)

(و کذا في الملتقط، كتاب الأداب، مطلب في كي البهائم وثقب أذن الطفل، ص: ۲۷۱، حقانيه)

باب الأسماء

(نام رکھنے کا بیان)

محمد ہر مرنام رکھنا

سوال [۱۱۴۰۵]: ایک شخص نے اپنے لڑکے کا نام ”محمد ہر مرنام علی“ رکھا، یہ نام رکھنا کیسا ہے؟ بعض لوگ کہتے ہیں یہ نام رکھنا ٹھیک نہیں ہے، ہر مرنام کس کا تھا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

ہر مرنام شہزادہ فارس کا نام تھا اور یہ نام ان لوگوں میں عام طور پر تجویز نہیں کیا جاتا تھا کہ جس کا دل چاہے اپنے بچے کا نام ہر مرنام رکھ دے، بلکہ اس کا اتنا احترام تھا کہ اس نام کو شاہی نام تصور کیا جاتا تھا، اس کے معنی کچھ ایسے نہیں ملے، جو اسلام کے خلاف ہوں، اس لئے یہ نام بھی ناجائز نہیں، جیسے اور عجمی ناموں کے ساتھ لفظ محمد یا لفظ علی لگا دیا جاتا ہے، جیسے محمد دانش علی اسی طرح اس کا بھی حال ہے، یہ ناجائز نہیں، البتہ پیغمبروں اور صحابہ کے نام پر نام رکھنا (۱) یا ایسا نام رکھنا جس میں عبدیت کے معنی ہوں اور اس کو اسماء الہیہ کی طرف مضاف کیا گیا ہو، شرعاً پسندیدہ ہے، اس کی ترغیب احادیث میں آئی ہے (۲)، جیسے: محمد احمد، ابراہیم، اسماعیل، عمر، عثمان، علی، حسن، حسین وغیرہ۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۵/۸۶ھ۔

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”سموا بأسماء الأنبياء، ولا تسموا بأسماء الملائكة“.

قال المناوي رحمه الله تعالى: فيكره التسمي بها كما ذكره القشيري، ويسن بأسماء

الأنبياء“ (فيض القدير: ۳۵۵۳/۷، رقم الحديث: ۴۷۱۷، نزار مصطفى الباز)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، ص: ۲۹۷، دارالسلام)

(ومشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب الأسماء، الفصل الثالث: ۱۸۵/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أحب الأسماء إلى الله عز وجل عبد الله وعبد الرحمن“.

غلامِ اولیاء نام رکھنا

سوال [۱۱۲۰۶]: بندہ کا نام ”غلامِ اولیاء“ ہے، یہ نام عہدِ طفلی میں والد صاحب نے رکھا تھا، جو آج بھی چل رہا ہے، تمام اسناد وغیرہ میں یہی نام درج ہے، اس طرف خدا کا شکر ہے، کچھ اللہ والوں کے ساتھ رہا، ان بزرگوں نے میرے نام پر از روئے ہمدی کچھ اعتراض کیا، ان لوگوں کے مطابق میرا نام پسند نہیں ہے، میرے نام کی شرعی حیثیت سے مطلع فرمائیں اور اگر آپ کی رائے میں نام بدلنا ضروری رہے تو دو نام بھی تجویز فرمائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غلام کا لفظ مشترک ہے، اس کے معنی عبد (بندہ) کے بھی ہیں اور اس کے معنی خادم بھی ہیں اور اس کے معنی نوعمر بھی ہیں (۱)، پہلے معنی کے اعتبار سے نام نہیں رکھنا چاہیے، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ”اولیاء کا بندہ“ کہہ دیا گیا، حالانکہ سب کے سب صرف اللہ کے بندے ہیں، جن بزرگوں نے اعتراض کیا ہے، اس معنی کے اعتبار سے کیا، اگرچہ دوسرے معنی کے اعتبار سے یہ خرابی نہیں، پس اگر دشواری نہ ہو، تو بدل دینا بہتر ہے اور کوئی ایسا نام رکھ دیا جائے، جس میں عبد کی اضافت اللہ کی طرف ہو (۲)۔ مثلاً: عبد اللہ، عبد الرحمن، عبد الرحیم وغیرہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۱۷/۳/۸۴ھ۔

تارہ نام تبدیل کرنا

سوال [۱۱۲۰۷]: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک لڑکی کا نام ”تارہ“ ہے، وہ لڑکی

= (سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب فی تغییر الأسماء: ۳۲۸/۲، إمدادیہ)

(وسنن ابن ماجہ، أبواب الأدب، باب ما یستحب من الأسماء، ص: ۲۶۵، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الأدب، باب النهی عن التکنی بأبی القاسم: ۲۰۶/۲، قدیمی)

(۱) ”غلام: لڑکا، زرخید، بندہ، انکسار کا کلمہ، نیاز مند“۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۷۱، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”أحب الأسماء إلى الله عز وجل عبد الله،

وعبد الرحمن“۔ (سنن أبی داود، کتاب الأدب، باب فی تغییر الأسماء: ۳۲۸/۲، إمدادیہ)

(وسنن ابن ماجہ، أبواب الأدب، باب ما یستحب من الأسماء، ص: ۲۶۵، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب الأدب، باب النهی عن التکنی بأبی القاسم: ۲۰۶/۲، قدیمی)

شادی شدہ ہے، اس کا شوہر نیک نامی حاصل کرنے کے لئے اس کا نام تبدیل کرنا چاہتا ہے، مسئلہ غور فرما کر تحریر فرمائیں، اس سے قبل بھی آپ کو ایک لفافہ ارسال کر چکا ہوں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

”تارہ“ نام بھی برا نہیں ہے، تاہم اگر شوہر اس سے عمدہ نام رکھنا چاہتا ہے اور بیوی بھی رضا مند ہے تو اجازت ہے (۱)، عائشہ یا فاطمہ نام اچھا ہے، اس سے پہلے اس مضمون کا لفافہ آنا میرے علم میں نہیں، موجودہ لفافہ موصول ہوا، آج ہی جواب تحریر کر دیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۳/۹۱ھ۔

قصابوں کا اپنے آپ کو قریش کہنا

سوال [۱۱۴۰۸]: ہندوستان کے قصاب اپنے کو قریش کہتے ہیں، سوال یہ ہے کہ قریش کی اہلیت کیا ہیں؟ کون کون لوگ قریش کہلانے کے مستحق ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

قریش نامی ایک شخص عرب میں گزرا ہے، جو اپنے اخلاق و اعمال کے اعتبار سے اپنے دور میں بہت اونچا شمار ہوتا تھا، اس کی نسل سے جو لوگ عرب میں تھے، وہ قریش تھے (۲)، یہ صحیح ہے کہ اس کی نسل و نسبت کے

(۱) ”معنی هذه الأحادیث تغییر الأسماء القبیح، أو المکروه إلى حسن، وقد ثبت أحادیث بتغییرہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم أسماء جماعة کثیر من الصحابة“۔ (شرح النووي علی صحیح مسلم، کتاب الأدب، باب استحباب تغییر الاسم القبیح إلى حسن: ۲/۲۰۸، قدیمی)

(و کذا فی التعلیق الصبیح، کتاب الأدب، باب الأسماء: ۵/۱۵۲، رشیدیہ)

(۲) ”قال ابن هشام: النضر هو قریش فمن کان من ولده فهو قرشي وقال: ويقال: فہر بن مالک هو قریش هذان القولان قد حکاهما غیر واحد من أئمة النسب قال أبو عبيد وابن عبد البر: والذي علیہ اکثرون أنه النضر بن کنانة لحديث الأسعد بن قيس، قلت: وهو الذي نص علیہ هشام بن محمد بن السائب الكلبي، وأبو عبيدہ معمر بن المثنی، وهو جادة مذهب الشافعي وقال بعضهم کان قصي يقال له: قریش وقيل: سموا بقریش بن الحارث بن یخلد بن النضر بن کنانة، وکان دلیل بني =

لوگ عرب سے باہر بھی گئے، لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو بھی عرب سے باہر گیا، وہ قریش ہے، بلا تحقیق اپنا نسب بدل کر دوسرے کی طرف منسوب کر دینا جائز نہیں، سخت گناہ ہے (۱)۔

جو شخص واقعہ قریشی ہو، خواہ اب کسی ملک میں رہتا ہو، وہ اپنے کو قریشی کہے یا لکھے تو درست ہے۔ فقط

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۷/۹۵ھ۔

اپنے سے زیادہ عمر والے کو چچا ماموں وغیرہ کہنا

سوال [۱۱۲۰۹]: کسی بھی زیادہ عمر کے آدمی کو چچا کہنا یا جو معمر شخص نانہال کے قصبہ یا گاؤں کا

رہنے والا ہے اور اس سے کوئی رشتہ بھی نہ ہو، مگر دلداری یا احترام کے ناتے نانا ماموں کہنا حرام ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، یہاں احترام مقصود ہوتا ہے، نسبت حقیقی نہیں ہوتی، نہ دوسروں کو اس کا شبہ ہوتا ہے (۲)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۶/۸۹ھ۔

= النصير، وصاحب ميرتهم، وكانت العرب تقول: قد جاءت غير قریش“ (البداية والنهاية،

قریش نسباً واشتقاقاً: ۱/۵۹۷-۵۹۹، حقانیہ)

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من ادعى إلى غير أبيه، وهو يعلم أنه غير أبيه، فالجنة عليه

حرام“ (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان حال إیمان من رغب عن أبيه وهو يعلم، ص: ۴۷، دارالسلام)

(وصحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف في شوال، ص: ۷۳۲، دارالسلام)

(وسنن النسائي، کتاب الحدود، باب من ادعى إلى غير أبيه، ص: ۳۷۵، دارالسلام)

(۲) ”دخلنا على أنس بن مالك رضي الله تعالى عنه، فوجدناه يصلي العصر، فقلت: يا عم ما هذه الصلاة

التي صليت؟ قال: العصر“ (صحیح البخاری، کتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر: ۷/۷۷، قديمی)

” (قوله: يا عم) بكسر الميم، وأصله يا عمي فحذفت الياء، وهذا من باب التوقير لأنس؛ لأنه ليس عمه

على الحقيقة“ (عمدة القارئ، کتاب مواقيت الصلاة، باب وقت العصر: ۵/۵۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، کتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم، الفصل الثالث: ۷/۵۹۳، رشيدية)

باب خصال الفطرة

الفصل الأول في اللحية والشوارب

(داڑھی اور مونچھ کا بیان)

داڑھی کٹانے اور منڈانے میں فرق

سوال [۱۱۴۱۰]: ایک شخص کی داڑھی کٹی ہوئی ہے، دوسرے شخص کی بالکل منڈی ہوئی ہے، کیا دونوں ایک ہی درجہ کے ہیں یا کچھ فرق ہے؟ ایک شخص کہتا ہے کہ اگر دونوں ایک درجہ میں ہوں تو میں باقی داڑھی صاف کرادوں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے داڑھی کٹنا ناجائز نہیں، منڈانا حرام ہے (۱)، احکام کی وقعت و محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ آدمی ناجائز چیز کو چھوڑ دے، جائز کو اختیار کرے، اس کا یہ کہنا کہ اگر دونوں ایک ہی درجہ میں

(۱) "قال الله تعالى: ﴿لَعَنَهُ اللهُ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا وَلَاضِلْنَهُمْ وَأَلْأَمِنَهُمْ وَأَلْأَمِنَهُمْ﴾" (تفسیر روح المعانی، النساء: ۱۱۹: ۱۲۹/۵، دار إحياء التراث العربی بیروت)

"قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "يا رويفع لعل الحياة ستطول بك بعدي وأخبر الناس أنه من عقد لحيته فإن محمداً برئ منه". (مشكاة المصابيح، كتاب الطهارة، رقم الحديث: ۳۵۱: ۸۳/۱، دار الكتب العلمية بیروت)

"وأما الأخذ منها وهي دون ذلك (القبضة) كما يفعله بعض المغاربة ومخنة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند، ومجوس الأعاجم". (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، مطلب: الأخذ من اللحية: ۲/۸۱۸، سعيد)

ہوں، تو بقایا ڈھٹی صاف کرادوں گا، انتہائی جہالت کی بات ہے، اس کو ہرگز ایسا نہیں کہنا چاہیے، اس کی تو ایسی مثال ہوگی، جیسے کوئی شخص دو تولہ غلاظت کھائے اور دوسرا دو چھٹا نگ کھاوے اور پہلا شخص یہ کہے کہ اگر ہم دونوں ایک درجہ میں ہوں تو میں دو چھٹا نگ غلاظت کھالوں گا اس کو تو بہ واستغفار کرنا چاہیے۔ شرعی احکام میں اس قسم کی ضد کرنا نہایت خطرناک ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۷ھ۔

حلقوم کے بالوں کا حکم

سوال [۱۱۴۱۱]: حضرت مفتی سعد اللہ صاحب کی کتاب ”ہدایۃ النور“ فارسی میں ہے، اس کا ترجمہ مولانا عبدالغنی رسولوی بارہ بنکوی نے ”تنویر الشعور“ کے نام سے کیا ہے، اس کتاب کے باب اول، فصل دوم کے اندر جو ڈاڑھی کے مسائل میں ہے، مرقوم ہے کہ ذقن یعنی ٹھوڑی اور دونوں رخساروں کے بالوں کو کہتے ہیں۔ اس ذیل میں یہ بات وضاحت طلب ہے کہ ذقن یعنی ٹھوڑی سے حلقوم تک کے اٹھے ہوئے حصے تک کے بال کیا قصر کئے جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محترمی زید احترامہ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

حلق کے جس حصے پر بھی جو بال ہو، ان کو صاف کرنا ڈاڑھی کا کٹنا نہیں ہے، وہ ڈاڑھی میں داخل نہیں ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، چھتہ مسجد، دارالعلوم دیوبند، ۷/۶/۱۴۰۶ھ۔

(۱) ”اللحی: منبت اللحیۃ من الإنسان وغیرہ..... واللحیان: حائطا الفم، وهما العظمان اللذان فیہما

الأسنان من داخل الفم من کل ذی لحی“۔ (لسان العرب: ۱۵/۲۴۳، دار صادر بیروت)

” (اللحی) العظم علی الأسنان“۔ (المغرب فی ترتیب المعرب: ۲/۲۴۴، إدارة دعوة الإسلام) =

مونچھیں مونڈنا

سوال [۱۱۴۱۲]: حدیث شریف میں قص کا لفظ (آیا ہے)، آج کل جو استرہ بلیڈ سے مونچھیں منڈائی جاتی ہیں، یہ بدعت ہے، بہت سے اہل علم کو بھی دیکھا جاتا ہے، کیا یہ درست ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

مونچھوں کے مونڈنے کے متعلق درمختار میں دو قول نقل کئے ہیں:

”حلق الشارب بدعة، وقيل: سنة الخ“ ”مشى عليه في الملتقى
وعبارة المجتبى بعد ما رمز للطحاوي: حلقه سنة، ونسبه إلى أبي حنيفة،
وصاحبه رحمه الله تعالى، والقصص منه حتى يوارى الحرف الأعلى من
الشفة العليا سنة بالإجماع الخ“ (شامی: ۵/۲۶۱) (۱).

= ”اللحية“ بالكسر شعر الخدين والذقن“ (القاموس المحيط: ۳/۳۸۷، مصطفى البابي
الحلبي مصر)

(۱) (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۷، سعید)

”وقال في الشامية في موضع آخر: “واختلف في المسنون في الشارب هل هو القص أو
الحلق؟ والمذهب عند بعض المتأخرين من مشايخنا: أنه القص، قال في البدائع: وهو الصحيح. وقال
الطحاوي: القص حسن، والحلق أحسن، وهو قول علمائنا الثلاثة“ (ردالمحتار، کتاب الحج، باب
الجنایات: ۲/۵۵۰، سعید)

حضرت مفتی رشید صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

”امام طحاوی رحمہ اللہ تعالیٰ بالاتفاق علم بمذہب ابی حنیفہ ہیں، آپ کی تحریر کے مطابق باتفاق ائمتنا الثلاثة
رحمہم اللہ تعالیٰ حلق شوارب مسنون ہے..... حلق کا استیصال کا حلق سے ابلغ فی المعنی والمیسر فی العمل ہونا
ظاہر ہے، اس لئے حلق پر اِحفاء بمعنی الاستیصال بالقص کا حلق کو ترجیح دینا خلافِ معقول ہے۔“ (احسن
الفتاویٰ، کتاب الحظر والإباحة، نیل المارِب بحلق الشوارب: ۸/۴۵۱، سعید)

مزید تفصیل کے لئے حضرت مفتی احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا رسالہ ”نیل المارِب بحلق الشوارب“ ملاحظہ

فرمائیں۔

ایک قول سنت کا بھی ہے، لہذا مونڈانے والے پر اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۸۹ھ۔

جواب صحیح ہے، استرہ سے مونڈنے یا بلیڈ سے حکم میں فرق نہ ہوگا۔ فقط۔

بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت وحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی کیا ناف تک تھی؟

سوال [۱۱۴۱۳]: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت وحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی داڑھی کیا

ناف تک تھی؟ اس کی مقدار کتنی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مشت تک پہنچنے سے پہلے داڑھی کٹنا درست نہیں، ایک مشت کے بعد دونوں قول ہیں، صحیح یہی

ہے کہ جو حصہ ایک مشت سے زائد ہو، اس کو کٹنا درست ہے (۱)، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے

(۱) ”وتطویل اللحية إذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة، وصرح في النهاية: بوجوب قطع ما زاد على

القبضة بالضم، ومقتضاه الإثم بتركه إلا أن يحمل الوجوب على الثبوت، وأما الأخذ منها وهي دون

ذلك كما يفعله بعض المغاربة، ومخنة الرجال فلم يبحه أحد، وأخذ كلها فعل يهود الهند ومجوس

الأعاجم“۔ (الدرالمختار)۔ ”(قوله: وصرح في النهاية) حيث قال: وما وراء ذلك يحب قطعه هكذا عن

رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ”أنه كان يأخذ من اللحي من طولها وعرضها“ أورده أبو عيسى

يعني: الترمذي في جامعه أن قول النهاية يحب بالحاء المهملة ولا بأس به ولا بأس بأن يقبض

على لحيته، فإذا زاد على قبضته شيء جزه“۔ (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم، مطلب

الأخذ من اللحية: ۲/۸۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۲/۴۹۰، رشيدية)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم: ۱/۴۶۰،

دارالمعرفة بيروت)

ثابت ہے۔ پس سنت تو ایک مشیت ہی ہے، معمولی اضافہ ہو جائے تو اس میں بھی حرج نہیں، ناف تک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت وحیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈاڑھی احادیث سے ثابت نہیں، کتب تواریخ میں اتنا منقول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ اور پیٹ پر بال تھے اور ناف تک ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اون دھنی ہوئی ہو (۱)، ممکن ہے کہ اس کو کسی نے ڈاڑھی سمجھ لیا ہو۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ وہ ڈاڑھی کے بال نہیں تھے، بلکہ سینہ کے بال تھے، اگر وہ ڈاڑھی کے بال ہوتے تو ان کو دھنی ہوئی اون سے تشبیہ نہ دی جاتی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۲/۸۶ھ۔

موئے زیر ناف بالوں کو صاف کرنا اور ڈاڑھی کے بالوں کو بڑھانا، اس میں کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۴۱۲]: موئے زیر ناف کی صفائی کا حکم اسلام دیتا ہے اور ڈاڑھی کے بال کو بڑھانے کا حکم دیتا ہے، اس کی کیا علت ہے اور کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ یہ اعتراض ایک غیر مسلم دہریہ کا ہے، جس کی نظر میں قرآن و حدیث کوئی چیز نہیں ہے، جسے مستدل بنا کر جواب دہی کی جائے، وہ سرے سے منکر ہے، لہذا عقل و ہوش و خرد کی روشنی میں ایسا مفصل جواب دیا جائے، جس سے باطل کو خاموش کیا جاسکے اور ناطقہ کو بند کر دیا جائے، بالکل ٹھوس و ہوش و خرد سے لگتا ہوا ہونا چاہیے۔

ذبیحہ حلال، جھٹکا حرام کیوں ہے؟

سوال [۱۱۴۱۵]: غیر مسلم کا ایک یہ بھی اعتراض ہے کہ اہل اسلام جھٹکے (۲) کا گوشت نہیں کھاتے اور حرام سمجھتے ہیں ایسا کیوں ہے؟ اہل اسلام جانور کو ذبح کرتے ہیں اور جھٹکے کی صورت میں جانور کو کم تکلیف ہوتی ہے، بلکہ ایک ہی وار میں اس کو ختم ہو جانا پڑتا ہے اور ذبح کی صورت میں جانور اپنی جان تڑپ تڑپ

(۱) ”عن أبي رجاء العطاردي قال: رأيت علي بن أبي طالب ربعة كثير شعر الصدر والكتفين، كأنما اجتاب إهاب شاة“۔ (تاریخ دمشق، حرف العين، علي بن أبي طالب: ۲۴/۲۰، دار الفکر بیروت)

(و كذا في البداية والنهاية، سنة خمس وثلاثين، خلافة أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله تعالى عنه: ۱۱۲۸/۲، مكتبة مصریه)

(۲) ”جھٹکا: تلوار کے ایک ہی وار سے جانور کی گردن کاٹنا جو مسلمان کے نزدیک حرام ہے“۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۱۸، فیروز

سنز لاہور)

کر کھود دیتا ہے، اس صورت مذکورہ میں اور جھٹکے میں اگر تقابل کیا جائے، تو ذبح میں تکلیف ایذا رسانی اور ظلم زیادہ ہوتا ہے، اس طرح سے کیوں ہے؟ اس کا جواب بھی عقل کی رہنمائی میں دندان شکن جواب دیا جائے، اس قسم کے اعتراض سے مقصود اسلام کا مذاق اڑانا ہوتا ہے، لہذا غور کر کے جواب دیا جائے۔

حقیقی بہن اور خالہ زاد پھوپھی زاد بہن میں کیا فرق ہے؟

سوال [۱۱۴۱۶]: ۳..... پھوپھی ماموں خالہ کی لڑکیوں سے شادی اسلام کی نگاہ میں درست ہو جاتی ہے، لیکن ایک غیر مسلم ہندو اس کو برا گردانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اپنی بہن کی مانند ہے، اسلام اس سے شادی درست قرار دیتا ہے اور جائز سمجھتا ہے اور اپنی بہن کی لڑکی سے کوئی مذہب شادی بیاہ کو درست نہیں سمجھتا، بلکہ برا سمجھتا ہے، لہذا اس اعتراض کا جواب بھی بجائے نقل عقل سے دیا جائے، تاکہ مخالف اور باطل کو اس کے اعتراض کا جواب کافی و شافی مل جائے اور مطمئن ہو جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جو شخص بنیاد ہی کا منکر ہے، اس سے کسی فرعی مسئلہ میں بحث کرنا، قرین دانش مندی نہیں، بلکہ عقل و خرد کے تقاضے کے ہی خلاف ہے، ہاں! اگر وہ محض اس مسئلہ کی وجہ سے قرآن و حدیث کا منکر ہے اور اس کے سمجھ میں آنے پر قرآن و حدیث کو تسلیم کرنے کا اور ایمان لانے کا وعدہ کرتا ہے، تو پھر اس کا جواب اہم ہو جائے گا اور محض یہ فرعی نہیں رہے گا، بلکہ بنیاد کو تسلیم کرنے کے لئے اس کو بنیاد قرار دیا جائے گا، یعنی اس مسئلہ کی علت و حکمت تو بہت معمولی ہے اس سے کہیں زیادہ اہم چیز یہ ہے کہ قرآن و حدیث اس کی نظر میں کوئی چیز نہیں۔

اگر اس مسئلہ کی حکمت اس کی سمجھ میں آ بھی گئی، تو یہ اس کے لئے ذریعہ نجات نہیں اور اس کی زبان اعتراض سے بند نہیں ہوگی، وہ دس اعتراضات اور بھی کر سکتا ہے، لیکن قرآن و حدیث پر ایمان لے آئے، تو ایسے ایسے مسائل خود بخود حل ہو جائیں گے اور ان کی حکمتوں کا سمجھنا بہت آسان ہو جائے گا اور نجات کا دروازہ کھل جائے گا، ورنہ اعتراضات کے دریا میں غوطہ لگاتے لگاتے عمر ختم ہو جائے گی اور ساحل پر نہیں پہنچ سکے گا (۱)۔

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "بني الإسلام على خمس: شهادة أن لا إله إلا الله، وأن محمداً رسول الله". (صحيح البخاري، كتاب الإيمان، باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: بني الإسلام على خمس: ۶/۱، قديمي)

۲..... اس کا جواب بھی نمبر ۱ کی طرح ہے، جس جانور کو ”بسم اللہ اکبر“ پڑھ کر ذبح کیا جاتا ہے، اس کو تکلیف نہیں ہوتی، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا پاک نام سن کر اس بات سے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے نام پر ذبح کیا جا رہا ہے، اتنا مسرور و مست ہو جاتا ہے کہ ذبح کی تکلیف کا احساس نہیں ہوتا، اس کے خلاف جس طرح سے بھی اس کو مارا جائے، اس میں بہت اذیت و تکلیف اس کو محسوس ہوتی ہے۔

۳..... اصولی جواب تو وہی ہے جو نمبر ۱ میں لکھا گیا ہے، کتب فقہ میں ایسے نکاح کی اجازت موجود ہے (۱) اور کتب حدیث میں زمانہ خیر القرون میں ایسے نکاح کا ثبوت مذکور ہے، قرآن کریم سورہ احزاب میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے جن عورتوں سے نکاح کرنے کو حلال فرمایا گیا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ﴾ اس میں ﴿وَبَنَاتُ عَمَّكَ وَبَنَاتُ عَمَّاتِكَ﴾ الخ (۳) بھی مذکور ہے اور امت کے لئے محرمات کو شمار کر کے سورہ نساء میں کلیہ بیان فرمادیا گیا ہے: ﴿وَأَحْلَلْ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ﴾ الآية (۴)۔

غیر مسلم کے نزدیک جب نفس اسلام ہی باطل ہے، تو پھر ان مسائل میں اس کو بحث کرنا ہی بے کار و بے محل ہے، وہ اسلام کی عقلیت کو نہیں سمجھ پاتا تو اس کے فرعی مسائل کی عقلیت کو کیسے سمجھے گا، وہ عقل سے اس

= ”فالتحقيق: أن الإيمان هو تصديق النبي صلى الله تعالى عليه وسلم بالقلب في جميع ما علم بالضرورة مجيئه من عند الله إجمالاً، وأنه كاف في الخروج عن عهدة الإيمان“ (شرح الفقه الأكبر لملا علي القاري، ص: ۸۶، قديمی)

(و كذا في شرح العقائد النسفية، ص: ۱۲۰، قديمی)

(۱) ”وتحل بنات العمات والأعمام والخالات والأخوال“ (رد المحتار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۲۸/۳، سعيد)

(و كذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في بيان بعض المحرمات: ۴۳۷/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في تبیین الحقائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۴۶۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) (الأحزاب: ۵)

(۳) (النساء: ۲۳)

قدر بعید بلکہ محروم ہے، کہ بہن کے معنی و مقصود کو بھی نہیں سمجھتا، جو جو رعایت حقیقی بہن کے ساتھ ہے، کیا وہی چچا زاد، پھوپھی زاد، خالہ زاد کے ساتھ بھی ہے؟ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔



الفصل الثاني في الشعر (بالوں کا بیان)

صرف آگے کے بال کٹانا

سوال [۱۱۴۱۷]: عورتوں کے لئے صرف سامنے کے بال کٹانا کیسا ہے؟ اپنے شوہر کو خوش کرنے کے لئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر کے کچھ حصہ کے بال کٹانا اور کچھ حصہ کے باقی رکھنا منع ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

مانگ کہاں نکالے

سوال [۱۱۴۱۸]: عورتوں کے لئے سر میں مانگ نکالنا کیسا ہے اور کہاں مانگ نکالیں، یعنی سر کے نیچے میں یا کنارہ پر؟

(۱) خصوصاً عورت کے لئے تو سر کے بال کٹانا بالکل جائز نہیں، ایسی عورت جو سر کے بال کٹاتی ہے، ملعون ہوتی ہے۔
”وفیه: قطعت شعر رأسها أثمت ولعت، زاد في البرازية: وإن كان ياذن الزوج؛ لأنه لا طاعة لمخلوق في معصية الخالق“۔ (الدر المختار)۔ ”قوله: (والمعنى المؤثر) أي: العلة المؤثرة في إثمها التشبه بالرجال، فإنه لا يجوز كالتشبه بالنساء“۔ (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲/۴۰۷، سعيد)
”وإذا حلفت المرأة شعر رأسها فإن كان لوجع أصابها فلا بأس به، وإن حلفت تشبه الرجال فهو مكروه“۔ (البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۵، رشیدیہ)
(و کذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲/۲۰۳، دارالمعرفة بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سر کے بیچ میں مانگ نکالنا اچھا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

امامہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۱۱/۹۹ھ۔

ختنہ کے لئے ڈاکٹر کا مسلم ہونا شرط نہیں

سوال [۱۱۴۱۹]: یہاں پر ختنہ سرکاری ہسپتال میں کیا جاتا ہے، ختنہ کرنے والے اکثر ہندو ڈاکٹر

ہوتے ہیں، تو ان کے ختنہ کرنے سے سنت ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کام کے لئے ڈاکٹر کا مسلمان ہونا ضروری نہیں، غیر مسلم ختنہ کر دے، تب بھی درست ہے، جیسے اور

کوئی آپریشن یا علاج کر دے یا غیر مسلم کسی محرم کا سر مونڈ دے، تو وہ حلال ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

منگل اور ہفتہ کے دن اصلاح بنوانا

سوال [۱۱۴۲۰]: ایک مولوی صاحب نے فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ منگل اور ہفتہ کے دن

(۱) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كان يسدل شعره و كان

المشركون يفرقون رؤسهم ثم فرق رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رأسه“۔ (شمائل ترمذی

الملحق بالجامع الترمذی، باب ماجاء في شعر رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، ص: ۳، سعید)

(وسنن أبي داود، كتاب اللباس، باب ماجاء في الفرق: ۲/۲۲۴، مكتبہ إمدادیہ ملتان)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب الترجل: ۲/۳۸۰، قدیمی)

(۲) ”فيه إشارة إلى أن المريض يجوز له أن يستطب بالكافر فيما عدا إبطال العبادة“۔ (رد المحتار،

كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۳، سعید)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۳، رشیدیہ)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۲۸، إمدادیہ ملتان)

اصلاح (۱) نہ بنواؤ، کیونکہ اس دن اصلاح بنانے سے برص کی بیماری ہوتی ہے، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

میں نے کسی حدیث کی کتاب میں یہ چیز نہیں دیکھی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۲/۸۹ھ۔

بال صفا صابن کا استعمال

سوال [۱۱۲۱]: بال صفا صابن کا استعمال کرنا درست ہے یا نہیں؟

(۱) اصلاح بنوانا: حجامت بنوانا، خط بنوانا۔

منگل اور ہفتہ کے بارے میں تو حدیث نہیں ملی، البتہ فیض القدير میں بدھ کے روز ناخن کاٹنے سے منع کرنے کے سلسلہ میں ایک اثر کا ذکر ہے:

”وفي بعض الآثار النهي عن قص الأظافر يوم الأربعاء، وأنه يورث البرص. قال في المطامع: وأخبر ثقة من أصحابنا عن ابن الحاج، وكان من العلماء المتقين أنه هم بقص أظافره يوم الأربعاء فتذكر الحديث الوارد في كراهته فتركه، ثم رأى أنها سنة حاضرة فقصها فلحقه برص، فرأى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في نومه فقال له: ألم تسمع نهى عن ذلك؟ فقال: يا رسول الله لم يصح عندي الحديث عنك. قال: يكفيك أن تسمع، ثم مسح بيده على بدنه فزال البرص جميعاً.“ (فيض القدير: ۸۸/۱، رقم الحديث: ۸، نزار مطفی الباز)

لیکن واضح رہے کہ علامہ مناوی نے اس اثر کو ذکر کرنے کے بعد اس بات کی صراحت کی ہے کہ بدھ کے دن سے یا کسی بھی دن سے بدشگونی کرتے ہوئے کسی کام سے اجتناب کیا جائے، یہ بات بالکل درست نہیں، لہذا منگل اور ہفتہ کے دن اصلاح بنوانا جائز اور درست ہے۔

”والحاصل أن توقى يوم الأربعاء على جهة الطيرة، وظن اعتقاد المنجمين حرام شديد التحريم؛ إذ الأيام كلها لا تضر ولا تنفع بذاتها.“ (فيض القدير: ۸۸/۱، رقم الحديث: ۸، نزار مصطفى الباز)

(و كذا في كشف الخفاء، حرف الهمزة: ۱۸/۱، ۱۹، رقم الحديث: ۳، المكتبة العصرية)

الجواب حامداً ومصلیاً:

درست ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔



(۱) ”ویتدی من تحت السرة، ولو عالج بالنورة يجوز كذا في الغرائب“۔ (ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۲/۴۰۶، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء: ۵/۳۵۸، رشیدیہ)
(و كذا في حاشية الطحاوی على الدرالمختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴/۲۰۳، دارالمعرفة بیروت)

ایسا صابن جس میں ناپاک اجزاء نہیں ہیں، استرہ ہی کے کام میں استعمال کر سکتے ہیں۔ (نظام الفتاوی، کتاب

الحظر والإباحة: ۱/۳۵۲، رحمانیہ)

الفصل الثالث في تقليم الأظفار (ناخن کاٹنے کا بیان)

مغرب کے بعد ناخن کاٹنے کا حکم

سوال [۱۱۴۲۲]: کیا مغرب بعد ناخن کاٹنا مکروہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلحاً:

مجھے کسی فقہی کتاب میں دیکھنا یا نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۳/۹۷ھ۔



(۱) مکروہ تو نہیں، البتہ عالمگیری میں ایک جزئیہ ہے جس سے عدم کراہت ثابت ہوتی ہے۔

”حکي أن هارون الرشيد سأل أبا يوسف رحمه الله تعالى عن قص الأظافر في الليل فقال:

ينبغي، فقال: ما الدليل على ذلك، فقال: قول عليه الصلاة والسلام الخير لا يؤخر“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب التاسع عشر في الختان: ۵/۳۵۸، رشیدیہ)

الفصل الرابع في الختان (ختنہ کا بیان)

عورتوں کا ختنہ

سوال [۱۱۴۲۳]: زید کہتا ہے کہ اسلام سے قبل عورتوں کا ختنہ ہوا کرتا تھا، یہ رواج عام تھا یا کہیں کہیں؟ کیا یہ بات درست ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

عورتوں کے ختنہ کا تذکرہ کتب حدیث، فقہ میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو: طحطاوی، ص: ۷۸ علی مراقی الفلاح، کتاب الطہارت، فصل ما یوجب الاغتسال (۱)۔
صرف یہ بات نہیں کہ اسلام سے قبل رواج تھا، یہ بات کہ کہاں کہاں رواج تھا اور کب تک رہا، معلوم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۸۵ھ۔

لڑکی کا ختنہ

سوال [۱۱۴۲۴]: لڑکی کا ختنہ کرنا کیسا ہے؟ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست ہے تو کس جگہ سے کرنا چاہیے؟ شوہر اپنی بیوی کا ختنہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ نابالغ لڑکے اور لڑکیوں کا ختنہ کرنا سنت ہے؟ لڑکے اور

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطہارۃ، باب ما یوجب الاغتسال، ص: ۹۸، قدیمی)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، مسائل شتی: ۶/۷۵۱، سعید)

(و کذا فی فتح باب العنایۃ، کتاب الکراہیۃ: ۳/۳۷، سعید)

لڑکیاں جوان ہو جائیں، تو ان کا ختنہ کرانا چاہیے یا نہیں؟ پردہ ضروری ہے یا ختنہ کرانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

موضع ختان سے لڑکی کا ختنہ ثابت ہے، عرب میں اس کا دستور تھا، لیکن جس طرح مردوں کے لئے سنت ہے، عورتوں کے لئے سنت نہیں، لہذا ان پر تا کید نہیں، کسی پر جبر نہیں کیا جائے گا، قابل پردہ لڑکیوں کے ختنہ کے لئے پردہ کو نہیں توڑا جائے گا، ہاں شوہر ختنہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

”(قوله: إذا التقى الختانان) ذکرهما بناء على عادة العرب من ختن

نساء هم، وهو من الرجال دون حزة الحشفة، ومن المرأة موضع قطع جلدة

كعرف الديك فوق مدخل الذكر، وهو مخرج الولد والمني والحيض، وتحت

مخرج البول. ويقال له أيضا: خفاض. قال في السراج: وهو سنة عندنا

للرجال والنساء. وفي الفتح: أيجبر عليه أن تركه إلا إذا خاف الهلاك، وإن

تركته هي لا“ الخ طحطاوي، باب ما يوجب الغسل، ص: ۷۸ (۱).

لڑکے کا ختنہ جوان ہونے سے پہلے کر دیا جائے، جوان ہونے پر پردہ لازم ہے، مرد کی بیوی اس کا ختنہ کر سکتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حرره العبد محمود غفرله، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: محمد جمیل الرحمن غفرله، ۱۸/۴/۸۶ھ۔

نو مسلم کا ختنہ

سوال [۱۱۴۲۵]: اگر کوئی غیر مسلم اسلام میں داخل ہووے اور یہ نو مسلم عمر رسیدہ ہے، تو اس کی

(۱) (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، کتاب الطہارۃ، باب ما یوجب الاغتسال، ص: ۹۸، قدیمی)

”ووقتہ غیر معلوم. وقیل: سبع سنین کذا فی الملتقى. وقیل: عشر. وقیل: أقصاه اثنتا عشرة

سنة. وقیل: العبرة بطاقته وهو الأشبه وختان المرأة ليس سنة بل مکرمۃ“. (فی الدر المختار مع

ردالمحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۲/۵۱، سعید)

(و کذا فی فتح باب العناية شرح النقایة، کتاب الکراہیة، أمور الفطرة: ۳/۳۷، سعید)

سنت کرانا مسلمانوں پر فرض عین ہے یا کیا؟ اگر مسلمان اس کی سنت کروانے پر غافل رہیں اور کچھ خیال نہ کریں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض عین نہیں، البتہ اگر اس میں سنت (ختنہ) کرانے کی قوت ہو اور وہ برداشت کر سکے تو ختنہ کرادینا بہتر ہے (۱)، حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی سال کی عمر میں اپنا ختنہ کیا تھا (۲)، اگر وہ برداشت نہ کر سکے تو اس کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے مجبور نہ کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) ”والأصل: أن الختان سنة ووقته غير معلوم وقيل: سبع سنين كذا في الملتقى وقيل: عشر وقيل: أقصاه اثنتا عشرة سنة وقيل: العبرة بطاقته وهو الأشبه.“ (ردالمحتار). ”(قوله: وهو الأشبه) أي: بالفقہ، زيلعي وهذه من صيغ التصحيح.“ (ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۱/۶، سعيد)

(و كذا في فتح باب العناية، كتاب الكراهية، أمور الفطرة: ۳۷/۳، سعيد)
(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الطهارة، باب ما يوجب الاغتسال، ص: ۹۸، قديمي)
(و كذا في البحر الرائق، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۳۵۹/۹، رشيدية)

(۲) ”وقد اختن إبراهيم عليه السلام وهو ابن ثمانين سنة، أو مائة وعشرين، والأول أصح.“
(ردالمحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۲/۶، سعيد)

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”اختن إبراهيم النبي عليه السلام وهو ابن ثمانين سنة بالقدم“. (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَآتَخَذُوا اللَّهَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا﴾: ۴۷۳/۱، قديمي)

(و صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب من فضائل إبراهيم الخليل: ۲۶۵/۲، قديمي)

باب الصورة والملاهي

الفصل الأول في الصورة

(تصوير کا بیان)

دینی کیلنڈر میں آیات لکھنا اور فوٹو لگانا

سوال [۱۱۴۲۶]: بھوپال شہر میں کچھ سال سے دینی کیلنڈر بکتے ہیں اور مفت بھی ملتے ہیں، جو اکثر کعبہ شریف یا مدینہ شریف یا قرآن شریف کے ہوتے ہیں، اکثر میں قرآن شریف کی آیات بھی ہوتی ہیں، اول تو ان کیلنڈروں کا ادب و احترام سے رکھنا بھی مشکل ہے اور بھی غم کی بات یہ ہے کہ اکثر مسلمان لوگ کیلنڈر کو کالچ میں جڑوا کر فریم کرا کر گھر میں رکھتے ہیں، لیکن قیامت یہ ہے کہ فوٹو یا تصویر کو باقی رکھتے ہیں، لیکن آیات قرآن کو کانٹ چھانٹ کر پھینک دیتے ہیں، جو سڑکوں، گلیوں اور گندی جگہ پھٹکے پھرتے ہیں۔

غرضیکہ آیات قرآنی کی آنکھوں دیکھی بے حرمتی ہو رہی ہے، بعض اخباروں اور رسالوں میں بھی آیات ہوتی ہیں، جو بعد کوردی میں بک جاتی ہیں اور سودا سلف میں کاغذ کی پڑیاں بنتی ہیں، اس لئے آپ کو خط لکھا ہے کہ اس کا تدارک کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس کاغذ پر آیات و احادیث لکھی ہوں اس کا احترام لازم ہے، پڑیہ وغیرہ میں استعمال کرنا منع ہے (۱)،

(۱) "لا یجوز لف شيء في كاغذ فقه ونحوه". (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع:

۳۸۶/۶، سعید)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الخامس: ۳۲۲/۵، رشیدیہ)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۱۹۴/۴، دار المعرفة)

گندی جگہ ڈالنا بالکل جائز نہیں حرام ہے (۱)، جاندار کا فوٹو زینت کے لئے کمروں میں لٹکانا جائز ہے (۲)۔ جاندار کا فوٹو اور آیات دونوں ایک جگہ ہوں یہ بھی بے ادبی اور خلاف احترام ہے، آیات کو کھرچ کر ضائع کر دینا اور فوٹو کو باقی رکھنا یہ قلب موضوع ہے، کہ جو چیز ضائع کرنے کی تھی اس کو باقی رکھا اور احترام کے ساتھ باقی رکھا اور جو چیز واجب الاحترام تھی اس کو ضائع کیا، انا للہ۔ کعبہ شریف اور مدینہ شریف کے نقشوں کا بھی احترام چاہیے۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۱/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۷ھ۔

چہرہ کی تصویر کا حکم

سوال [۱۱۴۲۷]: زندہ انسان کا نصف حصہ اوپر کا فوٹو کھنچوانا اسلام میں جائز ہے یا نہیں؟ دلیل نقلی

کے ساتھ تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو حکم پوری تصویر کا ہے وہی اوپر کے نصف حصہ کا حکم ہے، بلکہ اگر صرف چہرے اور سر کا فوٹو ہو، تو اس کا

بھی وہی حکم ہے۔

”کل شيء له رأس فهو صورة (إتحاف السادة شرح إحياء العلوم

(۱) ”وضع مصحفاً في قاذورة فإنه يكفر“۔ (رد المحتار، باب المرتد: ۲۲۲/۴، سعید)

(و کذا في شرح الفقه الأكبر، فصل في القراءة والصلاة، ص: ۱۶۷، قدیمی)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب السير، باب أحكام المرتدين: ۲۰۵/۵، رشیدیہ)

(۲) ”عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”أشد الناس

عذاباً عند الله المصورون“ متفق عليه۔ (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، رقم الحديث:

۳۴۹۷: ۱۳۹/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

”فصنعت حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء،

وحائط، وغيرها“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۶۳۷/۱، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۴۸/۲، رشیدیہ)

للغزالي) كان لرسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم ترس فيه تمثال رأس
كباش، فكره رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم، فاصبح يوماً وقد أذهب
الله عز وجل (تلقیح فہوم اہل الأثر لابن الجوزی، ص: ۲۰، كذا في إمداد
المفتين مع عزيز الفتاوى: ۷/۸، ۲۴/۱).

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس کا فوٹو جائز ہے، حج کے لئے یا پاسپورٹ میں مجبوراً اجازت ہے (۲)۔ واللہ
تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۲/۸۶ھ۔

(۱) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

سرف چہرہ کی تصویر یا نصف دھڑ کی یعنی نصف اٹلی کی، وہ بھی مکمل تصویر کے حکم میں ہے۔
لما في رواية الطحاوي عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: الصورة الرأس
فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة. معاني الآثار: ۱/۳۶۶.
اور شرح احیاء العلوم میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے: ”کل شيء له رأس فهو صورة،
إتحاف السادة“. (إمداد المفتين، كتاب الحظر والإباحة، سرف چہرہ کی تصویر، ص:
۸۲۴، دارالاشاعت)

”المراد من الصور التي فيها الروح مما لم يقطع رأسه، أو لم يمتن بالوطء“. (عمدة القارئ،
كتاب اللباس، باب: ۸۹: ۲۲/۱۰۸، دارالكتب العلمية بيروت)
”قوله: أو مقطوعة الرأس) أي: سواء كان من الأصل أو كان لها رأس ومحي لأنها لا تعبد
بدون الرأس عادة وقيد بالرأس؛ لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين؛ لأنها تعبد بدونها، وكذا
لا اعتبار بقطع اليدين“. (ردالمحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۶۳۸، سعيد)
(۲) اگر یہ سفر کسی ضرورت شرعی کے لئے یا معاش کی شدید ضرورت کے لئے ہو، تو بوجہ اضطرار کے فوٹو کھینچنا جائز ہے۔

”لما في شرح السير الكبير: وإن تحققت الحاجة إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال فلا
بأس باستعماله؛ لأن موضع الضرورة مستثناة من الحرمة كما في تناول الميتة“. (تصوير کے شرعی احکام،
ص: ۸۱، إدارة المعارف)

”اگر سفر ضروری ہو، تو تصویر کھینچنا بھی مباح ہوگی، ورنہ نہیں۔“ (کفايت المفتي، كتاب الحظر والإباحة: ۹/۲۴۴،

دارالاشاعت)

یادگار کے لئے کسی کا فوٹو مکان میں لگانا

سوال [۱۱۴۲۸]: اگر کسی کے گھر میں یا کسی دکان وغیرہ میں کسی کا فوٹو مثلاً: اپنا رشتہ دار کوئی بزرگ یا کوئی کلاس کا گروپ جس میں ساتھی شامل ہیں، ان کی یادگار کے لئے یا کسی پر دیسی کا فوٹو (یادگار کے لئے) لگایا جائے، یعنی فریم میں چڑھا کر ٹانگ دیا جائے، اس کا حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی جاندار کا فوٹو لینا ہی جائز نہیں، پھر اس کو فریم میں کرنا، زیبائش کے لئے لگانا، معصیت کو بلند درجہ دیتا ہے، فوٹو رشتہ دار کا ہو، یا کسی بزرگ کا یا دوستوں یا کسی کا بھی ہو، اجازت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۲/۹۱ھ۔

مکان میں خانہ کعبہ کی تصویر لگانا

سوال [۱۱۴۲۹]: کیا مکان میں کعبۃ اللہ اور روضہ شریف کی تصاویر کو فریم کر کے رونق و خوشنما طریقہ پر لگوانا تقویٰ کے خلاف ہے۔

(۱) ”عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول: ”أشد الناس عذاباً عند الله المصورون“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاویر، رقم الحدیث: ۴۴۹۷: ۱۳۹/۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”عن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت: لما اشتكى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، ذكر بعض نسائه كنيسة، يقال لها: مارية، وكانت أم سلمة وأم حبيبة رضي الله تعالى عنهما أتتا أرض الحبشة، فذكرتا من حسنهما وتصاویر فیہا فرفع رأسه، فقال: ”أولئك إذا مات فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجداً، ثم صوروافیه تلك الصور، أولئك شرار خلق الله“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاویر، رقم الحدیث: ۴۵۰۸: ۱۴۱/۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”وبالجملة أن هذه التصاویر الملعونة جماع الإثم والفواحش، لو لم يكن فیہا نص من الشارع علیه الصلاة والسلام لكانت المفاسد التي تنشأ منها كافية بلا ريب ونكران“. (التعليق الصبيح، کتاب اللباس، باب التصاویر: ۶/۵، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان مقامات مقدسہ متبرکہ کی تصاویر کو آلہ زینت بنانا خلاف ادب ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غنی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۹/۸۹ھ۔

مدینہ کا فوٹو اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا

سوال [۱۱۴۳۰]: ایک شخص نے مسجد میں چار فوٹو کیمرے کے کھینچے ہوئے لگائے ہیں، دو

فوٹوں میں خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے، دو فوٹو مدینہ منورہ کے ہیں، جس میں گنبد اور صحن دکھلایا

گیا ہے اور صحن میں بارہ کبوتر دانہ کھاتے ہوئے دکھلائے گئے، ایسی تصویروں کا مسجد میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۲..... ایسی تصویروں کی موجودگی میں نماز پنجگانہ درست ہوں گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کا فوٹو بنانا اور مکان وغیرہ میں لگانا درست نہیں (۲)، مسجد میں لگانا اور بھی قبیح ہے، اگر نمازیوں

کے سامنے ہو، تو نماز بھی مکروہ ہوگی (۳)، جاندار کی تصویر نہ ہو، بلکہ دوسرے نقش و نگار ہوں جن کی وجہ سے

(۱) ”تکرہ کتابہ القرآن، وأسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم، والمحاریب، والجدران، وما یفرش“.

(ردالمحتار، کتاب الطہارۃ، مطلب یطلق الدعاء علی ما یشمل الشاء: ۱/۹۷، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب الخامس: ۵/۳۲۳، رشیدیہ)

(و کذا فی فتح القدیر، کتاب الطہارات، باب الحيض والاستحاضۃ: ۱/۱۷۳، رشیدیہ)

(۲) ”عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول:

”أشد الناس عذاباً یوم القيامة الذین یضاهون بخلق اللہ“۔ (صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب ما وطئ

من التضاویر، ص: ۱۰۴۳، دارالسلام)

”فصنعتہ حرام بکل حال؛ لأن فیہ مضاہاة لخلق اللہ تعالیٰ“۔ (ردالمحتار، کتاب الصلاۃ، باب

ما یفسد الصلاۃ: ۱/۶۴۷، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاۃ، باب ما یفسد الصلاۃ: ۲/۴۸، رشیدیہ)

(۳) ”(کرہ لبس ثوب تماثل) ذی روح، وأن یكون فوق رأسه، أو بین یدیه، أو (بحذائہ) یمنة، أو =

نمازیوں کا دھیان اس طرف لگتا ہو، تو ان کو بھی فقہاء نے خاص کر جدارِ قبلہ میں مکروہ لکھا ہے (۱)۔ فقط۔
املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۹/۹۶ھ۔

غیر مسلم کی دکان ظاہر کرنے کے لئے تصویر لگانا

سوال [۱۱۴۳۱]: پریس میں اردو، ہندی، انگلش چھپائی، کتابت، طباعت سب ہی قسم کی ہوتی ہے، برابر برابر دکان ہیں، ایک دکان میں قرآن دیوار پر چسپاں ہے اور دوسری دکان پر تصویر لگی ہوئی ہے، اس وجہ سے لگائی گئی ہیں کہ ہندو غیر مسلم گاہک نہیں آتے اور مسلم دکان سمجھ کر واپس ہو جاتے ہیں، اس معنی کرا کر تصویر دیوار پر لگی رہے، تو کیا حرج ہے؟ شریعت کی رو سے اگر کوئی صورت جواز کی ہو، تو تحریر کریں اگر نہ ہو تب بھی تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر رکھنا اور لگانا منع ہے (۲) اور اس نیت سے لگانا کہ دیکھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ مسلمان کی

= یسرۃ۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۶۳۸/۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۴۹/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی الحلبي الكبير، فصل فی کراهیة الصلاة، ص: ۳۵۹، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۱) ”(ولا بأس بنقشه خلا محرابه) فإنه يكره؛ لأنه يلهي المصلي، ويكره التكلف بدقائق النقوش، ونحوها خصوصاً في جدار القبلة“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة وما یکرہ فیہا: ۶۵۸/۱، سعید)

(و کذا فی تبیین الحقائق، فصل: کرہ استقبال القبلة بالفرج: ۴۲۰/۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۶۵/۲، رشیدیہ)

(۲) ”عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”أشد الناس عذاباً عند الله المصورون“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۴۹۷: ۱۳۹/۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”فصنعتہ حرام بكل حال؛ لأن فیہ مضاہاة لخلق الله تعالى، وسواء کان فی ثوب، أو بساط، أو

درهم، وإناء، وحائط، وغيرها“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۶۳۷/۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة: ۴۸/۲، رشیدیہ)

دکان ہے بہت خطرناک ہے، گویا کہ اپنی دکان کو ایک غیر مسلم کی دکان ظاہر کرتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ۔
املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۷/۱۴۰۶ھ۔

تجارت کے لئے کپڑے پر فوٹو بنانا

سوال [۱۱۳۲]: بندہ پاورلوم کے کارخانہ میں کام کرتا ہے۔ ساڑھیوں کے کنارہ پر پھول پتی بھی بنائی پڑتی ہے، عرصہ سے لوگوں کی خواہش ہے کہ کنارہ پر مور بناؤ، میں ٹالتا رہا، مگر اب جب کہ روزگار خراب چل رہا ہے اور گاہکوں کا اصرار بڑھتا تو میں نے مور کا ڈیزائن بنادیا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسا ڈیزائن تیار کرنا جس سے شکل دار چیز بن گئی، جائز ہے یا ناجائز؟ نہ بنانے سے مالک ناراض ہوتا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر خواہ دیوار پر بنائی جائے، خواہ کاغذ پر، خواہ کپڑے وغیرہ پر چاہے قلم سے بنائی جائے یا مشین سے یا کسی اور آلہ سے، یکدم بنائی جائے یا ایک عضو الگ الگ بنایا جائے، کپڑے کی بناوٹ میں یا کسی اور چیز کی بناوٹ میں، بہر صورت ناجائز اور گناہ ہے، اپنی مرضی سے ہو یا کسی کی فرمائش سے روپیہ کے لالچ میں یا ویسے ہی نفس کی خواہش سے، کسی طرح اجازت نہیں (۱)۔

جو کام ناجائز ہو وہ کسی دوسرے کی خواہش یا فرمائش یا اس کی ناخوشی کے ڈر سے جائز نہ ہوگا۔ سچے مسلمان کی آزمائش کا موقع یہی ہوتا ہے کہ ایک ناجائز کام کو دوسرے لوگ کرتے اور نفع کماتے ہیں اور یہ نفع کی پرواہ نہیں کرتا، بلکہ نقصان اٹھاتا اور دوسروں کی ناگواری برداشت کرتا ہے، مگر خدائے پاک کی نافرمانی نہیں کرتا،

(۱) ”عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول: ”أشد الناس عذاباً عند الله المصورون“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاویر، رقم الحدیث: ۴۴۹۷: ۲/۱۳۹، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”فصنعتہ حرام بکل حال؛ لأن فیہ مضاہاة لخلق اللہ تعالیٰ“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب

ما یفسد الصلاة: ۱/۶۴۷، سعید)

(و کذا فی شرح مسلم للنووی، کتاب اللباس، باب تحريم تصوير صورة الحيوان: ۲/۱۹۹، قدیمی)

اگر مور کا سر نہ بنایا جائے تو اس کی شرعاً اجازت ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۷/۸۵ھ۔

پلاسٹک کی گڑیاں اور تصویریں بیچنا

سوال [۱۱۴۳۳]: زید نماز اور زکوٰۃ کا پابند ہے، زید حج بیت اللہ میں تھا، اس کے بعض ذمہ داروں نے دکان پر کچھ تصویریں، ہولی کی پچکاریاں، چڑیاں، گڑیاں، پلاسٹک وغیرہ کی منگوالیں اور دوسرے سامان کے ساتھ اس کو بھی منگوالیا اور فروخت کرنے لگے، زید کہتا ہے کہ ان کو فروخت کرنے سے پرہیز لازم ہے، البتہ مہربند سامان پر اس قدر شدت نہیں برتی جاسکتی، کہ وہ عموم بلوئی میں شامل ہے، اب زید کو اپنا کاروبار کس طرح جاری رکھنا چاہیے؟ تاکہ وہ کھلی ہوئی قباحت سے بچے اور سبب معاش کا طریقہ حلال اور طیب ہو سکے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا یہ خیال بہت مبارک ہے (۲)، اس کو اپنے سابق طور پر رہنا ہی چاہیے، نامناسب چیزوں کی

(۱) حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

صرف چہرہ کی تصویر یا نصف دھڑ کی یعنی نصف اعلیٰ کی، وہ بھی مکمل تصویر کے حکم میں ہے۔

لما فی رواية الطحاوي عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه الصورة الرأس،

فكل شيء ليس له رأس فليس بصورة. معاني الآثار: ۱/۳۶۶.

اور شرح احياء العلوم میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے: "كل شيء له رأس فهو صورة،

إتحاف السادة". (إمداد المفتين، كتاب الحظر والإباحة: صرف چہرہ کی تصویر، ص:

۸۲۴، دارالاشاعت)

"المراد من الصور التي فيها الروح مما لم يقطع رأسه أو لم يمتن بالوطء". (عمدة القارئ،

كتاب اللباس، باب: ۸۹: ۲۲/۱۰۸، دارالكتب العلمية بيروت)

"(قوله: أو مقطوعة الرأس) أي: سواء كان من الأصل أو كان لها رأس ومحي لأنها لا تعبد

بدون الرأس عادة وقيد بالرأس؛ لأنه لا اعتبار بإزالة الحاجبين أو العينين؛ لأنها تعبد بدونها، وكذا

لا اعتبار بقطع اليدين". (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۱/۶۲۸، سعيد)

(۲) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم، الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه =

تجارت سے پرہیز کرے، خواہ وہ مکروہ کے درجہ میں ہوں یا حرام ہوں (۱)، مہربند سامان پر کسی چیز کی تصویر ہو، تو اس تصویر کی خرید و فروخت مقصود نہیں ہوتی، وہ تو محض مارک ہے (۲)، بخلاف گڑیاں اور جاندار کی تصویر کے کھلونے، کہ وہ مقصود ہوتی ہے، فرق ظاہر ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۶/۹۲ھ۔

= لما يمتهن، أو لغيره، فصنعت حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى“۔ (رد المحتار، کتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/۶۴۷، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۲/۴۸، رشیدیہ)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة الخ: ۱/۲۸۵، رشیدیہ)

(۱) ”(و) بطل (بيع مال غير متقوم) أي: غير مباح الانتفاع به ابن كمال فليحفظ (كخمر وخنزير وميتة لم تمت حتف أنفها)“۔ (الدر المختار، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵/۵۵، سعید)

”الحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع“۔ (الدر المنتقى مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۳/۸۴، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

”وهذا لأن محلية البيع بالمالية، والمالية بالانتفاع، والناس اعتادوا الانتفاع بالبعير، والسرقة من حيث الإلقاء في الأرض لكثرة الربع“۔ (المحيط البرهاني، كتاب البيع، في بيع المحرمات: ۵/۳۰۲، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(۲) لہذا اس کی بیع درست ہوگی۔

”الأمور بمقاصدها: يعني: أن الحكم الذي يترتب على أمر يكون على مقتضى ما هو المقصود من ذلك الأمر..... ثم اعلم أن الكلام هنا على حذف المضاف، والتقدير: حكم الأمور بمقاصد فاعليها: أي أن الأحكام الشرعية التي تترتب على أفعال المكلفين منوط بمقاصدهم من تلك الأفعال، فلو أن الفاعل المكلف قصد بالفعل الذي فعله أمراً مباحاً، كان فعله مباحاً، وإن قصد أمراً محرماً، كان فعله محرماً“۔ (شرح المجلة لسليم رستم باز، المقالة الثانية: ۱/۱۷۸، رقم المادة: ۲، مكتبه حنفية كوئٹہ)

(و كذا في قواعد الفقه، ص: ۶۲، ۶۳، مير محمد كتب خانہ)

(و كذا في الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، رقم القاعدة: ۱۴۲: ۱/۹۷، إدارة القرآن كراچی)

(۳) ”و كذا بطل بيع مال غير متقوم كالخمر وخنزير، ويدخل فيه فرس، أو ثور من خرف لاستيناس =

قانونی مجبوری کی بناء پر تصویر کھینچوانا

سوال [۱۱۳۴]: آج کل جیسا کہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کسی بھی حکومت کے محکمہ میں جائے، بغیر فوٹو کے کام نہیں چلتا، اسی طرح اگر ڈرائیوری وغیرہ سیکھے، اس میں بھی بغیر اس کے اجازت نہیں ملتی، تو کیا ایسی صورت میں ناچیز ٹیکسی ڈرائیوری یا آٹو رکشہ سیکھنا چاہتا ہے، اس میں فوٹو کے بغیر حکومت اجازت نہیں دیتی، تو کیا فوٹو نکلوا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا خواہ فوٹو کے ذریعہ سے ہو، یا قلم کے ذریعہ سے یا کپڑے کی بناوٹ میں ہو، سب ناجائز ہے (۱)، تصویر بنانے والوں کو بہت سخت عذاب ہوگا (۲)۔ آدمی اگر قانون کی وجہ سے مجبور ہو، تو وہ معذور

= الصبي؛ لأنه لا قيمة له، ولا يضمن متلفه“۔ (الدر المنقذ مع مجمع الأنهر، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۵۴/۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، كتاب البيوع، باب المتفرقات: ۲۲۶/۵، سعيد)

(۱) ”وظاهر كلام النووي في شرح مسلم، الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لمسا يمتهن أو لغيره، فصنعتة حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء، وحائط، وغيرها“۔ (رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة الخ: ۶۴۷/۱، سعيد)

(و كذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حكم الصور الشمسية: ۱۶۳/۴، مكتبة دار العلوم كراچی)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها: ۴۸/۲-۵۰، رشیدیہ)

(۲) ”عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”أشد الناس عذاباً عند الله المصورون“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، رقم الحديث: ۴۴۹۷: ۳۸۵/۲، قديمی)

”(عن عائشة رضي الله تعالى عنها) أشد الناس عذاباً عند الله يوم القيامة الذين يضاھون بخلق الله“۔ (الجامع الصغير، رقم الحديث: ۱۰۵۲: ۱۰۲۰/۲، مكتبة نزار مصطفى الباز رياض)

ہے، پس اگر آپ ڈرائیوری سیکھنے پر مجبور ہیں کہ بغیر اس کے گزارہ نہیں، تو فوٹو میں آپ بھی معذور ہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۱۳۹۹ھ۔

تصاویر کا فروخت کرنا

سوال [۱۱۳۵]: ایک شکل یہ بھی ہے کہ فریم کرنے والا اپنے پاس تصویریں رکھتا ہے، اس میں جاندار اور غیر جاندار سب ہی تصویریں ہوتی ہیں، گا ہک اس میں اپنی پسند کی تصویر لے کر فریم کا آرڈر دے دیتا ہے، اس میں بھی دریافت طلب یہ ہے کہ جاندار چیز کی تصویر دکان میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی تصویر کو فروخت کرنے کے لئے دکان میں رکھنا اور اس کی تجارت کرنا بھی اس کو فریم کرنے سے زیادہ مکروہ ہے، اس سے پرہیز لازم ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۴ھ۔

= (و کذا فی مسند الإمام أحمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۴۰۴۰: ۱/۷۰۳، دار إحياء التراث العربی بیروت) (۱) "وإن تحققت الحاجة له إلى استعمال السلاح الذي فيه تمثال، فلا بأس باستعماله؛ لأن المواضع للضرورة مستثناة عن الحرمة، كما في تناول الميتة". (شرح کتاب السير الكبير، باب ما يكره في دار الحرب الخ: ۳/۲۱۸، مكتبة عباس احمد الباز رياض)

"الضرورات تبيح المحظورات، ومن ثم جاز أكل الميتة عند المصلحة، وإساعة اللقمة بالخمير، والتلفظ بكلمة الكفر للإكراه". (الأشباه والنظائر، الفن الأول في القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: ۱/۲۵۱، إدارة القرآن كراچی)

(و کذا فی تکملة فتح الملهم، کتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، الصورة عند الحاجة: ۳/۱۶۴، مكتبة دارالعلوم كراچی)

(۲) "وظاهر كلام النووي في شرح مسلم: الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتنهن أو لغيره، فصنعتة حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب أو بساط أو درهم وإناء وحائط وغيرها، اهـ". (رد المحتار، کتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين =

تصاویر کی تجارت کرنا

سوال [۱۱۳۶]: اکثر مسلم تاجر آتش بازی، تاش اور تصاویر جس میں فلمی فوٹو اور ہندو مذہب کے دیوتاؤں کی تصاویر ہوتی ہیں، فروخت کرتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

تصاویر اور تاش و آتش بازی کی تجارت بھی منع ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= سنة وبدعة: ۱/۶۴، سعید)

”عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، أنه اشترت نمرقة فیہا تصاویر، فلما راها رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، قام علی الباب فلم یدخل، فعرفت فی وجہہ الکراہیة، قالت: فقلت: یا رسول اللہ! أتوب إلی اللہ ورسولہ ماذا أذنبت؟ فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ما بال هذه النمرقة؟ قلت اشتريتها لتعقد علیہا وتوسدها، فقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: إن أصحاب هذه الصور یعذبون يوم القيامة، یقال لهم: أحيوا ما خلقتم“، وقال: إن البیت الذی فیہ الصورة لا تدخله الملائكة، متفق علیہ“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاویر، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قدیمی)

”لا یحل عمل شيء من هذه الصور، ولا یجوز بیعها ولا التجارة لہا، والواجب أن یمنعوا من ذلك“۔ (بلوغ القصد والمرام، ص: ۲۰، بحوالہ تصویر کے شرعی احکام، مؤلف: مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، تصاویر کی تجارت، ص: ۸۹، إدارة المعارف کراچی)

”ما قامت المعصية بعینه یکرہ تحریماً، وإلا فتزیہاً“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب

الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۲/۳۹۱، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراہیة، فصل فی البیع: ۸/۳۷۱، رشیدیہ)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة: ۲)

”والثالث: بیع أشياء لیس لہا مصرف إلا فی المعصية فیتمحض بیعہا، وإجارتہا، وإن لم یصرح بہا،

ففي جميع هذه الصور قامت المعصية بعین هذا العقد، والعاقدان کلاهما ائتمان بنفس العقد، سواء استعمل

بعد ذلك أم لا“۔ (جواهر الفقہ، تفصیل الکلام فی مسئلة الإعانة علی الحرام: ۲/۴۴۸، دارالعلوم کراچی)

”ما قامت المعصية بعینه یکرہ بیعہ تحریماً وإلا فتزیہاً“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب =

تصویر پر پھول چڑھانا

سوال [۱۱۳۷]: تصویر پر پھول چڑھانا یا ہار پہنانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر بنانا بھی ناجائز اور ایسی تصویر کی تجارت کرنا بھی ناجائز ہے اور پھول چڑھانا بھی منع ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عثیٰ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

برتنوں پر جاندار کی تصویر بنانے کی اجرت

سوال [۱۱۳۸]: ہمارے مراد آباد میں برتنوں کا کام ہوتا ہے، بعض برتن مورتی کا بھی بنتا ہے اور

= الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۱، رشیدیہ)

(۱) ”عن طلحة رضي الله تعالى عنه قال: قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قدیمی)

”فظاهر كلام النووي في شرح مسلم، الإجماع على تحريم تصوير الحيوان، وقال: وسواء صنعه لما يمتهن أو لغيره، فصنعه حرام بكل حال؛ لأن فيه مضاهاة لخلق الله تعالى، وسواء كان في ثوب، أو بساط، أو درهم، وإناء، وحائط، وغيرها.“ (ردالمحتار، كتاب الصلاة، مطلب: إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة: ۱/۶۲۷، سعید)

(و كذا في تكملة فتح الملهم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان، حكم الصور الشمسية: ۲/۱۶۳، مكتبة دارالعلوم کراچی)

”ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريماً وإلا فتزيهاً.“ (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب

الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۳۹۱، سعید)

”لا يحل عمل شيء من هذه الصور، ولا يجوز بيعها ولا التجارة.“ (بلوغ القصد والمرام، ص:

۲۰، بحوالہ: تصویر کے شرعی احکام، عنوان: تصویر کی تجارت، ص: ۸۹، إدارة المعارف کراچی)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۸/۳۷۱، رشیدیہ)

بعض برتنوں میں مورتی اور ذی روح جانور اونٹ مچھلی وغیرہ بناتے اور کھودتے ہیں، یہ مورتی اور جانور کا بنانا، کھودنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

برتنوں پر جاندار کی تصویر بھی بنائی جاتی ہے اور پھول نیل بوٹے بھی بنائے جاتے ہیں، پس یہ بھی کچھ کام جائز ہوا کچھ ناجائز، اس کی وجہ سے پورے کام کو ناجائز نہیں کہا جائے گا اور اصل مالیت تو مال کی ہے، بعض برتنوں کی تصویر تو اس پر محض زینت کے لئے بناتے ہیں، جائز کام کی اجرت جائز ہوتی ہے، ناجائز کام کی اجرت ناجائز (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۷/۹۹ھ۔

تجارتی کتابوں پر فوٹو کا حکم

سوال [۱۱۲۳۹]: مکان اور دکان کے اندر بہت سی کتابیں رکھی ہیں یا اور چیزیں جو کہ دکان پر فروخت کی جاتی ہیں، سامان وغیرہ اور گھر کے سامان جو کہ استعمال میں آتے ہیں، ان کتابوں سامانوں پر فوٹو اور مورت، شکل و صورت وغیرہ ہوتی ہے، جو کہ مجبوراً رکھنی پڑتی ہیں اور خرید و فروخت کرنی پڑتی ہے، کیا ایسی صورت

(۱) قال الشيخ المفتي محمد شفيع العثماني رحمه الله تعالى:

”بيع وشراء میں اگر تصاویر خود مقصود نہ ہوں، بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہو کر آجائیں جیسے:

اکثر کپڑوں میں مورتی لگی ہوتی ہیں، یا برتنوں اور دوسری مصنوعات جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید و فروخت تبعاً جائز ہے۔

”كما يستفاد من بلوغ القصد والمراعاة معزياً للهشمي، ولما هو من القواعد

المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لا يجوز قصداً ويجوز تبعاً، كما

صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار ولا إصالة وقصداً“ (تصویر کے شرعی احکام،

ص: ۸۸، إدارة المعارف کراچی)

”قد ثبت من الحكم تبعاً ما لا يثبت مقصوداً، كالشرب في البيع، والبناء في الوقف“

(رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار: ۳/۳۶۱، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۳۳، رشیدیہ)

میں رحمت کا فرشتہ داخل ہوگا یا نہیں؟ یا گناہ کا مستحق بنے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاندار کی تصویر ہو، تو اس پر کتاب وغیرہ رکھ کر اس کو پوشیدہ کر دیا جائے، ورنہ رحمت کا فرشتہ نہیں آئے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، (صدر مفتی) دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۱۴۰۷ھ۔

تصویر والے اخبارات و رسائل کا بیچنا

سوال [۱۱۴۴۰]: اردو انگریزی ہندی اخبارات و رسائل جن میں ہر قسم کی فحش و غیر فحش تصاویر سینماؤں کے اشتہار بعض مخرب اخلاق مضامین، رومانی واقعات وغیرہ خلاف شرع امور ہوا کرتے ہیں اور تقریباً کوئی اخبار ان خلاف شرع امور سے خالی نہیں ہوتا، ایسے اخبار کی ایجنسی مسلمانوں کو لینا کیسا ہے؟ جب کہ اکثر مسلمان لڑکے یہاں یہ کاروبار کرتے ہیں۔

ایم اے رحمن مکان نمبر ۱۰۳۴/۵۰۹، حیدرگوڑہ، حیدرآباد (اے-پی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اخبارات و رسائل میں کارآمد و مفید مضامین بھی ہوتے ہیں، اس لئے سب کی خرید و فروخت کو ناجائز

(۱) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: "لا تدخل الملائكة بيتاً فيه كلب ولا تصاوير" متفق عليه.

(مشكاة المصابيح، كتاب اللباس، باب التصاوير، الفصل الأول، ص: ۳۸۵، قدیمی)

"لا تدخل الملائكة أي: ملائكة الرحمة والبركة قال الخطابي: إنما لا تدخل الملائكة بيتاً

فيه كلب، أو صورة مما يحرم اقتناءه من الكلاب، والصور، وأما ما ليس بحرام مثل كلب الصيد،

والزراع، والماشية، ومن الصور التي تمتنع في البساط، والوسادة، وغيرهما فلا يمنع دخول الملائكة

بيته. وقيل: هو على عمومته، ورجحه القرطبي واختاره النووي. فقد قال النووي رحمه الله تعالى: الأظهر

أنه عام في كل كلب وصورة وإنهم يستنعون من الجميع لإطلاق الأحاديث". (التعليق الصبيح، كتاب

اللباس، باب التصاوير: ۶/۵، رشیدیہ)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة: ۶۴۹/۱، سعيد)

نہیں کہا جائے گا (۱)، جو مضامین لکھنے والے ہیں، خدائے پاک ان کو ہدایت دے کہ وہ مفید مضامین لکھا کریں اور دیکھنے والوں کو ہدایت دے کہ محزب اخلاق مضامین سے پرہیز کریں اور برے اثرات قبول نہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱۲/۹۵ھ۔



(۱) قال الشيخ المفتي محمد شفيع العثماني رحمه الله تعالى :

”بیع و شراء میں اگر تصاویر خود مقصود نہ ہوں، بلکہ دوسری چیزوں کے تابع ہو کر آجائیں جیسے: اکثر کپڑوں میں مررتی لگی ہوتی ہیں، یا برتنوں اور دوسری مصنوعات جدیدہ میں اس کا رواج عام ہے، تو اس کی خرید و فروخت تبعاً جائز ہے۔“

”كما يستفاد من بلوغ القصد والمراعاة معزياً للهيئتي، ولما هو من القواعد المسلمة من فقه الأحناف أن كثيراً من الأفعال لا يجوز قصداً ويجوز تبعاً، كما صرحوا في جواز بيع الحقوق تبعاً للدار ولا إصالة وقصداً“۔ (تصویر کے شرعی احکام، ص: ۸۸، إدارة المعارف کراچی)

”قد يثبت من الحكم تبعاً مالا يثبت مقصوداً، كالشرب في البيع، والبناء في الوقف“۔

(رد المحتار، کتاب الوقف، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار: ۳۶۱/۲، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الوقف: ۳۳۴/۵، رشیدیہ)

الفصل الثاني في الملهي والتلفزيون (سینما اور ٹی وی کا بیان)

کیا اخلاقی فلمیں اچھا شہری بناتی ہیں؟

سوال [۱۱۴۲۱]: مدرسہ دارالعلوم میں جدید نصاب میں داخل کتاب میں لکھوایا گیا ہے، وعظ، اچھی تقریریں، اخبار اور اخلاقی فلم اچھا شہری بناتی ہیں، ایسا لکھنا صحیح ہے؟ اس علم کو پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز قرار دیا جائے تو مناسب ہے اور طلباء پڑھتے ہیں اور طلباء کی ذہنیت گندی ہوتی ہے، اگر اخلاقی فلمیں دیکھنا جائز قرار دیا جائے، تو فلمیں خانہ خدا کو بدرجہ اولیٰ جائز قرار دیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی شی میں دنیوی فوائد کا ہونا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں، جیسے: شراب میں نفع ہونے کا قرآن پاک نے بھی اقرار کیا ہے، پھر بھی وہ حرام ہے، کوئی بے وقوف اگر قرآن پاک میں اس کا نفع پڑھ کر اس کا استعمال کرنے لگے، یہ خود اس کی غلطی ہے۔

﴿يسئلونك عن الخمر والميسر قل فيهما إثم كبير ومنافع للناس

وإثمهما أكبر من نفعهما﴾ الآية (۱)۔

جو شخص فلمیں یا ہر قسم کے جھوٹے سچے اخبار دیکھتے ہیں، وہ شریعت کی نظر میں اچھے نہیں، رسالہ اخبار بنی (۲) حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا شائع شدہ ہے، اس کو دیکھئے، فلم پر بھی ان کا مستقل رسالہ ہے (۳)،

(۱) (البقرہ: ۲۱۹)

(۲) (إمداد الفتاوى، كتاب الحظر والإباحه، رساله اخبار بنی: ۴/۱۶۰، مکتبہ دارالعلوم)

(۳) (إمداد الفتاوى، كتاب الحظر والإباحه، رساله تصحيح العلم في تقبيح الفلم: ۴/۱۶۰، مکتبہ

ہاں! بازار میں لوگوں کی اصلاح میں ایسا شخص ضرور ہی اچھا شہری ہے، اس لئے کہ ان کے نزدیک عیب ہنر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۸۹ھ۔

نعت کو ساز پر سننا

سوال [۱۱۴۲۲]: نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں نعت شریف مع ساز کے سننا کیسا

ہے؟ جب کہ نعت کے الفاظ پر غور کرتا ہو قطع نظر کرتے ہوئے ساز کے بالکل دھیان ہی نہ دیتا ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ساز کے ساتھ نعت شریف کو پڑھنا نہایت خطرناک ہے، فقہاء نے اس پر بہت سخت حکم لگایا ہے۔ سننے

والا ایسی خطرناک چیز کو سن کر خود بھی خطرہ مول لیتا ہے، اگرچہ اس کا دھیان ساز کی طرف نہ ہو (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۱۴۰۶ھ۔



(۱) ”أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان يكره رفع الصوت عند قراءة القرآن“۔ (مصنف ابن أبي شيبة، كتاب فضائل القرآن، من كره رفع الصوت واللغة عند قراءة القرآن: ۵۲۳/۱۵، ۵۲۴، المجلس العلمي)

”عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: أنه كره رفع الصوت عند قراءة القرآن، والجنابة، والزحف، والذكر فما ظنك عند الغناء الذي يسمونه وجداً ومحبة، فإنه مكروه لا أصل له في الدين“۔ (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۹۸/۶، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ۲۱۹/۴، مكتبه غفاريہ كوئٹہ)

باب الألعاب

(کھیلوں کا بیان)

تاش کا حکم

سوال [۱۱۴۴۳]: تاش کھیلنا جب کہ کوئی شرط وغیرہ نہ ہو، جب کہ تاش پر فوٹو وغیرہ بھی ہوتے ہیں، جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ محض تفریح کے لئے ہو۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تاش کھیلنا بغیر مالی ہار جیت (جوا) کے بھی جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱/۸۷ھ۔

(۱) تاش کے پتوں پر جاندار کی تصویریں بنی ہوتی ہیں اور اس میں انہماک سے دینی کاموں کا ضیاع لازم آتا ہے، لہذا بغیر جوا کے بھی اس سے اجتناب لازم ہے۔

”عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول: ”أشد الناس عذاباً عند الله المصورون“ متفق عليه. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاویر، رقم الحدیث: ۴۴۹۷: ۲/۱۳۹، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لا تدخل الملائکۃ بیتاً فیہ کلب ولا تصاویر“ متفق علیہ. (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاویر، الفصل الأول: ۲/۱۳۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

”وبالجملة أن هذه التصاویر الملعونة جماع الإثم، والفواحش، لو لم یکن فیہا نص من الشارع علیہ الصلاة والسلام لكانت المفاسد التي تنشأ منها كافية بلا ریب ونکران“. (التعلیق الصبیح، کتاب اللباس، باب التصاویر: ۵/۶، رشیدیہ)

شطرنج کی ممانعت پر دلیل

سوال [۱۱۴۲۲]: شطرنج کھیلنا مکروہ ہے یا حرام ہے؟ نیز اس کی ممانعت جن الفاظ کے ساتھ حدیث پاک میں آئی ہے، وہ تحریر فرمادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شطرنج میں اگر قمار وغیرہ نہ ہو، تو مکروہ ہے، کذا فی البحر (۱)۔

شطرنج کے متعلق صراحۃً کوئی حدیث صحاح میں دیکھنا محفوظ نہیں، البتہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے الزواجر (۲) میں بعض روایت نقل کی ہیں، ابوداؤد شریف میں زرد شیر کی ممانعت ان الفاظ کے ساتھ ہے:

”من لعب بالنرد شیر فقد عصی الله ورسوله“ (أبوداود، باب فی النهی عن اللعب عن النرد: ۶/۲۷۵) (۳)۔

(۱) (البحر الرائق، کتاب الکراہیۃ، فصل فی البیع: ۸/۳۸۰، رشیدیہ)

”وکرہ تحریماً اللعب بالنرد وکذا الشطرنج وهذا إذا لم یقامر، ولم یداوم، ولم یخل بواجب، وإلا فحرام بالإجماع“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، الحظر والإباحة: ۶/۳۹۳، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب السابع عشر فی الغناء واللہو: ۵/۳، رشیدیہ)

(۲) ”عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: ”إن لله تعالى في كل يوم ثلاثمائة وستين نظرة إلى خلقه ليس لصاحب الشاه فيها نصيب“ وفسر صاحب الشاه بلاعب الشطرنج؛ لأنه يقول: شاه“۔ (الزواجر عن اقتراف الكبائر، کتاب الشهادات، الكبيرة الخامسة والأربعون: ۲/۳۳۲، دار الفکر بیروت)

”وروي عنه صلى الله تعالى عليه وسلم أنه قال: ”أشد الناس عذاباً يوم القيمة صاحب الشاه“

یعنی صاحب الشطرنج“۔ (الزواجر، کتاب الشهادات، الكبيرة الخامسة: ۲/۳۳۲، دار الفکر بیروت)

”أن أبا موسى الأشعري رضي الله تعالى عنه قال: لا يلعب بالشطرنج إلا خاطئ. وعنه: أنه سئل عن لعب الشطرنج، فقال: هي من الباطل ولا يحب الله الباطل“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاوير: ۲/۱۴۱، دار الكتب العلمية بیروت)

(۳) (سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب فی النهی عن اللعب بالنرد: ۲/۳۳۳، رحمانیہ)

(ومشكاة المصابيح، کتاب اللباس، باب التصاوير: ۲/۱۴۰، دار الكتب العلمية بیروت)

نزد شیر کی تشریح شطرنج کے ساتھ کی گئی ہے۔ کذا فی فتح القدیر: ۶/۳۹ (۱)۔
 اور کنز الدقائق کی شرح زیلعی: ۴/۲۲۳ میں حدیث شریف کے ہی الفاظ اس طرح بھی منقول ہیں:
 ”قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: ”ملعون من یلعب بالنرد“ (۲)۔
 فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۸۹ھ۔



(۱) (فتح القدیر، کتاب الشهادات، باب من تقبل شہادتہ: ۶/۳۸۵، رشیدیہ)

(۲) (تبیین الحقائق، کتاب الشہادۃ، باب من تقبل شہادتہ ومن لا تقبل: ۴/۲۲۳، إمدادیہ)

باب الموالات مع الکفار والفسقة

(کفار اور فاسقوں کے ساتھ دوستی کرنے کا بیان)

غیر مسلم بیمار کی خدمت اور اس کے لئے دعائے صحت

سوال [۱۱۴۲۵]: غیر مسلم مریضوں کی خدمت نصرت اور تیمارداری کرنا کیسا ہے؟ بعد از نماز ان

کے لئے دعائے صحت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا بلندی اخلاق ہے، جب کہ کوئی دنیوی لالچ نہ ہو، دعائے صحت بھی درست ہے کہ حق تعالیٰ

ہدایت دے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

مشرک کے لئے دعائے مغفرت کرنے کا حکم

سوال [۱۱۴۲۶]: ایک شخص عبدالحی تھا، اعمال شرکیہ میں مبتلا تھا، عقیدہ بھی شرک کا رکھتا تھا اور

لوگوں کو بھی شرک میں مبتلا کرتا تھا اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر کہتا تھا، نذر و نیاز کرتا اور کراتا

تھا غیر اللہ کی، اکابرین امت کو کافر کہتا تھا، اب وہ مر گیا، میں اس کو مشرک کہتا ہوں اور اس کے لئے دعائے

(۱) ”(قوله: وجاز عیادته) أي: عیادة مسلم ذمیاً نصرانیاً أو یهودیاً؛ لأنه نوع بر فی حقهم، وما نهینا عن

ذلك. وصح أن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عاد یهود یا مرض بجوارہ“۔ (رد المحتار، کتاب

الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۳۸۸/۶، سعید)

(و کذا فی فتح باب العنایة، کتاب الکراهة: ۲۹/۳، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع: ۳۷۴/۸، رشیدیہ)

مغفرت وغیرہ کچھ نہیں کرتا ہوں، کیا میں اس کو شرعاً مشرک سمجھوں یا دعائے مغفرت وغیرہ کروں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص بحالت شرک مرے، اس کے لئے دعائے مغفرت ناجائز ہے (۱)، مگر اس کا حکم لگانا کہ فلاں شخص مشرک مرا ہے یہ بھی آسان کام نہیں (۲)، بہر حال جس پر شرک کا حکم نہ لگایا جائے، دعائے مغفرت تو اس کے لئے بھی لازم نہیں، سکوت ہی مناسب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۸/۱۴۰۰ھ۔

غیر مسلم کے مکان پر قیام اور اپنی حاملہ بیوی سے ہمبستری کرنا

سوال [۱۱۴۴]: اس بارے میں کہ مجھے اکثر دیہات میں جانا پڑتا ہے، کبھی کبھی رات بھی وہیں

(۱) "قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا﴾ ﴿وَلَا تَصِلْ﴾ الآية..... والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة، وهي متضمنة للدعاء والاستغفار والاستشفاع". (روح المعاني: ۱۵۵/۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال: وشرطها أي: شرط الصلاة عليه إسلام الميت، وطهارته، أما الإسلام فلقوله تعالى: ﴿وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾..... ولأنها شفاعة للميت إكراماً له وطلباً للمغفرة، والكافر لا تنفعه الشفاعة، ولا يستحق الإكرام". (تبیین الحقائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۵۷۲/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الصلاة، باب الجنائز: ۳۱۴/۲، رشیدیہ)

(۲) "عن أبي ذر رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: "لا يرمي رجل رجلاً بالفسوق، ولا يرميه بالكفر إلا ارتدت عليه إن لم يكن صاحبه كذلك". (صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن السباب واللعن: ۸۹۳/۲، قديمی)

"قال الإمام النووي رحمه الله تعالى: في تأويل هذا الحديث أوجه: أحدها: أنه محمول على المستحل لذلك، وهذا يكفر". (شرح النووي على صحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم: يا كافر! ۵۷/۱، قديمی)

(وصحيح مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان حال إيمان من قال لأخيه المسلم يا كافر: ۵۷/۱، قديمی)

(و كذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب حفظ اللسان والغيبة والشتيم: ۵۵/۹، رشیدیہ)

گزارنی پڑتی ہے اور اکثر قیام غیر مسلم لوگوں میں ہوتا ہے اور وہ لوگ ناجائز چیزیں مثلاً: شراب، سور کا گوشت استعمال کرتے ہیں، کیا ایسی جگہ پر کھانا درست ہے؟

اگر بیوی حاملہ ہو، تو صحبت درست ہے یا نہیں؟ اس سے قبل میں نے آپ سے ہی سوال کیا تھا تو آپ نے لکھا تھا شرعاً کوئی پابندی نہیں، لیکن طبی نقطہ نظر سے قرب ولادت میں احتیاط کریں، لیکن یہاں لوگ ایسے ہیں وہ نہیں مانتے، ایک صاحب فرماتے ہیں کہ اس معاملہ میں میری بحث ہندوستان کے بہت بڑے عالم سے ہوئی ہے میسور میں ۱۹۴۷ء سے قبل، مجھے ان عالم صاحب کا نام یاد نہیں آ رہا، ان عالم صاحب نے فرمایا تھا کہ اتنا گناہ ہے جتنا جھوٹ بولنے میں ہے، دوسرے ایک صاحب کہتے ہیں میں نے خود کسی حدیث میں دیکھا ہے کہ ایک بھی دن کا شبہ ہو، تو صحبت جائز نہیں۔

کرم فرما کر چند حدیث کا حوالہ دے کر مطمئن فرمائیں، پہلے والے صاحب ”جمعات اسلامی“ سے تعلق رکھتے ہیں، دوسرا دیوبندی تھا، مگر کچھ مانتے ہیں، لیکن پھر بھی اختلاف ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان کا کھانا، ان کا برتن کچھ قابل اعتماد نہیں، اس سے پورا پرہیز کیا جائے۔ ہاں! اگر وہ برتن میں پاک چیز کھلائیں تو گنجائش ہے (۱)، جیسے کہ دکانوں پر ان کی بنائی ہوئی چیز (ہوٹل میں چائے وغیرہ) کی گنجائش ہے۔ بیوی سے صحبت کی اجازت تو قرآن پاک سے ثابت ہے۔ ﴿نساء، کم حرث لکم فأتوا حرثکم الی شئتم﴾ الآية (۲)۔

جس حالت میں اجازت نہیں، اس کی ممانعت بھی ثابت ہے، مثلاً: ﴿فاعتزلوا النساء فی المحیط

(۱) ”ویکثرہ الأکل، والشرب فی أواني المشرکین قبل الغسل، ومع هذا لو أکل، أو شرب فیہا قبل الغسل جاز، ولا یكون اکلاً ولا شارباً حراماً“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع عشر: ۳۴۷/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الننف، کتاب الجہاد، باب ما یؤکل من أطعمۃ الکفار، ص: ۴۳۵، سعید)

(و کذا فی خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب الکراہیۃ، الفصل الثالث: ۳۴۶/۴، رشیدیہ)

(۲) (البقرة: ۲۲۳)

ولا تقربوہن حتی یطہرن ﴿الآیۃ (۱)﴾.

حالتِ حمل میں ممانعت نہ قرآن میں مذکور نہ حدیث میں، جو حضرات اس کو گناہ اور جھوٹ کے برابر کہتے ہیں ان سے ہی دلیل دریافت کی جائے (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۳/۹۱ھ۔

بھنگی کو کپڑا دینا

سوال [۱۱۴۲۸]: نمازی کے پرانے کپڑے بھنگی، بھنگن کو دینا کیسا ہے؟ بھنگی لوگ اکثر پرانے یا نئے کپڑے مانگتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب کی حاجت پورا کرنے کے لئے نمازی آدمی کو بھی اپنا کپڑا دینا درست ہے، چاہے غریب بھنگی، بھنگن ہو یا کوئی اور (۳)۔



(۱) (البقرة: ۲۲۲)

(۲) ”رجل تزوج حاملاً من زنا منه، فالنکاح صحيح عند الكل، ويحل وطؤها عند الكل“۔ (فتح القدیر،

كتاب النکاح، فصل في بيان المحرمات: ۳/۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و کذا في الفتاوى العالمکیرية، کتاب النکاح، القسم السادس: ۱/۲۸۰، رشیدیہ)

(و کذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳/۳۸، سعید)

(۳) ”وأما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة إليهم بالاتفاق، ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق

وأما الحرابي المستأمن يجوز صرف التطوع إليه“۔ (الفتاوى العالمکیرية، کتاب الزکاة، الباب

السابع في المصارف: ۱/۱۸۸، رشیدیہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصارف: ۲/۳۵۲، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الزکاة، باب المصارف: ۱/۴۶۶، إمدادیہ)

الفصل الأول في الشركة في أعياد الكفار

(کفار کے مذہبی تہواروں میں شرکت کا بیان)

کفار کے جنازہ و مذہبی جلوس میں شرکت کرنا

- سوال [۱۱۴۴۹]: کفار کے جنازہ میں مسلمان کا شریک ہونا جائز ہے؟
 ۲..... کیا کفار کے ارتھی (۱) کو کندھا دینا جائز ہے؟
 ۳..... کفار کے مذہبی جلوس میں شریک ہونا مسلمانوں کو کیسا ہے؟ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۳، ۲، ۱..... ناجائز ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۸/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱/۹/۸۸ھ۔

(۱) ”ارتھی: ہندوؤں کا جنازہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۸۲، فیروز سنز لاہور)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَصِلْ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ﴾ (التوبة: ۴۸)

”والمراد من الصلاة المنهي عنها صلاة الميت المعروفة والمراد لا تقف عند قبره للدفن

أو للزيارة“۔ (روح المعاني: ۱۰/۱۵۴، ۱۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وصحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين: ۱/۱۸۲، قديمي)

”ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم“۔ (مجمع

الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۴/۵۱۳، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمية، كتاب السير، باب ما يكون كفراً من

المسلم وما لا يكون: ۳/۵۷۷، رشيدية)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۶/۷۵۴، سعيد)

وندے ماترم اور ترانہ

سوال [۱۱۴۵۰]: مسلم یونیورسٹی اور دینی مدارس وغیرہ میں کانگریس نے جو مسلم اور اسلام دشمن رویہ اختیار کیا ہے اس میں مسلمانوں نے فتویٰ کانگریس کے خلاف اور مسلم لیگ کے حق میں دیا، کیونکہ وہ ان تمام مسائل کے لئے جدوجہد کر رہی ہے۔ وندے ماترم ایک ایسا ترانہ ہے جس کے متعلق پہلے بھی علمائے کرام کی طرف سے یہ فتویٰ صادر کیا جا چکا ہے کہ یہ ترانہ مسلمانوں کے عقائد کے برعکس شرک کی تعلیم دیتا ہے۔ لہذا اس کا پڑھنا اور اس پر راضی ہونا وغیرہ درست نہیں۔

مہاراشٹر اسمبلی میں کانگریس حکومت کے وزیر داخلہ نے فرمایا کہ وندے ماترم ہر ایک کے لئے لازم ہے اور کسی بھی فرقہ کو خواہ مسلمان ہو یا اور کوئی اس وجہ سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس کے مذہبی عقائد کے خلاف ہے، اس وجہ سے کہ یہ قومی ترانہ ہے، اگرچہ قومی ترانہ نہیں بلکہ جن گن من ہے، جو اس کی مخالفت کرے گا ہم اس کو برداشت نہیں کریں گے، اس طرح ۱۸ مارچ کے ”پرتاپ دعوت“ وغیرہ اخبار میں ہے ”اس دیش میں رہنا ہے تو وندے ماترم گانا ہوگا“، بمبئی یوتھ کانگریس کی مسلمانوں کو وارننگ اسمبلی کے اندر مسلمانوں کی موجودگی میں یہ ترانہ پڑھا گیا تو ہم علماء کرام سے اسی وجہ سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں۔

۱..... وندے ماترم کا گانا یا اس پر راضی ہونا یا اس پارٹی کی حمایت کرنا یہ امر بھی جائز ہے یا نہیں؟

۲..... ایسی پارٹی کو جو لازمی قرار دے رہی ہے اور نہ پڑھنے والے اور مخالفت کرنے والے کو ہدف ملامت بنا رہی ہے، ایسی پارٹی کے اندر رہنا یا اس کی مدد کرنا یہ امر مباح ہے یا نہیں؟ اگر مباح ہے تو کس دلیل شرعی سے اور اگر نہیں تو کیوں اور جو مسلمان اس پارٹی کے اندر ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

۳..... کیا ہم کو لازم نہیں اسلامی اعتبار سے کہ ہم اس پارٹی کے خلاف مستقل محاذ بنائیں اور اپنی پارٹی بنائیں یا اس کو مدد دیں کہ جس کا کام خالص مسلمان کے اس طرح کے مسائل کے متعلق جدوجہد کرنا ہو، پہلی کی۔ مثال کانگریس اور دوسری مثال لیگ ہے۔

۴..... ایسے مسلمانوں کے متعلق کیا حکم ہے جو وندے ماترم ترانہ کے مسلمانوں پر بھی لازم کرنے کی پرزور حمایت کرتے ہیں؟ جب کہ ایک فتویٰ میں دیکھا کہ گانے والا اور راضی ہونے والا دونوں کا ایک حکم ہے، عیسائیوں کے ترانہ کے متعلق سوال تھا، مثلاً: ابھی حال میں فخر الدین علی احمد مرکزی وزیر (خوراک) نے بیان

دیتے ہوئے کہا تھا کہ لازمی ہونا چاہیے اس طرح کہ اس کا احترام بھی لازمی ہونا چاہیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اول تو یہ ترجمہ اصل ترانہ کے انگریزی ترجمہ کا ترجمہ ہے، جب تک اصل الفاظ ترانہ کے سامنے نہ ہوں کوئی قطعی و حتمی بات نہیں کہی جاسکتی، پیش نظر ترجمہ کے الفاظ کا جہاں تک تعلق ہے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترانہ محض سیاسی انداز کا نہیں ہے، بلکہ اس میں مذہبی رنگ غالب ہے اور غیر متوازن و غیر معتدل محبت و عقیدت کا حامل جو اسلامی عقائد کے نظریات سے میل نہیں کھاتا، بلکہ متصادم ہے اور اسلام جو مزاج بنانا چاہتا ہے اس کے خلاف ہے اور بعض جملے موہم شرک بھی ہیں، اس لئے مسلمانوں کو ان سے اجتناب و پرہیز لازم ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو چاہیے کہ حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو اس سے قانوناً و عملاً مستثنیٰ کرائیں (۱)۔

۲..... جو لوگ منع کرنے والوں کو ملامت کرتے ہیں وہ شرعاً خود مستحق ملامت ہیں، اس بارے میں ایسے لوگوں کا تعاون نہ کیا جائے۔

۳..... وہ صورت اختیار کی جائے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید ہو اور ان کے عقائد کو مجروح ہونے سے بچائے۔

۴..... ان کو شرعی مسئلہ بتلایا جائے، سمجھایا جائے اور اس کے بعد بھی نہ مانیں تو ایسے لوگ جو شرعی احکام و عقائد کی رعایت نہیں کرتے ہیں وہ شرعاً مستحق تعاون نہیں۔

(۱) بدقسمتی سے اس وقت ہندوستان پر ہندو، تہ فرقہ پرستی کا غلبہ ہوتا جا رہا ہے، فرقہ پرست سیاسی جماعتیں برسرِ اقتدار آرہی ہیں اور انہوں نے بعض ریاستوں میں ایک ایسے ترانہ کو پڑھنے کا لزوم عائد کر دیا ہے، جو مشرکانہ تصور پر مبنی ہے، میری مراد ”وندے ماترم“ سے ہے، یہ سنسکرت زبان کا فقرہ ہے اور اس کے معنی یہ ہے کہ ”میں اپنے مادر وطن کا پرستار ہوں اور اس کی عبادت کرتا ہوں“۔ حب الوطنی بری چیز نہیں اور اگر انصاف کے دائرہ میں ہو، تو اسلام اسے پسند کرتا ہے، یہ ایک فطری جذبہ ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہر انسان کے اندر ودیعت ہے، لیکن اسلام میں خدا کے سوا کسی کی پرستش نہیں کی جاسکتی اور بندگی صرف خدا ہی کے لئے ہے، اس لئے اسلامی نقطہ نظر سے اس طرح کے اشعار کا پڑھنا اور ان کو قبول کرنا قطعاً جائز نہیں۔ (جدید فقہی مسائل، متفرقات امارت و قضاء، وندے ماترم: ۱/۳۱۵، زمزم)

(و کذا فی کفایت المفتی، کتاب سیاسیات، مسلمان بچوں سے ہندوؤں کا گیت گانے پر احتجاج کیا جائے:

نوٹ: اخباری خبر پر کسی مسئلہ کی بنیاد مناسب نہیں اور نہ اس پر کوئی شرعی حکم لگایا جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۳/۹۳ھ۔

وندے ماترم

سوال [۱۱۴۵۱]: دفتروں اور مدرسوں میں وندے ماترم پڑھنے پر اگر اصرار کیا جائے تو پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کے معنی کیا ہیں، اگر یہ شعار کفار ہے، تو اس سے بچنا لازم ہے اور اس کے لئے درخواست دے کر قانونی طور پر استثناء کرا لیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

چمار چودس میں سامان خریدنے جانا

سوال [۱۱۴۵۲]: دیوبند میں چودس میلہ جواہل ہنود صاحبان کا مذہبی میلہ ہے اور چاند کی ۱۲، ۱۳ تاریخ کو پوجا پاٹ کی رسم منائی جاتی ہے، جس میں اہل اسلام کا شرکت کرنا یقیناً گناہ ہوگا، مذکورہ بالا تاریخ کے بعد بھی چند روز بازار وغیرہ رہتا ہے، جس میں اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی ہے، بازار، دکانیں، پوجا پاٹ کے مندر سے دور خاصے فاصلہ پر لگتی ہے، اگر تو تاریخ مذکورہ بالا کے بعد اہل اسلام اس میلہ میں بانس کے سامان پٹی، سیروے، لٹھی، لکڑی کے پائے، بکس، مسہریاں وغیرہ خریدنے کے لئے جائیں تو کیسا ہے؟ گناہ ہے یا نہیں؟ جانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگرچہ پوجا پاٹ کی تاریخیں صرف ۱۲، ۱۳، ہیں، مگر یہ سب میلہ اس نام پر ہوتا ہے اور اس میں شرکت

کرنے والے اس ناجائز میلہ میں شرکت کرتے ہیں، ان تاریخوں کے گزر جانے کے بعد بھی بقیہ ایام کا میلہ اس اصل میلہ کا بقیہ ہے (۱)، اگر کوئی شخص میلہ کے مقصد اصل سے بالکل جدا ہو کر محض اچھا سامان خریدنے کے لئے جائے تو وہ گو مقصد میلہ کی شرکت کا مجرم نہ ہو، لیکن دوسرے لوگوں کے ظنون اس سے فاسد ہوں گے اور ظنون فاسدہ کو استدلال کا موقع ملے گا اور مظنہ تہمت سے بچنا بھی لازم ہے (۲)، خاص کر اہل علم حضرات کے لئے۔
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۶/۱/۸۷ھ۔



(۱) ”ویکفر بخروجه إلى نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم“۔ (مجمع

الأنهر، کتاب السیر، باب ألفاظ الکفر أنواع: ۵۱۳/۲، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، کتاب السیر، باب مايكون كفراً من

المسلم وما لا يكون: ۵۷۷/۳، رشیدیہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الخنثی، مسائل شتی: ۷۵۴/۶، سعید)

(۲) ”أن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كان إذا سلم يمكث في مكانه يسيراً، قال ابن شهاب: فترى

والله أعلم لكي ينفذ من ينصرف من النساء وفيه اجتناب مواضع التهم“۔ (فتح الباری، کتاب الأذان،

باب مکث الإمام في مصلاه بعد السلام: ۴۲۸/۲، قدیمی)

”لا ينبغي دخول مواضع التهم، ومن ملك نفسه خاف من مواضع التهم أكثر من خوفه من

وجود الأثم“۔ (فيض القدير: ۲۴۳۲/۵، رقم الحديث: ۲۸۸۸، نزار مصطفى الباز رياض)

”(اتقوا مواضع التهم) ذكره في الإحياء، وقال العراقي في تحريج أحاديثه: لم أجد له أصلاً

لكنه بمعنى قول عمر من سلك مسالك الظن اتهم“۔ (كشف الخفاء، باب حرف الهمزة، رقم

الحديث: ۸۸، ص: ۳۷، دار الكتب العلمية بيروت)

الفصل الثالث في إعانة الكفار بالمال (مال سے کفار کی اعانت کرنے کا بیان)

رام لیلا میں شرکت اور چندہ

سوال [۱۱۲۵۳]: ۱..... رام لیلا جو ایک نائک (۱) کی طرح کھیلا جاتا ہے، جو کفر و شرک سے بھرپور اور جس میں پوجا پاٹ کیا جاتا ہے، رام لکشمی (رام کی بیوی) اور ہنومان (۲) وغیرہ کے پارٹ ادا کئے جاتے ہیں، چنانچہ اگر کوئی مسلمان لکشمی یا کرشن (۳) وغیرہ کا پارٹ ادا کرے، تو ایسے شخص کے لئے از روئے شریعت مطہرہ کیا حکم ہے، اس کا دیکھنا جائز ہے یا کہ نہیں؟

۲..... رام لیلا میں رام چند کی بیوی (سیتا) کے لئے زید نے ایک سونے کی نتھ (۴) بنوا کر دی اور بکر نے اسٹیج سازی کے لئے بیم بنوا کر پرو دیا، محمود نے سیتا کا لباس ساڑھی کے لئے روپیہ دیا، لہذا ایسے شخص کے لئے شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس قسم کی چیزوں میں مسلمان کے لئے شرکت حرام ہے، اگر غیر اللہ کی پوجا پاٹ کرے گا تو ایمان سے ہی محروم ہو جائے گا (۵)۔

(۱) ”نائک: ناچنے والا، رقاص، تماشہ کرنے والا، بہر و پیا، ایکٹر، کھیل، تمش، ڈرامہ۔“ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۳۹، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”ہنومان: ہندوؤں کا ایک دیوتا، ہندوؤں کا ایک سردار، جس نے سیتا جی کی بازیابی میں رام چندر جی کی مدد کی تھی، بندر، بوزن۔“ (فیروز اللغات، ص: ۱۴۵۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”کرشن: شو کے اوتار، کنہیا جی، مجاز آسیاہ فام آدمی۔“ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۰۳، فیروز سنز لاہور)

(۴) ”نتھ: ناک میں پہنے کا زیور، سہاگ، جانوروں کے ناک کی رسی۔“ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۵۱، فیروز سنز لاہور)

(۵) ”وعن الإمام أبي حفص رحمه الله تعالى: لو أن رجلاً عبد ربّه خمسين سنة، ثم جاء يوم النيروز، فأهدى =

۲..... ناجائز ہے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

مندر کے لئے چندہ دینا

سوال [۱۱۲۵۴]: میں نے مندر کے چندہ کے لئے کچھ روپیہ دیئے جن کی رسید ہم نے ان سے لی، پھر میں پچھتا یا کہ میں نے غلطی کی تو اس کی بھی مذہب قرآن حدیث کی روشنی میں دلائل چاہتا ہوں۔
الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی بہانہ سے ان سے وہ روپیہ لے لیجئے اور پھر اس نیت سے دیجئے کہ آپ ان مانگنے والوں کو دے رہے ہیں، اب ان کا کام ہے کہ جہاں جی چاہے خرچ کریں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۷/۱۳۹۹ھ۔

= إلى بعض المشركين هدية، يريد تعظيم ذلك اليوم، فقد كفر“. (الفتاوى البزازية على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب ألفاظ تكون إسلاماً أو كفراً أو خطأ، السادس في التشبيه: ۳۳۴/۶، رشیدیہ)
”ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس، والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم“. (مجمع الأنهر، كتاب السير، باب ألفاظ الكفر أنواع: ۵۱۳/۴، مكتبة غفاريه كوئٹہ)
(و كذا في رد المحتار، كتاب الخنثى، مسائل شتى: ۷۵۴/۶، سعيد)
(۱) قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة: ۳)
”قال الحافظ ابن كثير رحمه الله تعالى: وينهاهم عن التناصر على الباطل، والتعاون على المآثم والمحارم“. (تفسير ابن كثير: ۱۰/۲، دارالسلام رياض)
(و كذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، حقانيه پشاور)
(۲) اس لئے کہ مندر میں چندہ دینا اعانت علی المعاصی کے زمرہ میں آتا ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے، جب کہ دوسری صورت میں سامنے والے شخص کو روپیہ دینا مقصود ہے نہ کہ مندر کے لئے۔

قال الله تعالى: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (المائدة: ۲)
”وينهاهم عن التناصر على الباطل، والتعاون على المآثم والمحارم“. (تفسير ابن كثير: ۱۰/۲، دارالسلام رياض)

(و كذا في التفسيرات الأحمدية، ص: ۳۳۱، حقانيه پشاور)

باب مایتعلق بالجنات

(جنات کا بیان)

مؤکل اور جن کو تابع کرنا

سوال [۱۱۲۵۵]: مؤکلین اور جنات کا بذریعہ آیات قرآنی تابع کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ اگر ان کے ذریعہ کسی کار خیر کو انجام دیا جاوے، مثلاً: زید یا اس کے مکان میں آسیب کا اثر ہے، اس کو ان کی قوت خفیہ کے ذریعہ سے زائل کر دیا تو باعثِ اجر ہو گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مؤکلات اور جنات کا تابع کرنا اگر آیات قرآنی کو ناجائز طریق پر عمل کرنے سے ہو، تو ناجائز اور حرام ہے، اگر جائز طریق پر عمل کرنے سے ہو تب بھی اپنے منافع کی غرض سے ایک دوسری مخلوق کو پریشان کرنا اور تابع کرنا جائز نہیں، نیز اس میں بہت سے مفاسد ہیں: بعض دفعہ نا تجربہ کاری سے عمل الٹا پڑ جاتا ہے، بعض دفعہ ناواقفیت سے الفاظ صحیح نہیں پڑھے جاتے جس سے معنی بدل جاتے ہیں اور عذاب کا اندیشہ ہے، پرہیز اگر پورا پورا نہ ہو سکے تو بسا اوقات جنات نقصان پہنچاتے ہیں، قتل کر ڈالتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ رہا آسیب کا اثر زائل کرنا تو وہ مؤکلات کے تابع کرنے پر موقوف نہیں، بلکہ اس کے دوسرے طریق بھی ہیں جو جائز اور بے خطرہ ہیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۵۱ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

(۱) ”نعم! یشہد فعلہ علیہ الصلاۃ والسلام علی أن تسخیر الجن کان غیر مرضی عنده؛ لکمال الأدب فی شأن سلیمان علیہ السلام فغیرہ أولى به، وهذا الذي قلنا من جوازه إذا کان الجن یحل استعباده وتسخیرہ من الکفرة، وأما المسلم فلا یحل استرقاقه، أو تقييده من غیر وجه کما فی الإنسان، کما لا =

کسی پر آئے ہوئے جن اور پری کے ذریعہ علاج کرانا

سوال [۱۱۴۵۶]: ہمارے علاقہ میں ایک نوجوان جو اخلاقی اعتبار سے بہت نیک ہے، زندگی میں سادگی ہے، برسر روزگار ہے، اس کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ اس پر کسی مرحوم بزرگ (ولی) کا سایہ ہے، بزرگ اس پر حاضر ہوتے ہیں۔ اور مختلف امراض، آسیبی اثر آپسی تنازعہ سے متعلق تفصیل سے بتاتے ہیں اور علاج بھی کرتے ہیں۔ سینکڑوں لوگ شفا یاب ہوئے، لوگ اپنے طور پر عطیہ دیتے ہیں، ان کی کوئی مانگ نہیں، علاج میں شریک فعل نہیں ہے۔ علاج تعویذ، گنڈاوپانی پر دم کر کے کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک ضعیف سال خاتون پر پریوں کا سایہ ہے، پر یاں اس پر حاضر ہوتی ہیں اور نہایت فصیح اردو، مراٹھی میں گفتگو کرتی ہیں، جب کہ ضعیفہ اردو، مراٹھی بالکل نہیں جانتی، عمل میں شریک فعل نہیں ہے، علاج کسی چیز پر دم کر کے اور گنڈا دھاگا دے کر کرتی ہے۔

۱..... مندرجہ بالا واقعہ سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

۲..... اس طریقہ علاج سے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

۳..... اس علاج پر یقین رکھنے اور جائز جاننے والے پر شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳..... جّنات اور پریوں کا انسان مرد و عورت پر آنا اور اس قسم کی باتیں بتانا ممکن ہے (۱)، اردو،

= ینحی“ (أحكام القرآن للتهانوي: ۴/۴۳، إدارة القرآن کراچی)

”فإذا تقرب صاحب العزائم والأقسام، وكتب الروحانيات السحرية، وأمثال ذلك إليهم بما يحبونه، فمن الكفر والشرك، عار ذلك كالرشوة والبرطيل لهم فيقضون بعض أغراضه كمن يعطي غيره مالا ليقتل له من يريد قتله، أو يعينه على فاحشة، أو ينال معه فاحشة، ولهذا كثير من هذه الأمور يكتبون فيها كلام الله تعالى بالنجاسة وقد يقلبون حروف ﴿قل هو الله أحد﴾ أو غيرها بنجاسة“ (أحكام المرجان، الباب الثامن والأربعون، ص: ۱۰۰، خير كثير)

(و كذا في فتح الباري، كتاب الطب، باب الرقي بالقرآن والمعوذات: ۱۰/۲۴۱، قديمي)

(راجع للتفصيل: معارف القرآن: ۷/۲۶۵، إدارة المعارف)

۱۰، ”ذكر أبو الحسن الأشعري في مقالات أهل السنة والجماعة أنهم يقولون: إن الجن تدخل في بدن =

مراٹھی یا کسی اور زبان میں گفتگو کرنا بھی ممکن ہے (۱)، علاج کے لئے کسی دوا کا بتلانا اور اس سے شفاء کا حاصل ہونا بھی ممکن ہے، حدیث و قرآن کی دعائیں پڑھ کر دم کر کے اور تعویذ گنڈا دے کر استعمال کرانے سے جنات کا دفع ہو جانا بھی ممکن ہے (۲) اور مریض کا شفا پا جانا بھی ممکن ہے، لیکن ایسی حالت کی بتائی ہوئی بات کو حجت شرعیہ قرار دینا درست نہیں (۳)۔ مثلاً: اگر وہ بتائے کہ فلاں شخص نے چوری کی ہے تو اس کے بتانے سے اس

= المصروع وقال القاسمي عبد الجبار: إذا صح ما دللنا عليه من رقة أجسامهم، وأنها كالهواء لم يمتنع دخولهم في أبداننا كما يدخل الريح، والنفس، والمتروك الذي هو الروح في أبداننا من التخرق والتخلخل. (اکام المرجان، الباب الحادي والخمسون في بيان دخول الجن، ص: ۱۰۸، خير كثير) (و کذا في عمدة القارئ، کتاب المرضی، باب فضل من یصرع من الريح: ۳۱۸/۲۱، دارالکتب العلمیة بیروت) (و کذا في زاد المعاد، الطب النبوي، فصل في هديه صلى الله تعالى عليه وسلم في علاج الصرع، ص: ۷۴۹، دارالفکر بیروت)

(۱) "قال عبد الله بن أحمد بن حنبل في فضائل الصحابة وكان بها امرأة في جنبها شيطان يتكلم". (اکام المرجان، الباب الثامن والستون في بيان جواز سوال الجن، ص: ۱۳۸، خير كثير) "والتكلم ببعض اللغات المخالفة للسان المعروف منه فذلك شيطان يتكلم على لسانه كما يتكلم على لسان المصروع". (شرح العقيدة الطحاوية، الملامية والفرق الصوفية، ص: ۵۱، قديمي) (۲) "يجوز أن يكتب للمصاب وغيره من المرضي شيء من كتاب الله عز وجل ذكره بالمداد المباح ويغسل ويسقى". (اکام المرجان، فصل في حكم ما يكتب للمرضي، ص: ۱۰۴، خير كثير) (و کذا في مجموع فتاوى ابن تیمیة، أصول الفقه، فصل كتابة شيء من كتاب الله بالمراد: ۳۶/۱۹، مكتبة العبيكان)

(۳) "لا شك أن الله تعالى أقدر الجن على قطع المسافة الطويلة في الزمن القصير بدليل قوله تعالى: "قال عفريت من الجن أنا أتیک به قبل أن تقوم من مقامک" فإذا سأل سائل عن حادثة وقعت، أو شخص في بلد بعيد فمن الجائز أن يكون الجني عنده علم من تلك الحادثة، وحال ذلك الشخص فيخبر، ومن الجائز أن لا يكون عنده علم فيذهب، ويكشف، ثم يعود فيخبر، ومع هذا فهو خبر واحد، ولا يفيد غير الظن، ولا يترتب عليه حكم غير الاستئناس". (اکام المرجان، الباب الثامن والستون، في بيان جواز سؤال الجن، ص: ۱۳۹، خير كثير)

شخص کو چور قرار دینا درست نہیں، جب کہ معالجہ صحیح طریقہ پر ہو، اس میں کوئی شرکیہ عمل یا کوئی غلط چیز نہ ہو جائز ہے اور اس کی وجہ سے کچھ ہدیہ دیا جائے اس کا لینا بھی درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۹ھ۔

کیا جنات کو سردی کا عذاب ہوگا؟

سوال [۱۱۴۵۷]: کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ جنات کو آگ کا عذاب نہیں پہنچتا، لہذا ان کو سردی کا

عذاب دیا جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آگ کے عذاب سے بھی ان کو تکلیف ہوگی، اگرچہ وہ آگ سے بنے ہیں، جیسے: آدمی مٹی سے بنے

ہیں، مگر مٹی کی اینٹ مارنے سے اس کو تکلیف ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) سیأتی تخریجہ تحت عنوان: ”تعویذ دے کر یا پانی دم کر کے اجرت لینا“۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هَدًى وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

أَجْمَعِينَ﴾ (السجدة: ۱۳)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿أَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا﴾ (الجن: ۱۵)

”أي: تقدر أمرهم وانتھی إلى أن یكونوا حطباً لجهنم تتلظى بهم وتزداد اشتعلاً كما تتلظى

النار بالحطب، ودل هذا على أن الجن یعذبون بالنار“۔ (فی ظلال القرآن، الجن: ۳/۵۶، دارالنشر)

باب مایعلق بالسحر والعوذۃ

الفصل الأول في السحر

(سحر کا بیان)

سحر کا حکم

سوال [۱۱۴۵۸]: کیا مسلمان کو جادو کرنا جائز ہے اور جو جادو کرتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحر کبیرہ گناہ ہے۔ کذا فی شرح الفقہ الأكبر (۱). فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۶/۱/۹۴ھ۔

کیا سحر ابھی بھی باقی ہے؟

سوال [۱۱۴۵۹]: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ اور ہمارے اصحاب سے مروی

ہے کہ ساحر کافر ہے اور ابن ہمام رحمہ اللہ تعالیٰ فتح القدر میں لکھتے ہیں:

”السحر حرام بلا خوف واعتقاد إباحته كفر“ الخ (۲).

(۱) ”والمراد بها (أي: الكبائر) نحو: القتل، والزنا والسحر“ (شرح الفقہ الأكبر، ص: ۵۶، قدیمی)

”في الفتح: السحر حرام بلا خلاف بين أهل العلم“. (رد المحتار، مطلب: في الساحر

والزندق: ۲۴۰/۴، سعید)

(و کذا فی إعلاء السنن، حکم السحر وحقیقۃ: ۶۳۸/۱۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) بعینہ یہ عبارت تو فتح القدر میں نہ مل سکی، اس کے قریب یہ عبارت موجود ہے:

”وتعليم السحر حرام بلا خلاف بين أهل العلم، واعتقاد إباحته كفر، وعن أصحابنا، ومالك، =

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا گیا تھا، تمام اقوال کے دیکھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ سحر ابھی تک باقی ہے، ایک شخص کو اعتراض ہے کہ سحر کو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مٹانے آئے تھے، مٹ گیا اگر کوئی کہے کہ سحر ابھی تک باقی ہے تو وہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان پر دھبہ سادیا، تو اس شخص سے سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر سحر باقی ہوتا تو امام اور فقہاء رحمہ اللہ تعالیٰ کیوں اس کے ناجائز و حرام ہونے کا فتویٰ دیتے، پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بت پرستی کو بھی مٹانے آئے تھے، مگر ابھی تک باقی ہے۔ راقم الحروف کا خیال صحیح ہے یا معترض کا خیال اصح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

سحر مٹانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کو دنیا سے فنا کر دیا گیا، یہ واضح فرمانا مقصود ہے کہ سحر بدتر چیز ہے، اس سے پورا پرہیز لازم ہے۔ یہی حال کفر کا ہے، کہ اس کے مٹانے کا مقصود بھی اس کی قباحت اور برائی کو واضح فرمانا ہے اور اس کے لئے جہاں تک ہو سکے، جدوجہد کرنا ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے کفر دنیا سے ختم نہیں ہو گیا تھا۔

البتہ جزیرہ عرب میں اسلام کا غلبہ اور تسلط ہو چکا تھا، کفار، مجوس وغیرہ سے خلفاء راشدین نے جہاد فرمایا، اگر یہ مقصود ہوتا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کفر دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ تو ”الجہاد ماض فی امتی الی یوم القیامۃ“ (۱) کیوں فرماتے۔

= وأحمد یکفر الساحر بتعلمه وفعله۔ (فتح القدیر، کتاب السیر، باب أحکام المرتدین: ۴۳۳/۵، رشیدیہ)
(۱) واضح رہے کہ یہ حدیث بعینہ ان الفاظ سے ثابت نہیں، البتہ معنی ثابت ہے۔

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ثلاث من أصل الإيمان الكف عمن قال: لا إله إلا الله، ولا نكفره بذنوب، ولا نخرجه من الإسلام بعمل. والجهد ماض منذ بعثني إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال.....“ (سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في الغزو مع أئمة الجور: ۳۶۵/۱، رحمانیہ)

”قال عليه الصلاة والسلام: ”الجهد ماض إلى يوم القيامة“ قلت: أخرجه أبو داود في سننه، عن يزيد بن أبي نشبة عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ثلاث من أصل الإيمان والجهد ماض منذ بعثني الله إلى أن يقاتل آخر أمتي الدجال.....“ (نصب الراية، كتاب السیر: ۵۸۲/۳، حقانیہ)

(وكذا في السنن الكبرى للبيهقي، كتاب السیر، باب الغزو مع أئمة الجور: ۲۶۲/۹، دار الكتب العلمیہ بیروت)

نیز ”لا ہجرۃ بعد الفتح لکن جہاد و نیۃ“ (۱) کیوں فرماتے، نیز حدیث میں یہ بھی ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے تمام مؤمنین ختم ہو جائیں گے، شرارِ خلق (کفار) باقی رہ جائیں گے، ان پر ہی قیامت قائم ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۵/۹۹ھ۔



(۱) ”قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”لا ہجرۃ بعد الفتح، ولکن جہاد و نیۃ“۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب فضل الجہاد والسير: ۱/۳۹۰، قدیمی)
(و صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب المبايعۃ بعد فتح مکة: ۲/۱۳۰، قدیمی)
(وسنن النسائي، کتاب البيعة، باب ذکر الاختلاف في انقطاع الهجرة، رقم الحديث: ۴۱۷۹، دارالمعرفة بیروت)

(۲) ”عن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: ”لا تقوم الساعة إلا علی شرار الناس“۔ (صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب قرب الساعة: ۲/۴۰۶، قدیمی)
(ومشكاة المصابيح، کتاب الرقاق، باب لا تقوم الساعة إلا علی شرار الخلق: ۲/۳۰۷، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

الفصل الثانی فی العوذۃ

(تعویذ کا بیان)

تعویذ دے کر یا پانی دم کر کے اجرت لینا

سوال [۱۱۴۶۰]: تعویذ یا تاگہ دم کر کے کسی ہندو یا مسلمان کو دینا جائز ہے یا نہیں؟ یا پانی پر دم کر کے دینا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کی اجرت لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مرض والا بعد آرام کچھ انعام وغیرہ دے تو لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی پر دم کر کے یا تاگہ کا گنڈا بنا کر مسلم وغیر مسلم سب کو دینا درست ہے اور سب پر دم کرنا اور پھونک ڈالنا بھی درست ہے، تعویذ پر آیت لکھ کر مسلم وغیر مسلم سب کو دینا درست ہے، مگر اس طرح کہ ایک کا غذا کپڑا اس پر چڑھا دیا جائے، یا موم جامہ کر دیا جائے تاکہ بے وضو یا ناپاک اس کو مس نہ کرے (۱) اور تعویذ گنڈا دینے یا دم کرنے پر اجرت لینا بھی درست ہے (۲)۔ بشرطیکہ جانتا ہو اور دھوکہ نہ دیتا ہو، بلا اجرت کے زیادہ برکت ہوتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۱/۸۸ھ۔

(۱) ”یحرم..... مس مصحف..... إلا بغلاف متجاف غیر مشرز“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب

الطہارۃ، یطلق الدعاء علی مایشمل الثناء: ۱/۳۷، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الطہارۃ، ما یمنعہ حیض: ۱/۳۳۹، رشیدیہ)

(و کذا فی الحلبي الكبير، فروع إن أجبت المرأة، ص: ۵۹، سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) ”عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه: أن رهطاً من أصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم

انطلقوا في سفرة سافروها، فنزلوا بحي من العرب، فاستضافوهم فأبوا أن يضيفوهم قال: فلدغ سيد =

اسمائے کفار سے تعویذات میں مدولینا

سوال [۱۱۴۶۱]: الف..... بعض تعویذات نظر بد وغیرہ کے ایسے ہیں کہ جس میں بڑے بڑے کفار و شیاطین کے نام لکھے جاتے ہیں اور ان سے تعویذات میں مدولی جاتی ہے، تو ان کے نام سے تعویذات میں مدولینا کیسا ہے؟

ب..... کس قسم کے تعویذات از روئے شرع بنانا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف..... ہرگز جائز نہیں ہے بلکہ یہ ایک قسم کا شرک ہے (۱)۔

= ذلک الحي، فشفوا له بكل شيء لا ينفعه شيء فقال بعضهم: لو اتيتهم هؤلاء الرهط الذين نزلوا بكم لعل أن يكون عند بعضهم شيء ينفع صاحبكم، فقال بعضهم: إن سيدنا لدغ فهل عند أحد منكم؟ يعني: رقية، فقال رجل: من القوم إني لأرقى، ولكن استضفناكم فأبيتُم أن تضيفو، ما أنا براقٍ حتى تجعلوا لي جعلاً، فجعلوا له قطيعاً من الشاء، فأتاه فقراً عليه بأم الكتاب، وتفل حتى برء كأنما انشط من عقال، قال: فأوفاهم جعله الذي صالحوه عليه، فقالوا: اقتسموا، فقال الذي رقى: لا تفعلوا حتى تأتي رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فنستأمره، فغدوا على رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم فذكروا له، فقال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من أين علمتم أنها رقية؟ أحسنتم واضربوا لي معكم بسهم“ (سنن أبي داود، كتاب الإجارة، باب في كسب الأطباء: ۱۳۰/۲، رحمانیہ)

”جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي“ (ردالمحتار، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مصلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة: ۵۵/۶، سعید)

”لا بأس بالاستئجار على الرقى والعلاجات كلها“ (شرح معاني الآثار، كتاب الإجارة، باب الاستئجار على تعليم القرآن: ۲۹۷/۲، سعید)

(۱) ”عن عوف بن مالك الأشجعي رضي الله تعالى عنه قال: كنا نرقى في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلك؟ فقال: ”أعرضوا علي رقاكم، لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك“ (صحيح مسلم، كتاب السلام باب لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك، رقم الحديث: ۵۷۳۲، ص: ۹۷۵، دار السلام رياض) =

ب..... اسمائے الہیہ آیات قرآنیہ اُدعیہ ماثورہ سے تعویذ درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۶/۹۴ھ۔

☆.....☆.....☆.....☆.....☆

= ”رقیۃ فیہا اسم صنم، أو شیطان، أو کلمۃ کفر، أو غیرہا مالا یجوز شرعاً، ومنہا ما لم یعرف

معناها“۔ (مرقاۃ المفاتیح، کتاب الطب والرقی، الفصل الثانی: ۸/۳۱۸، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، الحظر والإباحۃ، فصل فی اللبس: ۶/۳۶۳، سعید)

الفصل الثالث فی العمليات والوظائف والأوراد

(عملیات اور وظائف کا بیان)

عامل بننے کا طریقہ

سوال [۱۱۴۶۲]: زید نے بکر سے تعویذات کے متعلق کہا کہ نقش بھرنے مجھے بھی بتادو، بکر نے کہا کہ سیکھ لو، مگر اس کے لئے شرط ہے (عامل ہونے کے لئے) زید! اللہ کے ایک ہزار نقش بھردو، اسی روز روزہ رکھو اور میدہ گوند کر نقشوں پر لپیٹ دو، جب تک یہ نقش بھرو، اس درمیان میں کسی سے کلام نہ کرو اور نہ اٹھو، فقط نماز کی اجازت ہے، جب نقش بھر چکو تو کچھ شیرینی لے لو اور اپنے مکان سے چل دو، راستہ میں کسی سے مت بولو، حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہ دو اور دریا پر جا کر اپنے پیر کا تصور کرو کہ میں پیر کے پاس کھڑا ہوں، یا میرے پیر میرے پاس ہیں اور وہاں جا کر سلام کرو اور بقدر جواب کے خاموش کھڑے رہو اور قرآن پاک پڑھ کر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سلسلہ بسلسلہ تمام مردوں کو ایصالِ ثواب کرو اور آنکھیں بند رکھو۔

اس کے بعد کہنا کہ یا خضر علیہ السلام یہ قرآن پاک اور نقش و شیرینی آپ کو پیش کرتا ہوں، آپ اس کو قبول فرمائیں اور تصور یہ رکھو کہ میرے پیر یہاں پر نہیں ہیں، بلکہ حضرت خضر علیہ السلام یہاں پر حاضر ہیں یہ کہ نقش و شیرینی دریا میں ڈال دو اور اپنے مکان کو واپس آ جاؤ، دریا میں سے کچھ بھی آواز آئے، مڑ کر مت دیکھنا، تم اس کے عامل بن جاؤ گے اس کے بعد تعویذ کر سکتے ہو، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور اس نیت سے کرنا کہ ہم کو آمدنی ہوگی، تقویٰ میں کوئی خرابی تو نہ ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس عمل میں ایک چیز یہ قابلِ تامل ہے کہ دریا کی طرف جاتے ہوئے کسی کے سلام کا جواب دینے کو بھی منع کر دیا گیا ہے، حالانکہ وہ شرعاً ضروری ہے، الا یہ کہ ذکر و تلاوت وغیرہ میں آدمی مشغول ہو (۱)، دوسری چیز

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "خمس تجب للمسلم على أخيه: رد السلام، =

یہ ہے کہ دریا پر پہنچ کر یہ تصور کرنا کہ پیر میرے پاس کھڑے ہیں یا میں پیر کے پاس کھڑا ہوں اور ان کو سلام کرنا یہ بھی خیالی تصور کو سلام ہے جو کہ شرعاً ثابت نہیں (۱)، یہ قیاس نہ کیا جائے کہ حضور رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی تو صلوٰۃ و سلام پڑھا جاتا ہے، اس لئے کہ صلوٰۃ و سلام کو ملائکہ لے کر جاتے ہیں اور خدمت اقدس میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ احادیث میں موجود ہے (۲)۔ تصور کو سلام کرنے اور بقدر جواب خاموش رہنے کا ثبوت نہیں۔ تیسری چیز حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں یہ مجموعہ تحفہ پیش کرنا بے اصل ہے، ثواب تو زندہ مردہ

= وتشمیت العاطس، وإجابة الدعوة، وعيادة المريض، واتباع الجنائز“ (صحیح مسلم، کتاب الأدب، باب حق المسلم للمسلم: ۲/۲۱۳، قدیمی)

”اعلم أن ابتداء السلام سنة، ورده واجب“ (التعليق الصريح، کتاب الأدب، باب السلام،

الفصل الأول: ۵/۹۸، رشیدیہ)

”ويجب رد جواب كتاب التحية كرد السلام... يكره على عاجز عن الرد حقيقة كاكل، أو شرعاً

كمصل، وقارئ، ولو سلم لا يستحق الجواب“ (رد المحتار، کتاب الحظر والإباحة: ۶/۴۱۵، سعید)

(وصحيح البخاري، كتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱/۱۶۶، قدیمی)

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد“ (صحیح

مسلم، کتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة: ۲/۷۷، قدیمی)

(وصحيح البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور: ۱/۳۷۱، قدیمی)

(وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة: ۲/۲۸۷، رحمانیہ)

(۲) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”إن لله ملائكة سياحين في الأرض يبلغوني من أمتي

السلام“ (سنن النسائي، كتاب الصلاة، باب التسليم على النبي، ص: ۱۷۹، دار السلام)

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي

نائياً أبلغته“ رواه البيهقي في شعب الإيمان“ (مشكاة المصابيح، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبي

صلى الله تعالى عليه وسلم، الفصل الثالث: ۱/۱۹۰، ۱۹۱، دار الكتب العلمية بيروت)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا تجعلوا

بيوتكم قبوراً، ولا تجعلوا قبري عيداً، وصلوا علي فإن صلاتكم تبلغني حيث كنتم“ (سنن أبي داود،

كتاب المناسك، باب زيارة القبور: ۱/۲۹۳، رحمانیہ)

سب کو پہنچایا جاسکتا ہے، لیکن نقش اور شیرینی ان کی خدمت میں پیش کرنا محض بے معنی ہے (۱)، نہ اس جگہ پر ان کا وجود دلیل شرعی سے ثابت ہے نہ حلاً مشاہدہ ہے، لہذا یہ پیش کرنا بھی خیالی تصور ہی ہوا، جو شخص نقش تعویذ عمل جانتا ہے اور اس میں کوئی چیز خلاف شرع نہیں ہے، تو اس کو اجرت لینا بھی درست ہے اور وہ آمدنی جائز ہے، تقویٰ کے بھی خلاف نہیں، جیسے حکیم اور ڈاکٹر معالجہ پر کچھ اجرت لیں درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۵/۸۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، ۱۲/۵/۸۱ھ۔

نقوش میں یا جبریل لکھنا

سوال [۱۱۴۶۳]: بعض نقوش کے ساتھ ”یا جبریل“ وغیرہ لکھا جاتا ہے کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو منع لکھا ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ

اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۸۶ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۳۸۶ھ۔

(۱) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۴۴۲

(۲) ”جوزوا الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوي؛ لأنها ليست عبادة محضة، بل من التداوي“۔ (رد المحتار، کتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، مطلب تحرير مهم في عدم جواز الاستئجار على التلاوة: ۵۵/۶، سعید)

”لا بأس بالاستئجار على الرقى والعلاجات كلها“۔ (شرح معاني الآثار، کتاب الإجارة، باب

الاستئجار على تعليم القرآن: ۲۹۷/۲، سعید)

(۳) جن عملیات و تعویذات کے معنی خلاف شرع ہوں، ان کا استعمال ناجائز ہے۔ آج کل بہت لوگ اس میں مبتلا ہیں، مثلاً:

(ایسے عملیات کرتے ہیں جن میں) کسی مخلوق کو نداء ہوتی ہے، خواہ پڑھنے میں یا لکھنے میں جیسے: یا جبریل یا میکائیل یہ سب شرعاً

ممنوع اور باطل ہے۔ (عملیات اور تعویذات اور اس کے شرعی احکام، ص: ۱۳۴، مکتبہ خلیل)

شی مسروق کے لئے عمل کرنا

سوال [۱۱۴۶۴]: کسی شخص کو چوری ہونے کی وجہ سے اگر کسی قسم کا عمل، جادو ہو یا قرآن پاک سے ہو، اپنی چیز کے ملنے کی کرے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آیات قرآنی پڑھ کر دعا کرنا یا دوسرے سے دعا کرانا، کہ یا اللہ! میری چیز مل جائے، درست ہے (۱)، حدیث شریف میں بھی دعا ثابت ہے (۲)، لیکن سحر درست نہیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۶/۱/۹۴ھ۔

(۱) ”وإنما تكسره العوذة إذا كانت بغير لسان العرب، ولا يدري ما هو، ولعله يدخله سحراً، وكفراً، وغير ذلك، وأما ما كان من القرآن أو شيء من الدعوات، فلا بأس به“۔ (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۶/۳۶۳، سعيد)

”النوع الذي كان أهل الجاهلية يعالجون به، ويعتقدون فيه، وأما ما كان من الآيات القرآنية، والأسماء والصفات الربانية، والدعوات المأثورة النبوية، فلا بأس، بل يستحب سواء كان تعويذاً، أو رقية، أو نشرة“۔ (مرقاۃ المفاتیح، كتاب الطب والرقی، الفصل الثاني: ۸/۳۷۳، رشیدیہ)
(و کذا فی شرح صحیح مسلم للنووی، کتاب السلام، باب الطب الخ: ۲/۲۱۹، قدیمی)

(۲) ”عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”ما من أحد يدعو بدعاء إلا أتاه الله ما سأل، أو كف عنه من السوء مثله ما لم يدع بإثم أو قطيعة رحم“۔ (جامع الترمذی، أبواب الدعوات، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة: ۲/۱۷۵، سعيد)

”عن ابن عمر (رضي الله تعالى عنهما) عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم في الضالة: أنه كان يقول: اللهم راد الضالة، وهادي الضالة، تهدي من الضلالة، أردد علي ضالتي بقدرتك وسلطانك، فإنها من عطائك وفضلك“۔ (المعجم الكبير، السادس، رقم الحديث: ۱۳۱۱۰: ۶/۱۹۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(و کذا فی مجمع الزوائد ومتبع الفرائد، کتاب الأذکار، باب ما يقول: إذا انفلتت دابته الخ، رقم الحديث: ۱۷۱۰۶: ۱۰/۱۸۹، دار الفكر بيروت)

(۳) ”الكاهن: الساحر والمنجم إذا ادعى العلم بالحوادث الآتية، فهو مثل الكاهن وما يعطى هؤلاء =

ستاروں کی چال برائے علاج

سوال [۱۱۴۶۵]: فی نفسہ نقش لکھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ کہتے ہیں کہ نقوش کی چال ستاروں کی چال پر ہوتی ہے، اس میں ستاروں کو موثر مانا پڑتا ہے اور نقش کے خانے متعین ہوتے ہیں کہ یہ مشتری کا خانہ ہے، یہ زہرہ کا، یہ مریخ کا، اگر درست ہیں تو بہشتی زیور میں بیس کا نقش اور پندرہ کا کیوں لکھا گیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نقش کا ایک مستقل حساب ہے، ستاروں کو موثر بالذات سمجھنا درست نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۴۸۶ھ۔

الجواب صحیح: نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۴/۱۴۸۶ھ۔

سانپ وغیرہ کے کاٹنے پر زہر کا اثر اتارنے کا عمل

سوال [۱۱۴۶۶]: اگر کسی سانپ یا کوئی اور زہریلا کیڑا کاٹے تو مسلمان ہندو لوگوں کے پاس جا کر منتر پڑھوانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہماری اسلامی شریعت میں ایسا کوئی منتر یا دعا ہو، تو واضح کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعمال قرآنی (۲)، شمس المعارف (۳)، الدر المنظم (۴) میں سانپ اور دوسرے زہریلے جانوروں

= حرام بالاجماع، کما نقلہ البغوي والقاضي عياض وغيرهما“۔ (شرح الفقہ الأكبر، ص: ۱۴۹، قدیمی)

”فی الفتح: السحر حرام بلا خلاف بین اهل العلم“۔ (رد المحتار، مطلب: فی الساحر والزندق: ۲۴۰/۴، سعید)

(وکذا فی إعلاء السنن، حکم السحر وحقیقۃ: ۶۳۸/۱۲، إدارة القرآن کراچی)

(۱) ”وبعضهم زعم أن لها تأثيراً يعرفه المنجم غير ذلك، كالسعادة، والنحوسة، وطول العمر، وقصره وسعة العيش، وضيقه إلى غير ذلك وهو مما لا ينبغي أن يعول على أن يلتفت إليه، فليس له دليل عقلي أو نقلي، بل الأدلة قائمة على بطلانه متكفلة بهدم أركانه“۔ (روح المعاني، الصافات: ۱۳۹/۲۳، رشیدیہ)

(وکذا فی فیض القدير، رقم الحديث: ۲۷۹: ۳۸۸/۱، مکتبہ مصطفیٰ نزار الباز ریاض)

(وکذا فی فتح الباري، کتاب الطب، باب السحر: ۲۷۳/۱، قدیمی)

کے کاٹنے سے جوڑ ہرچڑھ جاتا ہے، اس کے اتارنے کی دعائیں منقول ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

سانپ کے کاٹے کا منتر

سوال [۱۱۴۶]:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصراً با حصن نارس، ایک پہ ایک پانی، ایک رہنداری، اترے اترے تیرے سر پر
سنگ ڈھالی، نہیں اترے گا، تجھے راجا گڑ کی دہائی، گڈر میں بیٹھوں گڑر سے پھاڑ پھاڑ
کھائے، رگرو کی سکت میری بھگت، پھل منتری ایسوری جانے۔
یہ مذکورہ عمل سانپ اتارنے کا ہے، اس کے ذریعہ سے سانپ اتارنا جائز ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا منتر پڑھنا جس میں شرک ہو، غیر اللہ کی دھائی ہو، یا اس کے معنی معلوم نہ ہوں، درست نہیں ہے۔
اور اس منتر میں غیر اللہ کی دھائی ہے، اس لئے یہ ناجائز ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔
الجواب صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ، ۲/۳/۸۶ھ۔

= (۲) (اعمال قرآنی، برائے دروز ہرنیش، ص: ۱۷۸، دارالاشاعت)

(۳) (شمس المعارف، زہریلے جانوروں کا زہر دور کرنے کا عمل، ص: ۸۳، کتب خانہ شان اسلام)

(۴) لم أجده

(۱) ”عن عوف بن مالک الأشجعي رضي الله تعالى قال: كنا نرقى في الجاهلية، فقلنا: يا رسول الله! كيف ترى في ذلك؟ فقال: ”أعرضوا علي رقاكم لا بأس بالرقى ما لم يكن فيه شرك“ (مشكاة المصابيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الأول: ۳۸۸/۲، قدیمی)

”رقية فيها اسم صنم، أو شيطان، أو كلمة كفر، أو غيرها مالا يجوز شرعاً، ومنها ما لم يعرف معناها“ (مرقاة المفاتيح، كتاب الطب والرقى، الفصل الثاني: ۳۱۸/۸، رشیدیہ)
(و کذا فی رد المحتار، الحظر والإباحة، فصل فی اللبس: ۳۶۳/۶، سعید)

نیم کے گرد چکر لگانا کر سانپ کے کاٹے کا علاج

سوال [۱۱۴۶۸]: ہمارے پاس میں ایک درخت نیم کا ہے، کسی کو سانپ کاٹ لے تو اس نیم کے درخت کے پانی سے غسل کرا کر درخت کے اطراف میں تین مرتبہ پھرنا پڑتا ہے، سگی گنسی تریملو کا نام لے کر اس درخت نیم کے اطراف میں پھرنا پڑتا ہے تو سانپ کا اثر جاتا رہتا ہے، تو کیا مسلمان کا اس طرح پر پھرنا درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیم کا پتہ اور اس کا پانی زہر اتارنے کے لئے مفید ہے اس میں مضائقہ نہیں، لیکن نام مذکورہ لے کر تین دفعہ اس کے اطراف پھرنا یہ عمل ایسا ہے، جیسے غیر مسلم اپنے دیوی دیوتا کے ساتھ کرتے ہیں، اس لئے یہ نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱۰/۸۹ھ۔

عمل حاضرات اور اس سے علاج کا حکم

سوال [۱۱۴۶۹]: حاضرات کیا چیز ہے؟ اور حاضرات کسے کہتے ہیں؟ اور حاضرات کی کتنی قسمیں ہیں؟

۲..... حاضرات سے کیا فائدہ و نقصان ہے؟ کیا شریعت میں اس کی کچھ اصلیت ہے؟

۳..... حاضرات کے ذریعہ علاج کرانا اور زندہ و مردہ روحوں سے بات چیت کرنا اور کرانا کیسا ہے؟

(۱) ”وعنه (ابن عمر رضي الله تعالى عنهما) قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: من تشبه

بقوم، فهو منهم“. (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۵۵۸/۲، دار الحديث ملتان)

”قال علي القاري: ”أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق، أو الفجار، أو

بأهل التصوف الصلحاء الأبرار، ”فهو منهم“ أي: في الإثم أو الخير عند الله تعالى“. (مرقاۃ المفاتیح،

كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۱۵۵/۸، رشیدیہ)

(ومشكاة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني، ص: ۳۷۵، قدیمی)

(وكذا في بذل المجهود، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة: ۴۱/۵، معهد الخليل)

۴.....حاضرات کے ذریعہ لوگ بچوں کو دکھا کر تقریر کرواتے ہیں اور تعویذ لکھواتے ہیں، تو یہ کہاں تک

صحیح ہے؟

۵.....حاضرات میں جو لوگ آتے ہیں وہ اپنے کو فرشتہ بتلاتے ہیں، تو کیا وہ صحیح کہتے ہیں یا جنات

ہوتے ہیں، اپنے کو مغالطہ دیتے ہیں، جنات ہوتے ہوئے اپنے کو فرشتہ بتلاتے ہیں۔ فرشتوں کی طرح جنات کے بھی پُر پوتے ہیں؟

۶.....حاضرات میں زیادہ تر چھوٹے لڑکے اور لڑکیاں آٹھ سال سے بارہ سال تک دیکھتے ہیں اور

آوازیں سنتے ہیں تو کیا وہ لڑکے اور لڑکیاں صحیح جواب دیتے ہیں؟

۷.....حاضرات کے ذریعہ شہدائے کرام و بزرگان دین اور علماء کرام کی رو حیں آکر بات چیت کرتی

اور تحریر کرتی ہیں، تو کیا یہ صحیح ہے؟ ایسا ہو سکتا ہے؟ اور بھی بہت سے لوگوں کی رو حیں آ جاتی ہیں یا یہ جنات ہی لوگ ہوتے ہیں وہ دھوکہ دینے کے لئے اپنے کو بزرگان دین اور علماء کرام وغیرہ بن کر بچوں کے سامنے آکر بات چیت کرنے اور تقریر کرنے لگتے ہیں اور تعویذ وغیرہ بچوں کا ہاتھ پکڑ کر لکھواتے ہیں؟

۸.....کیا حاضرات کرنے والے اور کرانے والے گنہگار ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں؟

۹.....حاضرات کو چھوٹے بچے یعنی لڑکے اور لڑکیاں ہی کم عمر والے کیوں دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں؟ اور

بڑی عمر والے کیوں نہیں دیکھ اور سن پاتے ہیں؟ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ پندرہ اور بیس سال تک کی عمر کی لڑکیاں دیکھ کر آوازیں سن لیتی ہیں؟

۱۰.....اسلام میں حاضرات کے سیکھنے کا آسان طریقہ کیا ہے؟ بعض لوگ بسم اللہ الرحمن الرحیم سے اور

بعض لوگ آیت کریمہ سے اور بعض لوگ قرآن شریف کی سورتوں اور آیتوں سے حاضرات کرتے ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور اس سے حاضرات ہوتا بھی ہے؟

۱۱.....کیا حاضرات سے عقائد خراب ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں؟ حالانکہ حاضرات کے ذریعہ روحانی

علاج اور جسمانی علاج بھی ہو جاتا ہے، کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی کو کافر جن یا آسیب وغیرہ ستاتے ہیں اور سحر و جسمانی بیماریوں کے مریضوں کو حاضرات کے ذریعہ فائدہ ہوا ہے، مندرجہ بالا سوالات کے جوابات مہربانی فرما کر شریعت مقدسہ کی رو سے دینے کی زحمت کریں، تاکہ اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔

- الجواب حامداً ومصلیاً:

روح کے لئے پانچ صفات ہیں: عاقلہ، غضبانیہ، شہوانیہ، خیالیہ، واہمیہ۔ جس میں عاقلہ غالب ہو اور بقیہ صفات اتنی مغلوب اور مضحمل ہوں کہ ان کا ظہور ہی نہ ہوتا ہو، ایسی روح کو روح ملکی کہتے ہیں، جس میں غضبانیہ غالب ہو وہ حیوانیہ سبعیہ ہے، جس میں شہوانیہ غالب ہو وہ حیوانیہ بہیمیہ ہے، جس میں خیالیہ اور واہمیہ غالب ہو، وہ جنیہ ہے، جس میں پانچوں صفات اعتدال کے ساتھ ہوں وہ انسانیہ ہے، پھر اگر انسان عاقلہ کو حاکم بنا کر بقیہ چاروں کو تابع اور محکوم رکھیں تو اس کا مقام بہت بلند ہوتا ہے، یہاں تک کہ ملائکہ سے بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ انبیاء علیہم السلام۔

اگر قوت غضبانیہ حاکم ہو جائے تو مزاج میں درندگی اور سبعیت پیدا ہو جاتی ہے، جس سے لوگوں کو بڑی وحشت ہوتی ہے۔ ایسا آدمی ہر وقت دوسروں کو ستانے اور زیر اقتدار رکھنے کی ہر غلط سے غلط تدبیر اختیار کرتا ہے، کوئی مروت اس میں باقی نہیں رہتی، اگر شہوانیہ حاکم ہو جائے تو نفسانی خواہشات پوری کرنے میں اس کی زندگی خرچ ہوتی ہے، کوئی شرم و حیاء باقی نہیں رہتی۔ اگر خیالیہ اور واہمیہ حاکم ہو جائے تو جنات سے اس کو مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، اپنے قوت خیالیہ کے ذریعہ دوسروں میں تصرف کر لیتا ہے۔

حاضرات میں اکثر تو عامل کی قوت تخیلیہ کا تصرف ہوتا ہے، کہ جیسے جیسے وہ بیان کرتا یا سوچتا جاتا ہے، بچے کو وہ چیز نظر آتی چلی جاتی ہے، کبھی اس کے تعلقات جنات و شیاطین سے ہوتے ہیں، وہ اس کے کہنے پر مختلف صورتوں میں سامنے آ جاتے ہیں۔ حاضرات کوئی شرعی دلیل نہیں، لہذا اس کے ذریعہ نہ کسی کو چور وغیرہ مجرم قرار دیا جاسکتا ہے، نہ کسی کو بری کیا جاسکتا ہے، اس میں خطرات بھی ہوتے ہیں، بسا اوقات جنات شیاطین عامل پر بھی اثر کر دیتے ہیں، اگر عامل محفوظ رہے گا، تو اس کی نسل در نسل سے انتقام لیتے ہیں۔

جنات کو حق تعالیٰ نے ایک قوت دی ہے کہ وہ مختلف صورتوں میں آسکتے ہیں، جانوروں کی صورتوں میں بھی آسکتے ہیں اور اپنا نام بھی جو چاہے بتا سکتے ہیں، بڑے بڑے ولی بزرگ کا نام بھی بتاتے ہیں، مریض پر بھی جنات تصرف کر دیتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کو بیماری بھی لاحق ہوتی ہے اور صحت بھی ہو سکتی ہے، جو لوگ مرچکے ہیں ان کا بھی نام بتا دیتے ہیں کہ میں فلاں ہوں۔

نابالغ بچوں پر اور عورتوں پر واہمیہ کا اثر زیادہ ہوتا ہے، اس لئے حاضرات سے وہ زیادہ متاثر ہوتی ہیں،

قوت خیالیہ کو جس قدر آدمی جمع رکھے گا، اسی قدر اس کو جنات سے تلبس ہو جائے گا، اس کے لئے مستقل عملیات بھی ہیں، جن کے ذریعہ جنات تابع ہو جاتے ہیں، بعض عمل جائز ہیں، بعض ناجائز۔ عافیت اجتناب میں ہی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۹ھ۔

ہمزاد تابع کرنا دست غیب اور کیمیا وغیرہ

سوال [۱۱۴۰]: سورۃ لمزۃ کو چالیس روز تک فجر کی سنت اور فرض کے درمیان خاص تعداد تک ذکر کرنے کے بعد کچھ نقد و زر یکمشت مل جاتا ہے اور اس نقد کی کوئی حد نہیں ہے، تو یہ صورت بھی دست غیب کے افراد میں شامل ہو کر حرام ہو جاوے گی یا نہیں؟

۲..... اگر کسی کو کیمیا کا صحیح نسخہ کسی بزرگ سے بحالت بیداری مشافہتہ یا بحالت خواب بہ ندائے ہاتف معلوم ہو جائے تو کیمیا بنا کر اس سے اپنی گزراوقات کرنا اس کے لئے جائز ہو گا یا نہیں؟ مشہور ہے کہ کیمیا بنانا ناجائز ہے، کیونکہ اس کی دھن میں اضاعت مال اور اضاعت وقت ہوتا ہے، لیکن پھر بھی حاصل نہیں ہوتا۔

۳..... دست غیب کے ذریعہ کسی سے ایسے قرض کا ادا کرنا جس کی ادائیگی کی بظاہر کوئی صورت نہ ہو،

(۱) حضرت حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی عمل کی حقیقت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

”انگوٹھی یا (ناخن) وغیرہ کے ذریعہ سے جو حضرات کا عمل کیا جاتا ہے، یہ سب واہیات ہے، اس جگہ جن وغیرہ کچھ بھی حاضر نہیں ہوتے، بلکہ جو کچھ عامل کے خیال میں ہوتا ہے، عامل جو کچھ بھی اپنے پورے تخیل سے کام لیتا ہے، وہی اس میں نظر آنے لگتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس عمل کے لئے بچہ اور عورت کا ہونا شرط ہے، کیونکہ ان کے خیالات زیادہ پراگندہ نہیں ہوتے اور ان میں شک کا مادہ بھی کم ہے، اس لئے ان کی قوت تخیل (یعنی خیالات) جلدی متاثر ہوتے ہیں..... اصل بات یہ ہے کہ عامل جب تصور جما کر بیٹھتا ہے کہ معمول کو ایسا نظر آئے گا تو اس عامل کی قوت خیالیہ سے معمول (جس پر عمل کیا جا رہا ہے اس) کے خیال میں وہ تصورات مشکل و متمثل نظر آ جاتے ہیں، سو یہ سمریزم کا ایک شعبہ ہے، جس کی بنیاد محض خیال ہے، اس میں کوئی خارجی چیز موجود نہیں ہوتی..... بہت سے تعویذ گنڈے والے حضرات کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کے قائل ہیں اور میرا تجربہ ہے کہ حضرات محض خیالات کا تصرف ہے۔“ (عملیات و تعویذات اور اس کے شرعی احکام، حضرات کا عمل اور اس کی حقیقت، ص: ۱۸۴، ۱۸۵، مکتبہ خلیل)

جائز ہے یا ناجائز؟

راقم: بشیر احمد موضع کھجور ہیڑی ضلع سہارنپور، بمعرفت مولوی محمد یوسف تھانوی

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... اس میں بھی تفصیل ہے، یعنی دینے والے نے اگر خوشی اور اعتقاد سے دیا ہے، تو جائز ہے (۱)، ورنہ ناجائز، ظاہر یہ ہے کہ یہ سورت بھی دست غیب میں شامل ہے۔

۲..... کیمیا کے متعلق جو کچھ مشہور ہے وہ صحیح ہے، اضاعت مال بھی ہے اور اضاعت وقت بھی، اگر بڑی جانفشانی کے بعد کامیابی ہوگئی تو اس کا خرچ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اضاعت مال وغیرہ عوارض سے خالی ہو اور سونا خالص ہو، جیسا کہ بازار میں فروخت ہوتا ہے اور کسی قسم کا دھوکہ نہ ہو (۲)۔

(۱) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ۵۴۴/۱، دارالكتب العلمية بيروت) (و كذا في السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب جارية فباعها: ۱۶۶/۲، دارالكتب العلمية بيروت)

”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“۔ (رد المحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعيد)

(۲) ”يحتمل أن المراد به الكاف الذي هو إشارة إلى الكيمياء، ولا شك في حرمتها لما فيها من ضياع المال، والاشتغال بما لا يفيد..... هذا وقد ذكر العلامة ابن حجر في باب الأنجاس من التحفة: أنه اختلف في انقلاب الشيء عن حقيقة النحاس إلى الذهب، هل هو ثابت؟ فقيل: نعم! لانقلاب العصا ثعباناً حقيقة والا لبطل الإعجاز، وقيل: لا؛ لأن قلب الحقائق محال. والحق: الأول إلى أن قال: تنبيه، كثيراً ما يسأل عن علم الكيمياء وتعلمه، هل يحل أو لا؟ ولم نر لأحد كلاماً في ذلك والذي يظهر أنه يبنى على هذا الخلاف، فعلى الأول من علم العلم الموصل لذلك القلب علماً يقينا جاز له علمه وتعلمه إذ لا محذور فيه بوجه، وإن قلنا بالثاني أو لم يعلم الإنسان ذلك العلم اليقيني فيه بوجه، وكان ذلك وسيلة إلى الغش فالوجه الحرمة اهـ ملخصاً، وحاصله: أنه إذا قلنا بإثبات قلب الحقائق وهو الحق جاز العمل به وتعلمه؛ لأنه ليس بغش؛ لأن النحاس ينقلب ذهباً أو فضة حقيقة، وإن قلنا: إنه غير ثابت لا يجوز؛ لأنه غش كما لا يجوز لمن لا يعلمه حقيقة لما فيه من إتلاف المال أو غش المسلمين“۔ (رد المحتار، مقدمة، مطلب في الكهانة: ۴۵/۱، ۴۶، سعيد) =

۳..... ناجائز ہے، کیونکہ ناجائز طریقہ سے یہ مال حاصل ہوا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۵۱ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پنڈت سے چور کا پتہ معلوم کرنا

سوال [۱۱۴۷]: بکر کے گھر سے مال چوری ہو گیا ہے اور پتہ نہیں کہ کس نے کیا ہے، اب بکر

پنڈت کے گھر جاتا ہے اور پوچھ کر آتا ہے اور چور پکڑتا ہے، سزا دیتا ہے، اب بکر کو پورا یقین ہو گیا کہ پنڈت نے صحیح کہا ہے، عوام کو بھی یقین ہو گیا ہے، کیا مسلمانوں کے لئے ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پنڈت وغیرہ کسی سے غیب کی باتیں دریافت کرنا اور اس پر یقین رکھنا سخت گناہ ہے، مسلمانوں کو اس

سے توبہ لازم ہے، ہرگز اس کے پاس نہ جائیں نہ اس سے باتیں دریافت کریں، اس سے ایمان سلامت رہنا دشوار ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: سید مہدی حسن، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۶ھ۔

= (و کذا فی روح المعانی، القصص: ۷۸: ۲۰/۴۳۰، رشیدیہ)

(۱) راجع رقم الحاشیہ: ۱، ص: ۳۵۱

(۲) ”عن بعض أزواج النبي صلى الله تعالى عليه وسلم، عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من أتى

عرافاً فسأله عن شيء، لم تقبل له صلاة أربعين ليلة“، (صحیح مسلم، باب تحريم الكهانة وإتيان

الكهان: ۲/۲۳۲، قدیمی)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من أتى كاهناً

فصدقه بما يقول ... فقد برئ بما أنزل على محمد“، (سنن أبي داود، کتاب الطب، باب فی الکهان:

= ۱۸۹/۲، رحمانیہ)

دستِ غیب

سوال [۱۱۴۷۲]: دستِ غیب کا کیا حکم ہے؟ آیا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ یہ جتات کے ذریعہ سے چوری ہے جو کہ حرام ہے (۱)۔

ہمزاد تابع کرنا، دستِ غیب اور کیمیا

سوال [۱۱۴۷۳]: کیا اپنا ہمزاد اور کسی دوسرے کا ہمزاد تابع کرنا جائز ہے؟ اسی طریقہ سے ان کے ذریعہ کسی کارِ خیر کو انجام دینا یا کوئی اسلامی خدمت کرنا یا ان سے ذاتی خدمت کرنا کیا حکم رکھتا ہے؟ دستِ غیب کے متعلق اگر یہ یقینی طور سے معلوم ہو جائے کہ یہ عطیہ ہم کو مؤکلات اپنی جیب خاص سے دیتے ہیں، غیر کا مال نہیں لاتے تو اس کا صرف کرنا اس وقت جائز ہو گا یا ناجائز؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہمزاد کیا ہے اور تابع کرنے کا طریق کیا ہے، جب تک طریقہ معلوم نہ ہو جواب نہیں دیا جاسکتا۔

”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“

فتاویٰ عالمگیری: ۲/۷۷۸ (۲)۔

صورت مذکورہ میں اگر مؤکلات مجبوراً دیتے ہیں تو ناجائز ہے اور اگر خوشی سے معتقد ہو کر دیتے ہیں تو اس میں کچھ خرابی نہیں، لیکن ایسا عمل مفقود ہے، اگر معلوم ہو جائے کہ کسی غیر کا مال لا کر دیتے ہیں، تب بھی ناجائز

= ”من أتى كاهناً أو عرافاً، فصدقه بما يقول، فقد كفر بما أنزل على محمد، أخرجه أصحاب السنن الأربعة، وصححه الحاكم عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه“۔ (رد المحتار، کتاب السير، باب المرتد، مطلب في الكاهن والعراف: ۳/۲۴۲، سعید)

(۱) (امداد الفتاویٰ، مسائل شتی، تحقیق دستِ غیب: ۴/۵۵۹، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل في التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر، مطلب في التعزیر بأخذ المال: ۳/۶۱، سعید)

ہے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۵۱ھ۔

الجواب صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔



باب الأشتات

قومیت کی وجہ سے افضل و غیر افضل ہونا

سوال [۱۱۴۷]: اسلام میں جو چھوٹی بڑی افضل و کمتر قوم کی بنائے مخاصمت پیدا کرے، وہ مسلمان کہلانے کا مستحق ہے یا نہیں؟

محلہ کی مسجد میں مذکورہ بالا کشمکش موجود ہے، اگر کوئی نمازی دوسرے محلہ کی مسجد میں اپنی مسجد کو چھوڑ کر جماعت کو جائے یا دوکان و مکان پر تنہا نماز پڑھ لے، تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

قومیں سب اللہ کی بنائی ہوئی ہیں، یہ تفریق و تقسیم دنیاوی مصالح و تعارف و غیرہ کے لئے ہے، اس سے دنیا ہی میں کچھ قومیں بڑی اور اونچی شمار ہوتی ہیں، کچھ کم درجہ کی، مگر محض قوم کی وجہ سے کسی کو حقیر و ذلیل سمجھنا درست نہیں اور اخروی نجات کا مدار بھی قومیت پر نہیں، اللہ کے احکامات کو جو بھی زیادہ مانے، وہ اللہ کے نزدیک زیادہ باعزت ہے (۱)۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اللہ نے

(۱) قال الله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ﴾ (الحجرات: ۱۳)

”حدثنا من شهد خطب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم بمنى في وسط أيام التشريق وهو على بعير، فقال: يا أيها الناس ألا إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأسود على أحمر، ولا لأحمر على أسود إلا بالتقوى“ (تفسير قرطبي، الحجرات: ۱۳: ۱۶/۲۱۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”عن درة بنت أبي لهب رضي الله تعالى عنها قالت: قام رجل إلى النبي صلى الله تعالى عليه وسلم وهو على المنبر، فقال: يا رسول الله! أي الناس خير؟ قال: خير الناس أقرأهم وأتقاهم لله عز وجل وأمرهم =

بہت اونچا کیا، ان کے اخلاق عالیہ سب سے بلند ہیں (۱)، ان کی اولاد اگر ان کے طریقہ پر چلے، تو وہ سب سے بلند اور مستحق اعزاز ہے۔

اصل اعزاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول حاصل ہو جائے اور اس کا قانون یہ ہے کہ اعتقادات حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ اور اخلاص جس کو جس قدر زیادہ حاصل ہو، وہ اسی قدر مقبول ہے، پھر اگر محض قومیت کی وجہ سے لوگ اسے حقیر سمجھیں، تو وہ خود جواب دہ ہوں گے، یہ جس قدر بھی صبر و تحمل کرے گا اس کے درجات بلند ہوں گے، بایں ہمہ اگر برداشت نہیں کر سکتا اور نزاع و کشمکش ہی ہو جانے کا اندیشہ ہے، تو اس سے بچنے کے لئے دوسری مسجد میں بھی تحصیل جماعت کے لئے جاسکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۱/۸۸ھ۔

= بالمعروف وأنهاهم عن المنكر وأوصلهم للرحم“ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، حديث درة بنت أبي

لهب رضي الله تعالى عنها، رقم الحديث: ۲۶۸۸۸: ۵۸۴/۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) ”عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا تسبوا

أصحابي فلو أن أحدكم أنفق مثل أحد ذهباً ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه“ (صحيح البخاري، كتاب المناقب،

باب تحت باب قول النبي صلى الله تعالى عليه وسلم لو كنت متخذاً خليلاً الخ: ۵۱۸/۱، قديمی)

”عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: ”من كان مستنأ، فليستن بمنن قد مات، فإن الحي لا

تؤمن عليه الفتنة، أولئك أصحاب محمد صلى الله تعالى عليه وسلم، كانوا أفضل هذه الأمة، أبرها

قلوباً، وأعمقها علماً، وأقلها تكلفاً، اختارهم الله لصحبة نبيه، وإقامة دينه، فاعرفوا لهم، واتبعوهم على

آثارهم، وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم، فإنهم كانوا على الهدى المستقيم“ (مشكاة

المصابيح، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنة، الفصل الثالث: ۵۷/۱، قديمی)

”عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه قال: أنتم أكثر صياماً وأكثر صلاة وأكثر اجتهاداً من

أصحاب رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وهم كانوا خيراً منكم!! ”قالوا: لم يا أبا عبد الرحمن؟ قال:

”هم كانوا أزهدي الدنيا وأرغب في الآخرة“ (حياة الصحابة، الآثار في صفة الصحابة الكرام رضي الله

تعالى عنهم: ۴۶/۱، هدية الراجحي للصرافة والتجار)

ایک نیکی کا ثواب کتنا ہے؟

سوال [۱۱۴۷۵]: ایک نیکی کا کتنا ثواب ملتا ہے اور نیکی کتنی لمبی چوڑی ہوتی ہے، یعنی کتنا ثواب ملتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک نیکی کا ثواب دس گنا تو قرآن کریم میں عام طور پر ہے (۱)، بعض دفعہ بعض نیکی کا ثواب دس سے بھی زیادہ ہوتا ہے، لاکھوں تک پہنچ جاتا ہے، حق تعالیٰ چاہے بے حساب ثواب دے دے، بندے نہ اس کو گن سکتے ہیں نہ ناپ سکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۹/۹۴ھ۔

کیا چودھویں صدی پر دنیا ختم ہو جائے گی؟

سوال [۱۱۴۷۶]: ۱۳۹۱ھ جو چل رہی ہے اور چودھویں صدی پوری ہونے میں صرف ۹ سال اور باقی ہیں، پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کوئی ارشاد ایسے بھی ہیں، کہ دنیا کی زندگی چودھویں صدی کے بعد کچھ

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ امثالِهَا﴾ (الأنعام: ۱۶)

(۲) ”عن أبي عثمان قال: بلغني عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: إن الله يجزي المؤمن بالحسنة ألف ألف حسنة، فأتيته فقلت: يا أبا هريرة! بلغني أنك تقول: إن الله يجزي المؤمن بالحسنة ألف ألف حسنة؟ قال: نعم! وألفي ألف حسنة“۔ (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الزهد، كلام أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: ۲۱۹/۱۹، المجلس العلمي)

”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أنه قال: إن الله عز وجل يعطي عبده المؤمن بالحسنة الواحدة ألف ألف حسنة قال: فقضي أني انطلقت حاجاً أو معتمراً فلقيته فقلت: بلغني عنك حديث أنك تقول: سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: ”إن الله عز وجل يعطي عبده المؤمن الحسنة ألف ألف حسنة، قال أبو هريرة رضي الله تعالى عنه: لا، بل سمعت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: إن الله عز وجل يعطيه ألفي ألف حسنة“۔ (مسند الإمام أحمد بن حنبل، مسند أبي

هريرة رضي الله تعالى عنه: ۳۳۰/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في روح المعاني، البقرة: ۷۵/۱، رشيدية)

اور ہے یا نہیں؟

بعض غیر مسلم کہتے ہیں کلجگ (۱) کے بعد سبجگ (۲) ایک دور اور ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟ احادیث نبوی اور آسمانی صحیفہ کے استدلال پر جواب سے مطلع فرمائیں اگرچہ غیر مسلم حضرات کے کہنے پر یقین تو نہیں ہے، لیکن اتنی بات ہمیں درج کرنا ہی ضروری تھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دنیا کے باقی رہنے یا ختم ہو جانے کے سلسلے میں چودھویں صدی کا تذکرہ کہیں کسی حدیث یا آیت میں نہیں دیکھا، قیامت کی جو نشانیاں بڑی بڑی احادیث میں مذکور ہیں، ان سے تو معلوم نہیں ہوتا کہ چودھویں صدی پر دنیا ختم ہو جائے گی۔ حضرت مہدی علیہ السلام (۳)، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور و نزول، مغرب سے طلوع شمس (۴) وغیرہ سب باقی ہیں۔ ۹ سال میں یہ سب چیزیں پوری نہیں ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۴/۹۱ھ۔

(۱) ”کل جگ: آخری زمانہ جس کے بعد قیامت آجائے گی۔“ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”ست جگ: ہندوؤں کے نزدیک دنیا کے چار قرونوں میں سے پہلا قرن جس میں سچائی ہی سچائی تھی، سچا زمانہ، دیوتاؤں کا زمانہ۔“ (فیروز اللغات، ص: ۸۲۲، فیروز سنز لاہور)

(۳) ”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم “لا تذهب الدنيا حتى يملك العرب رجل من اهل بيتي يواطئ اسمه اسمي“۔ رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب اشراط الساعة، الفصل الثاني: ۲/۲۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

”فإذا رأيتموه فبايعوه ولو حبوا على الثلج، فإنه خليفة الله المهدي“۔ (سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب خروج المهدي، ص: ۵۹۵، دارالسلام)

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: “يخرج ناس من المشرق فيوطنون للمهدي“۔
يعني: سلطانه“۔ (سنن ابن ماجه، كتاب الفتن، باب خروج المهدي، ص: ۵۹۶، دارالسلام)

(۴) ”قال صلى الله تعالى عليه وسلم: “إنها لن تقوم حتى ترون قبلها عشر آيات“ فذكر الدخان، والدجال، والدابة، وطلوع الشمس من مغربها، ونزول عيسى ابن مريم عليه السلام.....“ (صحیح مسلم، كتاب الفتن، فصل في ظهور عشر آيات: ۲/۳۹۳، قديمی)

کسی عضو کے چوتھائی کا حکم

سوال [۱۱۴۷]: گھٹنے کی چوتھائی کی پیمائش کا حساب کیا ہے؟ آیا گھٹنے کے پورے ٹھیکرے سے لگے گا یا اوپر سے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس حصہ کو گھٹنے کہا جاتا ہے، اس کی چوتھائی مراد ہوگی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

اس امت میں مسخ کیوں نہیں؟

سوال [۱۱۴۸]: اگلی امتوں کی صورتیں ان کے اعمال بد کی وجہ سے بدل جاتی تھیں، لیکن موجودہ زمانے میں موجودہ لوگوں کی صورتیں اعمال بد کرنے پر بھی نہیں بدل رہی ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعزاز و اکرام کی خاطر اس امت کو مسخ عام سے محفوظ رکھا گیا ہے، مگر کچھ نہ کچھ اثر اس امت میں ہونے کی بھی حدیث شریف میں خبر دی گئی ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۸/۳/۹۱ھ۔

= (ومشكاة المصابيح، كتاب الفتن، باب العلامات بين يدي الساعة، الفصل الأول: ۲/۲۹۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) ”والركبتان: موصل مابين أسافل أطراف الفخذين، وأعالي الساقين وقيل: الركبة موصل الوظيف والذراع“. (لسان العرب، المادة: ركب: ۱/۴۳۳، دار صادر)

(وكذا في القاموس المحيط: ۱/۷۶، دار الفكر بيروت)

(۲) قال الله تعالى: ﴿وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين﴾ (الأنبياء: ۱۰۷)

”إن الرحمة في حق الكفار منهم ببعثه صلى الله تعالى عليه وسلم من الخسف، والمسخ، والقذف، والاستئصال“. (روح المعاني، الأنبياء: ۱۰۷: ۱۷۸/۱۳۸، رشيدية)

”قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ليكونن من أمتي أقوام يستحلون الحر، والحريم“ =

کچھ دھوپ، کچھ سایہ میں بیٹھنا

سوال [۱۱۲۷۹]: کچھ دھوپ اور کچھ سایہ میں بیٹھنے کی ممانعت، یہ ممانعت اندیشہ مضرت سے ہے، مضرت نہ ہو، تو مخالفت نہیں، اس پر مزید عرض ہے کہ مضرت سے کس قسم کی مضرت مراد ہے، جس کی کیفیت کے علم سے جواب کا نفع حاصل ہو سکے، بظاہر تو محسوس ہونے والی کوئی مضرت نظر نہیں آتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طبی مضرت ہے، شراح حدیث نے ایسا ہی لکھا ہے، تفصیل مطلوب ہو، تو اطباء سے رجوع کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۲/۸۹ھ۔

درخت کے ملے جلے سایہ میں بیٹھنا

سوال [۱۱۲۸۰]: کچھ دھوپ اور کچھ سایہ میں بیٹھنے سے ممانعت جو حدیث شریف میں آئی

= ویمنسخرین قرۃ، وخنزیر الی یوم القیامۃ“ (صحیح البخاری، کتاب الأشربة، باب ماجاء فیمن یستحل الخمر: ۸۳۷/۲، قدیمی)

(و کذا فی تفسیر البیضاوی: ۴۴/۳، رحیمیہ دیوبند)

(۱) ”فلیتحول الی الظل ندباً وإرشاداً؛ لأن الجلوس بین الظل والشمس مضر بالبدن؛ إذ الإنسان إذا قعد ذلک المقعد فسد مزاجه لاختلاف حال البدن من المؤثرین المتضادین كما هو مبین فی نظائره من کتب الطب..... فبان قلت: هذا ینافیہ خبر البیهقی عن أبی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قاعداً فی فناء الکعبۃ بعضہ فی الظل وبعضہ فی الشمس، قلت: محل النهی المداومۃ علیہ، واتخاذہ عادة بحيث يؤثر فی البدن تأثیراً بتولد منه المحذور، أما وقوع ذلک مرة علی سبیل الاتفاق فغیر ضار“ (فیض القدیر، رقم الحدیث: ۸۱۱: ۸۳۲/۲، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز مکہ)

(و کذا فی مرقاة المفاتیح، کتاب الآداب، باب الجلوس والنوم والمشي، الفصل الثانی: ۴۹۰/۸، رشیدیہ)

(و کذا فی عون المعبود، کتاب الأدب، باب فی الجلوس بین الظل والشمس: ۱۳/۱۳۱، دار الفکر بیروت)

ہے (۱)، تو بعض مکانوں میں دھوپ اتنی کم آتی ہے کہ جاڑے کے موسم میں پورا بدن دھوپ میں نہیں آ سکتا، نیز گرمی کے موسم میں درختوں کے سایہ میں دھوپ ملی جلی ہوتی ہے، تو بظاہر ضروری ہوا۔ یہ مذکورہ مکانات کی دھوپ اور درختوں کے سایوں سے بچے، یہ کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ممانعت اندیشہ مضرت سے ہے، مضرت نہ ہو، تو ممانعت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کیا جس دن عید ہو، اس دن محرم ہے؟

سوال [۱۱۴۸۱]: لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ جس دن عید ہوتی ہے، اسی دن محرم ہوتا ہے، کیا یہ

(۱) ”عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه، أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”إذا كان أحدكم في الفياء فقلص عنه الظل، فصار بعضه في الشمس وبعضه في الظل، فليقم“. رواه أبو داود.

”في شرح السنة عنه، قال: ”إذا كان أحدكم في الفياء فقلص عنه فليقم، فإنه مجلس الشيطان“. هكذا رواه معمر موقوفاً. (مشكاة المصابيح، كتاب الأدب، باب الجوس والنوم والمشي، الفصل الثاني: ۱۷۶/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الجلوس بين الظل والشمس: ۳۲۰/۲، رحمانیہ)

(۲) ”فليتحول إلى الظل ندباً وإرشاداً؛ لأن الجلوس بين الظل والشمس مضر بالبدن؛ إذ الإنسان إذا قعد ذلك المقعد فسد مزاجه لاختلاف حال البدن من المؤثرين المتضادين كما هو مبين في نظائره من كتب الطب فإن قلت: هذا ينافيه خبر البيهقي عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قاعداً في فناء الكعبة بعضه في الظل وبعضه في الشمس، قلت: محل النهي المداومة عليه، واتخاذها عادة بحيث يؤثر في البدن تأثيراً بتولد منه المحذور، أما وقوع ذلك مرة على سبيل الاتفاق فغير ضار“. (فيض القدير، رقم الحديث: ۸۱۱: ۸۳۴/۲، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الأدب، باب الجلوس والنوم والمشي، الفصل الثاني: ۴۹۰/۸، رشیدیہ)

(وكذا في عون المعبود، كتاب الأدب، باب في الجلوس بين الظل والشمس: ۱۴۱/۱۳، دار الفكر بيروت)

ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بات کہ جس دن عید ہو، اسی دن محرم ہو، شرعی دلیل سے ثابت نہیں، کچھ لوگوں کا تجربہ ہے، جو دائمی نہیں، اس کے خلاف بھی ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۵ھ۔

ایک گھنٹہ کا انصاف کتنی سال کی عبادت سے بہتر ہے؟

سوال [۱۱۴۸۲]: کیا ایک گھنٹہ کا انصاف کرنا سات سال کی عبادت سے بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک گھنٹہ کا انصاف کرنا، سات سال کی عبادت سے بہتر ہے، اس کا حوالہ مجھے یاد نہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۱۴۰۰ھ۔

(۱) ”والمنجمین ومن يستسقي بالأنواء وقد يعرف بطول التجارب أشياء من ذكورة الحمل وأنوثة إلى غير ذلك..... وقد تختلف التجربة وتنكسر العادة ويبقى العلم لله تعالى وحده“۔ (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، لقمان: ۳۳: ۵۷/۱۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”قال علي القارئ في شرح الشفاء: الأولياء وإن كان قد ينكشف لهم بعض الأشياء، لكن علمهم لا يكون يقينياً، وإلھامهم لا يفيد إلا أمراً ظنياً، ومثل هذا عندي، بل هو دونه بمراحل علم النجومی ونحوه بواسطة أمارات عنده بنزول الغيث وذكورة الحمل وأنوثة أو نحو ذلك، ولا أرى كفر من يدعي مثل هذا العلم فإنه ظن عن أمر عادي“۔ (روح المعاني، لقمان: ۳۳: ۱۱۲/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”قال ابن العربي: وكذلك قول الطبيب: إذا كان الشدي الأيمن مسود الحلمة فهو ذكر، وإن كان في الشدي الأيسر فهو أنثى، وإن كانت المرأة تجد الجنب الأيمن أثقل فالولد أنثى؛ وادّعى ذلك عادة لا واجباً في الخلقة لم يكفر ولم يفسق“۔ (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، الأنعام: ۵۹: ۴۴/۷،

دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) لم أجده

دانتہ گندم کی تشبیہ

سوال [۱۱۲۸۳]: عوام کے اندر مشہور ہے کہ گندم کی جو صورت وہیت ہے، وہ فرج عورت کے مشابہ ہے عذاب حواء علیہا السلام کی وجہ سے، جیسے: حیض آنا عورتوں کو عذاب حواء کی طرف اشارہ ہے، ناخن ہاتھ کے یہ جنت کی اشیاء میں سے ایک شئی ہے، کیا یہ باتیں درست ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ بعض کتب میں بھی درج ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۴/۹۵ھ۔

دانت والے بچہ کی پیدائش

سوال [۱۱۲۸۴]: میرے بچے پیدا ہوئی ہے، مگر اس کے دانت ہیں، جس روز سے یہ لڑکی پیدا ہوئی ہے، ہر طرح کی مصیبت میں ہوں، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ نخس ہے، اس وجہ سے میں اس کا عقیقہ بھی نہیں کر سکا، اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ کوئی نحوست کی چیز نہیں، ایسا خیال ہرگز نہ کریں، عقیقہ کرنا مستحب ہے (۲)، اگر وسعت ہو تو عقیقہ کر دیں، سلف میں بھی بعض دانت والے پیدا ہوئے ہیں، جیسے: ضحاک رحمہ اللہ تعالیٰ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) لم أجده

(۲) "نسب إلى أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه لا يقول بالعققة، والمروم إليه عبارة محمد في موطنه، والحق أن مذهبنا استحبابها". (العرف الشذی، أبواب الأضاحی، باب العقیقة: ۲/۲۲۷، سعید)

(و كذا في التعليق الممجد على موطأ الإمام محمد، كتاب الضحايا، باب العقیقة، ص: ۲۹۱، المصباح)

(و كذا في مشكل الآثار للطحاوي، باب بيان مشكل ماروي عن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم في

العقیقة: ۳/۸۱، مؤسسة الرسالة) =

جنون کی قسمیں اور اس کے تصرفات

سوال [۱۱۴۸۵]: ۱..... پاگل اور مجنون اپنی ملک میں تصرف کر سکتا ہے یا نہیں؟

۲..... کیا کم فہم کا بھی وہی حکم ہے، جو پاگل و مجنون کا ہے یا اس کے متغائر؟

۳..... کسی انسان پر جن چیزوں کے پائے جانے کے بعد پاگل اور مجنون ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے،

انہیں مفصل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مجنون کی دو صورت ہیں، ایک مجنون جو اپنے مصالح و مضار میں بالکل تمیز نہ کر سکے اور جنون ہمہ وقت قائم رہے، اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا۔ دوسرا مجنون غیر مغلوب یعنی جس کو مصالح و مضار کی کچھ تمیز ہو، یا اس کا جنون کبھی رہتا ہو، کبھی زائل ہو جاتا ہو، اس کا حکم کم فہم جیسا ہے۔ جو جواب نمبر ۲ میں مذکور ہے۔

”فلا يصح طلاق صبي، ومجنون مغلوب أي: لا يفيق بحال. وأما

الذي يجن ويفيق فحكمه كمميز“ (نہایۃ).

”ولا إعقاقهما، ولا إقرارها نظراً لهما“ (الدر المختار مع هامش

الشامي نعمانيه، ص: ۹۰ (۱).

= (۳) ”سمعت أحمد بن حنبل يقول: ولد الضحاک بن مزاحم وله ثیتان“. (طبقات الحنابلة، الطبقة

الأولى، سليمان بن الأشعث: ۱/ ۱۶۰، السنة المجدية)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ میں بھی ایک بچہ دانت والا پیدا ہوا تھا۔

”أن امرأة غاب عنها زوجها، ثم جاء وهي حامل، فرفعها إلى عمر، فأمر بوجمها، فقال معاذ: إن يكن لك عليها سبيل، فلا سبيل لك على ما في بطنها، فقال عمر رضي الله تعالى عنهما: احبسوها حتى تضع، فوضعت غلاماً له ثیتان، فلما رآه أبوه، قال: ابني، فبلغ ذلك عمر رضي الله تعالى عنهما فقال: عجزت النساء أن يلدن مثل معاذ، لو لا معاذ هلك عمر“. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب

الحدود، باب من قال: إذا فجرت وهي حامل: ۱۴/ ۵۴۳، المجلس العلمي)

(۱) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الحجر: ۶/ ۱۴۴، سعيد)

”(لا يصح تصرف المجنون المغلوب بحال) يعني: لا يجوز تصرفه بحال، ولو أجازته الولي =

”واحترز به عن المجنون الذي يعقل البيع ويقصده، فإن تصرفاته

كتصرفات الصبي العاقل على ما يجيء“ (شامی نعمانیہ، ص: ۹۰) (۱).

۲..... کم فہم کا تصرف اگر نافع محض ہو تو نافذ ہوگا، اجازت ولی پر موقوف نہیں اور اگر ضار محض ہو، تو نافذ

نہ ہوگا، اگرچہ ولی اجازت دے دے اور جو تصرف دائر بین النفع والنقصان ہو، وہ اجازت ولی پر موقوف ہوگا۔

”وتصرف الصبي والمعتوه الذي يعقل البيع والشراء إن كان نافعاً

محضاً كالإسلام صح بلا إذن، وإن ضاراً كالطلاق والعتاق والصدقة والقرض

لا، وإن أذن به وليهما، وما تردد من العقود بين نفع وضرر كالبيع والشراء توقف

على الإذن حتى لو بلغ فأجازه نفذ“ (الدر المختار مع الشامی: ۱۰۸/۵) (۲).

۳..... انسان میں خداوند قدوس نے جو قوت عاقلہ ممیزہ ودیعت فرمائی ہے، جس سے وہ حسن و قبح، نفع

و ضرر میں تمیز کرتا ہے، انجام کار پر نظر رکھتا ہے، اس قوت میں خلل واقع ہو جانے کو جنون کہتے ہیں، جس کے مختلف

اسباب ہوتے ہیں، جنون کبھی تو پیدائشی ہوتا ہے، کبھی خلط اور مزاج میں بے اعتدالی پیدا ہو جانے سے ہو جاتا ہے

اور کبھی شیطانی غلبہ یا دماغی صدمہ سے ہو جاتا ہے، جب وہ قوت ممیزہ اپنا کام نہ کر سکے اور اس کے آثار ظاہر نہ

ہوں تو سمجھنا چاہیے کہ جنون ظاہر ہو گیا، جنون کی ایک ہلکی اور کھلی علامت بلا وجہ ہنسنا اور رونا بھی ہے۔

”(قوله: والمجنون) قال في التلويح: الجنون اختلال القوة المميزة

= وإن كان يجن تارة ويفيق أخرى فهو في حال إفاقته كالعاقل، والمعتوه كالصبي العاقل في

تصرفاته“ (البحر الرائق، كتاب الإكراه، باب الحجر: ۱۲۲/۸، رشیدیہ)

(و كذا في درر الأحكام في شرح غرر الأحكام، كتاب الحجر: ۲/۲۷۳، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(۱) راجع الحاشية المتقدمة انفاً

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب المأذون: ۱۷۳/۶، سعید)

”(وتصرفهما إن نفع كالإسلام والاتهاب صح بدون (أي: بدون الإذن) وإن ضر كالطلاق

والعتاق لا وإن) وصلية (أذنا به وما نفع) تارة (و ضر) أخرى (كالبيع والشراء صح به) أي: بالإذن“.

(درر الأحكام مع غرر الأحكام، كتاب المأذون: ۲۸۱/۲، میر محمد کتب خانہ کراچی)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب المأذون: ۹۷/۳، دار المعرفة بيروت)

بین الأمور الحسنه والقبیحة المدرکة للعواقب بأن لا تظهر آثارها وتتعلل
أفعالها، إما لنقصان جبل علیہ دماغه فی أصل الخلقة، إما لخروج مزاج
الدماغ عن الاعتدال بسبب خلط أو آفة، وإما لاستیلاء الشیطان علیہ، وإلقاء
الخیالات الفاسدة إلیه بحيث یفرح ویفزع من غیر ما یصلح سبباً (۱).
فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

نجد

سوال [۱۱۴۸۶]: نجد سے کیا مراد ہے؟ صوبہ نجد یا عراق کی بلند زمین؟ مدلل لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہاں کے جغرافیہ والوں سے اس کی تحقیق کیجئے، یہ کوئی فقہی مسئلہ ہے بھی نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۴۰۰ھ۔

بادل اور رعد کس کا نام ہے؟

سوال [۱۱۴۸۷]: ۱..... بادل کیا چیز ہے؟ سمندر کی بھاپ ہے، کیا سمندر سے پانی پی کر برستا ہے

یا آسمان سے پانی برستا ہے؟

۲..... رعد دوزخ کی آگ ہے یا حضرت علی کی تلوار جو بادل میں گرجتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... سمندر سے پانی پی کر بادل برستا ہے اور آسمان سے بھی بارش ہوتی ہے، اس بارش سے کھیتی وغیرہ

(۱) (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی تعریف السكران وحکمہ: ۳/۳۲۳، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب البیع، باب خیاری العیب: ۶/۶۸، رشیدیہ)

(وکذا فی التلویح مع التوضیح، القسم الثانی من کتاب فی الحکم، فصل فی الأمور المعترضة علی

الأهله، منها الجنون: ۲/۷۰، نور محمد)

اگتی ہے، مگر یہ کوئی فقہی مسئلہ نہیں، اس کی تحقیق سے کیا فائدہ۔

۲..... رعد اس فرشتہ کا نام ہے، جو بادل پر مسلط ہے، بعض نے کہا اس فرشتہ کی آواز کا نام ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۴/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۴/۸۶ھ۔

مجنوں کس قبیلہ سے تھا، کیا لیلیٰ مجنوں کی شادی ہوگی؟

سوال [۱۱۴۸۸]: اقوال عام ہے کہ مجنوں لیلیٰ کے عشق میں سرگردان تھا، اس کا تعلق کس قبیلہ سے تھا؟ لوگ کہتے ہیں کہ بروز حشر ان کی شادی ہوگی، یہ کہاں تک درست ہے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

بنو عذرہ سے تھا (۲)، بروز حشر لیلیٰ مجنوں کی شادی کے متعلق جو لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں، ان سے ہی دلیل پوچھیے، پھر ہم کو بھی مطلع کر دیں تو بہتر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۴/۹۵ھ۔

(۱) ”واختلف العلماء في الرعد، ففي الترمذي عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما قال: سألت اليهود النبي صلى الله تعالى عليه وسلم عن الرعد ما هو؟ قال: ملك من الملائكة (مؤكل بالسحاب) معه مخاريق من نار يسوق بها السحاب حيث شاء الله الخ وعلى هذا التفسير أكثر العلماء، فالرعد: اسم الصوت المسموع، وقاله علي رضي الله تعالى عنه وهو المعلوم في لغة العرب“. (تفسير القرطبي، البقرة: ۱۹: ۱/۱۵۷، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”وهي أن الرعد - كما ورد في الحديث وجرت به العادة - يسوق السحاب من مكان الآخر وللناس في الرعد والبرق أقوال: والذي عول عليه أن الأول صوت زجر الملك المؤكل بالسحاب“. (روح المعاني، البقرة: ۱۹: ۱/۱۷۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تفسير المدارك، البقرة: ۱۹: ۱/۳۰، قديمي)

(۲) کتب تاریخ و تراجم میں اکثر مؤرخین نے مجنوں کا قبیلہ ”بنو عامر“ بیان کیا ہے، نہ کہ بنو عذرہ۔ جیسا کہ درج ذیل حوالہ جات میں مذکور ہے۔

ایک رفاہی سوسائٹی کی شرائط

سوال [۱۱۴۸۹]: تمام مسلمین کی پریشانیاں دیکھتے ہوئے ہم نے ایک سوسائٹی قائم کی ہے، جس کا نام یوتھ مسلم ویلفیئر سوسائٹی ہے، جو کہ ہندوستان کے غریب طلباء، حاجت مند، اسلامی کام اور مسلمانوں کے فائدوں کے لئے قائم کی گئی ہے، سوسائٹی کے اس وقت تقریباً میرٹھ شہر میں ۱۰۰۰/ ممبران ہیں، سوسائٹی کا رجسٹریشن کرانے سے پہلے ہم آپ سے چند رائے کے منتظر ہیں، کیونکہ سوسائٹی پوری طرح سے اسلامی قوانین کے تحت چلائی جائے گی اور اس کے لئے ہم سب آپ کی ہدایات چاہتے ہیں، سوسائٹی کی چند مخصوص شرطیں ہم نے منعقد کی ہیں، جو اس طرح ہیں:

- ۱- سوسائٹی صرف عام مسلمین کی بھلائی کے بارے میں کام انجام دے گی۔
- ۲- سوسائٹی کا ممبر صرف ایک مسلم طالب علم ہی ہو سکتا ہے۔
- ۳- سوسائٹی کی ممبر شپ وہ شخص بھی پاسکتا ہے، جو اسلامی قانون کو تہ دل سے سرانجام دے سکے، چاہے وہ ان پڑھ انسان ہو۔

۴- سوسائٹی کا ممبر ہونے کے لئے کم سے کم ۱۸ سال کی عمر پورا ہونا ضروری ہے۔

= "قیس المجنون: ومن به يقاس المجنون، هو قيس بن الملوح بن مزاحم، وقيل: قيس بن معاذ..... وهو مجنون ليلي بنت مهدي أم مالك العامرية، وهو من بني عامر بن صعصعة، وقيل: من بني كعب بن سعد". (تاريخ الإسلام للذهبي، الطبقة السابعة، ذكر أهل هذه الطبقة: ۲/ ۵۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"قيس بن الملوح بن مزاحم العامري: شاعر غزل، من المتيمين من أهل نجد، لم يكن مجنوناً وإنما لقب بذلك لهيامه في حب ليلي بنت سعد". (الأعلام للزركلي، حرف القاف، مجنون ليلي: ۵/ ۲۰۸، دار العلم للملايين بيروت)

"مجنون ليلي قيس بن الملوح بن مزاحم؛ اشتهر بعشق ليلي في الدنيا، وهو أحد بني كعب بن عامر بن صعصعة.....". (شذرات الذهب، سنة سبعين ومائة: ۱/ ۴۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"هو على ما يقوله من صحيح نسبه وحديثه قيس، وقيل: مهدي، والصحيح أنه قيس بن الملوح بن مزاحم بن عدس بن ربيعة بن جعدة بن كعب بن ربيعة بن عامر بن صعصعة". (كتاب الأغاني، أخبار مجنون بني عامر بن صعصعة: ۲/ ۳۲۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۵- سوسائٹی کی ممبر شپ لینے کے بعد کسی بھی حکومتی پالیسی کا استعمال اور دخل اندازی سوسائٹی میں نہیں کرے گا، چاہے وہ کسی بھی پارٹی کا ممبر کیوں نہ ہو۔

۶- سوسائٹی کے سارے کام اسلامی قانون کے تحت ہوں گے، جو ہر ایک ممبر کو ماننے ہوں گے۔

۷- سوسائٹی کے سکریٹریوں کی میٹنگ ماہ میں دو بار منعقد کی جائے گی۔

۸- ممبر کا کام نئے ممبر بنانا اور ایک مسلم کی پریشانی کو دور کرنا ہے۔

۹- سوسائٹی میں جماعت طلباء کا دوسرا مقام ہے، جو کہ مرکزی اداروں کے طلباء ہیں۔

۱۰- کوئی بھی ممبر سوسائٹی میں ہونے والی کمیوں اور سوسائٹی کی افضلیت کو بطور تحریر بیان سیدھا چیف کو پیش کر سکتا ہے، جس کو سوسائٹی عمل میں لانے کی پوری کوشش کرے گی۔

۱۱- ہر محلہ اور ہر گاؤں کا ایک جوائنٹ سیکرٹری ہوگا، جس کے تحت سارے ممبران کام کریں گے۔

۱۲- ہر جوائنٹ سیکرٹری کا فرض ہوگا کہ اپنے ممبروں کی پریشانیوں کو دور کرے اور ہر نئی تحقیق سوسائٹی کو دے۔

۱۳- ممبروں میں ہونے والے آپسی فساد کی رپورٹ دینا ہر ممبر کا فرض ہوگا، جس سے وہ جھگڑا اسلامی

قانون کے مطابق سلجھایا جاسکے۔

۱۴- سوسائٹی کا ہر ممبر ایک روپیہ ماہوار چندہ جوائنٹ سیکرٹری کو جمع کرائے گا۔

۱۵- ممبروں کے ذریعہ جمع تمام روپیہ شہر کے مختلف حصوں میں پڑھنے والے تمام غریب طلباء کی فیس

میں اور شہر کے تمام غریب لوگوں میں جو حاجت مند ہوں گے، ان میں تقسیم کیا جائے گا۔

۱۶- سوسائٹی کا پورا خرچ سوسائٹی کے چندہ سے پورا کیا جائے گا۔

۱۷- اگر سوسائٹی کا ممبر اپنے ذریعہ معاش کے لئے اپنا نجی کام کرنا چاہتا ہے تو سوسائٹی بطور قرض اس

کے اس مقصد کے لئے روپیہ دے گی، جو اسے قسط وار چکانا پڑے گا۔

۱۸- تمام روپیہ شہر کچہری سے اسٹامپ کے ذریعہ معاہدہ کے مطابق ہی دیا جاسکتا ہے۔

۱۹- ماہوار روپیہ نہ دینے والے ممبر کو ممبر شپ سے الگ کر دیا جائے گا اور کوئی بھی سوسائٹی سے ہونے

والے فائدہ سے محروم کر دیا جائے گا۔

۲۰- دوبارہ ممبر شپ بننے کے لئے اسے پچھلے ہر ماہ کا چندہ جمع کرنا پڑے گا۔

- ۲۱۔ کبھی بھی ضرورت کے وقت کسی بھی ممبر کو طلب کیا جاسکتا ہے۔ جس پر اسے ضرور حاضر ہونا پڑے گا، حاضر نہ ہونے پر اسے سوسائٹی سے الگ سمجھا جائے گا، بشرطیکہ وہ شہر سے باہر نہ ہو۔
- ۲۲۔ سوسائٹی کے چیف تمام سیکرٹریوں و جوائنٹ سیکرٹری اور ممبروں کی میٹنگ ہر تیسرے ماہ کی آخری تاریخ میں ہوگی، جس میں ہر ممبر کا حاضر ہونا ضروری ہے۔
- ۲۳۔ سوسائٹی کے ہر ممبر کو ایک شناختی کارڈ اور ایک بیج دیا جائے گا، جو اسے ہر وقت اپنے پاس رکھنا ہوگا، ضرورت پڑنے پر وہ طلب کیا جاسکتا ہے، جو اسے دکھانا ہوگا۔
- ۲۴۔ بیج یا سوسائٹی کی طاقت کا غلط استعمال کرنے والے کو سوسائٹی سے الگ کر دیا جائے گا اور چیف کے ذریعہ جو فیصلہ دیا جائے گا، وہ اسے ماننا پڑے گا۔
- ۲۵۔ آپس میں اتفاق و اتحاد اور محبت کے ساتھ سوسائٹی کو چلانا اور سوسائٹی کو زندہ رکھنا ہے، اس بات کا ہر ممبر کو خیال رکھنا پڑے گا۔
- ۲۶۔ سوسائٹی کی ایک کیبنٹ (۱) ہوگی، جو جوائنٹ سیکرٹری کی شنوائی کرے گی۔ اور سوسائٹی کا کوئی بھی کام بنا کیبنٹ کے پاس ہوئے رد سمجھا جائے گا۔
- ۲۷۔ کوئی بھی ممبر بنا مقصد بتائے سوسائٹی سے استعفاء نہیں دے سکتا۔
- ۲۸۔ سوسائٹی پوری طرح دیوبند کے اسلامی قانون کے تحت چلے گی۔
- ۲۹۔ کسی بھی ممبر یا جوائنٹ سیکرٹری وہ کیبنٹ سیکرٹری کو بنا وجہ بتائے ہٹانے کا پورا حق سوسائٹی کے چیف کو ہوگا۔

ان ساری شرطوں میں کون شرط ٹھیک ہے، کون نہیں، اس بارے میں آپ سے گزارش ہے کہ آپ کو جو شرط صحیح معلوم ہو اور مقاصد کو پورا کرنے میں پورا کام کرتی ہو، یا جو شرط ہم نے صحیح نہ لکھی ہو، یا ہم کو نہیں پتہ، آپ اس بارے میں لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی تحریر کردہ ۲۹ شرطیں جو کہ درحقیقت سوسائٹی کا کام چلانے کے لئے اصول کے درجہ میں مطالعہ

(۱) ”کیبنٹ: کابینہ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۱۳۱، فیروز سنز لاہور)

کیس، ان میں نمبر ۲۰/ کے متعلق عرض ہے کہ پچھلے ہر ماہ کا چندہ جمع کرنا لازم قرار دیا گیا ہے، جو کہ نمبر ۲۰/ جرمانہ مالی کی ہے، اس لئے اس قید کو ختم کیا جائے (۱)۔ ۲۱/ میں صرف شہر سے باہر ہونے کو مستثنیٰ کیا گیا ہے، حالانکہ عدم حاضری کا سبب بیماری وغیرہ بھی کوئی عذر ہو سکتا ہے، اس لئے بلا عذر کی قید لگادی جائے۔

نمبر ۲۴/ سزا کے ساتھ مطابق شرع کی قید لگادی جائے، نمبر ۲۹/ میں ممبر یا سیکرٹری کو ہٹانے کا پورا حق چیف کو دیا گیا ہے اور وہ بھی بنا وجہ بتائے اس قدر وسیع اختیار نہیں دینا چاہیے، اگر قصور وار ہو تو اس پر اول فہمائش کی جائے پھر چیف مشورہ کر کے الگ کرے، اس لئے چند اہل مشورہ کو متعین کر لیا جائے، اللہ تعالیٰ اخلاص سے، استقامت دے، خدمت اور کام کا رخ صحیح رکھے، ہر قسم کے فتنوں سے حفاظت فرمائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱۰/۱۴۰۰ھ۔

رات میں جھاڑو دینا، منہ سے چراغ گل کرنا، دوسرے کا کنگھا استعمال کرنا

سوال [۱۱۴۹۰]: اغلاط العوام، ص: ۱۸ پر ایک مسئلہ ہے، جس کا مضمون یہ ہے بعض لوگ رات کو جھاڑو دینے کو یا منہ سے چراغ گل کرنے کو یا دوسرے کے کنگھا کرنے کو اگرچہ باجارت ہو، برا سمجھتے ہیں، اس کی بھی کوئی اصل نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر رات میں جھاڑو دی جائے تو درست ہے، لیکن احقر نے شیخ فرید الدین عطار کی جو کتاب ”پندنامہ“ ہے، اس کا مطالعہ کیا تو اس کے ص: ۴۳ پر یہ مصرع دیکھا:

شب مزین جاروب ہرگز خانہ در

تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رات میں جھاڑو نہ دینی چاہیے، چونکہ احقر کو ان دونوں کا علم نہیں ہے کہ منع کس حیثیت سے ہے اور اجازت کس حیثیت سے ہے، بایں وجہ ان دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ لہذا دفع تعارض کیا ہوگا؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

”پندنامہ“ فقہ کی کتاب نہیں، نہ فقہی حیثیت سے اس میں ممانعت مذکور ہے، بلکہ بتانا یہ ہے کہ مکان

(۱) ”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي والحاصل أن المذهب عدم التعزير

بأخذ المال“۔ (رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزير، مطلب التعزير بأخذ المال: ۶۱/۴، سعید)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحدود، باب حد القذف، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشیدیہ)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۵/۳، رشیدیہ)

صاف کرنے اور جھاڑ دینے کا وقت عرفادن ہے، رات نہیں، ہر کام اپنے وقت پر کرنا چاہیے، مگر یہ تعین فقہی تعین نہیں کہ اس کے خلاف کرنے سے آدمی گنہگار ہو (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

آب زمزم گرم کر کے پینا

سوال [۱۱۴۹۱]: سردی کے موسم میں آب زمزم کو گرم کر کے پینا کیسا ہے؟ آیا آب زمزم شریف کو

گرم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

”ماء زمزم لما شرب له“ (۲)۔

(۱) بعض عوام عصر کے بعد جھاڑ دینے کو برا سمجھتے ہیں، یہ بھی محض بدشگونی ہے، جس کی کوئی اصل نہیں۔ (اغلاط العوام، شگون بدفالی) اور فال کی اغلاط، ضمیمہ جدیدہ، ص: ۴۸، زمزم)

سوال [۴۶۴]: پندنامہ میں جو شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے مصرعہ تحریر فرمایا ہے:

ع۔ شب در آئینہ نظر کردن خطاست

یہ ممانعت شرعی ہے یا کسی مصلحت سے اور اگر مصلحت ہے تو کیا مصلحت ہے؟ اسی طرح رات کو جھاڑ دینا خواری کا باعث ہے اور دیواروں کا کپڑے سے صاف کرنا خواری لاتا ہے، یہ کس طرح ہے اور کس وجہ سے ہے اور ایک یہ بات مشہور ہے کہ رات کو چارپائی کی اوداکن کھینچنا منحوس ہے، یہ کس طرح سے ہے؟

الجواب: ان امور کی شرع میں کچھ اصل نہیں، جو محض عوام میں مشہور ہیں، ان کی اصل ڈھونڈنے کی تو کوئی ضرورت نہیں، البتہ جو بزرگوں کے کلام میں پایا جاتا ہے، تو از قبیل حکمت و طب ہے، ورنہ یہ کہا جاوے گا کہ بعض بزرگوں پر حسن ظن غالب تھا، اس لئے بعض روایات کو سن کر تنقید راوی کی نہ کی، اس کو صحیح سمجھ کر لکھ دیا، پس وہ معذور ہیں اور قابل عمل نہیں۔ (امداد الفتاویٰ، کتاب الحظر والاباحۃ، مسائل شتی، پندنامہ شیخ فرید الدین عطار میں جو رات کو آئینہ..... ص: ۳۷۰/۴، دارالعلوم کراچی)

(۲) ”عن ابن عباس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ماء زمزم لما شرب له، فإن شربته تستشفى به شفاك الله، وإن شربته مستعيذا عاذك الله، وإن شربته ليقطع ظمأك قطعاً“ قال: وكان ابن عباس رضي الله تعالى عنه إذا شرب ماء زمزم قال: اللهم أسألك علماً نافعاً، ورزقاً واسعاً، وشفاء من كل داء“ (المستدرک للحاکم، أول کتاب المناسک: ۳۴/۲، قدیمی) =

آب زمزم ٹھنڈا بھی نقصان نہیں دیتا، بلکہ جس مقصد کے لئے پیا جائے، اللہ تعالیٰ اس مقصد کو پورا فرماتے ہیں، تاہم گرم کرنا بھی ممنوع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۲/۹۵ھ۔

کیا احکام شرع میں امیر و غریب کا فرق ہے؟

سوال [۱۱۴۹۲]: کیا اسلام میں امیر و غریب کا بھی کوئی فرق ہے؟ کہ اگر بڑا آدمی ہو تو چاہے جو کچھ کرے، اس کو معاف، مسئلہ چھوٹوں کے لئے ہے اور ان ہی کی پکڑ ہوگی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو احکام عام ہیں، ان میں امیر، غریب کا فرق نہیں وہ سب کے لئے یکساں ہیں، مثلاً: نماز (۱)، روزہ (۲) امیر و غریب سب پر فرض ہے، جو بھی ترک کرے گا، سخت گنہ گار ہوگا۔ شراب، زنا، جھوٹ، غیبت، چوری وغیرہ سب کے لئے حرام ہے، کسی کی خصوصیت نہیں، بعض احکام میں فرق ہے، مثلاً: زکوٰۃ (۳)، فطرہ (۴)، قربانی (۵)، حج (۶)، مالدار پر فرض و واجب ہے، غریب پر نہیں، زکوٰۃ غریب کو لینا جائز ہے، مالدار

= "جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یقول: "ماء

زمزم لما شرب له". (سنن ابن ماجہ، أبواب المناسک، الشرب من زمزم، ص: ۲۱۹، ۲۲۰، قدیمی)

(و کذا فی إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، مبحث مهم فی شرب زمزم، وحديث ماء

زمزم لما شرب له، ص: ۳۲۸-۳۳۰، مصطفى محمد)

(۱) "هي (الصلاة) فرض عين كل مكلف". (الدر المختار). "المكلف هو المسلم، البالغ، العاقل، ولو

أنثى أو عبداً". (رد المحتار، کتاب الصلاة: ۳۵۲/۱، سعید)

(۲) "(هو إمساك عن المفطرات حقيقة أو حكماً في وقت مخصوص من شخص مخصوص) مسلم

كائن في دارنا، أو عالم بالوجوب". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصوم: ۳۷۱/۲، سعید)

(۳) "سبب افتراضها ملك نصاب حولي تام". (رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ: ۲۵۸/۲، سعید)

(۴) "تجب موسعاً في العمر على كل مسلم ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية". (رد المحتار، باب

صدقة الفطر: ۳۶۰/۲، سعید)

(۵) "و شرائطها: الإسلام، والإقامة، واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر". (رد المحتار، کتاب

کو لینا جائز نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۹۱ھ۔

مغرب کی اذان کے وقت پانی پینا

سوال [۱۱۲۹۳]: ہماری مسجد کے امام صاحب کہتے ہیں کہ مغرب کی اذان کے وقت پانی وغیرہ نہ

پینا چاہیے، یہ کہاں تک صحیح ہے؟ دوسرے لوگ بھی تائید کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً اس وقت پانی پینے کی ممانعت نہیں، اغلاط العوام (۲) میں بعض مسائل مشہور ہیں، یہ بھی ان میں

سے ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

حرام روزی یا حرام لقمہ کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی

سوال [۱۱۲۹۴]: حرام روزی کا لقمہ اگر پیٹ میں اتر جائے تو اس کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوگی

= الأضحیۃ: ۳۱۲/۶، سعید

(۶) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مِنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ (ال عمران: ۹۷)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ وَالْمُوَلَّفَةِ قُلُوْبِهِمْ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِي

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ (التوبة: ۶۰)

”مصرف الزکاة والعشر هو فقير“ (رد المحتار، کتاب الزکاة، باب المصرف:

۳۳۹/۲، سعید)

(۲) قال الشيخ التهانوي رحمه الله تعالى:

”مشہور ہے کہ عصر اور مغرب کے درمیان کھانا پینا برا ہے اور اس کی وجہ یہ تصنیف (گھڑی، بنائی) کی ہے کہ مرتے

وقت یہی نظر آتا ہے اور شیطان پیشاب کا پیالہ پینے کے لئے لاتا ہے، سو اگر کھانے پینے کی عادت نہ ہوگی تو انکار کر دے گا، شرع

میں اس کی بھی کوئی اصل نہیں۔“ (اغلاط العوام، مکمل) کھانے پینے کی اغلاط، ص: ۱۹۰، زمزم پبلشرز)

اور اس کی اولاد بھی حرام ہوگی، حرام روزی سے بنا ہوا بدن بھی دوزخ میں جائے گا۔ حوالہ حدیث سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حرام روزی کھانے سے عبادت قبول نہیں ہوتی، اتنی بات صحیح ہے، مگر قبول نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ عبادت مستحق انعام نہیں اور حق تعالیٰ اس سے راضی نہیں، یہ مطلب نہیں کہ فرض ادا نہیں ہوتا (۱)، یہ بات کہ اس کی اولاد بھی حرامی ہوگی، میرے علم میں نہیں، البتہ اتنی بات صحیح ہے کہ جو گوشت حرام روزی سے بنے وہ جہنم کی آگ کا مستحق ہے (۲)، یہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقاۃ میں تفصیل سے مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۷/۱۴۰۰ھ۔

(۱) ”عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما قال: من اشترى ثوباً بعشرة دراهم، وفيه درهم حرام لم يقبل الله له صلاة مادام عليه، ثم أدخل إصبعه في أذنيه وقال: صُمْنَا إِنْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعْتَهُ يَقُولُهُ، رواه أحمد“ (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثالث: ۵۱۸/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

” (لم يقبل الله له صلاة) أي: لا يثاب عليها، وإن كان مشابهاً بأهل الثواب، وأما أصل الصلاة فصحيحة بلا كلام، ذكره ابن ملك. وقال الطيبي رحمه الله تعالى: كان الظاهر أن يقال منه، لكن المعنى لم يكتب الله له صلاة مقبولة مع كونها مجزئة مسقطه للقضاء كالصلاة في الدار المغصوبة“ (مرقاۃ المفاتیح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۳۶/۶، رشیدیہ)

(۲) ”عن جابر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”لا يدخل الجنة لحم نبت من السحت، وكل لحم نبت من السحت كانت النار أولى به“ رواه أحمد والدارمي والبيهقي في شعب الإيمان“ (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال، الفصل الثاني: ۵۱۵/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۳) ” (لا يدخل الجنة) أي: دخولاً أولاً مع الناجين، بل بعد عذاب بقدر أكله للحرام ما لم يعف عنه، أولاً يدخل منازلها العلية، أو المراد أن يدخلها أبداً إن اعتقد حل الحرام، وكان معلوماً من الدين بالضرورة، أو المراد به الزجر والتهديد والوعيد الشديد، ولذا لم يقيد بنوع من التقيد (كانت النار أولى به) =

چیتل کی کھال کا مصلیٰ

سوال [۱۱۴۹۵]: چیتل ایک جانور مثل گائے ہے۔ اس کی کھال کی جانماز کیسی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چیتل (۱) کی کھال پر بیٹھنا، کھانا کھانا، نماز پڑھنا سب درست ہے، (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



= أي: من الجنة لتطهره النار عن ذلك بإحراقها إياه، وهذا على ظاهر الاستحقاق، أما إذا تاب، أو

غفر له من غير توبة، وأرضى خصومه، أو نالته شفاعة شفيع فهو خارج من هذا الوعيد“. (مرقاۃ المفاتیح،

كتاب البيوع، باب الكسب وطلب الحلال: ۲۳/۶، رشیدیہ)

(۱) ”چیتل: ایک قسم کی نیل گاؤ“۔ (فیروز اللغات، ص: ۵۵۷، فیروز سنز لاہور)

(۲) ”ولا بأس بجلود النمر والسباع كلها إذا دبغت أن يجعل منها مصلی أو منبراً لسرج“۔ (رد المحتار،

كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۳۵۱/۶، سعید)

(و كذا في حاشية الطحاوی على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في اللبس: ۱۷۷/۴،

دار المعرفۃ بیروت)

(و كذا في الفتاویٰ العالمگیریۃ، كتاب الكراهیۃ، الباب التاسع في اللبس ما يكره من ذلك وما لا يكره:

۳۳۳/۶، رشیدیہ)

کتاب الفرائض

الفصل الأول في التركة وتصرف الميت فيها

(ترکہ اور میت کے تصرف کا بیان)

زندگی میں میراث تقسیم کرنا

سوال [۱۱۴۹۶]: زید اپنی زندگی میں اپنی میراث اپنی بیوی بچوں میں تقسیم کرنا چاہتا ہے، مثلاً: سولہ آنے ہیں، اس کو ایک لڑکا ایک لڑکی ایک زوجہ میں کس طرح تقسیم کرے؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

بہتر یہ ہے کہ دو آنے بیوی کو دے دے (۱) اور سات آنے لڑکے کو، سات آنے لڑکی کو دے دے، جس طرح میراث میں لڑکی کا حصہ لڑکے سے آدھا ہوتا ہے، اس طرح یہاں نہ کرے، بلکہ دونوں کو برابر دے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۶/۸۹ھ۔

(۱) قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

(۲) "قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم في العطية". (صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، ص: ۴۱۸، دارالسلام)

"وفي الخلاصة: المختار التسوية بين الذكر والأنثى في الهبة". (البحر الرائق، كتاب الهبة:

۴/۶/۸۹، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاوى العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب السادس: ۴/۶/۸۹، رشیدیہ)

زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنے کا حکم

سوال [۱۱۳۹۷]: زید کے پاس اس کے باپ دادا کی چھوڑی ہوئی جو زمین ہے، اس کے تین حصے کر رہے ہیں، ایک حصہ بڑے لڑکے بکر کو دے رکھا ہے، جو عرصہ بیس سال ہوا الگ کھیتی کر رہا ہے، ایک چھوٹے لڑکے عمر کو دے رکھا ہے اور اپنا حصہ چھوٹے لڑکے کے ساتھ شامل کر کے کاشت کر رہا ہے، اب بڑا لڑکا اس بات پر بضد ہے کہ تمہارا جو تیسرا حصہ ہے اس کے نصف حصہ میں میں کاشت کروں گا یعنی جائیداد کے دو حصے کر کے دونوں بھائی کاشت کریں گے، باپ نے کہا جب تک میں زندہ ہوں، اپنے حصے پر قابض ہوں، بعد میرے مرنے کے دونوں تقسیم کریں، اس کا جواب جلد دیں اور فرمائیں کہ میری ناراضی میں میرا حصہ ان کو جائز ہے یا ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے لڑکے کو ضد کرنے کا حق نہیں، آپ نے جو کچھ اپنی زندگی میں دے دیا وہ بھی آپ کا احسان ہے، بلا تکلف اپنا حصہ آپ چاہے جس لڑکے کے ساتھ رکھیں یا الگ رکھیں، کوئی اعتراض یا زبردستی نہیں کر سکتا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمد عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۱/۸۹ھ۔

زندگی میں جائیداد تقسیم کرتے وقت بیٹی کو محروم کرنا

سوال [۱۱۳۹۸]: ۳۷/ بیگمہ زمین سسرال سے میرے حصے میں آئی اور ۱۹/ بیگمہ میرے پاس موروثی ہے، موروثی زمین کا بیس گنا ادا کر رہا ہوں اور ۲۵/ سال سے برابر ادا کر رہا ہوں، کل جگہ ۵۶/ بیگمہ سے

(۱) "الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب فی

تعریف المال والملک الخ: ۵۰۲/۳، سعید)

"کل يتصرف في ملكه كيف شاء". (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۳،

دارالکتب العلمیہ بیروت)

"لا يمنع أحد من التصرف في ملكه أبداً إلا إذا أضر بغيره". (شرح المجلة، الباب الثالث،

المادة: ۱۱۹۷: ۱/۶۵۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اپنے تینوں لڑکوں کو ۱۴، ۱۴، ۱۴ تقسیم کر کے دے دی ہے اور سب کے رہائشی مکانات الگ الگ بنوادیئے ہیں، ایک لڑکی تھی، اس کی شادی کر دی، وہ اپنے گھریار کی ہو گئی ہے، زمین سے کوئی حصہ نہیں دیا ہے اور میرے پاس ۱۴/ بیگھہ زمین ہر دو قسم کی زمینوں کو ملا کر باقی بچی ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ ۱۴/ بیگھہ زمین کو بیچ کر زیارت حج بیت اللہ کو جاؤں، تو کیا یہ حج میرے لئے جائز ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج تو آپ کا ہو جائے گا، لیکن آپ نے لڑکی کو زمین نہیں دی، یہ اس کی حق تلفی ہوئی ہے، حالانکہ جتنی جتنی لڑکوں کو دی ہے، اتنی ہی لڑکی کو دینا چاہیے تھی، اپنی زندگی میں جب اولاد کو بطور عطیہ زمین وغیرہ دی جائے، تو سب کا حق برابر ہوتا ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۴/۹۴ھ۔

بعض اولاد کو کم اور بعض اولاد کو زیادہ دینے کا حکم

سوال [۱۱۳۹۹]: مجیب الرحمن کے دو لڑکے ہیں، لشکر علی، گوہر علی۔ لشکر علی کے چار لڑکے ہیں، امداد علی، سیارت علی، جہانگیر علی، منوری اور چار لڑکیاں، عزیزن، کلثوم، زینب اور مریم۔ اور گوہر علی کا صرف

(۱) ”ولو وهب رجل شيئاً لأولاده في الصحة وأراد تفضيل البعض على البعض عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل له في الدين، وإن كان سواء يكره، وروى المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطي الابنة ما يعطي للابن، وعليه الفتوى، هكذا في فتاوى قاضي خان، وهو المختار، كذا في الظهيرية“.

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس الخ: ۳/۳۱۹، رشیدیہ)

”وفي الخانية: لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد فسوى بينهم، يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى“.

(الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۶، سعید)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الهبة: ۳/۳۹۹، ۴۰۰، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، فصل في هبة الوالد لولده والهبة للصغير: ۳/۴۷۹، رشیدیہ)

ایک لڑکا سدھن علی ہے، ابھی سب لوگ زندہ ہی تھے کہ اچانک لشکر علی اور گوہر علی کا انتقال ہو گیا اور ساری چیزیں ابھی مجیب الرحمن کے قبضے میں تھیں، زمین اور جائیداد کے مالک وہی تھے، تو اب لشکر علی اور گوہر علی کے لڑکے اور لڑکیوں کو داد اجان سے کچھ حق ملے گا یا نہیں؟

۲..... مجیب الرحمن کے پوتوں میں سے ایک پوتے امداد علی بھی ہے جو کہ سب سے بڑے ہیں، جنہوں نے دادا سے چار بیگھ زمین اپنے نام سے قبالہ (۱) کرائی ہیں، اب یہ معلوم نہیں کہ خوشی سے قبالہ کر دیا یا بوڑھے سے زبردستی کرایا گیا، کیونکہ اب دونوں حضرات دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اور بقیہ تمام زمین چاروں بھائیوں میں تقسیم ہو چکی ہے، تو اب تینوں بھائیوں اور چار بہنوں کا اس زمین میں جو ان کے بڑے بھائی نے دادا سے قبالہ کرایا ہے، حصہ ہو گا یا نہیں؟ اور اگر ہو گا تو کتنا ہو گا؟

امداد علی کے لڑکے کہتے ہیں جب وہ چار بیگھ زمین کا قبالہ ہمارے والد مرحوم کے نام سے ہے تو وہ زمین خاص طور سے ہماری ہو گئی اور چونکہ لشکر علی دادا صاحب (مجیب الرحمن) کی موجودگی میں انتقال کر چکے ہیں، اس لئے سارے پوتے پوتیاں محروم ہو جائیں گی اور جو زمین ہمارے والد صاحب نے اپنے دادا میاں سے قبالہ کر دیا ہے وہ ان کی زمین تھی، اب اس نے جس کے نام سے قبالہ کر دیا، خاص طور سے وہ زمین اس کی ہو گئی۔ اور رقم تینوں بھائی اور چاروں بہنوں کی، اس میں کوئی حق نہیں جیسے کہ اگر دادا صاحب کسی سے اپنی زمین فروخت کر دیتے تو وہ اسی کی ہو جاتی۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ دادا صاحب کو بڑے پوتے سے زیادہ محبت تھی اس وجہ سے یہ چار بیگھ زمین زیادہ دی ہے۔

اور ان تینوں بھائی بہنوں کا کہنا ہے کہ اس میں ہمارا بھی حصہ ہو گا، کیونکہ تمہارے والد صاحب سب سے بڑے اور گھر کے مالک بھی تھے، انہوں نے دادا سے پھسلا کر قبالہ کرا لیا، اس لئے ہم لوگوں کا بھی حصہ ہو گا اور دوسری بات یہ ہے کہ جب دادا میاں کا انتقال ہو رہا تھا، تب تمہارے والد صاحب نے ہم لوگوں کے لئے یہ بات نہیں کہی ہے (کہ) بھائی یہ چار بیگھ زمین دادا صاحب نے الگ ہمارے نام سے قبالہ کر دی ہے اور دادا صاحب کے مرنے کے کئی سال بعد تک ہم چاروں بھائی ساتھ ہی رہیں اور پھر اس کے بعد سب الگ الگ

(۱) ”قبالہ: تمسک، بیع نامہ، کاغذ جس سے کسی چیز پر ملکیت ظاہر ہو، جائیداد، جاگیر یا مکان کا کاغذ یا سند“۔ (فیروز اللغات، ص:

ہو گئے تو اس وقت بھی ہم لوگوں سے یہ بات نہیں کہی، بلکہ دو چار بیگھہ زمین برابر برابر تقسیم کر دی، لیکن (یہ تقسیم صرف) کاغذی طور پر ہے، کچھ قبالہ وغیرہ دیا، وہ اپنے وصال کے وقت ہی کیا کہ اب یہ ۴۰ یا ۴۵ سال کے بعد تم کہتے رہو گے یہ چاروں بیگھہ زمین ہمارے باپ کے نام سے قبالہ ہیں، اس لئے ہم لوگوں کا ہے، اب یہ نہ ہوگا، کیونکہ تمہارے والد صاحب سے ہم لوگوں نے اس بات کا تذکرہ نہ کیا تھا اور فی الحال وہ زمین تینوں بھائیوں کے قبضہ میں ہے، لیکن سرکاری ٹیکس لگ رہا ہے، امداد علی کے لڑکے کو یا ان تینوں بھائیوں اور چاروں بھنوں کا بھی کچھ حصہ ہوگا؟ مدلل بیان کریں اور یہ بھی بیان فرمادیں کہ اگر مجیب الرحمن نے خوشی سے قبالہ کر دیا ہے، تو کیا حکم ہے؟ اور اگر زبردستی کرایا گیا تو کیا حکم ہے؟

۳..... کسی شخص کے چار لڑکے ہیں اور ان کو کسی سے زیادہ محبت ہے اور کسی سے کم ہے اور اس طریقہ سے انہوں نے زمین وغیرہ، تقسیم کی کہ کسی کو زیادہ اور کسی کو کم اور کسی کو کچھ نہیں، تو ایسا کرنا کسی باپ کو اپنے بیٹوں کے درمیان جائز ہے یا ناجائز؟ کیونکہ بیٹے تو سب اسی کے ہیں۔

۴..... اگر کوئی لڑکا اپنے والد سے الگ ہو کر زمین وغیرہ کو طلب کر رہا ہے تو اس کا طلب کرنا کیسا ہے؟ ان کے والد کو دینا ہوگا یا نہیں؟ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر کوئی دادا اپنے پوتے سے اپنے لڑکے کے مرنے کے بعد کہے کہ ”میں تم کو یہ زمین وغیرہ کچھ نہ دوں گا“ کسی ناراضگی کی بناء پر، تو اس کے محروم کرنے کی وجہ سے پوتا محروم ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... مجیب الرحمن کے انتقال کے وقت کوئی لڑکا لڑکی موجود نہیں، صرف پوتے پوتیاں ہیں، تو یہ سب دادا کی میراث کے حق دار ہیں (۱)، دو برابر پوتے کو ایک برابر پوتی کو ملے گا، سدھن علی، لشکر علی کے لڑکوں کی طرح

(۱) ”فالعصبة نوعان: نسبية وسببية، فالنسبية ثلاثة أنواع: عصبة بنفسه، وهو كل ذكر لا يدخل في نسبته إلى الميت أنثى، وهم أربعة أصناف: جزء الميت وأصله..... فأقرب العصبات الابن، ثم ابن الابن وإن سفل..... وعصبة بغيره وهي كل أنثى تصير عصبة بذكر يوازيها، وهي أربعة: البنت بالابن، وبنت الابن بابن الابن الخ“ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۲/۴۵۱، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض، باب العصبات: ۲/۴۴۳-۴۴۵، سعید)

برابر کے شریک ہیں (۱)۔

۲..... اگر دادا نے اپنی تندرستی میں (مرض الوفات) سے پہلے ہوش و حواس قائم رہتے ہوئے چار بیگھہ زمین اپنے اس پوتے امداد علی کو ہبہ کر دی زبانی یا تحریری اور اپنا قبضہ اٹھا کر پوتے کا اس پر قبضہ کرادیا تو وہ زمین اس پوتے کے ملک ہوگی (۲)، دادا کی میراث قرار دے کر دوسرے پوتے اس میں حصہ دار نہیں ہوں گے، اگر ہبہ کا ثبوت ہو تو اس کو تسلیم کرنا لازم ہے، دوسرے پوتوں کا مطالبہ قابل تسلیم نہیں (۳)، اگر ہبہ نہیں کیا، نہ زبانی نہ تحریری (۴) یا ہبہ تو کیا ہے لیکن مرض الوفات میں ہوش و حواس بجا نہ رہنے کی حالت میں کیا ہے (۵)۔ یا ہبہ

= (و کذا فی السراجی، باب العصابات، ص: ۱۴، قدیمی)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذِیْ كَرَّمِثْلِ حِظِّ الْأُنثِیْنَ﴾ (النساء: ۱۷۶)

”إذا اختلط البنون والبنات، عصب البنون والبنات، فیکون لابن مثل حظ الأنثیین“۔ (تبیین

الحقائق، کتاب الفرائض: ۷/۴۸۰، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثانی فی ذوی الفروض: ۶/۴۴۸، رشیدیہ)

(۲) ”ولا یتیم حکم الہبۃ إلا مقبوضۃ، ویستوی فیہ الأجنبی والولد إذا کان بالغاً“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ،

کتاب الہبۃ، الباب الثانی: ۳/۳۷۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبۃ: ۵/۶۹۰، سعید)

(و کذا فی الہدایۃ، کتاب الہبۃ: ۳/۲۸۱، مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالِ بَیْنِكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرۃ: ۱۸۸)

”لا یجوز لأحد أن یأخذ أحد مال أحد بلا سبب شرعی أي: لا یحل فی کل الأحوال عمداً أو

خطأ أن یأخذ أحد مال أحد بوجه لم یشرعہ اللہ تعالیٰ ولم یبحہ؛ لأن حقوق العباد محترمة“۔ (شرح

المجلۃ لخالد الأتاسی، المادۃ: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشیدیہ)

”عن سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من

أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه یطوقہ یوم القیامۃ من سبع أرضین“۔ متفق علیہ۔ (مشکاۃ المصابیح،

کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

(۴) راجع الحاشیۃ المتقدمة انفاً

(۵) ”إن ہبۃ المریض مرض الموت لأحد ورثتہ، لا تجوز، إلا أن یجیزها الورثۃ الباقون بعد موت

کر کے اس پر قبضہ نہیں کرایا (۱)، تو ان سب صورتوں میں وہ داد کا ترکہ ہے، دیگر متروکہ جائیداد کی طرح اس کی تقسیم ہوگی۔

۳..... اولاد ہونے میں سب برابر ہیں، لیکن محبت میں کمی زیادتی بھی ہوتی ہے، کسی کے اخلاق اعمال اچھے ہوتے ہیں، کسی کے نہیں ہوتے اور بھی اسباب تفاوت محبت کے ہوتے ہیں، اس کی وجہ سے اگر کسی کو کچھ دے دے تو اس پر پکڑ نہیں، ہاں! کسی کو نقصان پہونچانے کا مقصد نہیں ہونا چاہیے، ورنہ گناہ ہوگا (۲)، اولاد

= الواہب؛ لأن ہبته وإن كان هبة حقيقة، لكن لها حكم الوصية“، (شرح المجلة لخالدة الأتاسي، كتاب الهبة، الفصل الثاني: ۳/۴۰۳، حقانیہ پشاور)

(۱) ”لاتجوز هبة المريض ولا صدقته إلا مقبوضة فإذا قبضت، فجازت من الثلث، وإذا مات الواهب قبل التسليم، بطلت“، (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الهبة، الباب العاشر في هبة المريض: ۴/۴۰۰، رشیدیہ)
(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الهبة، نوع فی هبة المريض: ۶/۳۳۹، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الهبة، باب الرجوع فی الهبة: ۵/۷۰۰، سعید)
”لا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة“، (الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الهبة، الباب الثاني: ۴/۳۷۷، رشیدیہ)
(و کذا فی الهدایة، کتاب الهبة: ۳/۲۸۱، شرکت علمیہ)

(و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الهبة: ۶/۴۹، دار الکتب العلمیة بیروت)
(و کذا فی بدائع الصنائع، کتاب الهبة: ۳/۴۹۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)
(۲) ”قال النبي صلى الله تعالى عليه وسلم: اعدلوا بين أولادكم في العطية“، (صحيح البخاري، كتاب الهبة، باب الهبة للولد، ص: ۴۱۸، دار السلام)

”وروي عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا كان التفضيل لزيادة فضل في الدين، وإن كانا سواء يكره. وروي المعلى عن أبي يوسف رحمه الله تعالى: أنه لا بأس به إذا لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به الإضرار سوى بينهم، يعطي الابنة مثل ما يعطي للابن، وعليه الفتوى“، (الفتاوى العالمگیریة، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/۳۹۱، رشیدیہ)

”لا بأس بتفضيل بعض الأولاد في المحبة؛ لأنها عمل القلب، وكذا في العطايا إن لم يقصد به الإضرار، وإن قصد به يسوي بينهم، يعطي البنت كالابن عند الثاني، وعليه الفتوى“، (الدر المختار، =

ہونے میں برابری کی وجہ سے میراث میں تفاوت نہیں ہوگا، سب لڑکے برابر کے حق دار ہوں گے۔

۴..... کوئی لڑکا اپنے والد سے کچھ مانگے اور اپنی ضرورت ظاہر کریں تو شرعاً مضائقہ نہیں، اللہ پاک وسعت دے تو والد کی خدمت بھی کرے اور ان سے کچھ نہ مانگے، لیکن بطور میراث زندگی میں مانگنے کا حق نہیں (۱)۔ والد صاحب دیکھے کہ فلاں لڑکے کو حاجت زیادہ ہے، حسب وسعت اس کی ضرورت پورا کرنے میں والد کو بھی اجر ملے گا، والد کا یہ کہنا کہ میرے انتقال کے بعد میرے فلاں لڑکے کو کچھ نہ دیا جائے اور میری جائیداد سے اس کو محروم کر دیا جائے، بے کار ہے، شرعاً کچھ بھی معتبر نہیں، میراث بہر حال ملے گی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ماں کا مرض وفات میں بیٹی کو چوڑیاں دینا

سوال [۱۱۵۰۰]: ایک عورت اپنی بیماری میں بے ہوش و حواس اپنی سونے کی چوڑیاں اپنی لڑکی کو

= کتاب الہبة: ۶۹۶/۵، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ البزازیة علی هامش الفتاویٰ العالمگیریة، کتاب الہبة، الجنس الثالث: ۳۳۷/۶، رشیدیہ)

(۱) ”وشروطه ثلاثة: موت مورث حقيقة أو حكماً، ووجود وارثه عند موته والعلم بجهة إرثه“.

(ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۸/۶، سعید)

”قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وهل إرث الحي من الحي أم من الميت؟ المعتمد الثاني“.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: أي قبيل الموت في آخر جزء من أجزاء حياته؛

لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“.

(الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۸/۶، ۷۵۹، سعید)

”أما بيان الوقت الذي يجري فيه الإرث قال مشايخ بلخ: الإرث يثبت بعد موت

المورث“، (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۴/۹، رشیدیہ)

(۲) ”الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط“، (تكملة ردالمحتار، کتاب الدعوى: ۵۰۵/۱، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴۹۴/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

دے دیتی ہے، اپنے شوہر اور اپنے بڑے لڑکے کی موجودگی میں عورت کی اس بات پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے، عورت کا اسی بیماری میں انتقال ہو جاتا ہے، عورت کے سونے کے بٹن والد کے پاس رکھے ہوئے ہیں، عورت کے انتقال کے بعد باپ سونے کے بٹن اپنی مرضی سے بیٹی کو دے کر یہ مشورہ دیتا ہے کہ وہ چوڑیاں جو ماں کی تمہارے پاس ہیں، اس میں یہ بٹن اور کچھ سونا اپنے پاس سے ڈلو کر تم اپنی چوڑیاں بنالو، باپ چوڑیاں، بٹن اور بیٹی کا کچھ سونا لے کر بیٹی کو نئی چوڑیاں بنوا کر دے دیتا ہے، اب ماں کے انتقال کو عرصہ ساڑھے پانچ سال ہوا تو وہی باپ لڑکی سے یہ کہتا ہے کہ چوڑیاں میرے حوالہ کی جائیں، باپ کا یہ سوال جائز ہے یا ناجائز؟ حکم شرع سے خبردار کیجئے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ماں نے بیماری کی حالت میں سونے کی چوڑیاں اپنی بیٹی کو دی ہیں، پھر ماں کا اس بیماری میں انتقال ہو گیا تو یہ بحکم وصیت ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر تمام ورثاء بالغ ہیں اور وہ اس پر رضامند ہیں، تو بیٹی ان چوڑیوں کی مالک ہو گئی اور ان چوڑیوں میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۱)، ماں کے سونے کے بٹن جو والد کے پاس رکھے ہوئے تھے، وہ ترکہ میں داخل ہیں، ان میں جملہ ورثاء کا حصہ ہے (۲)، اگر تقسیم سے وہ بٹن والد کے

(۱) ”حاصل هذه المادة: أن هبة المريض مرض الموت لأحد ورثته لا تجوز إلا أن يجيزها الورثة الباقون بعد موت الواهب؛ لأن هبته وإن كانت هبة حقيقة، لكن لها حكم حكم الوصية من حيث تعلق حق الوارث بها، كما في البزازیة“۔ (شرح المجلة لخالد الأتاسی، کتاب الهبة، الفصل الثاني، المادة: ۸۷۹: ۳/۴۰۳، رشیدیہ)

(و کذا في البزازیة على هامش الفتاوى العالمکیریة، کتاب الهبة، نوع في هبة المريض وغيره: ۲۴۰/۶، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاوى العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب العاشر: ۴۰۰/۴، رشیدیہ)

(۲) ”أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم“۔ (شرح المجلة، لخالد الأتاسی، کتاب الشركة، المادة: ۱۰۹۲: ۳/۳۱، رشیدیہ)

”لا شک أن أعيان الأموال يجري فيها الإرث“۔ (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۴/۹، رشیدیہ)

(و کذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب الفرائض: ۴۹۷/۲، إدارة القرآن کراچی)

حصہ میں آئے یا دیگر ورثاء نے وہ والد کو دے دیئے تو وہ والد کی ملک ہو گئے، بشرطیکہ سب ورثاء بالغ ہوں (۱)، پھر والد نے جب وہ اپنی بیٹی کو دے دیئے تو وہ بیٹی کی ملک ہو گئے، اب والد کو بیٹی سے جبراً واپس لینے کا حق نہیں رہا، خاص کر جب کہ وہ بٹن اپنی اصلی حالت میں نہیں رہے، بلکہ ان کا سونا چوڑیوں میں شامل کر لیا گیا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۳/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ مہدی حسن غفرلہ، ۱۱/۳/۸۶ھ۔

مال یتیم میں تجارت کرنا

سوال [۱۱۵۰۱]: والد کے انتقال کے بعد والدہ دوسرا نکاح کر لیتی ہے تو اس صورت میں مال یتیم بچوں کو ملنا چاہیے یا ان بچوں کی والدہ کو؟ مال یتیم سے کوئی دوسرا پیشہ مثلاً: تجارت وغیرہ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور مال یتیم کے منافع بچوں کو ملنا چاہیے یا تجارت کرنے والے کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مال بچوں کے والد کا تھا، انتقال والد کے بعد آٹھواں حصہ اس میں سے بچوں کی والدہ کا

(۱) "وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك، فلا تصح هبة صغير ورقيق".
(الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۲۸۷، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشيدية)

(و كذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، كتاب الهبة، المادة: ۸۵۹: ۳/۳۷۵، رشيدية)

(۲) منع الرجوع من الموهوب سبعة

فزياداً موصولة موت عوض

وخروجها عن ملك موهوب له

زوجية قرب هلاك قد عرض

(رد المختار، كتاب الهبة، باب الرجوع في الهبة: ۵/۲۹۹، سعيد)

"من وهب لأصوله وفروعه أو لأخيه شيئاً، فليس له الرجوع". (شرح المجلة لخالد

الأتاسي، كتاب الهبة، المادة: ۸۶۶: ۳/۳۸۵، رشيدية)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الخامس: ۳/۳۸۶، ۳۸۷، رشيدية)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الهبة، باب الرجوع: ۳/۵۰۳، مكتبة غفاريه كوئٹہ)

ہے (۱)، اس کو اختیار ہے، اپنا حصہ جو چاہے کرے، بعد جو حصہ بچوں کا ہے، نیز جو مال براہ راست یتیموں کی ملک ہے، خواہ ان کو والد نے اپنی حیات میں دیا ہو یا کسی اور طرح ان کو ملا ہو، اس میں والدہ کو مالکانہ تصرف کا حق نہیں (۲)، اس کو محفوظ رکھا جائے، اس میں تجارت بھی نہ کی جائے، مبادا خسارہ ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

یتیم بچوں کی رقم محفوظ رہے یا ان پر خرچ ہو؟

سوال [۱۱۵۰۲]: یتیم بچوں کی کچھ رقم بچوں کے تایا کی طرف ہے، یتیم بچوں کی پرورش ان کا دادا کر رہا ہے، سرپرست دادا بچوں کے تایا سے وہ رقم لینا چاہتا ہے اور تایا صاحب انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب بچے سمجھ دار ہو جائیں گے، اس وقت بچوں کو وہ رقم ادا کروں گا، بچوں کا سرپرست بچوں کی رقم میں سے جو اُن پر خرچ کر رہا ہے، اس میں سے کاٹ سکتا ہے یا نہیں؟

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

”وللزوجة الربع عند عدمهما، والثمن مع أحدهما“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض،

الباب الثانی: ۶/۴۵۰، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۴۷۳، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ (النساء: ۱۰)

”والولاية في مال الصغير إلى الأب، ثم وصيه، ثم وصي وصيه، ثم إلى أبي الأب، ثم إلى وصيه، ثم إلى القاضي، ثم إلى من نصبه القاضي“۔ (الدر المختار، کتاب الوكالة، قبیل باب الوكالة بالخصومة والقبض: ۵/۵۲۸، ۵۲۹، سعید)

”لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته“۔ (الدر المختار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوكالة، باب الوكالة بالبيع والشراء: ۷/۳۰۱، رشیدیہ)

(وکذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب ان کی ملک میں رقم ہے تو ان کے ضروری مصارف اس رقم سے پورے کئے جاسکتے ہیں، تاہم انکار کا حق نہیں۔

”الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله“ (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

بیوہ کا تمام ترکہ زوج پر قبضہ کرنے کا حکم

سوال [۱۱۵۰۳]: مرحوم مہندی اور متین نے ایک قطعہ اراضی والدہ کے ترکہ میں پائی تھی، مہندی کے انتقال پر ان کی بیوہ ان کے حصہ کی حق دار ہوئیں، خود کفیلی کے باعث انہوں نے اس کو مدرسہ میں وقف کر دیا، مہندی کے انتقال کے بعد متین ہی دونوں حصوں پر قابض رہے، مفلسی کے باعث ضرورتاً مرحوم متین نے دونوں حصوں کو اپنے رشتہ کے بھائی نظر حمید صاحب کو مبلغ پانچ سو روپے میں اس شرط پر دے دی کہ جب روپیہ دیں گے تو زمین واپس لے لیں گے، تقریباً دس سال سے نظر حمید صاحب دونوں حصوں پر کاشت کرتے ہیں اور پیدا شدہ غلہ خود ہی لے لیتے ہیں۔

لیکن لگان تینوں کو ہی ادا کرنا پڑتا ہے، جس کو وہ غربی کی وجہ سے ادا نہیں کر پاتے تھے، جب متین نے زمین کو فروخت کر کے قرض اور لگان بقایا کی ادائیگی چاہی، تو نظر حمید نے یہ کہا کہ ”میں نے اسے خرید لیا تھا“ لیکن وہ بات ثبوت میں نہ آنے پر وہ اپنے پانچ سو روپیہ لے کر زمین چھوڑنے پر تیار ہو گئے، اب مدرسہ نے جس میں بیوہ کی زمین وقف تھی، اس میں متین کا حصہ مبلغ آٹھ سو روپیہ میں خرید لیا اور بقایا لگان کی ادائیگی جو مدرسہ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ رجسٹری کے موقع پر قیمت ادا کرنے کو کہا اور متین نے اس کو بخوشی منظور کرتے ہوئے بغیر

(۱) ”الصغير إذا كان له مال فنفقته في ماله“۔ (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۴۱، رشیدیہ)

(و کذا في الجوهر النيرة، کتاب النفقات: ۲/۱۱۵، میر محمد کتب خانہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقات: ۳/۶۱۲، سعید)

کسی جبر و اکراہ کے اپنا حصہ بدست ورکنگ کمیٹی ممبروں کے روبرو فروخت کر دیا اور نظر حمید صاحب بھی بغیر کسی اعتراض کے اپنے پانچ سو روپے لینے پر تیار ہو گئے۔

لیکن بارش اور تعمیر مدرسہ کی وجہ سے رجسٹری کرنے میں پندرہ بیس یوم کی تاخیر ہو گئی اور متین صاحب اچانک انتقال کر گئے، اب مرحوم کے ورثہ میں تین لڑکے، ان کی بیوہ اور دو شادی شدہ لڑکیاں ہیں، ان میں سے دو لڑکے بالغ اور ایک نابالغ ہے، جس کی عمر تقریباً تیرہ چودہ سال ہوگی، موجود ہیں۔ یہ سبھی حضرات مرحوم کی فروخت کردہ اراضی کو مدرسہ کے بدست فروخت کرنا چاہتے ہیں، لہذا ایسی صورت میں فقیہان کیا فرماتے ہیں، اگر یہ زمین قیمت کی ادائیگی میں مدرسہ کی ملکیت ہونے میں کوئی شرعی عذر نہ رکھتی ہو، تو قیمت کی ادائیگی کے بعد قانونی ضابطے میں لائی جائے اور قبضہ کیا جائے؟

الراقم ڈاکٹر حشمت علی صدر مدرسہ فیضان العلوم، سجاد گنج ضلع بارہ بنکی یوپی

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہندی کے ترکہ سے بیوہ حق شوہر کی مستحق تھی، کل ترکہ کی مستحق نہیں تھی (۱)، اپنے حصہ مملوکہ کو وقف کرنے کا بھی اس کو حق تھا (۲)، پھر متین نے اگر کل زمین پر قبضہ کیا تو یہ بھی غلط ہوا (۳)، اس کے حصہ کل زمین (۱) سوال و جواب میں اس بات کا ذکر نہیں کہ مہندی کی اولاد ہے یا نہیں، بہر حال اولاد ہونے کی صورت میں بیوی ثمن اور نہ ہونے کی صورت میں ربع کی حق دار ہے۔

قال الله تعالى: ﴿وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

”وللزوجة الربع عند عدمهما والثلث مع أحدهما“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثانی: ۶/۴۵۰، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۴۷۳، رشیدیہ)

(۲) ”الملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص“۔ (رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب فی تعریف المال..... الخ: ۴/۵۰۲، سعید)

”ولکل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء“۔ (شرح المجلة، کتاب الشریکة، الفصل الثامن: ۱/۶۴۳، حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی شرح المجلة، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت) =

کو بیع بالوفاء کر دیا تو یہ بھی غلط ہوا (۱)، اس کی جو صورت اختیار کی گئی، وہ بھی غلط ہے اور اتنی مدت تک نظر جمید نے اس زمین کی پیداوار اپنے استعمال میں رکھی، یہ بھی غلط ہے (۲)، پھر متین نے اگر مدرسہ کے ہاتھ اس زمین کو فروخت کر دیا یعنی ایجاب و قبول کر لیا، لیکن قانونی حیثیت سے اس کی تحریر مکمل نہیں ہوئی کہ متین کا انتقال ہو گیا تو اس کی وجہ سے وہ بیع فسخ نہیں ہوگی (۳)۔

اگر بیع کا ایجاب و قبول نہیں ہوا تھا، صرف وعدہ اور ارادہ تھا کہ متین کا انتقال ہو گیا اور تو وہ زمین ورثہ کی ملک ہے، اگر بالغ ورثاء اس کی بیع کرنا چاہتے ہیں اور نابالغ کے حق میں بھی مناسب یہی ہے کہ بیع کر دی جائے،

= (۳) "لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشیدیہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۲/۶۱، ۶۲، سعید)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الحدود، فصل التعزیر: ۲/۶۷، رشیدیہ)

(۱) "وفي حاشية الفصولين: هو أن يقول بعث منك على أن تبيعه مني متى جئت بالثمن، فهذا بيع باطل، وهو رهن، وحكمه حكم الرهن، وهو الصحيح". (رد المحتار، کتاب البيوع، باب الصرف، مطلب في بيع الوفاء: ۵/۲۷۶، سعید)

(و کذا في حاشية الفصولين، الفصل الثامن عشر: ۱/۲۳۴، اسلامی کتب خانہ)

(و کذا في المحيط البرهاني، کتاب البيع، الفصل العشرون: ۸/۳۶۰، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۲) "لا يحل له أن ينتفع بشيء منه بوجه من الوجوه وإن أذن له الراهن؛ لأنه أذن له في الربا؛ لأنه يستوفي دينه كاملاً، فتبقى له المنفعة فضلاً، فيكون رباً". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الرهن: ۲/۴۸۲، سعید)

(و کذا في مجمع الأنهر، کتاب الرهن: ۳/۲۷۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الرهن: ۶/۴۳۸، رشیدیہ)

(۳) "قال البيع ينعقد بالإيجاب والقبول وإذا حصل الإيجاب والقبول لزوم البيع، ولا خيار لواحد

منهما". (الهداية، کتاب البيوع: ۳/۱۸-۲۰، شرکت علمیہ ملتان)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب البيوع، الباب الأول: ۳/۲، رشیدیہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب البيوع: ۵/۴۲۹، رشیدیہ)

تو بیع کرنا اور مدرسہ کو اس کا خریدنا درست ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

خدمت گار لڑکی کو اپنی پوری جائیداد دے کر دوسروں کو محروم کرنا

سوال [۱۱۵۰۴]: خلیق میاں کی پہلی بیوی سے تین لڑکیاں تھیں، اس بیوی کے مرنے کے بعد دوسری عورت سے شادی کی، اس دوسری بیوی سے ایک لڑکی ہوئی، پھر تیسری شادی کی، لیکن اس سے ایک بھی اولاد نہیں ہے اور تیسری بیوی ابھی تک زندہ ہے، خلیق میاں اور اس کی بیوی کافی ضعیف ہو چکے ہیں اور چاروں لڑکیاں اپنے سسرال میں رہتی ہیں، خلیق میاں نے اپنی چاروں لڑکیوں کو اپنی خدمت کے لئے بلایا، تو تین لڑکیوں نے انکار کر دیا اور صرف ایک لڑکی خدمت کے لئے تیار ہو گئی، اب اگر خلیق میاں اپنی پوری جائیداد اس لڑکی کو دے دے، جو خدمت کے لئے تیار ہے، تو کیا شرعاً جائز ہوگا یا نہیں؟ اور اس میں کسی قسم کی شرعی خرابی تو نہیں ہے؟ نیز خلیق کے مرنے کے بعد ترکہ کیسے تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکیاں سب ترکہ میں برابر کی شریک ہوں گی (۲)، جس نے خدمت کی ہے، اس کو سعادت حاصل ہوئی، جنہوں نے بلا مجبوری کے انکار کیا، وہ اس سعادت سے محروم ہیں (۳)، لیکن میراث سے محروم نہیں ہوں

(۱) "قال العلامة القرطبي رحمه الله تعالى تحت "ويسئلونك عن اليتيم قل إصلاح لهم خير": لما أذن الله جل وعز في مخالطة الأيتام مع قصد الإصطلاح بالنظر إليهم، وفيهم كان ذلك دليلاً على جواز التصرف في مال اليتيم وكل ما فعله على وجه النظر فهو جائز، وما فعله على وجه المحاباة وسوء النظر فلا يجوز". (الجامع لأحكام القرآن، البقرة: ۲۲۰: ۲/۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في روح المعاني، البقرة: ۲۲۰: ۱/۱۱۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وأما النساء: فالأولى البنت، ولها النصف إذا انفردت، ولبنتين فصاعداً الثلثان، كذا في الاختيار شرح المختار". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الثاني: ۴۴۸/۶، رشديہ)

(و كذا في السراجي في الميراث، ص: ۸، قديمی)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الفرائض: ۳۷۳/۹، رشديہ)

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا =

گی (۱)، اگر اس رنج کی وجہ سے باپ نے ساری جائیداد اس خدمت گزار لڑکی کو دی اور بقیہ کو محروم کر دیا تو باپ کو گناہ ہوگا (۲)، ایسا نہیں کرنا چاہیے، تقسیم ترکہ کا سوال مرنے کے بعد ہوتا ہے، زندگی میں نہیں ہوتا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۳/۸۷ھ۔



= أو كلهما فلا تقل لهما أف ولا تنهرهما وقل لهما قولاً كريماً (الإسراء: ۲۳)

وقال الله تعالى: ﴿وصاحبهما في الدنيا معروفاً﴾ (لقمان: ۱۵)

”عن أبي الدرداء رضي الله تعالى عنه أنه سمع النبي صلى الله تعالى عليه وسلم يقول: الوالد أوسط أبواب الجنة، فأضع ذلك الباب أو أحفظه.

وعن أبي أمامة رضي الله تعالى عنه أن رجلاً قال: يا رسول الله! ما حق الوالدين علي ولدهما؟ قال: ”هما جنتك ونارك“. (سنن ابن ماجه، كتاب الأداب، باب بر الوالدين: ۲/۲۶۰، قديمي)
”وعن عبد الله بن عمرو رضي الله تعالى عنهما قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم رضي الرب في رضى الوالد، وسخط الرب في سخط الوالد“. (مشكاة المصابيح، كتاب الأداب، باب البر والصلة، الفصل الثاني: ۲/۴۱۹، قديمي)

(۱) ”الإرث جبري لا يسقط بالإسقاط“. (تكملة رد المحتار، كتاب الدعوى: ۱/۵۰۵، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۴، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(و كذا في تبیین الحقائق، كتاب الفرائض: ۷/۴۷۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) ”رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون اثمًا فيما صنع“ (الفتاوى

العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب السادس: ۴/۳۹۱، رشيدیه)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الهبة: ۵/۶۹۶، سعيد)

(و كذا في البزازیة علی هامش الفتاوى العالمكيرية، كتاب الهبة، الجنس الثالث في هبة الصغير:

۶/۲۳۷، رشيدیه)

الفصل الثانی فی ما یتعلق بدین المیت وأمانتہ

(میت کے قرض اور امانت کا بیان)

قرض کی ادائیگی اور تقسیم میراث کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۰۵]: احقر کی ایک ہمیشہ کا انتقال والد صاحب کی زندگی میں آپریشن کے ذریعہ ایک بچہ ریحانہ تولد ہو کر انتقال ہوا تھا، ان ہمیشہ کی شادی میں والد صاحب نے ایک مکان جہیز میں دیا تھا، بچی ریحانہ کی پرورش والدہ ہی نے کی ہے اور اب بالغ ہو چکی ہے، جہیز میں دیئے ہوئے مکان کو والد صاحب نے اپنی زندگی میں ضرورتاً پندہ سو روپوں میں فروخت کر کے اس رقم کو خرچ کر لئے تھے، بعد ازاں والد نے ایک اور مکان فروخت کر کے ریحانہ کی رقم پندرہ سو کے بجائے پچیس سو روپے علیحدہ کر کے محفوظ کر دیئے تھے، لیکن بعد میں ان روپیوں سے ایک انجن اور پمپ خرید کر زراعت کے لئے بورنگ پر نصب کرادیئے اور زبانی تحریر یہ ہدایت کئے ہیں کہ پچیس سو روپے ریحانہ کی شادی کے وقت ادا کریں، علاوہ ازیں کچھ سرکاری رقم تقریباً پانچ صد روپے بضمین شادی وغیرہ ادا کرتے ہیں۔

اب ہم بھائیوں نے یہ طے کیا کہ ایک زمین جو آٹھ ایکڑ ہے، قرض کی ادائیگی کے لئے علیحدہ کر دیں، یعنی لڑکی کی شادی کے وقت ڈھائی ہزار روپے اس کو دیں گے، اس کو چھوڑ کر باقی زمین کو سات حصوں میں منقسم سمجھا گیا، یعنی ہم پانچ بھائیوں کے پانچ حصے اور والدہ کا ایک حصہ اور باقی ایک حصہ میں دو بہنوں کا آدھا آدھا حصہ، لیکن عملاً اس پوری زمین کے ٹکڑے نہیں کئے گئے اور فی الحال زمین کو آمدنی کے لئے چھوڑ کر ان ہی کو اس کے انتظام و نگرانی کا ذمہ دار قرار دیا، لیکن والدہ چاہتی تھیں کہ آمدنی انہیں دی جائے اور خرچ سب مل کر تقسیم کر لیں، لیکن اس کو قبول نہیں کیا گیا، احقر کی رائے ہے کہ اس سالم زمین کو فروخت کر کے اس کی رقم سے حیدرآباد میں ایک مکان خرید لیں اور اس کے کرایہ کی آمدنی سے اپنا خرچ پورا کریں۔

اب حضرات والا سے حسب ذیل امور میں رہبری چاہتا ہوں:

- ۱..... حضرت والد صاحب مرحوم کے قرض کی ادائیگی کے لئے صرف زمین کافی الحال علیحدہ کر دینا کافی ہے یا اس کو فروخت کر کے فی الفور نقد رقم سے قرض ادا کر دینا ضروری ہے؟
- ۲..... ہماری اس طرح کی تقسیم شرع کے موافق ہے یا نہیں؟ یعنی اس طرح جائیداد کے سات حصے کر کے پانچ مرد لڑکوں کو، دو لڑکیوں کو ایک حصہ، والدہ کو ایک حصہ۔
- ۳..... زمین کی اس طرح کی تقسیم کہ ایک ہی جگہ رکھ کر ہر ایک کو اس کے حصہ کے موافق حق دار قرار دینا مناسب ہے یا نہیں؟

- ۴..... زمین کی آمدنی و خرچ کا ذمہ دار والدہ کو قرار دینا، جب کہ وہ اس سے متفق نہ ہو رہی ہوں۔
 - ۵..... والدہ کو اس طرح کا مشورہ دینا کہ وہ مہر میں آئی ہوئی زمین کا جملہ حصہ فروخت کر کے اس کی نقد رقم سے شہر میں گھر خریدیں اور اس کے کرایہ سے اپنی ضروریات پوری کریں، مناسب ہے یا نہیں؟
- الجواب حامداً ومصلیاً:

- ۱..... جس کا قرض ہے، اس سے معاملہ کر لیا جائے، وہ اگر رضا مند ہو کہ زمین لے لے تو زمین دے دی جائے، اگر وہ نقد کا طالب ہو، تو زمین فروخت کر کے اس کی قیمت دے کر قرض ادا کر دیا جائے (۱)۔
- ۲..... آپ کی والدہ کا اس میں حصہ ۸/۱ ہے (۲)، جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ اگر تمام بھائی بہن بخوشی والدہ کو زائد دینا چاہیں، تو اختیار ہے (۳)۔

(۱) حقوق واجبہ بالذمۃ کا اس کے مالک تک پہنچا دینا ضروری ہے۔

”الأصل: أن الحقوق إذا تعلقت بالذمة وجب استيفائها“ (قواعد الفقہ، أصول الکفرخی، ص: ۳۲، الصدف پبلشرز)

”الأصل برائة الذمة“ (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۸: ۱/۲۵، رشیدیہ)

(و کذا فی قواعد الفقہ، ص: ۵۸، الصدف پبلشرز)

(۲) ”فللزوجات حالتان الربع بلا ولد، والثلث مع الولد“ (الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۰، سعید)

قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَ الثَّمَنُ﴾ (النساء: ۱۲)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثانی: ۶/۲۵۰، رشیدیہ)

(۳) ”والمملک ما من شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص“ (رد المختار، کتاب البيوع، مطلب فی =

۳..... سب رضا مند ہوں تو زمین کو ایک جگہ رکھ کر سب کو حق دار قرار دینا بھی درست ہے، تقسیم کر کے الگ کرنا ضروری نہیں (۱)۔

۴..... جب انتظام ان کے قابو کا نہیں، تو ان پر کیوں بار ڈالا جائے۔

۵..... مشورہ خیر دینے میں کوئی حرج نہیں، مگر ان کو مجبور نہ کیا جائے، ان کا دل چاہے مشورہ قبول کریں نہ چاہے نہ قبول کریں (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۱/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۱/۸۸ھ۔

امین کی وفات کے بعد اس کے ورثہ سے امانت کا مطالبہ کرنا

سوال [۱۱۵۰۶]: ایک شخص نے بڑی رقم ایک شخص کو امانت رکھنے کے لئے دی، امین صاحب کا اچانک انتقال ہو گیا، اس رقم کا علم دینے والے کو اور امین صاحب کو تھا، بعد میں امین صاحب کے لڑکے سے اس رقم کا مطالبہ کر رہے ہیں اور یہ رقم گھر میں یا باہر کہیں بھی معلوم نہیں ہو رہی ہے، معلوم کرنا ہے کہ ان کا مطالبہ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اور ان کے لڑکے کا کیا فریضہ ہے وہ اس میں کیا کریں؟

= تعریف المال والملک الخ: ۲/۵۰۲، سعید

”کل يتصرف في ملكه كيف شاء“۔ (شرح المجلة لخالد الأتاسي، الباب الثالث، الفصل

الأول، المادة: ۱۱۹۲: ۱۳۲/۲، رشیدیہ)

”يلزم في الهبة رضا الواهب“۔ (شرح المجلة، کتاب الهبة، الباب الثاني، المادة: ۸۶۰:

۴/۲۷۲، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(۱) ”يقع كثيراً في الفلاحين ونحوهم أن أحدهم يموت فتقوم أولاده على تركته بلا قسمة، ويعملون

فيها من حرث وزراعة وبيع وكل ذلك على وجه الإطلاق والتفويض لكن بلا تصريح بلفظ

المفاوضة، ولا بيان جميع مقتضياتها“۔ (الفتاویٰ الکاملیہ، کتاب الشركة، ص: ۵۰، حقانیہ پشاور)

(و کذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، کتاب الشركة: ۱/۹۴، إمدادیہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الشركة: ۴/۳۰۷، سعید)

(۲) ”المشورة ليست للتقليد، بل للتنبيه والاستحضار“۔ (أحكام القرآن للتهانوي: ۲/۷۱، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

مالک رقم کو مرحوم کے ورثہ سے مطالبہ کا پورا حق ہے، وارثوں کو اگر معلوم ہے کہ رقم موجود ہے، فلاں جگہ ہے تو ان کے ذمہ اس کا دے دینا لازم ہے (۱)، اگر وہ اقرار نہ کریں، بلکہ یہ کہیں کہ مالک رقم جھوٹ بولتا ہے کہ اس نے ہمارے والد صاحب کے پاس کوئی رقم امانت رکھی اور مالک کے پاس گواہ موجود نہیں، تو وارثوں کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، وہ قسم کھا کر کہہ دیں کہ ہمارے والد کے پاس ہمارے علم کی حد تک کوئی انہوں نے امانت نہیں رکھی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۱/۱۴۰۰ھ۔



(۱) قال الله تعالى: ﴿مَنْ بَعْدَ وَصِيَّةٍ يوصي بها أو دين﴾ (النساء: ۱۱)

”ثم تقدم ديونه التي لها مطالب من جهة العباد“۔ (الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۰، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۳۷، رشيدية)

(۲) ”ولو أنه رجلاً قدم رجلاً إلى القاضي، وقال: إن أبا هذا قدمات، ولي عليه ألف درهم دين إن لم تكن للمدعي بينة، وأراد استحلاف هذا الوارث، يستحلف على العلم عند علمائنا رحمه الله تعالى: ”بالله ما تعلم أن لهذا على أبيك هذا المال الذي ادعى وهو ألف درهم ولا شيء منه“؟ فإن حلف انتهى الأمر، وإن نكل يستوفى الدين من نصيبه“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب أدب القاضي، الباب الخامس والعشرون: ۳/۴۰۶، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الدعوى، باب دعوى النسب: ۵/۵۸۵، سعيد)

(و كذا في جامع الفصولين، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدين في التركة: ۲/۳۸، اسلامی کتب خانہ)

الفصل الثالث في وصية الميت وإقراره (میت کی وصیت اور اقرار کا بیان)

وصیت کی اقسام

سوال [۱۱۵۰۷]: وصیت کتنی قسم کی ہوتی ہے؟ اور کون کون قابل تسلیم بروئے شرع محمدی سمجھی جاتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وصیت چار قسم کی ہوتی ہے: واجب، مستحب، مباح، مکروہ۔

”أي: هي وصية واجبة بالزكوة والكفارات وفدية الصيام والصلوة

التي فرط فيها، ومباحة للغني، مكروهة لأهل فسوق، وإلا فمستحبة“ اهـ

(درمختار مع هامش الشامی: ۴۱۵/۵، نعمانیہ) (۱)۔

وصیت کے لئے شرائط بھی ہیں، ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وصیت وارث کے حق میں نہ ہو، اگر وارث کے حق میں وصیت کی تو وہ دیگر جملہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہوگی، وہ نہ چاہیں تو نافذ نہیں ہوگی۔

(والبسط في ردالمحتار) (۲)۔ فقط۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

(۱) (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الوصایا: ۶/۲۴۸، سعید)

(وکذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، کتاب الوصایا: ۴/۲۱۷، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(وکذا في البحر الرائق، کتاب الوصایا: ۹/۲۱۳، رشیدیہ)

(۲) ”وأما شرائطها: وكونه أجنبياً حتى أن الوصية للوارث لا تجوز إلا بإجازة الورثة“۔

(البحر الرائق، کتاب الوصایا: ۶/۲۱۲، رشیدیہ) =

وارث کے حق میں وصیت کا حکم

سوال [۱۱۵۰۸]: کیا یہ بات ممکن ہے کہ متروکہ منقولہ جائیداد میں سے ایک وارث کو حصہ دیئے جانے کی وصیت کی جائے اور دیگر ورثاء کو اس میں حصہ نہ دیا جائے، بلکہ کسی اور مصرف میں خرچ کرنے کی وصیت کی جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وارث کے حق میں وصیت معتبر نہیں، صورت مسئلہ میں وصیت بہن کی لڑکیوں کے حق میں ہے، جو کہ شرعاً وارث نہیں۔

”لا تجوز الوصیۃ للوارث عندنا إلا أن یجوزھا الورثۃ“ عالمگیری: ۴/۳۲۳ (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۳/۹۵ھ۔

تحریراً کسی کو وصی بنانے کا حکم

سوال [۱۱۵۰۹]: محمد یونس کا انتقال ہو گیا، جس نے ایک نابالغ لڑکا وارث چھوڑا اور مال میں ایک مکان اور ایک دکان اور کچھ نقد روپیہ چھوڑا اور ایک چچا زاد بھائی۔ جب جنازہ تیار ہو کر نماز کے لئے لایا گیا، تو اس وقت ایک تحریر نمازیوں کو سنائی گئی، وہ یہ تھی کہ ”میرے مرنے کے بعد میرے مال وغیرہ کے نگران اول مولانا خلیل الرحمن صاحب ہوں گے اور ان کے ساتھ دو آدمی اور ہوں گے، جن کے نام یہ ہیں: حاجی محمد صدیق صاحب اور مستری عبدالرحمن صاحب“۔ لوگوں نے سن کر کہا کہ ٹھیک ہے، مولانا خلیل الرحمن صاحب نے چند

= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوصایا: ۴/۱۸، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوصایا: ۴/۱۸، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

آدمیوں کے دستخط کرائے اور اس کی تصدیق کرائی۔

یہ تحریر مرحوم کے سرہانے سے نکلی تھی، اس پر کسی آدمی کی شہادت وغیرہ نہیں تھی اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ مرحوم نے کسی آدمی سے کہا ہو کہ مرنے کے بعد اس تحریر کو ان حضرات کے پاس پہنچا دے اور نہ اس کو لفافہ بذریعہ ڈاک بھیجا، لفافہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ تحریر کافی عرصہ پہلے لکھی ہوئی ہے، زمانہ فراش کی نہیں، جس سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم کا خیال بعد تحریر بدل گیا تھا اور نہ بذریعہ ڈاک بھیجا جاسکتا تھا، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ حضرات اس تحریر کی بناء پر مرحوم کے لڑکے اور مال کے متولی متصرف شرعاً بن سکتے ہیں یا نہیں؟ یا مرحوم کے چچا زاد بھائی لڑکے اور مال کا ولی و متصرف ہیں، شرعاً ان دونوں میں سے کس کو حق حاصل ہے ولی ہونے کا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد یونس مرحوم نے جب اپنی تحریر میں مولانا خلیل الرحمن کو اپنا وصی بنادیا اور اپنے بچے اور ترکہ کی نگرانی ان کے سپرد کردی اور انہوں نے اس کو تسلیم کر لیا، تو وہ شرعاً وصی و نگران ہو گئے (۱)، اگرچہ تحریر اپنے انتقال سے کچھ دیر پہلے لکھی ہو اور اس کو بذریعہ ڈاک نہ بھیجا، خیال بدلنے کا قرینہ تحریر کیا جا رہا ہے، اسی طرح اس تحریر کو محفوظ رکھنا اور ضائع نہ کرنا اور اس پر خیال بدل جانے کو تحریر نہ کرنا، خیال باقی رہنے کا بھی قرینہ ہے (۲)، اگر خیال بدل جاتا تو اس تحریر کو باقی کیوں رکھتے، ضائع کر دیتے یا اس پر لکھوا دیتے کہ اب میرا خیال بدل گیا ہے، میں ان کو وصی نہیں بناتا۔ بہر حال اب ولایت مال چچا زاد بھائی کو حاصل نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔

(۱) "قال محمد رحمه الله تعالى في الجامع الصغير في رجل يوصي إلى رجل فقبله في حياته الموصي

فالوصية لازمة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الوصايا، الباب التاسع: ۱۳۷/۶، رشیدیہ)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الوصايا، باب الوصي: ۴/۵۲، مكتبه غفاريه كوئٹہ)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا، باب الوصي وما يملكه: ۳۰۷/۹، رشیدیہ)

(۲) "الأصل بقاء ما كان على ما كان"

يعني: أن الذي ثبت على حال في الزمان الماضي ثبوتاً أو نفياً، يبقى على حاله ولا يتغير ما لم

يوجد دليل يغيره". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة: ۵: ۲۰/۱، رشیدیہ) =

وصیت کے بعد رجوع کرنا

سوال [۱۱۵۱۰]: ایک مسلمان اپنے خاص رشتہ دار کو زبانی اور تحریری وصیت کر کے ایک جگہ یعنی مکان برائے رہائش دے دیتا ہے، حقوق ملکیت اپنے انتقال کے بعد لکھ دیتا ہے، اس لئے عرض خدمت ہے کہ کیا وہ شخص اپنی زندگی میں مکان کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے، اس کے بارے میں اسلامی شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وصیت کرنے کے بعد اگر وصیت سے رجوع کرے، تو وصیت ختم ہو جائے گی۔

”وله أي: للموصي الرجوع عنها“ (درمختار مع هامش الشامي

نعمانیہ: ۵/۴۲۱) (۱)۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۶ھ۔

وصی کا ضرورت سے زائد خرچ کرنا

سوال [۱۱۵۱۱]: وصی حضرات نے ایک مکان کو منہدم کرا کے دوبارہ تعمیر کرا دیا ہیں، حالانکہ وہ اس حالت میں تھا کہ صرف اس کا برآمدہ پٹو ادینا چاہیے تھا، اس میں اس کے دو ہزار روپے لگ گئے، کچھ مقروض ہو گیا، اس طرح کا تصرف کرنا نابالغ وارث کی وراثت میں شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ اس کو ضروری سمجھتے تھے، تو ان کو حق تھا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

= (و کذا فی شرح الحموی علی الأشباه، القاعدة الثالثة: ۱/۱۸۷، إدارة القرآن کراچی)

(۱) (الدر المختار علی هامش رد المحتار، کتاب الوصایا: ۶/۶۵۸، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوصایا: ۴/۴۲۲، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۶/۹۲، رشیدیہ)

(۲) ”و کما ثبت له ولاية الحفظ ثبت له ولاية كل تصرف، هو من باب الحفظ كبيع المنقول، وبيع

ما يتسارع إليه الفساد“۔ (البحر الرائق، کتاب الوصایا، باب الوصي وما يملكه: ۹/۳۱۲، رشیدیہ) =

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔

کیا وصی، نابالغ وارث کو مدرسہ میں داخل کر دے یا اس کے مال سے کفالت کرے؟

سوال [۱۱۵۱۲]: وصی نے نابالغ بچہ کو ایک مدرسہ میں داخل کر دیا ہے، جہاں پر وہ زکوٰۃ، صدقہ وغیرہ کھا رہا ہے، اس کا مال ہوتے ہوئے اس کو ایسا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ یا اس کا انتظام اس کے مال میں سے کرنا چاہیے؟

۲..... ایسے نابالغ بچے کا نقد روپیہ تو مکان وغیرہ کی تعمیر میں لگا دیا جائے اور اس کے کھانے پکڑے کے خرچ کی وجہ سے اس کو کسی یتیم خانہ میں داخل کر دیا جائے، جہاں زکوٰۃ صدقہ وغیرہ سے ہی خرچ چلتا ہو، اس صورت میں شرعاً مکان تعمیر کرنا اور اس کے روپیہ سے اس کا خرچ اٹھانا ضروری ہے یا نہیں؟ مکان تعمیر کر کے اس کو یتیم خانہ میں داخل کر دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... تعلیم کے لئے مدرسہ میں داخل کر دینا تو بڑی خیر خواہی اور عین مصلحت ہے (۱)، لیکن اگر اس کی ملک میں اتنا مال ہے کہ وہ مصرف زکوٰۃ نہیں، تو اس پر زکوٰۃ صرف کرنا جائز نہیں (۲)، بلکہ اس کے مال سے اس کی

= (و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا، باب الوصي وهو الموصی إلیہ: ۶/۵۰، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الوصایا، الباب التاسع فی الوصي وما یملکہ: ۶/۱۳۷، رشیدیہ)

(۱) "لہ أن ینفق فی تعلیم القرآن والأدب إن تأهل لذلك". (الدر المختار). "قوله لہ أن ینفق الخ" کذا

فی مختارات النوازل، وفي الخلاصة وغيرها: إن کان صالحاً لذلك جاز، وصار الوصي مأجوراً وإلا

فعلیہ أن یتکلف فی تعلیم قدر ما یقرأ فی صلاتہ". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوصایا، فصل فی

شهادة الأوصیاء: ۶/۲۵، سعید)

(و کذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب الوصایا، فصل فی شهادة الأوصیاء: ۳۲۸/۲، سعید)

(و کذا فی خلاصة الفتاویٰ، کتاب الوصایا، الفصل السادس: ۲/۲۲۰، امجد اکیدمی لاہور)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَت لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ﴾ (النور: ۶۰) =

کفالت کی جائے (۱)۔

۲..... امور مذکورہ بالا سے اس کا جواب ظاہر ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۵/۸۹ھ۔

داماد کا وصی بننے سے انکار کرنا

سوال [۱۱۵۱۳]: زید نے اپنی زمین اپنا گھر سب اپنی لڑکی کو دے دیا اور زید نے اپنے داماد سے

کہا: ”اگر تم اس زمین کو اور اس گھر کو نہ لو گے، تو میں روز قیامت تمہارا دامن گیر ہوں گا“۔ تو زید کے داماد نے غصہ میں کہا: ”اگر تم اس طرح کی گفتگو کرو گے تو میں آپ کی زمین کا بالکل متلاشی نہ ہوں گا“۔ تو زید نے کہا: ”جو اچھا لگے کرنا“۔ اب زید کے بھائی عمرو نے زید کی لڑکی کو کچھ بھی نہیں دیا اور زبردستی قابض ہو گیا، تو ایسی صورت میں کیا زید اپنے داماد کا روز قیامت دامن گیر ہو گا یا نہیں؟ ایسی صورت میں شریعت اسلامیہ کا کیا حکم ہے؟

۲..... زید مر گیا اور اس کے بھائی محمد ساجد نے ترکہ میں سے زید کی لڑکی کو کچھ بھی نہیں دیا، تو ایسی

صورت میں محمد ساجد کی شریعت اسلامیہ کی رو سے کچھ گرفت ہو گی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱..... جب کہ داماد نے وصی بننے سے انکار کر دیا تو وہ اس سے بری الذمہ ہو گیا (۲)، اب زید اپنے داماد

= ”ویشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة، لا يصرف ولا إلى غني يملك قدر نصاب

فارغ عن حاجته الأصلية“۔ (الدر المختار، کتاب الزکاة، باب المصروف: ۲/۳۴۳، سعید)

(وکذا في الفتاوى التاتارخانية، کتاب الزکاة، باب من توضع الزکاة فيه: ۲/۲۷۷، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا في الفتاوى العالمکیرية، کتاب الزکاة، باب المصارف: ۱/۱۸۹، رشیدیہ)

(۱) ”الصغير إذا كان له مال فنفقته في مال“۔ (البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۲۱، رشیدیہ)

(وکذا في رد المحتار، کتاب الطلاق، باب النفقة: ۲/۶۱۲، سعید)

(۲) ”یشترط في الوصية القبول صريحاً أو دلالة أو ردها فذلك باطل“۔ (الفتاوى العالمکیرية،

کتاب الوصایا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشیدیہ) =

کا دامن گیر روز قیامت نہیں ہوگا، البتہ زید کے بھائی نے ظلم کیا کہ مرحوم بھائی کی لڑکی کو کچھ نہیں دیا، حالانکہ وہ شرعی وارث ہے، قیامت میں بھی وہ اس ظلم کی سزا بھگتے گا اور دنیا میں بھی اس پر وبال پڑے گا (۱)، داماد اگر کچھ اپنی مظلوم بیوی کی مدد کر سکتا ہو تو کرے (۲)۔

۲..... بہت بڑی گرفت ہوگی، وہ ظالم اور غاصب ہے (۳)، زمین اگر مرحوم کی ملک ہو اور اس میں وراثت جاری ہوتی ہو تب یہ حکم ہے، جو نمبر ۲ میں تحریر کیا (۴) اگر زمین ملک مرحوم نہیں تھی، بلکہ محض کاشت کے

= ”ولا بد فی الوصیۃ من القبول“ (مجمع الأنهر، کتاب الوصایا: ۴/۲۲۰، ۲۲۱، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی البزازیۃ علی هامش الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوصایا، الفصل الأول: ۶/۴۳۳، رشیدیہ)

(۱) ”عن سعید بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ”من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين“۔ متفق علیہ۔ (مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء سبع أرضین: ۱/۴۵۳، قدیمی)

(وصحیح مسلم، کتاب البیوع، کتاب المساقاۃ والمزارعة، باب تحريم الظلم وغصب الأرض وغيرها: ۳۲/۲، سعید)

(۲) ”عن أنس رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أنصر أخاك ظالماً أو مظلوماً، فقال رجل: يا رسول الله! أنصره مظلوماً فكيف أنصره ظالماً؟ قال: تمنعه من الظلم، فذلك نصرک إياه“۔ متفق علیہ۔ (مشکاۃ المصابیح، کتاب الأداب، باب الشفقة والرحمة علی الخلق، ص: ۴۲۲، قدیمی)

(۳) ”الكبيرة السابعة والعشرون بعد المائتين: الغصب وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً، أخرج الشيخان عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبراً من أرض أي: قدره، طوقه من سبع أرضين“۔ (الرواجر عن اقتراف الكبائر، باب الغصب: ۱/۴۳۴، دارالفکر بیروت)

”عن سعید بن زید رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين“۔ متفق علیہ۔ (مشکاۃ المصابیح، کتاب البیوع، باب الغصب والعاریۃ، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

(وصحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع أرضین: ۱/۴۵۳، قدیمی)

(۴) نمبر ۲ سے مراد جواب نمبر ۱ ہے۔

لئے تھی اور اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، تو اس کا یہ حکم نہیں بلکہ اصل مالک کو اختیار ہے کہ اپنی زمین جس کو چاہے، کاشت کے لئے دے دے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

وصیت کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۱۲]: وصیت کی کیا صورت اختیار کی جاسکتی ہے؟ اس نوعیت سے کہ زید کے صرف ایک ہی لڑکی ہے، ہندہ۔ وارث حقیقی اور کوئی لڑکا نہیں، اس سلسلہ میں زید کو جو تحقیق ہے وہ یہ کہ قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (۲)۔

اگر لڑکا موجود نہ ہو، تو آدھا مال لڑکی کا بقیہ عصبہ کا، یہ لوگ جس کا حصہ قرآن مجید میں مقرر ہے، ان کو ذوی الفروض کہتے ہیں، ان کی مختلف شکلیں ہیں، منجملہ ان کے دو جز دریافت طلب ہیں۔

ایک یہ کہ اختلاف دارین نہ ہو، دوسرے آزادی غلامی کا اختلاف نہ ہو، اس وقت ان کو حصہ ملے گا، اس سے جو باقی ہے وہ عصبہ کا ہے، اس مقام پر اختلاف دارین سے کیا مراد ہے؟ آیا ہندوستان و پاکستان کے مثل تفاوت مکانات کا اختلاف یا مقامی اختلافات، مکانات، رہن سہن کی علیحدگی مراد ہے؟ دوسرے آزادی غلامی کا اختلاف نہ ہو، اس مقام پر انفرادی خاندانی اختلاف مراد ہے یا اجتماعی ملکی سیاسی مراد ہے؟ اس زمانہ کا حال جب کہ دور دورہ مرحلہ ہے، اب بموجب حضرات اہل حق کا کیا فیصلہ ہے؟ ان کا کیا فرمان حکم ہے؟

کسی خاص علت کی بناء پر نوعیت حکمت سے مندرجہ ذیل کیفیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی کل جائیداد کا تہائی نو اسوں کے نام بقیہ لڑکی کے نام وصیت نامہ لکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگرچہ اپنا کسی قدر حصہ اس میں ہبہ

(۱) "الملک مامن شانہ أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص". (رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب فی

تعریف المال الخ: ۵۰۲/۴، سعید)

"ولکل واحد منهم أن يتصرف فی حصته کیف شاء". (شرح المجلة، کتاب الشریکة، الفصل

الثامن: ۶۴۳/۱، حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا فی شرح المجلة، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۱، ۶۵۴، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) (النساء: ۱۱)

کے شامل کیا جائے، اگر ہو سکتا ہے تو اس کی تفصیلی کیفیت سے مطلع فرمائیں۔
مسائل مذکورہ کی تفصیلی کیفیت یہ ہے:

زید

دو حقیقی بھتیجے پاکستانی سوتیلے بھائی ہندوستانی سوتیلی بہن ہندوستانی

لڑکی حقیقی وارث ہندہ

۲ ۱ علاقہ ۱ علاقہ

ہندوستانی ایک

زید کے یہ بھائی بہن مذکورہ زید کی ماں کے سوتیلے لڑکے لڑکیاں ہیں اور ایک کے پاس جو جائیداد ہے وہ زید کی حقیقی ماں کے ترکہ سے ملی ہے، ماں کے مال سے سوتیلے لڑکی لڑکے کا حق ثابت نہیں، اس حقیقت صورت کو پیش نظر رکھتے ہوئے زید کے حقیقی باپ کے لڑکے یعنی بھائی بہن مذکورہ زید کی وفات کے بعد اگر قائم رہیں تو زید کی جائیداد سے ان کا حق ثابت ہوگا یا نہیں؟ زید کا قوی غالب گمان ہے کہ اگر میں نے لڑکی کے نام قانونی وصیت نامہ نہ لکھ دیا یا بہہ رجسٹری شدہ نہ کیا اس کے نام مرنے کے بعد، تو میرے بعد دوسرے عزیز جائیداد پر مکمل قبضہ کر کے لڑکی کے نواسوں کو محروم کر دیں گے، ایک عجیب خلفشار کا اندیشہ ہے، اس کے حفظاً مقدم کے سلسلہ میں اگر شرعی قانون اختیار نہیں کیا جاسکتا ہے، تو دوسری ایسی کون سی شکل اختیار کی جاسکتی ہے، جو کہ بالکل ہی خلاف نہ ہو، شریعت میں تہائی وصیت کی گنجائش ہے، لیکن کس کے لئے ہے اور کس کے لئے نہیں، اس کے کیا مواقع محل ہیں اور کتنی مقدار بہہ کرنے کا ہر شخص کو حق حاصل ہے، نیز بہہ اور وصیت میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اختلاف دارین اہل اسلام کے حق میں مانع نہیں، بلکہ دوسرے غیر مسلموں کے حق میں مانع ہے (۱)،

(۱) ”موانعہ..... اختلاف الدارین حقیقۃً أو حکماً“۔ (الدر المختار)۔ ”اختلاف الدار لا يؤثر في حق المسلمين كما في عامة الشروح، حتى أن المسلم التاجر أو الأسير لومات في دار الحرب ورث منه ورثته الذين في دار الإسلام، كما في سكب الأنهر“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶، ۷۶۸، سعید)

”و كذلك اختلاف الدارين سبب لحرمان الميراث..... ولكن هذا في أهل الكفر لا في حق المسلمين، حتى أن المسلم إذا مات في دار الإسلام، وله ابن مسلم في دار الهند أو الترك يرث“۔ =

جو غلامی مانع ہے وہ یہاں متحقق نہیں، نہ کوئی غلام اس اعتبار سے پاکستان میں ہے نہ ہندوستان میں، نواسے صورتِ مسئلہ میں وارث نہیں (۱)، ان کے حق میں ایک تہائی کا وصیت نامہ لکھ دینا شرعاً درست اور معتبر ہے، تقسیم وراثت سے پہلے وصیت پوری کی جائے گی (۲)، زید کو جائیداد کسی بھی طرح سے ملی ہو، اس کے نصف کی حق دار اس کی لڑکی، بقیہ نصف کے تین حصے بنا کر دو، حصے سوتیلے (علائی) بھائی کو ملیں گے، ایک حصہ سوتیلی (علائی) بہن کو ملے گا، بھتیجیوں کو کچھ نہیں ملے گا (۳)۔

= (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی الشریفیۃ شرح السراجیۃ، فصل فی الموانع، ص: ۱۶، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴۹۸/۴، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(۱) ”هو كل قريب ليس بذي سهم ولا عصبه ولا يرث مع ذي سهم ولا عصبه سوى الزوجين وهم أولاد

البنات وأولاد بنات الابن الخ“۔ (الدر المختار، کتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام: ۶/۷۹۱، ۷۹۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۹۶/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب العاشر: ۳۵۸/۶، رشیدیہ)

(۲) ”وأما شرائطها: و كونه أجنبياً حتى إن الوصية للوارث لا تجوز، إلا بإجازة الورثة أن يكون

الموصى به مقدار الثلث لا زائداً عليه“۔ (البحر الرائق، کتاب الوصایا: ۲۱۲/۹، رشیدیہ)

”بدأ من تركه المیت بتجهيزه ثم تقدم وصيته أي: على القسمة بين الورثة، من ثلث

ما بقي، ثم يقسم الباقي بين ورثته“۔ (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶-۷۶۱، سعید)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۳، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

(۳) نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۲، تصد ۶

مس	بہن (علائی)	بھائی (علائی)	بھتیجے
بہن	بھائی	بھتیجے	
نصف	عصبہ	عصبہ	محروم
۱/۳	۲	۱	

قال الله تعالى: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (النساء: ۱۱) =

”ہبہ“ وارث کو بھی کیا جاسکتا ہے، غیر وارث کو بھی اور اس کے لئے اپنی صحت و تندرستی میں اپنا قبضہ ہٹا کر موہوب لہ کا قبضہ کرادینا ضروری ہوتا ہے (۱)، وصیت انتقال موصی کے بعد نافذ ہوتی ہے (۲) اور وہ وارث کے حق میں نہیں ہوتی، الا یہ کہ سب ورثہ اس پر راضی ہو جائیں (۳) اور غیر وارث کے حق میں معتبر مانی جاتی ہے بغیر ورثاء کی رضامندی کے بھی، نیز وہ ایک تہائی ترکہ میں معتبر ہوتی ہے، اگر ورثہ رضامند ہوں تو اس سے زائد

= ”فیبدأ بذی الفرض، ثم بالعصبۃ النسبیۃ، ثم بالعصبۃ السببیۃ الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۷، رشیدیہ)

”العصبات: وهم کل من لیس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوی الفروض، وإذا انفرد أخذ جمیع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (النساء: ۱۱)

(۱) ہبہ واہب کی طرف سے تبرع ہے اور تبرع وارث و غیر وارث سب کے حق میں جائز و درست ہے، اسی طرح تبرعات میں قبضہ بھی شرط ہے، ورنہ تبرع تام نہیں ہوگا۔

”وأما ما یرجع إلی الواهب فهو: أن یكون ممن یملک التبرع؛ لأن الهبة تبرع“۔ (بدائع الصنائع، کتاب الهبة: ۵/۶۸، رشیدیہ)

”وتتم الهبة بالقبض الكامل“۔ (الدرالمختار، کتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الهبة، الباب الأول: ۴/۳۷۴، رشیدیہ)

(۲) ”الترکۃ تتعلّق بها حقوق أربعة: ثم تنفذ وصایاها من ثلث ما بقی بعد الکفن والدين“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۷۴، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۳، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۷، رشیدیہ)

(۳) ”لا تجوز الوصیۃ للوارث عندنا إلا أن یجوزها الورثۃ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشیدیہ)

(و کذا فی الدرالمختار مع ردالمختار، کتاب الوصایا: ۶/۶۵۵، ۶۵۶، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوصایا: ۴/۴۱۸، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۴) ”ثم تصح الوصیۃ لأجنبی من غیر إجازۃ الورثۃ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الوصایا، الباب الأول: ۶/۹۰، رشیدیہ)

میں بھی معتبر ہو سکتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

غیر کے مال میں وصیت کا حکم

سوال [۱۱۵۱۵]: ایک شخص نے اپنے ہی پیسے سے جائیداد اور زمین خریدی اور اس کی تعمیر میں اپنا

ہی پیسہ لگایا، صرف بھائی صاحب کو تقریباً دس ہزار کے قریب ادھار دیا، کیونکہ ان کی دکان بلوے میں لٹ گئی تھی اور وہ کاروبار کرنے لگے، چونکہ ان کا بڑا لڑکا ایک پاکستان میں اچھی ملازمت پر ہے، لہذا اس نے اپنے والد کو پاکستان بلانے کے لئے لکھا، انہوں نے دوکان کو خرد برد کرنا شروع کر دیا اور چونکہ میں ملازمت پر تھا، اس لئے اس کی دیکھ بھال نہ کر سکا، لہذا مجھ کو جب معلوم ہوا تو مجھ میں اور بھائی صاحب میں جھگڑا بھی ہوا، اس لئے غصہ کی حالت میں جو جائیداد میں نے بذات خود پیدا کی تھی اور میرے والد مرحوم کی وراثت میں ملی تھی، وہ بھی اپنی بیوی کے نام کر دی اور بیع کی قیمت مبلغ پانچ ہزار روپے اپنے ملنے والے سے چند گھنٹوں کے لئے لی تھی اور بعد رجسٹری کے واپس کر دی تھی، اب اس شخص کی زوجہ نے وفات سے قبل اپنے سب بھائیوں اور بہنوں کو بلا کر سب اہل محلہ کے سامنے وصیت کی کہ

”دیکھو! اپنے بہنوئی سے دعا مت کرنا، یہ جائیداد سب انہیں کی ہے، میرا اس

میں کچھ نہیں ہے اس میں میرا کوئی حصہ نہیں ہے، میری دلجوئی کے لئے میرے نام کر دی تھی،

= ”وتجاوز بالثلث للأجنبي، وإن لم يجز الوارث ذلك“۔ (الدر المختار، کتاب الوصایا:

۶/۲۵۰، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الوصایا: ۲۱۳/۹، رشیدیہ)

(۱) ”ولا تجوز بما زاد علی الثلث، إلا أن یجیزه الورثة بعد موته وهم کبار“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ،

کتاب الوصایا، الباب الأول: ۹۰/۶، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الوصایا: ۲۱۳/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الوصایا: ۶/۲۵۰، ۶/۲۵۱، سعید)

کیونکہ میرے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے بیع میرے نام کردی ہے بلا قیمت، جو کچھ میرا حصہ تم کو ورثہ میں پہونچے گا وہ سب ان کے نام واپس کر دینا۔“

زوجہ کے بھائیوں نے وعدہ کیا اپنی ہمشیرہ سے اور اہل محلہ بھی موجود تھے، وعدہ کیا کہ ”ہم اپنے بہنوئی سے دغا نہیں کریں گے۔“

اس واقعہ کو گیارہ سال ہو چکے ہیں اور وہ وعدہ کو پورا نہیں کر رہے ہیں اور ٹال مٹول کر رہے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ان کی نیت خراب ہو گئی ہے اور وہ پورا نہیں کرنا چاہتے ہیں، لہذا ایسے لوگوں کی بابت شرع متین میں کیا حکم ہے؟ اور ایسے لوگوں کو کچھ حصہ بھی پہونچتا ہے یا نہیں؟ وہ لوگ یہ چاہتے ہیں جب وہ مرجائیں تو ہم لوگ زبردستی ان کی جائیداد پر قبضہ کر لیں، کیونکہ ان کے پاس اتنا اثاثہ نہیں کہ وہ عدالتی کارروائی کر سکیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی زوجہ نے جو وصیت بھائیوں کو کی ہے، وہ شرعاً واجب العمل نہیں (۱)، البتہ اگر جائیداد واقعہ بیوی کو نہیں دی تھی، بلکہ مصلحتاً اس کے نام کردی تھی اور کہہ دیا تھا کہ ”دینا مقصود نہیں ہے“ تو بیوی اس کی مالک ہی نہیں ہوگی (۲)، وہ بیوی کا ترکہ نہیں ان کو اس کے لینے کا کوئی حق ہی نہیں، اگر واقعہ بیوی کو دے دی تھی تو اس

(۱) ”وأما شرانطها: وكونه أجنبياً حتى أن الوصية للوارث لا تجوز، إلا بإجازة الورثة أن يكون الموصى به مقدار الثلث لا زائداً عليه“ (البحر الرائق، كتاب الوصايا: ۲۱۲/۹، رشیدیہ)

”بدأ من تركه المیت بتجهيزه ثم تقدم وصيته أي: على القسمة بين الورثة، من ثلث مابقي، ثم يقسم الباقي بين ورثته“ (الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الفرائض: ۷۵۹/۶ - ۷۶۱، سعید)

(و كذا في السراجي في الميراث، ص: ۳، قديمی)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

(۲) ”فإن تواضعا على الهزل بأصل البيع أي: توافقا على أنهما يتكلمان بلفظ البيع عند الناس، ولا يريدانه، واتفقا على البناء أي: على أنهما لم يرفعا الهزل ولم يرجعا عنه، فالبيع منعقد لصدوره من أهله في محله، لكن يفسد البيع لعدم الرضا بحكمه، فصار كالبيع بشرط الخيار أبداً، لكنه لا يملك بالقبض لعدم الرضا بالحكم؛ حتى لو أعتقه المشتري لا ينفذ عتقه هكذا ذكروا، وينبغي أن يكون البيع باطلاً لوجود حكمه، وهو أنه لا يملك بالقبض“ (رد المحتار، كتاب البيوع، مطلب في حكم البيع مع الهزل: ۵۰۷/۴، سعید)

میں ضرور میراث جاری ہوگی، نصف کا شوہر حق دار ہوگا اور نصف دیگر ورثاء کو حصہ رسد ملے گی (۱)، اگر بیوی کو دے کر واپس لے لی اور بیوی اس پر رضامند ہوگئی، تب بھی وہ بیوی کا ترکہ نہیں (۲)، دوسرے کی چیز پر ناحق قبضہ کرنا غصب اور ظلم ہے، جس کا وبال سخت ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

= (و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، کتاب البیوع: ۲۵۹/۱، مکتبہ إمدادیہ کوئٹہ)

(و کذا فی ردالمحتار، باب الصرف، مطلب فی بیع التلجئة: ۲۷۳/۵، سعید)

(و کذا فی إمداد الفتاویٰ، کتاب البیوع: ۲۹/۳، ۳۱، مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۱) "أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم". (شرح المجلة لخالد

الأتاسی، کتاب الشریکة، المادة: ۱۰۹۲: ۳۱/۴، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۴/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح الحموی علی الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب الفرائض: ۴۹۷/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعين من الأموال".

(ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی حاشیة السراجی، ص: ۲، قدیمی)

(۳) "الكبيرة السابعة والعشرون بعد المائتين: الغصب وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً، أخرج

الشيخان عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: من ظلم قيد شبراً

من أرض أي: قدره، طوقه من سبع أرضين". (الزواج عن اقتراف الكبائر، باب الغصب: ۴۳۴/۱،

دارالفكر بيروت)

"عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "من

أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين". متفق عليه. (مشكاة المصابيح،

کتاب البیوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

(وصحيح البخاري، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع أرضين: ۴۵۳/۱، قدیمی)

بینک میں جمع شدہ روپیہ کا بیوی کے نام وصیت کرنا

سوال [۱۱۵۱۶]: شوہر کا کچھ روپیہ بینک میں جمع ہے، شوہر نے یہ لکھا ہے کہ ”میرے انتقال کے بعد یہ روپیہ میری بیوی کو ملے“ کیا اس روپیہ میں ماں کا حصہ ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر نے اپنے نام پر جمع کر کے یہ کہہ دیا کہ ”میری بیوی کو ملے“ تو ہبہ نہیں (۱)، بلکہ شوہر کا ترکہ ہے (۲)، جس میں بیوی ایک چوتھائی کی حق دار ہے (۳) اور ایک تہائی کی ماں حق دار ہے (۴)، تقسیم ترکہ سے پہلے مہر کی ادائیگی لازم ہے (۵)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱/۸۹ھ۔

(۱) ”لا یتیم حکم الہبۃ إلا مقبوضۃ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الہبۃ، الباب الثانی: ۳۷۷/۲، رشیدیہ)
(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الہبۃ: ۶۹۰/۵، سعید)
(و کذا فی الہدایۃ، کتاب الہبۃ: ۲۸۱/۳، مکتبہ شرکت علمیہ)
(۲) ”لأن التركة فی الاصطلاح ماترکہ المیت من الأموال صافیاً عن تعلق حق الغیر بعین من الأموال“۔ (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)
(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)
(و کذا فی دلیل الوارث علی هامش السراجی، ص: ۲، قدیمی)
(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم إن لم یکن لکم ولد﴾ (النساء: ۱۲)
”وللزوجة الربع عند عدمہما“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثانی: ۳۵۰/۶، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۷۳/۹، رشیدیہ)
(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن لم یکن له ولد وورثہ أبواہ فلائمہ الثلث﴾ (النساء: ۱۱)
”الثالثۃ: الأم ولہا ثلاثۃ أحوال: السدس مع الولد وولد الابن والثلاث عند عدم هؤلاء“۔
(الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثانی: ۳۴۹/۶، رشیدیہ)
(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۷۰/۹، رشیدیہ)
(۵) ”یبدأ من ترکۃ المیت بتجهیزہ ثم تقدم دیونہ ثم یقسم الباقی بین ورثتہ“۔ (الدر المختار =

کیا وصی مالِ یتیم کو استعمال کر سکتا ہے؟

سوال [۱۱۵۱۷]: جو شخص یتیم بچوں کی پرورش کر رہا ہے، مالِ یتیم میں سے وہ سرپرست بھی اپنے استعمال میں لاسکتا ہے یا نہیں؟
الجواب حامداً ومصلیاً:

اس میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، اس لئے بوقت حاجت اس قلیل پر کفایت کی جائے، ایسا نہ ہو کہ اس وعید میں آجائے۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتِمِ ظُلْماً إِنَّهَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَاراً

وَيَصِلُونَ سَعِيراً﴾ الآية النساء: ۴، ۱۰ آیت (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

کیا مورث کے وعدہ کی تکمیل ورثہ کے ذمہ ضروری ہے؟

سوال [۱۱۵۱۸]: زید فالج جیسے دیرینہ مرض میں مبتلا تھا، اپنی تنگ دامن کی وجہ سے رہائش کا مکان

= مع رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹-۷۲، سعید)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(۱) (النساء: ۱۰)

قال الله تعالى: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيراً فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء: ۶)

”ففي صحيح مسلم عن عائشة رضي الله تعالى عنها في قوله تعالى: ﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيراً فَلْيَأْكُلْ

بِالْمَعْرُوفِ﴾ قالت: نزلت في ولي اليتيم الذي يقوم عليه ويصلحه، إذا كان محتاجاً جاز أن يأكل منه

وقال بعضهم: المراد اليتيم إن كان غنياً والأول قول الجمهور، وهو الصحيح“. (الجامع لأحكام

القرآن للقرطبي، النساء: ۳/۳۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

فروخت کر ڈالا، زید نے اپنے غیر حقیقی داماد خالد سے کہا کہ تم میری خدمت کرو، میں تمہاری ذاتی زمین پر ایک پختہ کمرہ کی تعمیر کرا دوں گا، یہ بات کہنے تک محدود نہ تھی، بلکہ قسمیں کھا کر وثوق دلایا کہ جتنے روپے تعمیر کمرہ پر صرف ہوں گے وہ میں برداشت کروں گا، زید کے عزم مصمم کا اثبات اثبات تعمیر خریدنے سے بھی عیاں ہوتا ہے، مثلاً: پختہ اینٹیں لکڑی وغیرہ اور زیر تعمیر کمرہ کی بنیاد بھرانا، زید کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر مشتری اپنے مکان سے نکالے، تو میرے رہنے کی جگہ مہیا رہے گی، لیکن سیمنٹ کی کمیابی کی وجہ سے مجوزہ کمرہ کی تعمیر مکمل نہ ہو سکی اور زید اسی اثناء میں انتقال کر گیا، اب اس کے بچے ہوئے روپے سے تعمیر کی تکمیل ہوگی کہ نہیں؟ ورثہ کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جو وعدہ و ارادہ کیا تھا، ورثاء اس کی تکمیل کے ذمہ دار نہیں (۱)، جو روپیہ موجود ہے، وہ اس نے ہبہ نہیں کیا یہ سب زید کا ترکہ ہے (۲)، ورثاء حسب حصص شرعیہ تقسیم کر لیں، اگر زید نے وصیت کی ہوتی تو ایک (۱) زید پر خود اس وعدہ و ارادہ کی تکمیل ضروری نہیں تھی، تو اس کے ورثاء پر بھی لازم نہیں کہ اس کے بعد اس کی تکمیل کریں، البتہ اگر وعدہ کرتے وقت ہی پورا کرنے کا ارادہ نہیں تھا، تو وہ گناہ گار ہے۔

”(سئل) فیما إذا وعد زید عمراً أن یعطیه غلال من أرضه الفلانیة فاستعملها وامتنع من أن یعطیه من الغلة شیئاً، فهل یلزم زیداً شیء بمجرد الوعد المزبور؟ (الجواب) لا یلزم الوفاء بوعدہ شرعاً، وإن وفی فبها ونعمت واللہ سبحانه الموفق“۔ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة، مسائل وفوائد شتی من الحظر والإباحة: ۳۵۲/۲، ۳۵۳، إمدادیہ)

”قوله: الخلف في الوعد حرام، قال السبكي: ”ظاهر الآيات والسنة تقتضي وجوب الوفاء“، وقال صاحب ”العقد الفريد في التقليد“: ”إنما یوصف بما ذکر أي: بأن خلف الوعد نفاق إذا قارن الوعد العزم على الخلف وأما من عزم على الوفاء، ثم بدا له فلم یف بهذا لم یوجد منه صورة نفاق كما فی الإحياء من حدیث طویل عند أبي داود والترمذي مختصراً بلفظ ”إذا وعد الرجل أخاه ومن نیته أن یفی فلم یف فلا إثم علیه“۔ (شرح الحموي على الأشباه والنظائر، کتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن کراچی)

”قال العلامة الملا علی القاری رحمہ اللہ تعالیٰ: ومفہومہ أن من وعد ولیس من نیته أن یفی فعلیه الإثم“۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاة المصابیح، کتاب الآداب، باب الوعد: ۲۱۵/۸، رشیدیہ)

(۲) ”لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعین من الأموال“۔ =

ثالث تہ کہ میں اس کا نفاذ ہوتا (۱)۔ اب کچھ نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۵ھ۔



= (ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(و کذا فی دلیل الوارث علی هامش السراجی فی المیراث، ص: ۲، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(۱) ”ثم تنفذ وصایاه من ثلث ما بقى بعد الكفن والدين“. (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب

الأول: ۳۴۷/۶، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۳، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۷/۹، رشیدیہ)

الفصل الرابع في ذوي الفروض (ذوی الفروض کا بیان)

تقسیم جائیداد و ترکہ کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۱۹]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ذیل کے مسائل میں کہ زید مرحوم کا ایک کارخانہ ہے، اس کارخانہ کی عمارت پر تقریباً ۴۰ سال قبل زید مرحوم کے ۳۵۰۰۰/ پینتیس ہزار روپے تعمیر میں خرچ ہوئے تھے، زید نے اپنی حیات میں مذکورہ بالا عمارت کو اپنی تجارت دوبارہ ایجاد کرنے کی غرض سے اپنے شہر کے ایک مالدار تاجر کے پاس رکھ کر بطور قرض دس ہزار روپے لے کر کاروبار چلایا تھا، چند سالوں کے بعد تجارت میں بھاری خسارہ ہو کر کاروبار ختم ہو گیا، کاروبار خسارہ میں ختم ہونے پر زید اپنی اس عمارت کو بالا مذکورہ روپے بھر کر رہن سے چھڑا نہ سکے، رہن والوں کا تقاضا زیادہ ہونے پر مجبور ہوئے بس ہو کر زید مرحوم نے اپنی بیوی خیر النساء سے ان کے زیورات تخمیناً پانچ ہزار روپیوں سے زیادہ رقم کے ان سے اس وعدہ پر لے کر کہ مذکورہ جائیداد کو رہن سے چھڑا کر اس پوری عمارت کو بیوی کے نام لکھ کر بذریعہ رجسٹری دستاویز منتقل کر دیں گے، بیوی سے یہ وعدہ پکا کر کے ان سے زیورات بطور قرض حاصل کر لئے اور ان کو فروخت کر کے پانچ ہزار روپے لے کر زید مذکورہ رہن والے کا جن کے پاس یہ جائیداد بطور رہن کے رہا۔ گفتگو کر کے یہ بات طے کر لی کہ رہن کی رقم دس ہزار میں سے اس وقت فوری طور پر پانچ ہزار روپے بھر دیں گے اور بقیہ رقم کارخانہ کے ماہانہ کرایہ کی آمد میں سے وہ جمع کرتے جاویں، اس طرح یہ معاملہ طے کر کے زید نے اپنی بیوی کے زیورات سے جو پانچ ہزار روپے یا کچھ زائد رقم دستیاب ہوئی، اس رقم کو رہن والے کو بھر دیا اور میعاد رہن ختم ہونے پر اس جائیداد کو بیوی کے نام لکھ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ اس اثناء میں زید کا اچانک انتقال ہو گیا، زید مرحوم کے دو لڑکے اور ایک لڑکی تینوں نے متفقہ طور پر، لڑکی نے اپنی جانب سے اپنے شوہر کو گواہی کے لئے وکیل بنا کر ان تینوں نے اپنے والد مرحوم کے حسب وعدہ اس عمارت کو اپنی ماں کے نام لکھ کر دستاویز بنا کر رجسٹری کر کے جائیداد ماں کے قبضہ میں کلیۃً دے دی اور اس طرح

یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوی خیر النساء کے نام منتقل ہوگئی، اس وقت زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں اور ان کے بڑے فرزند اور ایک بیٹی یعنی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور ایک بہن بھی زندہ تھے۔

اس جائیداد کے منتقل ہونے کے بعد چار پانچ سال تک زید مرحوم کی والدہ ماجدہ کلثوم بی زندہ تھیں، اس کو اس کا پورا علم تھا اور اس عرصہ میں کبھی انہوں نے اپنے پوتے پوتی یعنی زید مرحوم کی اولاد سے یا بہو سے اس کے متعلق نارضا مندی کا اظہار نہیں کیا، زید مرحوم کی والدہ اس واقعہ کے چار پانچ سال بعد تک زندہ رہ کر انتقال کر گئیں، ان کے بعد ان کے بڑے لڑکے اور بیٹی زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن کی طرف سے بھی اس حق کا کوئی مطالبہ نہیں ہوا، اس لئے کہ یہ سب اور خاندان کے اکثر افراد بخوبی آگاہ تھے، ان کو پوری طرح معلوم تھا کہ یہ جائیداد زیر رہن رہ چکا ہے اور زید مرحوم کی بیوی نے اپنے زیورات شوہر کو بطور قرض مذکورہ وعدہ پر دے کر چھڑائی تھی، ورنہ وہ جائیداد رہن سے نہ چھوٹی اور اس میں ڈوب کر ختم ہو جاتی۔

یہ جائیداد زید مرحوم کی بیوہ بیوی کے نام بذریعہ دستاویز رجسٹری منتقل ہو کر تقریباً ۳۰ سال کی طویل مدت گزر گئی اور تیس برس سے زید کی بیوی کے قبضہ میں کلیۃً چلا آ رہا ہے، وہی اس کی آمدنی اور سیاہ و سفید کی مالکہ تھیں، اس عرصہ میں زید کی والدہ کلثوم بی زندہ رہیں اور کوئی مطالبہ نہیں کیا، آخر وہ راہی عدم ہوئیں، ان کے انتقال کے بعد ان کے بڑے بیٹے اور بیٹی جن کا ابھی ذکر کیا، چند سال زندہ رہے اور ان کی طرف سے بھی کوئی مطالبہ نہیں، ان لوگوں کا بھی انتقال ہو گیا (تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا) زید مرحوم کی بیوی خیر النساء صاحبہ جن کے نام یہ جائیداد ہے، مستقل تیس سال سے انہیں کے قبضہ میں کلیۃً چلا آ رہا تھا اور آمدنی وغیرہ کی وہی مالکہ رہی تھیں، چھ سات ماہ ہوئے، انتقال کر گئیں، اب آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ باتوں کو پیش نظر رکھ کر ذیل کے سوالات کے جوابات مرحمت فرمائیں:

۱..... مذکورہ سب حالات کے پیش نظر بھی اگر زید مرحوم کے بڑے بھائی اور بہن جنہوں نے زید مرحوم

کے انتقال کے بعد اور اپنی والدہ ماجدہ کے انتقال کے چھ سات سال بعد انتقال فرمایا، ان کی اولادیں وارثوں کی طرف سے مذکورہ بالا زید کی بیوی پر تیس سال قبل منتقل شدہ جائیداد میں زید مرحوم کی والدہ ماجدہ یعنی دادی کے حق کا مطالبہ اور دادی مرحومہ، ان کے بڑے بیٹے (والد) اور بیٹی (پھوپھی) کے حق کا مطالبہ کریں تو کیا قابل سماعت

اور حق بجانب ہوگا؟

۲..... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی آمدنی کا مطالبہ تیس سال بعد اور صاحب جائیداد کے انتقال کے بعد ان کے وارثوں سے کریں تو یہ قابل قبول اور حق بجانب ہے؟

۳..... مذکورہ جائیداد میں اگر یہ لوگ اس کی تیس سال کی آمدنی کے طالب ہوں (مطالبہ کریں) تو کیا یہ بھی قابل سماعت ہوگا؟ اگر ہو تو یہ کس کے ذمہ واجب الاداء ہے؟ اور شرعاً اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید مرحوم تو اپنی حیات میں نہ بیوی کا قرض پانچ ہزار روپیہ ادا کر سکے، نہ جائیداد بعوض قرض اس کے نام منتقل کرنے کا وعدہ پورا کر سکے، ان کے انتقال کے بعد ان کے ترکہ میں بعد اداء دین مہر و دیگر قرض سب ورثہ کا حصہ تھا (۱)، والدہ کا بھی اور تمام اولاد کا بھی اور بیوی کا بھی۔ بیوی کے قرض کو بصورت زیور و نقد نہیں ادا کیا گیا بلکہ جائیداد کی صورت میں ادا کیا گیا تا کہ مرحوم کا وعدہ بھی پورا ہو جائے اور بیوی کو اپنا قرض بھی ہو جائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ سب ورثہ متفق ہو کر صورت اختیار کریں، یعنی زید کی والدہ کا بھی مشورہ ہوتا، مگر ایسا نہیں کیا گیا یہ کوتاہی ہوئی، تاہم جب زید کی اولاد نے اس کی تکمیل کی یعنی اپنے والد کا قرض ادا کر دیا اور زید کی والدہ نے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کی جب کہ وہ بھی ۱/۶ کی بطور وراثت حق دار تھیں، بلکہ انہوں نے خاموشی اختیار کی تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ مرحوم بیٹے کا قرض ادا کرنے کی جو صورت اختیار کی گئی ہے وہ اس پر رضا مند تھیں اور حکم بھی یہی ہے کہ تقسیم میراث سے پہلے متوفی کا قرض ادا کیا جائے۔

پس صورت مسئلہ میں زید کی بیوی اس جائیداد کی مالک ہوئی، پھر اس کے انتقال پر اس کے ورثہ کا حق ہے، زید کے بھائی بہن کا اس میں حق نہیں، وہ زید کی بیوی کے وارث نہیں، البتہ اپنی والدہ کے وارث ہیں (۲)،

(۱) ”یبدأ من تركة الميت بتجهيزه ثم تقدم ديونه ثم يقسم الباقي بين ورثته أي: الذين ثبت إرثهم بالكتاب أو السنة أو الإجماع“۔ (الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۵۹-۶۲، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(۲) ”و يستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴، رشیدیہ) =

مگر اس جائیداد میں والدہ کا جو کچھ حصہ تھا، وہ تو بعوض قرض زوجہ زید کے پاس چلا گیا، ہاں! اس کے علاوہ جو کچھ والدہ کا ترکہ ہو، اس میں سے ان کو حصہ ملے گا اور زید کی اولاد کو اپنی دادی کے ترکہ سے کچھ نہیں ملے گا، اس لئے کہ زید کا انتقال والدہ کے سامنے ہو گیا تھا اور زید کے بھائی بہن موجود تھے (۱)۔

۲..... یہ مطالبہ درست نہیں (۲)۔

۳..... یہ بھی درست نہیں (۳)۔

تنبیہ: یہ جواب اس تقدیر پر ہے کہ زید مرحوم کی جائیداد کو بیوی کے نام بعوض قرض منتقل کرنے پر والدہ زید کی رضامندی معلوم ہو، اگر وہ اس پر راضی نہیں تھیں (اس لئے کہ مقدار قرض پانچ ہزار کے مقابلہ میں جائیداد کی مالیت بہت زیادہ تھی) اور والدہ نے ناخوشی کا اظہار کر دیا تھا اور اجازت نہیں دی تھی، گو بعد میں دعویٰ اور مطالبہ نہ بھی کیا ہو، تو پھر والدہ کا حق ساقط نہیں ہوا (۴)۔ انتقال والدہ کے بعد اس میں زید کے بھائی بہن کا

= (و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۲۲۷، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۵۹۵، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) ”وعصبة أي: من يأخذ الكل أي: إذا انفرد والأحق الابن، ثم ابنه“. (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشیدیہ)

”الأقرب فالأقرب يرجحون بقرب الدرجة، أعني أولهم بالميراث جزء الميت أي: البنون، ثم بنوهم..... الخ“۔ (السراجی فی المیراث، باب العصبات، ص: ۱۴، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۲، رشیدیہ)

(۲) چونکہ مذکورہ عمارت زید کی بیوہ کی ملک ہے، لہذا اس کی آمدنی کی بھی وہی مالک ہوگی، کسی کو بھی اس سے آمدنی کے مطالبہ کا حق نہیں۔

”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“۔ (البحر الرائق، کتاب الحدود،

فصل فی التعزیر: ۵/۲۸، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۲۱۱، ۲۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الحدود، فصل التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیہ)

(۳) راجع الحاشیۃ المتقدمة انفاً

(۴) ”عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم =

بھی حصہ ہوگا، پھر ان کی خاموشی اور مطالبہ نہ کرنے سے ان کا حق بھی ختم نہیں ہوا (۱)، پھر ان کی اولاد کا بھی حق ختم نہیں ہوا، البتہ مدت طویلہ گزر جانے کی وجہ سے دعویٰ اور مطالبہ کا حق ضابطہ اور قضاء نہیں رہا (۲)، تاہم عند اللہ دیانۃ برأت نہیں ہوئی، اس لئے ان سے مفاہمت و مصالحت کر کے سبکدوشی کر لی جائے یا ان کو جائیداد میں سے حصہ دے کر راضی کیا جائے یا قیمت دی جائے یا معاف کرایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

ماں اور بیوی میں تقسیم میراث

سول [۱۱۵۲۰]: زید کا انتقال ہوا، اس نے ایک ماں، ایک بیوی وارث چھوڑے اور کوئی نہیں

= ”ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ إلا بطيب نفس منه“ أي بأمر أو رضا منه“۔ (مرقاة المفاتيح،

كتاب البيوع، باب الغصب والعارية، الفصل الثاني: ۱۴۹/۶، رشیدیہ)

(و كذا في السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الغصب، باب من غصب لوحاً..... الخ: ۱۶۶/۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(ومشكاة المصابيح، كتاب البيوع: ۴۵۵/۱، قديمی)

(۱) ”لو قال وارث: تركت حقِّي، لا يبطل حقه؛ إذ الملك لا يبطل بالترك“۔ (الأشباه والنظائر، ما قبل

الإسقاط: ۳۵۴/۳، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في رد المحتار، باب إقرار المريض، فصل في مسائل شتى: ۶۲۳/۵، ۶۲۵، سعيد)

(و كذا في جامع الفصولين، كتاب الفرائض، الفصل الثامن والعشرون في مسائل التركة والورثة والدين:

۴۰/۲، اسلامی کتب خانہ)

(۲) ”رجل تصرف زماناً في أرض ورجل آخر رأى الأرض والتصرف، ولم يدع، ومات على ذلك لم

تسمع بعد ذلك دعوى ولده، فترك على يد المتصرف؛ لأن الحال شاهداه، والله سبحانه وتعالى

الهادي وعليه اعتمادی۔

(أقول) والحاصل: من هذه النقول أن الدعوى بعد مضي ثلاثين سنة أو بعد ثلاثة وثلاثين

لا تسمع إذا كان الترك بلا عذر من الأعذار المارة؛ لأن تركها هذه المدة مع التمكن يدل على عدم

الحق ظاهراً“۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الدعوى: ۳/۲، مكتبه إمداديه كوئٹہ)

ہے، تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

میت کے ذمہ قرض مہر وغیرہ جو کچھ ہے، اس کو ادا کرنے کے بعد چوتھائی ترکہ بیوی کو ملے گا (۱) اور تہائی ترکہ ماں کو ملے گا (۲)، بقیہ دادا پر دادا وغیرہ کی اولاد میں کوئی عصبہ ہو، تو اس کو ملے گا (۳)، تمام ورثہ کی تفصیل لکھ کر معلوم کر لیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

تین بہنوں اور ایک بیوی میں تقسیم میراث

سوال [۱۱۵۲۱]: ایک شخص سنی المذہب کچھ عرصہ ہوا کہ فوت ہو گئے، ان کی کوئی اولاد نہیں ہے اور نہ ہی متوفی کے والدین زندہ ہیں، صرف ان کی منکوحہ بیوہ ہے، جائیداد، مکان، دکان، چکی اور باغات پر مشتمل ہے، جو متوفی کی خود بنائی ہوئی ملکیت ہے اور کل جائیداد مع زیورات مکان کا وصیت نامہ متوفی نے اپنی منکوحہ بیوہ کے حق میں اپنی ہی زندگی میں رجسٹری کرایا تھا، جس کی رو سے بیوہ ساری جائیداد کی حق دار ہوتی ہے، لیکن متوفی

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولهن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد﴾ (النساء: ۱۲)

”وللزوجة الربع عند عدمهما“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثانی:

۶/۴۵۰، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۴۷۳، رشیدیہ)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فان لم یکن له ولد وورثه أبواه فلامه الثلث﴾ (النساء: ۱۱)

”الثالثة: الأم ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد وولد الابن والثلث عند عدم هؤلاء“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثانی: ۶/۴۴۹، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۷۰، رشیدیہ)

(۳) ”فبدءا بذی الفرض، ثم بالعصبۃ النسبیۃ، ثم بالعصبۃ السببیۃ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب

الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۴، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۴، رشیدیہ)

کی بہن جو یہاں کی باشندہ ہے، کا ایک لڑکا ہے جو اپنے کو ساری جائیداد کا وارث بتاتا تھا، ان حالات میں معاملہ متنازعہ ہو گیا ہے، اس صورت میں شرعی قانون کی رو سے کل جائیداد کی وراثت کن کے حق میں منتقل ہوتی ہے اور کس کس قدر، یہ بھی بتانے کی زحمت کریں کہ وہ وصیت نامہ جو متوفی نے اپنی زندگی میں اپنی منکوحہ بیوی کے حق میں بذریعہ رجسٹری کیا تھا، وہ بحال رہے گا یا ساقط ہو جائے گا۔

نوٹ: مرحوم کی زندگی ہی سے تین یتیم بچے پرورش پا رہے تھے، جن میں ایک بچی شادی کے قابل ہے، وہ تینوں بچے اب بھی بیوہ کے پاس پرورش پاتے ہیں، کیا شرعی جائیداد میں ان کا بھی کچھ حق ہے؟ متوفی کی تین حقیقی بہنیں ہیں، ایک یہاں اور دو پاکستان کی باشندہ ہو چکی ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرحوم کے دادا، پردادا میں کوئی مرد موجود نہیں، تو مرحوم کا ترکہ بعد ادائے دین مہر وغیرہ، چار حصے بنا کر ایک حصہ بیوہ کو ملے گا اور ایک ایک حصہ تینوں بہنوں کو ملے گا (۱)، جو بہنیں دوسرے ملک میں ہیں، ان سے ان کے حصہ کے متعلق معاملہ طے کر لیا جائے۔ جو بچے پرورش میں ہیں، وہ شرعی وارث نہیں (۲)۔ فقط

(۱) تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۴

بیوہ	بہن	بہن	بہن
۱	۱	۱	۱

واضح رہے کہ بہنوں کو ثلثان بطور ذوی الفروض ہونے کے ملا اور باقی ورثہ نہ ہونے کی وجہ سے علی سبیل الرد کے ملا۔

قال الله تعالى: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (النساء: ۱۲)

”الخامسة: ”الأخوات لأب وأم، للواحدة النصف، وللثنتين فصاعداً الثلثان“۔ (الفتاویٰ

العالمگیریۃ، کتاب الفرائض: ۶/۴۵۰، رشیدیہ)

”فیبداء بذوی الفروض، ثم بالعصبات النسبة، ثم بالمعتق، ثم عصبة الذکور، ثم الرد علی

ذوی الفروض النسبية بقدر حقوقهم“۔ (الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/۶۲، سعید)

(۲) ”يستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔ =

واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۱۴۰۰ھ۔

تین بیٹوں اور دو بیٹیوں میں تقسیم میراث

سوال [۱۱۵۲۲]: ایک مکان ہے جو ہندہ کے نام ہے، ہندہ کے تین لڑکے ہیں اور دو لڑکیاں، ہندہ کا بڑا لڑکا ہندہ کے انتقال کے بعد کہتا ہے کہ آدھے مکان کا میں مالک ہوں، کیونکہ مکان کے سلسلہ میں آدھی رقم میں نے والدہ کو دی تھی اور صورت حال یہ ہے کہ مکان کا بیع نامہ ہندہ ہی کے نام ہے، اب اگر اس نے ہندہ کو آدھی رقم دی ہے تو وہ رقم ہبہ ہوئی یا نہیں؟ کیونکہ کچھ علماء نے ہبہ ہی بتائی ہے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں کہنے سے کیا وہ بڑا لڑکا آدھے مکان کا مالک بن سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب بڑے لڑکے نے رقم والدہ کو دی اور یہ نہیں کہا کہ یہ قرض ہے، میں واپس لوں گا تو وہ رقم ہبہ ہی شمار ہوگی (۱)، اب اس مکان میں سے اس رقم کی وجہ سے بڑا لڑکا کچھ بھی حق دار نہیں اور ہندہ کے وارث

= (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۶۲، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۹۵، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(۱) ”فصل فی القرض (هو عقد مخصوص) أي: بلفظ القرض ونحوه (يرد على دفع مال مثلي لآخر ليرد مثله)“۔ (الدر المختار)۔ ”(قوله: عقد مخصوص) الظاهر: أن المراد عقد بلفظ مخصوص؛ لأن العقد لفظ، ولذا قال أي: بلفظ القرض ونحوه أي: كالدين وكقوله: أعطني درهماً لأرد عليك مثله“۔

(الدر المختار مع رد المحتار، باب المراجعة والتولية، فصل في القرض: ۵/۱۶۱، سعید)

”التمليك: هو جعل الرجل مالکاً، وهو على أربعة أنحاء: الثاني تمليك العين بلا

عوض، وهي الهبة“۔ (قواعد الفقہ، ص: ۲۳۷، صدف پبلشرز)

”(هي) شرعاً (تمليك العين مجاناً) أي بلا عوض“۔ (الدر المختار، کتاب الهبة:

صرف یہی تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں۔ ہندہ کے والدین اور شوہر کا انتقال پہلے ہو چکا ہے، تو ہندہ کا ترکہ جس میں یہ مکان بھی شامل ہے، دو دو حصے تینوں لڑکوں کو ملیں گے اور ایک ایک حصہ دونوں لڑکیوں کو ملے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۶/۱۴۰۰ھ۔

اولاد نہ ہونے کی صورت میں شوہر کا حصہ

سوال [۱۱۵۲۳]: زید کی شادی ہندہ سے ہوئی، ہندہ زید کے یہاں متعدد بار آگئی، مگر اولاد نہیں ہوئی اور انتقال کر گئی، زید نے ہندہ کے پان (اپنے خسر کو ان کے مانگنے پر پورا مہر دے دیا) اور خسر زید (ہندہ کے باپ) نے کل روپیہ فوراً مسجد کو دے دیا اور اب پتہ چل رہا ہے کہ شوہر کا بھی حق ہوتا ہے، پس زید یہ سن کر اپنے حصے کا روپیہ واپس مانگ رہا ہے تو آیا شوہر کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوتا ہے تو جو مہر کا روپیہ زید نے ہندہ کے باپ کو دیا تھا، اس نے کل مسجد پر دے دیا تھا تو زید کو روپیہ اب کون دے گا؟ آیا خسر (ہندہ کے باپ) دے گا یا مسجد سے زید کے حصے کی مقدار واپس کر لیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ کے مہر سے نصف کا زید مستحق ہے (۲)، زید کے خسر کو لازم تھا کہ نصف زید کے پاس رہنے

(۱) نقشہ ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۸

ابن	ابن	ابن	بنت	بنت
۲	۲	۲	۱	۱

قال اللہ تعالیٰ: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِي﴾ (النساء: ۱۱)

”العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ويأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض، العصبات: ۶/۴۷۳، ۴۷۴، سعید)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ﴾ (النساء: ۱۲) =

دیتا (۱)، اب جب کہ پورا روپیہ مسجد میں دے چکا ہے تو یہ بھی حق ہے کہ نصف واپس لے لے، وہ اس طرح کہ خسر اہل مسجد سے نصف واپس لے کر زید کو دے دے (۲)، اگر زید نہ لے، بلکہ وہ اپنی طرف سے محسوب کر لے تو وہ بھی مستحسن ہے، اجر ہوگا، ہندہ کا جو سامان جہیز وغیرہ تھا اس میں بھی زید نصف کا مستحق ہے، اگر اپنے خسر سے اس طرح معاملہ کر لے کہ جس قدر زید کا حصہ (نصف مہر) مسجد کو دے دیا ہے، اسی کے عوض بقیہ سامان میں سے زید کو دے دیا جائے، تب بھی درست ہے، یعنی نصف سامان تو حق وراثت زید کو مل جائے اور نصف مہر کے بقدر خسر اپنی میراث پدری سے زید کو دے دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۹۱ھ۔

بیوی کا حصہ

سوال [۱۱۵۲۴]: محمد ایوب خان کے دو لڑکے محمد یعقوب خان اور محبوب خان پہلی بیوی سے تھے، جن کا شادی کے بعد محمد ایوب خان نے جائیداد تقسیم کی اور الگ کر دیا اور محمد ایوب خان نے دوسرا نکاح کیا، اسی بیوی سے ایک لڑکا محمد ریاض خان پیدا ہوا، جس کی ایوب خان نے شادی کر دی اور اپنی کل جائیداد جو ان کے یعنی

= ”فلسزوج النصف عند عدم الولد وولد الولد“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثانی: ۶/۳۵۰، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۷۴، رشیدیہ)

(۱) ”لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي“۔ (شرح المجلة لخالد الأتاسی، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل التعزیر: ۵/۱۸، رشیدیہ)

(وکذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۳/۶۱، ۶۲، سعید)

(۲) ”أفاد أن الواقف لابد أن يكون مالکة وقت الوقف ملکاً باتاً..... وينقض وقف استحق بملک أو شفعة“۔ (رد المحتار، کتاب الوقف: ۳/۳۴۰، ۳۴۱، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوقف: ۲/۵۶۸، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الوقف: ۵/۳۱۴، رشیدیہ)

ایوب خان کے نام تھی، وہ محمد ریاض خان کے نام کردی، پھر ریاض خان کا انتقال پر ملال ہوا، اب ریاض خان کی بیوی کے سرال والے یہ کہتے ہیں کہ قانوناً کل جائیداد کی مالک ہماری لڑکی یعنی مسمیٰ وکیلہ ہے اور یعقوب خان محبوب خان و ایوب خان کہتے ہیں کہ ایسا نہیں، بلکہ اس جائیداد کے چار حصے ہونے ہیں اور تم صرف ایک حصہ کی مالک ہو اور مقدمات شروع ہوئے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا شرعاً قرآن و حدیث کی رو سے اس جائیداد کی مالک مرحوم ریاض کی بیوی مسماة وکیلہ ہے یا نہیں؟ یہ لوگ جو کہتے ہیں کہ شرعاً ۴/ حصے ہوں گے اور وہ ایک حصہ کی مالک ہوگی کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کو شوہر کے ترکہ مملوکہ سے میراث ملتی ہے، اگر شوہر نے اولاد نہ چھوڑی ہو تو بیوی کو ایک چوتھائی ترکہ ملتا ہے، اس سے زیادہ کی میراث اس کو نہیں ملتی، البتہ جو دین مہر ہو، اس کو تقسیم ترکہ سے پہلے ادا کرنا لازم ہوتا ہے (۱)۔

﴿ولهن الربع مما تركن إن لم يكن لکم ولد﴾ (۲)

مجموعہ ترکہ پر بحیثیت وراثت شرعیہ اس کا دعویٰ کرنا اور قبضہ کا مطالبہ کرنا شرعاً صحیح نہیں، ہاں! اگر قانوناً جو زمین جس کی کاشت میں ہو، اس کے انتقال کے بعد اس کی بیوی کو بحیثیت کاشتکار ملتی ہو اور اصل مالک سرکار

(۱) "المسمى دين في ذمته وقد تأكد بالموت فيقضى من تركته". (الهداية، باب المهر: ۳۳۷/۲، شرکت علمیہ ملتان)

"يبدأ بتكفينه وتجهيزه ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله ثم يقسم الباقي بين ورثته". (السراجي في الميراث، ص: ۳، قدیمی)

(و کذا في الفتاوى العالمکیریه، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

(۲) (النساء: ۱۱)

"ولللزوجة الربع عند عدمهما". (الفتاوى العالمکیریه، کتاب الفرائض، الباب الثاني:

۴۵۰/۶، رشیدیہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۷۴/۹، رشیدیہ)

ہو، تو پھر قانون کا اعتبار ہوگا (۱)، اس میں شرعی میراث جاری نہیں ہوگی، کیونکہ وہ ورثاء کی ملک ہی نہیں، جس میں میراث جاری ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۸/۸۹ھ۔

تین بھائیوں، ایک بہن اور بیوی کے درمیان تقسیم میراث

سوال [۱۱۵۲۵]: مسمی محمد عیسیٰ صاحب انتقال کر گئے، حسب ذیل ورثاء چھوڑے تین حقیقی بھائی:

محمد ادیس، محمد موسیٰ، محمد الیاس جو حیات ہیں، ایک بہن قبولہ، ایک بیوی زہرا خاتون، محمد عیسیٰ مرحوم نے اپنے سائلے محمد ظہیر کی لڑکی انجم آرا کو بچپن سے پالا، اس کو اپنی لڑکی بنا کر رکھا، اب بعد انتقال مال و جائیداد کا حق دار کون ہوگا؟ کیا انجم آرا کو جائز ہے کہ وہ اپنی ولایت کو محمد عیسیٰ مرحوم کی طرف منسوب کرے؟ محمد عیسیٰ کے بھائیوں میں سے کوئی ایک بغیر اجازت دیگر ورثاء تمام جائیداد انجم آرا کے کرادے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

کیا محمد عیسیٰ کے انتقال کے بعد بلا اجازت ان کے بھائیوں کے، ان کو مکان دے سکتا ہے اور وہ ان کے مال میں سے کھا سکتی ہے، ان فریقوں میں سے کوئی ایک بھی بغیر ان تمام فریقوں کی اجازت کسی قسم کا مال و جائیداد میں تصرف کر سکتا ہے، اگر تصرف کرے تو عند اللہ مواخذہ ہوگا یا نہیں؟ انجم آرا کی شادی میں محمد عیسیٰ کے مال و جائیداد سے یہ جہیز وغیرہ سامان دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جہیز لینے والا جانتا ہے کہ عیسیٰ مرحوم کے مال سے شادی ہو رہی ہے تو وہ ماخوذ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ نیز عیسیٰ مرحوم کی بیوی زہرا خاتون کی پرورش کا ذمہ دار کون ہے؟ آیا محمد عیسیٰ کے بھائیوں پر دیکھ بھال کرنا ضروری ہے یا خود زہرا کے بھائی جو کہ زندہ ہیں، پرورش کے کوئی ذمہ دار نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد عیسیٰ مرحوم کے انتقال کے بعد اس کے ذمہ جو کچھ قرض اور دین مہر وغیرہ ادا کیا جائے، پھر جو کچھ

(۱) "أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته". (الدر المختار مع

رد المختار، کتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعید)

(و کذا فی شرح الحموی علی الأشباه، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام علی الرعية منوط بالمصلحة:

۱/۳۳۲، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی القواعد الفقه، الفن الأول، القواعد الكلية: ۱۰۸، میر محمد کتب خانہ)

ترکہ بچے اس کے ایک تہائی سے اس کی وصیت پوری کی جائے (اگر وصیت کی ہو) پھر جو کچھ بچے اس کو اس طرح تقسیم کیا جائے (۱):

مسئلہ ۲۸/۴

زوجہ	اخ	اخ	اخ	اخ
زہرہ	ادریس	موسیٰ	الیاس	قبولہ
$\frac{1}{2}$	۶	۶	۶	۳

یعنی ۲۸ حصہ بنا کر سات حصہ مرحوم کی بیوی زہرہ کو ملیں گے، چھ حصے تینوں بھائیوں ادریس، موسیٰ، الیاس کو ملیں گے، تین حصے بہن قبولہ کو ملیں گے (۲)، مرحوم نے سالے کی لڑکی انجم آرا کو پالا ہے، اس کو بحیثیت وراثت کچھ نہیں ملے گا (۳)، ہاں! اگر اس کے لئے کچھ وصیت کی ہو تو ایک تہائی ترکہ میں اس کو

(۱) ”تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبداء بتكفينه وتجهيزه من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة“۔ (السراجي في الميراث، ص: ۲، ۳، قدیمی)

(و کذا في الفتاوى العالمگیریة، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(و کذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۵۷-۷۵۸، سعید)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولهن الربع مما تركتم إن لم يكن لكم ولد﴾ (النساء: ۱۱)

وقال الله تعالى: ﴿يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين﴾ (النساء: ۱۱)

”العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“۔ (الفتاوى العالمگیریة، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

(و کذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض، العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعید)

(۳) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاوى العالمگیریة، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(و کذا في الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعید)

(و کذا في مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

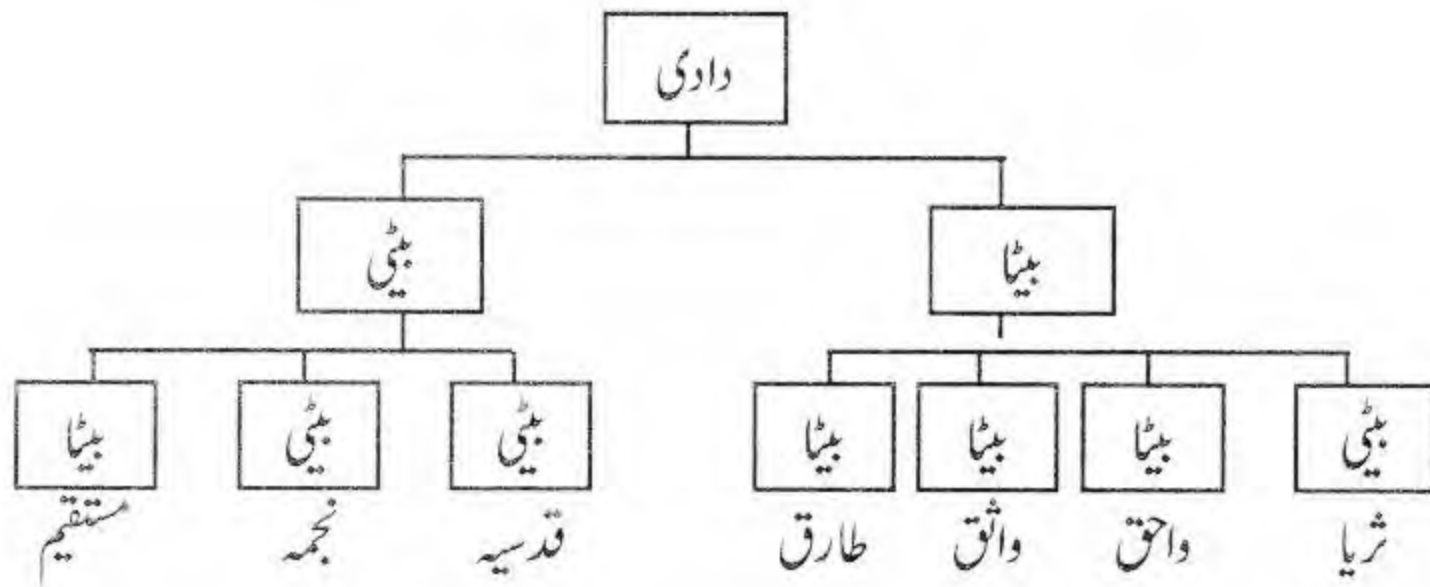
پورا کیا جائے گا (۱)، اس کے علاوہ نہ تو وارث ہے نہ مرحوم کے ترکہ سے کچھ کھانے پینے کی اجازت ہے، وہ ترکہ بطور وراثت دوسروں کا ہو گیا، البتہ مرحوم کے ورثہ میں سے جو جو وارث چاہے اپنا حصہ اس لڑکی کو دے سکتا ہے (۲)، تمام ترکہ دینے کا حق نہیں، دوسرے کا حصہ نہیں دے سکتا (۳)، اگر دیں گے تو اس کا استعمال نہ انجام آرا کو جائز ہوگا نہ اس کے شوہر وغیرہ کو، مرحوم کی زوجہ زہرہ اگر غریب ہے، نادار ہے تو اس کے بھائی اس کی ہمدردی کریں (۴)، بعد عدت اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا جائے، تو بے فکری ہو جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۸/۹۲ھ۔

- (۱) ”ثم تنفذ وصاياہ من ثلث مابقي بعد الدين“۔ (السراجي في الميراث، ص: ۳، قدیمی)
- (و کذا في الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۲۳۷، رشیدیہ)
- (و کذا في الدرالمختار مع ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۰، ۷۱، سعید)
- (۲) ”ولکل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء“۔ (شرح المجلة، کتاب الشریکة، الفصل الثامن: ۱/۲۳۳، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)
- (و کذا في ردالمحتار، کتاب البیوع، مطلب في تعريف المال الخ: ۴/۵۰۲، سعید)
- (و کذا في شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۲۵۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)
- (۳) چونکہ ترکہ تمام ورثاء کے درمیان مشترک ہوتا ہے اور کسی کو دوسرے کے حصہ میں تصرف کا حق نہیں، الا یہ کہ وہ اجازت دے دے۔
- ”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غیرہ بلا إذنه أو وكالة منه“۔ (شرح المجلة، رقم المادة: ۹۶: ۱/۲۶۲، رشیدیہ)
- (و کذا في الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب الغصب، ص: ۲۷۶، قدیمی)
- (و کذا في ردالمحتار، کتاب الغصب: ۶/۲۰۰، سعید)
- (۴) ”عن أبي موسى رضي الله تعالى عنه، قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: أطعموا الجائع، وعودوا المريض وفكوا العاني“۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الجنائز، باب عيادة المريض الخ، الفصل الأول: ۱/۱۳۳، قدیمی)
- ”عن النعمان بن بشير رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ترى المؤمنين في تراحمهم وتواددهم وتعاطفهم كمثل الجسد، إذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى“۔ متفق عليه۔ (مشكاة المصابيح، کتاب الأداب، باب الشفقة والرحمة على الخلق، الفصل الأول: ۲/۴۲۲، قدیمی)

مناخہ کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۲۶]: ایک مکان ہے جو کہ موروثی ہے اور یہ مکان ہماری دادی مرحوم کی ذاتی ملکیت تھی، اس کے انتقال کے بعد ترکہ پہونچا ان کے ایک بیٹا اور ایک بیٹی کل یہی اولاد تھی (ہماری دادی جان کے)، لہذا بیٹا یعنی ہمارے والد مرحوم کے دو حصے ہوئے اور بیٹی کا ایک، لیکن ان دونوں بھائی بہنوں نے اپنی زندگی میں بٹوارہ نہیں کیا اور بغیر بٹوارہ عمل میں لائے، ہمارے والد ہماری پھوپھی انتقال کر گئیں، ہماری پھوپھی کی تین اولاد ہیں، یعنی ایک بیٹا اور دو بیٹی اور ہمارے والد کی اولادیں چار ہیں یعنی ہم تین بھائی اور ایک بہن۔



اب یہ بھی جان لیں کہ ہمارے دونوں بھائی بچپن ہی سے کمزور دماغ واقع ہوئے ہیں اور ان کی دماغی حالت صحیح نہیں کہی جاسکتی۔ چھوٹا بھائی وافق تو نیم پاگل ہے اور بڑے بھائی طارق پاگل تو نہیں کہہ سکتے، لیکن انہیں عقل و سمجھ کی حد سے زیادہ کمی ہے اور دماغ کمزور ہونے کی وجہ سے کچھ بھی لکھ پڑھ نہیں سکتے، ثریا بہن اور ہم دماغی حیثیت سے بہتر ہیں۔ ہماری پھوپھی ہمیشہ سعودی عرب میں اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہیں اور ہم پر پورا بھروسہ کرتی ہیں، ہماری دونوں پھوپھی زاد بہن خود سر ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں، بزرگوں کا کہنا نہیں مانتی، البتہ چال چلن ان کا درست ہے، ان کا چھوٹا بھائی مستقیم بھی ہمارے بھائیوں کی طرح ہے۔

مذکورہ مکان کی بات چیت جب ہم نے اپنی پھوپھی زاد بہنوں سے چند سال قبل کی تو وہ لوگ راضی نہیں ہوئے کہ ہم لوگوں کو ہمارے والد کا دو حصہ مکان میں ملے، اگر زبردستی کی جاتی اور قانونی کارروائی کی جاتی تو اندرونی معاملہ تو کوئی دیکھتا نہیں اور لوگ یہ کہتے کہ لڑکیوں کو بے سہار پا کر ستا رہے ہیں، اس لئے ہم خاموش رہے، سال گزشتہ جب ہم نے تلاش معاش کے لئے امریکہ جانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ والدہ اور بھائیوں کا

حصہ ان کے حوالہ کر دیں تو ہم نے پھوپھی زاد بہنوئی سے گفتگو کا سلسلہ شروع کیا، لیکن بے فائدہ۔

وہ اس بات پر مصر ہیں کہ جتنا حصہ ہمارے قبضہ میں ہے، جو آدھے سے بھی بہت کم ہے، بس اتنا ہی لے کر اطمینان کر لیں اور بقیہ حصہ مکان کا ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیں، ہم نے سمجھایا، لیکن وہ نہیں مانیں، جب ہم نے قانونی کارروائی کی دھمکی دی تو رونے لگی اور کہا کہ تھوڑا سا لے لو، اس پر میرے دماغ میں یہ بات آگئی کہ جو تھوڑا سا یہ لوگ دینے کو راضی ہوئے ہیں اور زیادہ کے اصرار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، کیونکہ وہ ہرگز نہیں مانے گی اور نہ مانے گی تو پھر مقدمہ لڑنے کے سوائے کوئی چارہ نہ ہوگا، اس طرح وہ مکان بکتا نہیں کہ جس کے لئے گا ہک تیار تھا، اس طرح میرے امریکہ جانے میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی، میرے نفس کو بڑی تسکین ہوئی کہ جو خاندان میں کسی سے نہ دیں ان کو ہم نے دبا لیا، ان تینوں باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو تھوڑی سی زیادہ زمین وہ دینے کو کہہ رہی تھیں، ہم لینے کو تیار ہو گئے، جس کے لینے کے بعد بھی پورے مکان میں ۲/۳ کے بجائے آدھے سے کم ہی حصہ ہم لوگوں کو ملا۔

ہماری والدہ مرحومہ کو اس کے متعلق خبر نہ تھی، ہم نے وثیقہ اس طرح لکھوایا کہ ہمارے والد نے اس مکان کا اپنا حصہ ہماری والدہ کو زبانی ہبہ کر دیا تھا، جو حقیقت نہیں تھا، وثیقہ پر دستخط ان لوگوں کا اور میرا بحیثیت مختار عام کے ہو گیا، لیکن یہ اس وقت ہم نے نہ سوچا کہ ایسا کر کے ہم اپنے بھائیوں اور بہنوں اور والدہ کی حق تلفی کر رہے ہیں۔ بات یہ ہے کہ چھوڑی ہوئی سب جائیداد ہم لوگوں نے انتظامی سہولت کے خیال سے والدہ مرحومہ کے نام کر دیا تھا۔ والدہ کو جب معلوم ہوا کہ ہم مکان فروخت کرنا چاہتے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ کہیں والدین کی حیات میں بٹوارہ ہوتا ہے، وہ چاہتی نہ تھیں کہ بٹوارہ ہو، پھر انہوں نے کہا کہ پہلے مکان نجمہ وغیرہ سے (ہماری پھوپھی زاد بہنوں سے بٹوار کر لو گے تب نا) ہم نے جواب دیا کہ ان لوگوں سے جھنجھٹ کون مول لے، جتنا بھی دینے کو تیار ہوں ہم لے کر معاملہ ختم کر لیتے ہیں، ہم نے یہ نہیں کہا پھر معاملہ ختم کر دیا ہے، والدہ نے کہا اپنا حصہ کوئی کیسے چھوڑ دے گا، پھر وہ خاموش ہو گئیں، اس واقعہ کے چار روز بعد ان کا انتقال ہو گیا، خانگی بٹوارہ نامہ جو ہمارے اور ہماری پھوپھی زاد بہنوں کے درمیان ہوا وہ سادہ کاغذ پر ہوا تھا، وہ کاغذ ہمارے پاس ہے، فریق دوم کے پاس کوئی کاغذ نہیں ہے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ:

..... جو بٹوارہ ہم اپنی پھوپھی زاد بہنوں سے کر چکے ہیں، اسی پر عمل کریں، اس پر عمل کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنی والدہ، اپنے بھائیوں، اپنی بہن کے حصوں کی خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی بغیر

اجازت جب کہ ہم ان کے منتظم تھے، ہم نے ان کے حصے کی تھوڑی تھوڑی زمین اور مکان اپنی پھوپھی زاد بہنوں کے حوالہ کر دیا ناجائز طریقہ سے۔

۲..... جو بٹوارہ ہم اپنی پھوپھی زاد بہنوں سے کر چکے ہیں، اس کو کالعدم سمجھیں اور بٹوارہ نامہ پھاڑ کر پھینک دیں۔

جو صورت ہو، اُس سے آگاہی بخشیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو بٹوارہ پھوپھی کی اولاد کے ساتھ آپ نے کیا، وہ بغیر دیگر ورثہ (بہن، بھائیوں، والدہ) کی اجازت سے کیا، آپ کو اس کا حق نہیں تھا، اگر سب نے منظور نہیں کیا تو وہ قابل عمل نہیں (۱)، دادی صاحبہ کے انتقال کے وقت اگر ان کے والدین اور شوہر موجود نہیں تھے، تو ان کا ترکہ تین حصے ہو کر ایک حصہ آپ کی پھوپھی صاحبہ کا تھا اور دو حصے آپ کے والد صاحب کے، پھر والد صاحب کے انتقال پر ان کا ترکہ آٹھ حصے ہو کر ایک حصہ آپ کی والدہ کا اور ایک حصہ آپ کی بہن کا اور دو حصے آپ تینوں بھائیوں کے ہوئے (۲)، پھوپھی کی اولاد کو ۱/۳ سے جس قدر زائد یا اس کی قیمت لگا کر اب والدہ کے انتقال کے بعد اس کے سات حصے بنالیں، ایک حصہ اپنی طرف

(۱) ”لایجوز التصرف فی مال غیرہ بلا إذنه ولا ولایتہ“۔ (الدرالمختار، کتاب الغصب: ۲۰۰/۶، سعید)

(و کذا فی شرح المجلة لخالد الآتاسی، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۴، رشیدیہ)

(و کذا فی الأشباه والنظائر، الفن الثانی، کتاب الغصب، ص: ۲۷۶، قدیمی)

(۲) نقشہ تقسیم

مسئلہ ۳

بیٹا	بیٹی
۲	۱

مسئلہ ۸

بیوی	بیٹا	بیٹا	بیٹا	بیٹی
۱	۲	۲	۲	۱

سے بہن شریا کو دے دیں اور دو دو حصے دونوں بھائیوں وافق، طارق کو دے دیں، اپنے دو حصے گویا کہ بٹوارہ کی صورت میں پھوپھی کی اولاد کو دے ہی چکے ہیں، ان بہن بھائیوں کو اس پر راضی کر لیں کہ انہوں نے اتنا اتنا اپنا حصہ فروخت کر دیا، والدہ کا حصہ بھی سب آپ چاروں کو پہونچنا ہی تھا (جب کہ ان کے والدین نہیں تھے) اس طرح کر لینے سے آپ کو نہ عدالت میں جانا پڑے گا، نہ وعدہ خلافی ہوگی، نہ بہن بھائیوں کی حق تلفی ہوگی، نہ آخرت کا مواخذہ ذمہ میں رہے گا۔

بہن بھائیوں میں سے جو اپنا حصہ جو کہ پھوپھی کی اولاد کے پاس بٹوارہ میں چلا گیا، جس کے سات حصے بنانے کے لئے اوپر لکھا گیا ہے، بخوشی معاف کر دے تو آپ اس کے حصہ کی قیمت دینے سے بری ہو جائیں گے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود وغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۱ھ۔

میراث میں لڑکیوں کا حصہ

سوال [۱۱۵۲۷]: دیہات میں چونکہ لڑکیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں، اس لئے لڑکیاں جھگڑتی نہیں اور بعض لڑکیوں کو علم نہیں کہ ہمارا حصہ بھی جائیداد وغیرہ میں ہے یا نہیں، ایسی صورت میں اگر خبر نہ کی جاوے اور معاف کر لیا جاوے، تو معاف ہوگا یا نہیں؟ اور اگر خبر کر دے کہ ان میں تیرا بھی حصہ ہے، لیکن تو معاف کر دے تو معاف ہوگا یا نہیں؟ اور اگر بے خبری میں گزر گئی کہ میرا حصہ بھی ہے یا نہیں، تو وہاں مواخذہ کرے گی یا نہیں؟

سائل: محمد یونس گورگانوی متعلم جامعہ ہذا

الجواب حامداً ومصلیاً:

کسی کا حق ذمہ سے بغیر اس کے ادا کئے یا بغیر صاحب حق کے معاف کئے ساقط نہیں ہوتا (۱)، اگر دنیا

(۳) "والدین الصحيح هو فی التنویر وغیرہ" مالا یسقط إلا بالأداء أو الإبراء. (شرح المجلة لخالد

الأتاسی، کتاب الکفالة، المادة: ۶۳۱: ۲۴/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الکفالة، مطلب کفالة المال قسمان الخ: ۲/۵، سعید)

(و کذا فی شرح الحموی علی الأشباه والنظائر، کتاب الکفالة: ۲/۱۶۵، إدارة القرآن کراچی)

(۱) "والدین الصحيح هو فی التنویر وغیرہ: "مالا یسقط إلا بالأداء أو الإبراء". (شرح المجلة لخالد =

میں نہ حق کو ادا کیا نہ صاحب حق سے معاف کرایا تو قیامت میں مواخذہ ہوگا (۲)، اگر صاحب حق کو اس کے حق کی اطلاع کی گئی اور اس نے خوشی سے معاف کر دیا، تو پھر وہ حق معاف ہو جائے گا اور قیامت میں مواخذہ نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۲۶/۱۱/۵۱ھ۔

صحیح: بندہ عبد الرحمن غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

تقسیم ترکہ و قرض کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۲۸]: ہمارے والد رحمہ اللہ تعالیٰ عہد و ن عرصہ چالیس سال ہوئے انتقال فرما گئے، ان کے چار بیٹے، حاجی قاسم، حاجی محمد، عبدالغفور، عبدالشکور ایک بھائی نمبر ۳ عبدالغفور والد صاحب کے زمانہ ہی میں اپنا علیحدہ کاروبار کرتے تھے، وہ مقروض ہو گئے، والد کے انتقال کے بعد ان کی خواہش ہوئی کہ اگر سب مل کر میرا قرض ادا کر دیں، تو میں اپنے حصہ سے دست بردار ہو جاؤں گا، چنانچہ سات ہزار روپے ان کے قرض میں سب نے مل کر ادا کر دیا، وہ تحریری طریقہ پر دست بردار ہو گئے، باقی تین بھائی قاسم، حاجی محمد، حاجی عبدالشکور نے مشترک کاروبار شروع کیا۔ ایک مکان حاجی قاسم و عبدالشکور کے نام خریدا گیا۔

اس سے متصل ایک بڑی زمین حاجی محمد کے نام پر خریدی گئی، اس قطعہ زمین اور مکان کو ملا کر ایک بڑا

= الأتاسی، کتاب الکفالة، المادة: ۶۳۱: ۲۴/۳، رشیدیہ

(و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الکفالة، مطلب فی کفالة المال قسمان الخ: ۳۰۲/۵، سعید)

(و کذا فی شرح الحموي علی الأشباه والنظائر، کتاب الکفالة: ۱۶۵/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”عن سعید بن زید رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين“۔ متفق عليه۔ (مشكاة المصابيح، کتاب

البیوع، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قدیمی)

(وصحيح البخاري، کتاب بدء الخلق، باب ماجاء فی سبع أرضين: ۴۵۳/۱، قدیمی)

مکان کئی منزلہ تعمیر کیا گیا، ایک چھوٹا مکان بنام حاجی محمد و حاجی قاسم ہے، اس کے علاوہ ایک دکان قاسم کی زوجہ کے نام پر خریدی گئی، اس شرط پر کہ زوجہ حاجی قاسم کے انتقال پر بنام حاجی عبدو، حاجی محمد عمرو، حاجی محمد (عبدو کا پوتا) ہوگی، حاجی محمد نے ایک مکان حاجی قاسم کے نام خریدا اور چھوگا لال والا مکان فروخت کر کے ساڑھے چھ ہزار روپے حاصل کئے، قاسم نے پوتوں کے نام وصیت نامہ تحریر کر کے قبضہ میں دے دیا، ایک مکان زوجہ کو حاجی محمد نے خریدا اور اسے نو تعمیر کرایا۔

والد کے انتقال کے چار سال بعد ہی والدہ کا انتقال ہوا، جس کو چھتیس سال کا عرصہ ہوا، انتقال کے وقت ایک طلائی ہارسترہ تولے کے بارے میں ایک پوتے کے لئے وصیت کر گئیں اور اب پینتیس سال کے بعد ایک بھائی نے اس پوتے کے سپرد کر دیا، حاجی محمد نے دو حج کئے اور بیوی کو کرائے اور اولاد کی شادیاں کیں، دوسرے بھائی نے بھی اولاد کی شادیاں کیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ حاجی محمد کہتے ہیں، کہ سب مکانات وغیرہ میری ذاتی کمائی ہیں اور اسی طرح ان کی زوجہ کہتی ہیں کہ یہ سب کچھ میرے شوہر کی کمائی کا حصہ ہے، بتیس ہزار روپے اس کا رو بار پر قرض ہیں، حاجی محمد اس کی ادائیگی کے لئے متفکر ہیں، ہم سب کے مشترک کاروبار کی اس صورت میں شرع شریف کی رو سے کس طرح تقسیم عمل میں آئے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عبدو کے انتقال کے بعد چار بیٹے برابر کے وارث تھے، پھر تین نے اور ان کی والدہ نے مل کر عبد الغفور کا قرض سات ہزار روپے ادا کیا، اس شرط پر کہ عبد الغفور ترکہ پداری سے دستبردار ہو جائے گا، گویا کہ انہوں نے اپنا حصہ میراث مبلغ سات ہزار روپیہ میں اپنے بھائیوں اور والدہ کے ہاتھ فروخت کر دیا، لہذا اب عبدو کے ترکہ میں تین لڑکے اور بیوی شریک رہے (۱)۔

(۱) "التخارج وهو تفاعل، والمراد به ههنا أن يتصلح الورثة على إخراج بعضهم عن الميراث بشيء معلوم من التركة، وهو جائز عند التراضي، نقله محمد في كتاب الصلح: عن ابن عباس رضي الله تعالى عنهما... فورثها عثمان رضي الله تعالى عنه مع ثلث نسوة آخر، فصالحوا عن ربع ثمنها على ثلاثة وثمانين ألفاً، فقيل: هي دنانير، وقيل: دراهم." (الشرقيہ شرح السراجیة، فصل في التخارج، ص: ۷۳، سعید)

(و کذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلح، فصل في التخارج: ۵/۶۴۲، سعید)

(و کذا في شرح المجلة لخالد الأتاسي، کتاب الکفالة، المادة: ۱۵۷: ۲/۵۹۳، رشیدیہ)

پھر کاروبار مشترک رہنے کی وجہ سے آمدنی بھی سب کی برابر مشترک رہی، اس مشترک آمدنی سے جو مکان حاجی قاسم و حاجی عبدالشکور کے نام خریدا گیا اور جو زمین حاجی محمد کے نام خریدی گئی، وہ بھی سب مشترک ہے، پھر جو مکان کئی منزلہ وہاں تعمیر کیا گیا، وہ بھی مشترک ہے، چھوٹے مکان یک منزلہ جو کہ حاجی محمد و حاجی قاسم کے نام پر ہے، وہ بھی عبدو کے ترکہ سے ہے یا مشترک آمدنی سے ہے، وہ بھی مشترک ہے، جو مکان لب سڑک حاجی قاسم کی زوجہ کے نام خریدی گئی ہے، اس کا بھی یہی حال ہے، جو شرط اس میں لگائی ہے، وہ بھی لغو ہے، اسی طرح حاجی محمد کا خرید کردہ مکان جس کی وصیت حاجی قاسم نے پوتوں کے نام کی اور زوجہ حاجی محمد کا لکھنوا والا خرید و تعمیر کردہ مکان یہ بھی مشترک ہے (۱)۔

والدہ کے انتقال کے بعد اگر ان کے والدین میں کوئی زندہ نہیں، تو ان کا ترکہ چاروں بیٹوں کو ملے گا، یعنی عبدالغفور بھی اس ترکہ مادری میں شریک ہوگا (۲) جو کہ پہلے ترکہ کو بھائیوں کے ہاتھ فروخت کر چکا تھا، والدہ نے جو طلائی ہار کی وصیت پوتے کے لئے کی ہے، اگر یہ والدہ کے ترکہ کے ایک تہائی کے اندر ہے، تو شرعاً یہ صحیح اور معتبر ہے، اگر ایک تہائی سے زائد ہے، تو یہ چار بیٹوں کی اجازت پر موقوف ہے (۳)، والدہ اپنے شوہر کے

(۱) ”(سئل) فی إخوة خمسة سعيهم و كسبهم واحد وعائلتهم واحدة، حصلوا بسعيهم و كسبهم أموالاً، فهل تكون الأموال المذكورة مشتركة بينهم أحماساً؟“

(الجواب) ما حصله الإخوة الخمسة بسعيهم و كسبهم يكون بينهم أحماساً“۔ (تنقيح الفتاوى

الحامدية، كتاب الشركة: ۹۵/۱، مكتبة إمداديه كوئٹہ)

(و كذا في الفتاوى الكاملية، كتاب الشركة، ص: ۵۰، مكتبة القدوس)

(۲) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۲۷/۶، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۷۶۲/۶، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴۹۵/۴، مكتبة غفاريه كوئٹہ)

(۳) ”ولا تجوز بما زاد على الثلث، إلا أن يجيزه الورثة بعد موته، وهم كبار“۔ (الفتاوى العالمكيرية،

كتاب الوصايا، الباب الأول: ۹۰/۶، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الوصايا: ۲۱۳/۹، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶۵۰/۶، ۶۵۱، سعيد)

ترکہ سے آٹھویں حصہ کی حق دار ہے (۱)۔

مشترک روپے سے جو حج کئے گئے، ایک بار یا دو بار اولاد کی جو شادیاں کی گئیں اور جو کچھ بھی ان میں خرچ ہوا، یہ سب اجازت و رضا مندی سے جیسا کہ عامۃً مشترک کاروبار میں مشترک خاندان ہر کم و بیش میں صرف ہوا ہی کرتا ہے، اب اس کا کوئی حساب نہیں، کاروبار میں مشترک ہوتے ہوئے حاجی محمد کا یہ کہنا کہ سب مکانات وغیرہ میری ذاتی کمائی ہے، اسی طرح ان کی زوجہ کا اس میں ہمنوائی کرنا غلط اور شرعاً غیر معتبر ہے (۲)، تیس ہزار روپے جو اس کاروبار پر قرض ہے، وہ بھی سب مشترک ہے، سب کو اس کاروبار سے وہ قرض ادا کرنا لازم ہے، کسی کو انکار کرنے کا حق نہیں (۳)۔ اب اگر علیحدگی چاہتے ہیں تو اولاً قرض ادا کر دیں پھر جو کچھ بچے اس کو برابر تقسیم کر لیں، نقد بھی سامان بھی، زمین بھی، مکان بھی، دکان بھی۔

عبدالغفور کا تعلق نہ والد صاحب کے ترکہ سے رہا، نہ قرض سے، نہ وہ ترکہ لیں گے، نہ قرض میں شریک ہوں گے، والدہ کے ترکہ میں سے ایک چوتھائی کے حق دار ہیں (۴)۔ اور جو قرض ان کے حصہ میں آئے گا، وہ ان کے ذمہ ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۲/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۳/۸۶ھ۔

تقسیم ترکہ کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۲۹]: حسب ذیل صورت میں تقسیم ترکہ کی کیا صورت اختیار کی جائے؟ زید کی خالہ

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

(۲) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۵۳۵

(۳) ”أن كل دين لزم أحدهما بتجارة أو ما يشبهها لزم الآخر بمقتضى تضمنها الكفالة“۔ (شرح المجلة

لخالد الأتاسي، كتاب الشركة، الفصل الخامس، المادة: ۱۳۵۶: ۲/۲۸۰، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاوى العالمگیریة، كتاب الشركة، الفصل الثالث: ۲/۳۰۹، رشیدیہ)

(و کذا في مجمع الأنهر، كتاب الشركة: ۲/۵۳۸، ۵۳۹، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۴) راجع رقم الحاشیة: ۲، ص: ۵۳۵

مسماۃ ہندہ نے پاکستان میں انتقال کیا، جو کہ قانونی اعتبار سے پاکستانی بن گئی تھیں، ان کی کچھ امانت زیدان کے حقیقی بھانجے کے پاس ہے، یہاں ہندہ مذکورہ کے پوتے پوتیاں پاکستان میں ہیں اور ہندوستان میں صرف حقیقی وارث ایک لڑکی ہے اور بھانجہ ”امین“ وراثت از اراضی بصورت ملکیت ہے۔

ہندہ

لڑکی حقیقی وارث ہندوستانی پوتے پاکستانی، پوتیاں پاکستانی حقیقی زید بھانجہ ہندوستانی ایک

۴

۳

۱

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھانجہ مستحق نہیں (۱)، ہندہ کا ترکہ مملوکہ بیس حصے بنا کر دس حصے لڑکی کو ملیں گے، دو حصے تینوں پوتوں کو ملیں گے، ایک ایک حصہ چاروں پوتیوں کو ملے گا (۲)، وارث کسی دوسرے ملک میں ہونے کی وجہ سے محروم نہیں

(۱) ”هو كل قريب ليس بذی سهم ولا عصبه، ولا يرث مع ذی سهم، ولا عصبه سوى الزوجین وهم اولاد البنات وأولاد الإخوة والأخوات لأم أو لأب“۔ (الدر المختار، کتاب الفرائض، باب توريث ذوي الأرحام: ۶/۷۹۱-۷۹۲، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۹۶-۳۹۸، رشیدیہ)

(و کذا في الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب العاشر: ۶/۴۵۸، رشیدیہ)

(۲) نقشہ تقسیم ملاحظہ ہو:

مسئلہ ۲، تصد ۲۰

بھانجہ ۱	پوتیاں ۴	پوتے ۳	بیٹی ۱
محروم	عصبہ	عصبہ	نصف
	۴	۶	۱/۱۰

قال الله تعالى: ﴿وإن كانت واحدة فلها النصف﴾ (النساء: ۱۱)

”فبدأ بذی الفرض، ثم بالعصبه النسبیه، ثم بالعصبه السببیه الخ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ،

کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

”العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، ویأخذ ما بقی من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

ہوتا (۳)، اگر زمین ہندہ کی ملکیت تھی (حکومت مالک نہیں) تو اس کی تقسیم بھی اسی طرح ہوگی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۹/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین۔

دو بیویوں کی اولاد کے درمیان تقسیم میراث

سوال [۱۱۵۳۰]: ہمارے والد صاحب کی پہلی بیوی سے ایک لڑکا ہے اور والد صاحب نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح کیا، اس سے چار لڑکے ہیں، اب والد والدہ دونوں کا انتقال ہو گیا، لہذا اب ہمارے آپس میں جائیداد کے متعلق جھگڑا ہے، بڑا بھائی کہتا ہے کہ سب جائیداد میں سے آدھا حصہ میرا ہے اور آدھا تمہارا چار بھائیوں کا ہے، لہذا اب یہ مشورہ ہوا ہے کہ فتویٰ منگالیں، جس طرح علماء دین شرع کے مطابق جواب دیں گے، آیا یہ اس طرح صحیح ہے جس طرح ہمارا بھائی کہتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بڑے بھائی کا یہ دعویٰ کرنا کہ آدھا میرا حصہ ہے، غلط ہے، پانچوں بھائی برابر کے حق دار ہیں (۱)، اگر

= (و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۴، قدیمی)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض، العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعید)

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین﴾ (النساء: ۱۱)

”و کذلک اختلاف الدارین سبب لحرمان المیراث ولكن هذا فی أهل الکفر لا فی حق المسلمین، حتی أن المسلم إذا مات فی دار الإسلام، وله ابن مسلم فی دار الهند أو الترتک یرث“ (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار مع رد المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۷۷، ۷۷۸، سعید)

(و کذا فی الشریفیۃ شرح السراجیۃ، فصل فی الموانع، ص: ۱۶، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۸، مکتبہ غفریہ کوئٹہ)

(۱) ”أما العصبۃ بنفسه، فکل ذکر لا تدخل فی نسبته إلی المیت أنثی، وهم أربعة أصناف: جزء المیت

..... الخ“ (السراجی فی المیراث، باب العصبات، ص: ۱۴، قدیمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشیدیہ) =

ایک بھائی ایک ماں سے ہے اور چار بھائی دوسری ماں سے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ بڑے بھائی کی والدہ کے ترکہ میں وہ بھائی جو دوسری والدہ سے ہیں، وہ اس میں حصہ دار نہیں ہوں گے، اسی طرح چاروں کی والدہ کا ترکہ ان چاروں کو ملے گا، بڑا بھائی جو کہ پہلی بیوی سے ہے وہ اس میں حصہ دار نہیں ہوگا (۲)۔ مگر والد کے ترکہ میں سب ہی برابر کے حصہ دار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/۹/۸۹ھ۔

بیوی کے بیٹے کو مالک بنانے کا وعدہ کیا پھر اس کی اپنی اولاد ہوگئی تو کیا حکم ہے؟

سوال [۱۱۵۳۱]: زید نے اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ایک بیوہ عورت سے نکاح کیا، اس عورت کے پہلے شوہر سے جو دو بچے تھے جو اپنے ساتھ لائی تھی اور زید کی پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہیں تھی، اس لئے زید نے دس آدمیوں کے سامنے یہ وعدہ کیا کہ میری ہر چیز کا مالک یہ لڑکا ہے اور بعد میرے بھی یہی ہوگا، جس کا نام مختار احمد ہے، بعد چھ سات سال کے اس عورت کے لطن سے دو تین بچے ہوئے، مگر ایک لڑکا بقید حیات ہے، جس کا نام محمد فاروق ہے، جب سن بلوغ ہوا تو زید نے یکے بعد دیگرے دونوں لڑکوں کی شادی کر دی، چند سال بعد محمد فاروق اپنے بڑے بھائی مختار احمد سے کہتا ہے کہ تم میرے گھر سے نکل جاؤ، چونکہ یہ مکان میرے باپ کا ہے، یہاں تمہارا کوئی حق نہیں ہے، کیا از روئے شرع مختار احمد کا حق واقعہ نہیں ہے؟ اگر ہے تو کتنا؟ دوسری بات یہ ہے کہ زید اب بہت پریشان ہے کہ میں وعدہ کر چکا ہوں اور میں آج بھی اپنے وعدے پر قائم و دائم ہوں اور شریعت جو فیصلہ کرے گی، اسے مانوں گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے اپنی دوسری بیوی کے ساتھ آئے ہوئے مختار احمد کو اپنی ہر چیز کا مالک بنایا اپنی زندگی میں بھی اور بعد میں بھی، لیکن کوئی چیز اس کو اپنی ملک سے نکال کر دے کر اس پر اس کا جدا گانہ قبضہ نہیں کرایا، تاکہ ہبہ شرعاً کامل اور معتبر ہو جاتا، زید اب بھی زندہ اور اپنی ہر چیز پر قابض ہے، لہذا یہ ہبہ بے کار اور غیر معتبر ہے (۱)، جب

= (و کذا فی الدر المختار مع رد المحتار، فصل فی العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعید)

(۲) مذکورہ دونوں صورتوں میں اسباب ارث میں سے کوئی سبب نہیں پایا جا رہا۔ لہذا ان کو میراث میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا۔

(۱) "وتتم الهبة بالقبض الكامل". (الدر المختار، کتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعید) =

تک زید زندہ ہے، مکان خود زید کا ہے، مختار احمد یا محمد فاروق کا اس پر دعویٰ ملکیت غلط ہے (۱)، زید کے انتقال پر وراثت اس کے لڑکے محمد فاروق کو پہونچے گی، مختار احمد زید کا بیٹا نہیں، اس کو وراثت نہیں پہونچے گی (۲)، زید نے جس وقت دس آدمیوں میں وعدہ کیا تھا، اس وقت زید کے اولاد نہیں تھی، بیوی کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح پرورش کیا اور اسی کے حق میں وعدہ کیا تھا۔

لیکن اپنی اولاد پیدا ہو جانے کی وجہ سے اب اس وعدہ کو پورا کرنے میں اپنی اولاد کی حق تلفی ہے، اس مجبوری کی وجہ سے اگر وہ وعدہ پورا نہ کرے، تو گنہ گار نہیں ہوگا (۳)۔ اگر مختار احمد اور محمد فاروق میں کچھ مصالحت

= "لا یتیم حکم الہیۃ إلا مقبوضۃ ویستوی فیہ الأجنبي والولد إذا کان بالغاً"۔ (الفتاویٰ

العالمگیریۃ، کتاب الہیۃ، الباب الثانی: ۳/۷۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الہدایۃ، کتاب الہیۃ: ۳/۲۸۱، شرکتہ علمیہ)

(۱) "لا یجوز لأحد من المسلمین أخذ مال أحد بلا سبب شرعی"۔ (البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل

فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۳/۶۱، ۶۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الحدود، فصل التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیہ)

(۲) "ویستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء"۔

(الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۷۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مکتبہ غفرانیہ کوئٹہ)

(۳) "إذا کان الولد فی عیال أبیه ومعیناً لہ یكون جمیع ما تحصل من الکسب لأبیہ، وما اشتراه ودفع

ثمنه من مال أبیه إن کان شراؤه لأبیہ بإذنه لا یكون الاختصاص بدون وجه شرعی، بل خاص بالأب، فإن

کان شراؤه لنفسه، ودفع ثمنه من مال أبیه بلا إذنه، یكون خاصاً به وبدل الثمن مضمون للأب"۔

(الفتاویٰ الکاملیۃ، کتاب الشرکۃ، ص: ۵۱، رشیدیہ)

"الأب وابنه یکتسبان فی صنعة، ولم یکن لهما شیء، فالکسب کلہ للأب إن کان الابن فی

عیالہ؛ لکونه معیناً لہ، وألا تری لو غرس شجرة تكون للأب"۔ (رد المحتار، کتاب الشرکۃ، فصل فی

الشرکۃ الفاسدة: ۳/۳۲۵، سعید)

کرادے تو بہتر ہے، ورنہ مختار احمد کے حق میں ایک تہائی کی وصیت کرنے کا زید کو حق حاصل ہے (۱)، جس کو زید کے بعد پورا کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۹ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۳۰ھ۔



= (و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الشرکۃ، الباب الرابع: ۳۲۹/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب الدعوی: ۱/۷۱، مکتبہ امدادیہ کوئٹہ)

(۱) ”تجوز بالثلث“۔ (الدر المختار، کتاب الوصایا: ۶/۶۵۰، سعید)

”ولا تجوز بما زاد علی الثلث إلا أن یجیزہ الورثۃ بعد موتہ وهم کبار“۔ (الفتاویٰ العالمگیریۃ،

کتاب الوصایا: ۶/۹۰، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الوصایا: ۹/۳۱۴، رشیدیہ)

الفصل الخامس في استحقاق الإرث وعدمه

(استحقاق اور عدم استحقاق وراثت کا بیان)

مکان مشترک اور کسب مستقل ہونے کی صورت میں تقسیم میراث کا حکم

سوال [۱۱۵۳۲]: محمد رضا عرف جمن صاحب نے بنارس میں ایک مکان خریدا اور یہیں رہنے لگے، محمد رضا عرف جمن کے دو لڑکے تھے، بڑے کا نام رحمت اللہ اور شمس الدین تھا، محمد رضا صاحب سلامتی کا کام کرتے تھے اور محمد رحمت اللہ نے پہلے کمپونڈری سیکھی اور اس کے بعد حکیمی کرنے لگے تھے، محمد رضا عرف جمن اور رحمت اللہ صاحب دونوں الگ الگ کام کرتے تھے اور روپیہ دونوں دیتے تھے، جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے، بعد میں محمد رضا صاحب نے کام کرنا بند کر دیا، جس کی وجہ سے وہ گھر کے لئے اخراجات نہ دیتے تھے، صرف محمد رحمت اللہ ہی گھر کے تمام اخراجات پورے کرتے تھے اور یہ سب لوگ مل کر آپس میں رہتے تھے، بعدہ رحمت اللہ نے بناری کپڑے کا کام شروع کر دیا اور یہاں سے چھوڑ کر بارہ بنکی چلے گئے اور وہیں سے تجارت کرتے تھے، زوجہ رحمت اللہ (دفاتن) کہا کرتی تھیں کہ محمد رحمت اللہ نے تین بیسی روپیہ اپنے والد محمد رضا سے لیا تھا اور اس کپڑے کا کاروبار شروع کیا اور بعد اپنے والد کا روپیہ واپس کر دیا، جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

بہر حال یہ ظاہر ہے کہ محمد رحمت اللہ صاحب بناری کپڑے کی تجارت کرتے تھے اور وہ بارہ بنکی میں رہتے تھے اور جب موقع ملتا تھا، بنارس بھی آتے تھے، یہاں بنارس میں رحمت اللہ کی اہلیہ دفاتن اور بچے اور ان کے والد محمد رضا اور ان کے چھوٹے بھائی محمد شمس الدین ان کی یہاں سے مدد لیا کرتے تھے، وہ اس طرح کہ رحمت اللہ صاحب جو کپڑا وغیرہ یہاں بنارس میں بننے کا آرڈر دیا کرتے تھے تو اس کو یہاں سے بارہ بنکی یا جہاں رحمت اللہ کہتے تھے پارسل کر دیا کرتے تھے اور کوئی کام جو رحمت اللہ کہتے تھے وہ یہاں کر دیا کرتے تھے، محمد رحمت اللہ نے اپنے روپیہ سے یہاں بنارس میں ایک مکان اپنے نام اور ایک بڑے لڑکے کے نام سے خریدا اور ایک مکان بارہ بنکی میں اپنے چھوٹے لڑکے کے نام سے خریدا، یہ سب مکان اپنے والد کی زندگی میں خریدے، اس

کے بعد رحمت اللہ کے والد محمد رضا کا انتقال ہو گیا، لیکن کاروبار حسب دستور چلتا رہا، محمد رحمت اللہ وہاں سے روپیہ بھیجتے رہے اور یہاں پر سب اکٹھا کھاتے پیتے رہے۔

کچھ سال بعد محمد رحمت اللہ نے بارہ بنکی میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہیں اور اپنے دو لڑکے محمد حسین، محمد قاسم اور ایک لڑکی بصیرت اور اپنی زوجہ دفاتن اور گہنہ جات اور کچھ روپیہ چھوڑا، اب چونکہ شمس الدین گھر میں سب سے بڑے تھے، اس لئے وہ گھر کے سب کاروبار دیکھنے لگے اور یہاں سے بارہ بنکی چلے گئے تاکہ وہاں کا کاروبار دیکھیں، محمد شمس الدین نے رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے گہنہ جات وصول کر کے کچھ مکان اور جائیداد اپنے نام سے خریدی اور کچھ دنوں میں بارہ بنکی کا کاروبار ختم ہو گیا اور شمس الدین صاحب یہاں بنارس چلے آئے، یہاں آکر کچھ دنوں شمس الدین اور دونوں لڑکے اپنا الگ الگ کھانے پینے لگے، اب سوال یہ ہے کہ جائیداد کس کس کی مانی جائے گی؟ رحمت اللہ کی یا شمس الدین صاحب کی یا محمد رضا عرف جمن کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو مکان محمد رضا عرف جمن نے بنارس میں خریدا وہ ان کا ترکہ ہے، ورثہ میں شرعی حصوں کے موافق تقسیم ہوگا (۱)، محمد رضا اور محمد رحمت اللہ کا بنارس میں کام الگ الگ تھا، کمائی ہر ایک کی مستقل تھی (مشتکہ نہیں تھی)، البتہ گھر کا خرچہ مشترک چلاتے تھے، اس کمائی کے دونوں جداگانہ مالک تھے (۲)، پھر محمد رضا نے کام بند کر کے کمائی کا سلسلہ ختم کر دیا، صرف محمد رحمت اللہ کماتے اور سب خرچ برداشت کرتے رہے، پھر محمد رحمت اللہ

(۱) ”لا شک أن أعيان الأموال يجري فيها الإرث“۔ (البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۴/۹، رشیدیہ)

”أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم“۔ (شرح المجلة،

لخالد الأتاسي، کتاب الشراكة، المادة: ۱۰۹۲: ۳/۳۱، رشیدیہ)

(و کذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب الفرائض: ۴۹۷/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۲) ”سئل في ابن كبير ذي زوجة و عيال له كسب مستقل حصل بسببه أموالاً ومات، هل هي لوالده

خاصة أم تقسم بين ورثته؟ أجاب هي للابن تقسم بين ورثته على فرائض الله تعالى، حيث كان له كسب

مستقل بنفسه“۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية، کتاب الدعوى: ۱۷۷/۲، مکتبہ إمدادیہ کوئٹہ)

(و کذا في الفتاوى الخيرية على هامش تنقيح الفتاوى الحامدية، کتاب الدعوى: ۹۲/۲، مکتبہ إمدادیہ کوئٹہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب الشراكة، فصل في الشراكة الفاسدة: ۳۲۵/۴، سعید)

نے بارہ بنکی میں کام شروع کیا اور بقول زوجہ محمد رحمت اللہ نے جو روپیہ والد سے قرض لیا تھا وہ واپس کر دیا، محمد رضا کی آمدنی پہلے ہی ختم ہو چکی تھی، ان کے پاس روپیہ نہیں تھا ان کا خرچ ہی محمد رحمت اللہ کے روپیہ سے پورا ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ ان حالات میں بارہ بنکی کے کام میں محمد رحمت اللہ ہی کا روپیہ لگایا، اس سے ترقی ہوئی اور اس سے بنارس کے اخراجات پورے ہوئے۔

محمد شمس الدین نے جو مدد کی، وہ روپیہ لگا کر نہیں، بلکہ آرڈر بھیجنے پر مال تیار کرانے میں مدد کی تو وہ محض معین کی حیثیت میں رہے، روپیہ نہیں لگایا، اس لئے بنارس و بارہ بنکی میں محمد رحمت اللہ نے جو تین مکان خریدے ہیں، وہ نہ محمد رضا کے ہیں نہ محمد شمس الدین کے ہیں، بلکہ محمد رحمت اللہ کے ہیں، محمد رضا کے انتقال پر ان کے بنارس والے مکان پر سب ورثہ کا حصہ ہوگا، محمد رحمت اللہ کے انتقال پر ان کے خریدے ہوئے تینوں مکانوں میں ان کے ورثاء ایک بیوی دولڑکے ایک لڑکی کا حصہ ہوگا (۱)، شمس الدین کا حصہ نہیں ہوگا (۲)، محمد شمس الدین نے جو محمد رحمت اللہ کے چھوڑے ہوئے روپیہ وغیرہ سے جو کچھ مکان وغیرہ اپنے نام خریدا ہے، یہ ان کو حق نہیں تھا، وہ اس کے مالک نہیں، ان کو لازم ہے کہ یہ سب محمد رحمت اللہ کی بیوی اور اولاد کو دے دیں (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۱۱/۶/۹۱ھ۔

(۱) راجع رقم الحاشیہ: ۱، ص: ۵۴۳

(۲) ”الأقرب فالأقرب یرجحون بقرب الدرجة، أعني أولهم بالمیراث جزء الميت أي: البنون، ثم بنوهم..... ثم أصله أي: الأب..... ثم جزء أبيه أي: الإخوة، ثم بنوهم“۔ (السراجی، باب العصبات، ص: ۱۴، قدیمی)

”وعصبه أي: من يأخذ الكل أي: إذا انفرد والأحق الابن، ثم ابنه..... ثم الأخ لأب وأم“۔

(البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۸۱، رشیدیہ)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۲/۴۵۲، رشیدیہ)

(۳) ”وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: مادام قائماً، لقوله عليه السلام: ”على اليد ما أخذت حتى ترد“۔ وقال عليه السلام: ”لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لاعباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرده“۔ (الهداية، کتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبة شرکت علمیه ملتان) =

والد کے انتقال کے بعد مکان والدہ کے نام ہونے کی صورت میں تقسیم میراث کا حکم

سوال [۱۱۵۳۳]: میرے والد صاحب کا انتقال ہو گیا تو والدہ صاحبہ نے دوسرا نکاح کیا دوسرے شوہر سے ایک لڑکی موجود ہے اور دو بہنیں بھائی ہم ہیں، اب دوسرے شوہر کا بھی انتقال ہو گیا اور تحصیل میں والدہ صاحبہ کا نام چڑھ گیا، اب انہوں نے زمین اور گھر میرے نام سے بیع نامہ کر دیا ہے، میں اب دونوں چیزوں کا مالک ہو گیا، میں نے اس زمین سے دوسری زمین کا تبادلہ کیا تو میں نے اس کے نام بیع نامہ کیا اور اس کی زمین اپنی لڑکیوں کے نام بیع نامہ کیا، میں نے جائز کیا یا ناجائز؟ اب آپ کی خدمت میں چوتھا فتویٰ بھیج رہا ہوں، مگر میں اس سے پہلے فتوے کے جواب کا منتظر ہوں۔ اب اللہ کی ذات سے امید ہے کہ جواب ضرور ملے گا، لیکن جب والدہ صاحبہ نے جو زمین اور گھر میرے نام کیا تھا تو اس میں جو کچھ خرچ ہوا تھا وہ میں نے ہی کیا، کسی دوسرے کا نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ نے یہ نہیں لکھا کہ والدہ صاحبہ کا نام تحصیل میں کس حیثیت سے چڑھ گیا ہے؟ کیا والد صاحب مرحوم نے ان کے نام بیع نامہ بعوض مہربہ نامہ کر کے اس کا قبضہ کرا دیا تھا، اس وجہ سے ان کا نام سرکاری کاغذات میں بیع نامہ درج کیا گیا یا حکومت کا قانون یہ ہے کہ جو زمین کسی شخص کے پاس حکومت کی طرف سے ہو، اس کے انتقال پر وہ زمین اس کی اہلیہ کو ملے گی؟ (۱) پھر والدہ نے آپ کے نام بیع نامہ کر دیا، تو آپ اس بیع نامہ کی رو

= (و کذا فی تبیین الحقائق، کتاب الغصب: ۳۱۵/۶، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

(و کذا فی ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، کتاب الغصب: ۷۸/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) اگر والد صاحب نے یہ مکان بطور مہر کے قبضہ کرا کر دیا ہے تو یہ والدہ کی ملک ہے، اس لئے کہ مہر بیوی کا حق ہے اور اگر حکومت نے دی ہے تو پھر بھی والدہ کی ملک ہے، اس لئے کہ جائز امور میں حکومت وقت کی پابندی ضروری ہے، لہذا اس کا آگے فروخت کرنا درست ہے۔

”(أمر السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع وإلا فلا) أي: يتبع ولا تجوز مخالفته“۔ (الدر المختار

مع رد المحتار، کتاب القضاء، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعید)

(و کذا فی شرح الحموي على الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة، تصرف الإمام على الرعية منوط

بالمصلحة: ۳۳۲/۱، إدارة القرآن کراچی)

سے مالک ہو گئے (۱)، آپ کو اس کا بھی اختیار ہے کہ جس کے نام چاہیں بیع کر دیں یا تبادلہ کر لیں، اگر ایسی صورت نہیں ہے، بلکہ زمین اور گھر کے والد صاحب مالک تھے اور کسی غلطی سے والدہ کا نام چڑھ گیا، تو پھر وہ والد مرحوم کا ترکہ ہے (۲)۔

آپ بھی اس میں حق دار ہیں، تنہا آپ مالک نہیں، آٹھواں حصہ آپ کی والدہ کا ہے، بقیہ میں سے دوہرا آپ کا، اکہرا آپ کی بہنوں کا ہے، یعنی ۲۴ حصہ بنا کر تین حصے والدہ کے ہیں، سات بہن کے، ۱۴ آپ کے (۳) اگر والدہ نے اپنا حصہ آپ کے ہاتھ بیع کر دیا تو آپ اس کے مالک ہو گئے (۴)، بہن نے بھی اگر آپ کو دے دیا تو اس کے بھی مالک ہو گئے اور مذکورہ تصرف بھی آپ کا درست ہو گیا (۵)، والدہ سے پیدا شدہ

(۱) ”وأما حكمه فثبت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب البیوع، الباب الأول: ۳/۳، رشیدیہ)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب البیع: ۴۳۲/۵، رشیدیہ)

(و کذا في بدائع الصنائع، کتاب البیوع، حکم البیع: ۴۸۲/۴، رشیدیہ)

(۲) ”لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“۔ (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(و کذا في حاشية السراجي، ص: ۲، قدیمی)

(۳) تقسیم کا نقشہ ملاحظہ ہو:

۸، تصد ۲۴

بیوی	بیٹا	$\frac{۷}{۲۱}$	بیٹی
$\frac{۱}{۳}$	۱۴		۷

(۴) راجع رقم الحاشیة: ۱

(۵) ”ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء“۔ (شرح المجلة، کتاب الشركة، الفصل الثامن: ۶۴۳/۱، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

(و کذا في رد المحتار، کتاب البیوع، مطلب في تعريف المال الخ: ۵۰۲/۴، سعید)

دوسرے شوہر سے جوڑ کی موجود ہے، اس صورت میں وہ حق دار نہیں (۷)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۷/۱۳۹۹ھ۔

فساد میں مرنے والے کے خون کا ملنے والا معاوضہ کس کا حق ہے؟

سوال [۱۱۵۳۴]: ۳۱/مارچ ۷۵ء کو مالِ گاؤں میں فساد ہوا، فساد میں پولیس کی گولی سے مرنے والوں میں ایک شخص امام الدین ولد نجم الدین بھی تھا، مذکورہ شخص کے پسماندگان میں ایک بیوی، ماں باپ اور دو بھائی، دو بہنیں ہیں، جن میں سے ایک بہن شادی شدہ ہے، جو اپنے شوہر کے ساتھ رہتی ہے، بقیہ تمام لوگ ایک ہی مکان میں مشترکہ خاندان کے طور پر زندگی گزارتے ہیں، مرنے والے فرد کے مکان میں کل نو افراد رہتے ہیں، جس وقت امام الدین کی موت واقع ہوئی تو اس وقت اس کی بیوی حاملہ تھی، حادثہ وفات کے تین ماہ بعد لڑکا تولد ہوا، اس حادثہ کے کچھ عرصے بعد حکومت کی طرف سے بطور امداد مبلغ ۵۵۰۰/۰ روپے ملا، مرحوم کے بھائی بہنوں میں ایک بھائی اور ایک بہن شادی شدہ ہے اور ایک بھائی اور ایک بہن کی شادی کرنی ہے، لہذا اس رقم کا حق دار کون ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حکومت کی طرف سے کسی کو متعین کر کے وہ روپیہ نہیں دیا گیا، بلکہ معاوضہ خون دیا گیا ہے تو فساد میں پولیس کی گولیوں سے مرنے والے کے ورثہ کو شرعی وراثت کے طور پر تقسیم ہوگا، پس اگر اس کے ایک لڑکا اور بیوی ہے، اولاد کوئی اور نہیں تو آٹھواں حصہ بیوی کو ملے گا، بقیہ لڑکے کو ملے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۹۶ھ۔

= (و کذا فی شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲: ۱/۶۵۴، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

(۷) ”و یستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“.

(الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۲۲، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(۱) سوال میں چونکہ ماں باپ کا بھی ذکر ہے، اس لئے تقسیم اس طرح ہوگی: =

ماں کے ساتھ رنجش کی صورت میں بیٹے کا مستحق میراث ہونا

سوال [۱۱۵۳۵]: خلاصہ سوال یہ ہے کہ ہندہ زید کی والدہ ہے، بہو اور ساس کی رنجش کی وجہ سے ہندہ اپنے لڑکے یعنی زید کو پورے مکان سے ہی بے دخل کرنا چاہتی ہے، جب کہ تقریباً بیس سال تک زید نے والدہ کی خدمت کی، گھر کے سب عزیزوں کا یہی مشورہ ہے کہ سب گھر کے لوگ ہمدردی اور محبت سے رہیں، دراصل ہندہ اپنے داماد کے کہنے پر اپنے لڑکے زید سے برگشتہ رہتی ہے، اس سلسلے میں احکام شرع کی روشنی میں دونوں کے حق میں فیصلہ صادر کریں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

گھر کے عزیزوں اور بزرگوں کا مشورہ نہایت مناسب ہے، شریفانہ و ہمدردانہ مشورہ ہے، شریعت کے بھی موافق ہے، اہل دانش کے رواج کے بھی موافق ہے، ماں کو لازم ہے کہ داماد یا کسی کے بھی اکسانے سے مشتعل نہ ہو، سب گھر کی بزرگ اور سرپرست ہو کر مربیانہ طریقہ سے شفقت و ہمدردی کے ساتھ اس خدمت گزار و حق شناس بیٹے کے ساتھ رہے، بیٹا بہو اور ان کی اولاد سب خدمت کریں گے، راحت پہونچائیں گے، ان کو بھی راحت ہوگی۔

یکجہتی و اتفاق کی برکات بھی حاصل ہوں گی، لڑکا والد کے ترکہ سے وراثت کا ضرور حق دار ہے (۱)،

مسئلہ ۲۴ =

بیوی	ماں	باپ	بیٹا
۳	۴	۴	۱۳

یعنی کل جائیداد کے ۲۴ حصے بنا کر بیوی کو ۳، ماں باپ کو ۴، ۴ اور بقیہ ۱۳ حصے بیٹے کو ملیں گے۔

قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

قال الله تعالى: ﴿وَلَأَبْوَاهُ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ﴾ (النساء: ۱۱)

”العصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض، وإذا انفرد

أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۶/۴۵۱، رشیدیہ)

(وكذا في الدر المختار مع رد المحتار، العصبات: ۶/۷۷۳، ۷۷۴، سعید)

(۱) ”ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء“۔ =

ماں فقط آٹھویں حصہ کی حق دار ہے (۱)، پورے مکان کی حق دار نہیں، لڑکے کو پورے مکان سے بے دخل نہیں کر سکتی، اپنے مہر کی بھی حق دار ہے (۲)۔ بہر حال جو طریقہ ماں اختیار کرنا چاہتی ہے، اس کو اختیار نہیں کرنا چاہیے، اس کا بھی خیال کرے کہ بیس سال کی مدت تک بیٹے نے حق ادا کیا ہے، اب اس سے رنجش کر کے تعلق کو ناخوشگوار بنالینا کس قدر غلط اور نازیبا کام ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔

وارث کا پتہ معلوم نہ ہو، تو اس کے حصہ کا کیا کیا جائے؟

سوال [۱۱۵۳۶]: عمر کے پاس اس کے چچا کی صندوقچی ہے، چچا کے صاحبزادے کلکتہ میں اور صاحبزادی غیر ملک میں تھیں کہ ان کا انتقال ہو گیا، شرعی حصہ چچا کی صاحبزادی کے پاس منی آرڈر کیا، وہ واپس آ گیا، پھر خط لکھا کہ حصہ لے لیں یا معاف کر دیں، تو کوئی جواب موصول نہیں ہوا، صاحبزادی کے شوہر و بچوں کا پتہ دریافت کیا، مگر ناکامی رہی، اس صندوقچی کی قیمت تخمیناً لگا کر عمر نے صدقہ کر دیا، اب عمر مذکورہ صندوقچی کے متعلق کیا کرے؟ شرعی حکم سے مطلع فرمائیں۔

= (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴، رشیدیہ)

(و کذا فی الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۲، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۳/۴۹۵، مکتبہ غفراریہ کوئٹہ)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

”وللزوجة الربع عند عدمهما، والثلث مع أحدهما“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض،

الباب الثاني: ۶/۴۵۰، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۴۷۳، رشیدیہ)

(۲) ”المسمى دين في ذمته وقد تأكد بالموت، فيقضى من تركته“۔ (الهداية، باب المهر: ۲/۳۳۷،

شرکت علمیہ ملتان)

”والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين“۔

(الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب النکاح، الباب السابع، الفصل الثاني: ۱/۳۰۳، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی صندوق کی قیمت تخمیناً کرا کے صدقہ کرنا قبل از وقت ہے، صندوقی محفوظ رکھیں، جب ورثاء مالک کی زندگی سے مایوس ہو جائیں، تب صدقہ کر دیں (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۶/۹۲ھ۔

مشترک زمین میں تقسیم کے بعد امرود کے درخت کا مالک کون ہے؟

سوال [۱۱۵۳]: ایک مکان موروثی دو سگے بھائیوں کے درمیان تقسیم ہوا، مثلاً: زید اور بکر کے درمیان اس تقسیم سے پہلے زید نے مکان مذکور میں ایک درخت امرود کا اپنے شوق سے لگایا، اس کی پرورش کی، وہ بڑا ہو کر پھل لایا، لیکن جب تقسیم ہوئی تو وہ درخت بکر کے حصہ میں چلا گیا، اب وہ درخت مع جڑ کے بکر کی زمین میں ہے اور درخت کی کچھ شاخیں دیوار اٹھنے کے باوجود زید کے حصہ میں لٹک رہی ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ شرعاً وہ درخت کس کا ہے؟ اس کا کون مالک ہے، جو حصہ بکر کی طرف لٹک رہا ہے، کیا اس کے پھل کا بکر مالک ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

باہمی مصالحت سے یا سرکاری تقسیم سے جب وہ امرود کا درخت دوسرے بھائی کے حصہ میں آ گیا اور اس تقسیم پر دونوں رضا مند ہو گئے تو اب وہ اس کا ہے، جس کے حصہ میں آ گیا اور اس کی ان شاخوں سے بھی امرود

(۱) ”غاب رب الودیعة ولا یدری اھو حی أم میت، یمسکھا حتی یعلم موتہ، ولا یتصدق بہا خلاف الودیعة“۔ (رد المحتار، کتاب الإیذاء: ۵/۶۷۶، سعید)

”رجل غاب وجعل دارہ فی ید رجل لیعمرھا، أو دفع مالہ لیحفظہ، وفقد الدافع، فلہ أن یحفظہ، ولیس لہ أن یعمر الدار إلا بإذن الحاکم؛ لأنه لعلہ مات، ولا یكون الرجل وصیاً اھد أي: فالتصرف حینئذ للورثة لا لہ“۔ (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، کتاب المفقود: ۵۰۸/۲، دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی الفتاوی التاتاریخانیة، کتاب المفقود، الفصل الثالث فی الخصومة فی المیراث وفي ورثة المفقود: ۵/۶۱۹، إدارة القرآن کراچی)

توڑنا درست نہیں، جو لگانے والے کے مکان کی طرف ہیں، الا یہ کہ وہ بھی رضا مند ہو (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۸۷ھ۔

بھائیوں کی کمائی میں بہنوں کے حصے کا حکم

سوال [۱۱۵۳۸]: آپس کی نا اتفاقی سے بھائیوں میں بٹوارہ ہوا، جو مکانات والد صاحب کے پیدا کردہ اراضی ہم لوگوں کی پیدا کردہ مکانات وزمین کی کل مالیت تخمیناً ۲۴۰۰۰/ لگائی گئی ہے، آپ بتلائیں کہ ۲۴۰۰۰/ ہزار میں بہنوں کو حصہ ملے گا یا ۱۰۰۰۰/ ہزار کم کر کے ۱۴۰۰۰/ ہزار والدین کی وصیت کے بعد، اگر کوئی لڑکا والدین کی وصیت کو ٹھکراتا ہے، تو اس کے لئے کیا ہونا چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو چیز والدین کا ترکہ ہے، اس میں وہ میراث کی مستحق ہیں، اس میں ان کا حصہ ملے گا (۲)، موجودہ بھائیوں نے جو کچھ پیدا کیا ہے اور کمایا ہے، اس میں بہنوں کا حصہ نہیں ہے (۳) جو وصیت واجب العمل ہو اس کو پورا نہ کرنا حق تلفی اور گناہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۲/۴/۸۷ھ۔

(۱) ”قوم اقتسموا ضیعة فاصاب بعضهم بستان و کرم و بیوت، و کتبوا فی القسمة بکل حق هو له اولم یکتبوا، فله ما فیہا من الشجر و البناء“۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب القسمة، فصل فیما یدخل فی القسمة: ۱۵۱/۳، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب القسمة، الباب الرابع: ۲۱۵/۵، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ الوالوجیہ، کتاب القسمة، الفصل الثانی: ۳۱۲/۳، مکتبہ فاروقیہ پشاور)

(۲) ”و یتحق الإرث برحم و نکاح و ولاء“۔ (الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶۲/۶، سعید)

”و یتحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب و هو القرابة، و السبب و هو الزوجية،

و الولاء“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴۹۵/۴، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۳) ”اعلم أن أسباب الملك ثلاثة: ناقل کبیع و هبة، و خلافة کبارث، و إصالة و هو الاستیلاء“۔

(الدر المختار، کتاب الصيد: ۴۶۳/۶، سعید)

کسی کا متبنی بننے سے حق وراثت ساقط نہیں ہوتا

سوال [۱۱۵۳]: شیخ بندگی مرحوم کے دو فرزند محمد درویش علی مرحوم اور احمد علی مرحوم تھے، محمد درویش مرحوم کے چار فرزند بالترتیب، ۱- محمد عباس، ۲- محمد معین الدین، ۳- محمد بشیر الدین، ۴- محمد نذیر الدین ہوئے، لیکن احمد علی صاحب زمانہ دراز تک لا ولد رہے اور آخر کار احمد علی صاحب نے اپنے سگے بھائی محمد درویش علی صاحب کے چھوٹے فرزند محمد نذیر الدین کو اپنا متبنی بنالیا، محمد نذیر الدین کو متبنی بنانے کے بعد احمد علی صاحب مرحوم کے دو لڑکے خولجہ معین الدین اور محمد جمال الدین پیدا ہوئے، لیکن احمد علی مرحوم نے اپنے متبنی بیٹے کو بھی بذریعہ وصیت اپنی جائیداد میں سے حصہ دیا۔

احمد علی مرحوم کے انتقال کے تقریباً بیس سال بعد جب کہ خولجہ معین الدین اور محمد جمال الدین بالغ ہو چکے، احمد علی مرحوم کی جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ کی تقسیم بر مفاد خوشی ہر دو صاحبزادگان (یعنی خولجہ معین الدین و جمال الدین) عمل میں آئی اور محمد نذیر الدین کو بھی حصہ دیا گیا، جس حصہ پر محمد نذیر الدین آج پچھلے بارہ سال سے قابض اور مستفید ہے اور جس کے بارے میں ہر دو صاحبزادگان احمد علی مرحوم مسمیان خولجہ معین الدین اور محمد جمال الدین نے کبھی بھی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا، محمد درویش علی صاحب کے انتقال کے بعد ان کی جائیداد مکسوبہ و موروثی، منقولہ وغیرہ منقولہ صرف تین بڑے بھائیوں یعنی محمد عباس و معین الدین اور محمد بشیر الدین کے درمیان تقسیم کی گئی، جس پر محمد نذیر الدین نے اعتراض کیا اور گاؤں کے پنچوں کے ذریعہ انصاف کروانے کی کوشش کی، لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوئی اور ہر سہ حقیقی برادرگان نے محمد نذیر الدین کو حصہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس درمیان میں ہر سہ برادرگان کو قائل کرنے کی کوشش جاری رہی، لیکن افسوس ان بھائیوں نے ایک نہ سنی اور یہ کہہ کر کہ تم کو کوئی حصہ نہیں مل سکتا، محمد نذیر الدین کو محروم کر دیا۔

اب محمد نذیر الدین کی علماء سے یہ درخواست ہے کہ وہ اس بارے میں فتویٰ دیں کہ آیا چونکہ محمد نذیر الدین کو احمد علی صاحب نے اپنا متبنی بنایا اور اپنی جائیداد میں سے حصہ دلوا یا، اس لئے محمد نذیر الدین اپنے والد محمد

= "لا يجوز لأحد أن يأخذ مال أحد بلا سبب شرعي". (شرح المجلة لخالد الأتاسي، المادة:

درویش علی مرحوم کی جائیداد منقولہ وغیرہ منقولہ میں حصہ لینے سے محروم کر دیا جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

محمد نذیر الدین کو اگر احمد علی صاحب مرحوم نے متبنی بنالیا اور بذریعہ وصیت کچھ ان کو دے دیا تو اس کی وجہ سے وہ اپنے حقیقی والد محمد درویش علی کے ترکہ سے محروم نہیں ہوں گے (۱)، بلکہ اپنے تینوں بھائیوں محمد عباس، محمد معین الدین، محمد بشیر الدین کی طرح برابر کے وارث اور حصہ دار ہوں گے، بھائیوں کو لازم ہے کہ ان کو بھی پورا حصہ دیں، گاؤں کے بچوں کو چاہیے کہ مستحق کو اس کا حصہ دلوائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۵/۲/۹۲ھ۔

مشترکہ جائیداد کی ایک صورت کا حکم

سوال [۱۱۵۴۰]: والد کی معزولی سے پہلے زید نے پرانی گاڑی کی خرید و فروخت کی دلالی (کمیشن) اور ٹرانسپورٹ آفس کی ایجنسی سے کچھ روپیہ کمایا، زید اس رقم سے، پرانی گاڑی خرید کر مرمت کر کے فروخت کرنے کا دھندا بہت دنوں تک کرتا رہا، ایک کار کو جو فروخت نہیں ہو سکی ذاتی استعمال میں رکھا، مالی حالات خراب ہونے پر کار بے مرمت ہو گئی اور بند پڑی رہی، والد کے معزول ہو جانے پر زید نے مذکورہ گاڑی اور پرانے پارٹ پرزے کو ساڑھے انیس سو روپیہ میں فروخت کر کے اور بتیس سو روپیہ دوستوں اور ساڑھے بائیس سو روپیہ گورنمنٹ سے قرض لے کر ایک چھوٹا موٹا کارخانہ کا آغاز کیا جس سے ترقی ہوئی، صورت مسئلہ یہ ہے کہ ساڑھے انیس سو روپیہ کی حیثیت موروثی کہلائے گی یا غیر موروثی؟

۲..... زید، عمر، بکر، خالد، والد کی معزولی کے چار سال بعد اپنے بھائی رحمن، رحیم، کریم کی ضروریات

(۱) ”وَيَسْتَحِقُّ الْإِرْثَ بِرَحْمٍ وَنِكَاحٍ وَوَلَاءٍ“۔ (الدر المختار، کتاب الفرائض: ۶/۷۲، سعید)

”وَيَسْتَحِقُّ الْإِرْثَ بِإِحْدَى خِصَالٍ ثَلَاثٍ بِالنَّسَبِ وَهُوَ الْقَرَابَةُ، وَالسَّبَبِ وَهُوَ الزَّوْجِيَّةُ،

وَالْوَلَاءُ“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۷، رشیدیہ)

”الْإِرْثُ جَبْرِي لَا يَسْقُطُ بِالْإِسْقَاطِ“۔ (تکملہ رد المحتار، کتاب الدعوی: ۱/۵۰۵، سعید)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۹۵، مکتبہ غفرانیہ کوئٹہ)

زندگی اور تعلیم کے حصول کا بار برداشت کرتے رہے، زید، عمر، بکر، خالد نے والد کی معزولی کے چار سال بعد اپنی جدوجہد سے زمین خریدی، ایک مکان کی تعمیر کے ٹیکس میں تخفیف کی خاطر مذکورہ بالا زمین کی خریداری اور مکان کی تعمیر والد کے نام کر دیا اور والد ہی کی زندگی میں بکر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ دو مسئلے دریافت طلب ہیں:

الف..... بکر محنت و جدوجہد سے جائیداد کے حصول میں رہا، اس صورت میں ان کی اولاد محبوب کہلائے گی یا غیر محبوب؟

ب..... ٹیکس میں تخفیف کے تحت زید، عمر، بکر، خالد نے زمین و مکان کی تعمیر اپنے ناموں کے بجائے والد کے نام کیا، اب وہ مکان موروثی کہلائے گا یا غیر موروثی؟

۳..... والد نے اپنی کمائی سے ایک مکان والدہ کے نام سے بنوایا، والدین کی حیات میں زید، عمر، خالد نے ضروریات کے پیش نظر مکان کے مغربی حصہ میں برآمدہ کی نئی تعمیر کی، والدین کے وصال کے بعد جب یہ مکان ناکافی ہوا، تو زید، عمر، خالد نے اپنی کمائی سے اسی مکان پر بالائی مکان تعمیر کرایا اور اس پر قابض و دخیل ہیں، دریافت طلب یہ ہے کہ برآمدہ اور بالائی منزل کی تعمیر کی حیثیت کیا ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید اور زید کے بھائیوں کے پاس جو کچھ روپیہ اور کاروبار تھا، وہ اصلاً والد کا تھا، والد نے ابتدا کی اور ان سب نے ان کے ساتھ تعاون کر کے کاروبار کو بڑھایا، والد کمزور ہوتے گئے کام میں حصہ کم لیتے گئے، یہ لوگ بڑھتے گئے کاروبار ترقی کرتا گیا اور والد نے ان کے کسی تصرف کو نہیں روکا تو اس صورت میں وہ سب کاروبار روپیہ اور انیس سو روپیہ والد کا تھا، جس لڑکے نے جو کچھ خرچ کیا، وہ والد کا روپیہ خرچ کیا، والد نے اپنی زندگی میں کسی سے کوئی محاسبہ مطالبہ نہیں کیا (۱)، والد کے انتقال پر جو کچھ باقی رہا، وہ سب والد مرحوم کا ترکہ

(۱) "إذا كان الولد في عيال أبيه ومعيناً له يكون جميع ما تحصل من الكسب لأبيه، وما اشتراه ودفع ثمنه من مال أبيه إن كان شراؤه لأبيه بإذنه، لا يكون الاختصاص بدون وجه شرعي، بل خاص بالأب، فإن كان شراؤه لنفسه ودفع ثمنه من مال أبيه بلا إذنه يكون خاصاً به وبدل الثمن مضمون للأب". (الفتاویٰ الکاملیۃ، کتاب الشریکۃ، ص: ۵۱، رشیدیہ)

"الأب وابنه يكتسبان في صنعة، ولم يكن لهما شيء، فالكسب كله للأب إن كان الابن في عياله؛ لكونه معيناً له، وألا ترى لو غرس شجرة تكون للأب". (رد المحتار، کتاب الشریکۃ، فصل في =

ہے (۱)، سب ورثاء اس میں حصہ دار ہیں، شرعی طریق پر میراث کے مستحق ہیں (۲)۔

۱..... والد کی زندگی میں فروخت کر کے ساڑھے انیس سو روپیہ میں دوستوں وغیرہ سے روپیہ لے کر جو کچھ ملا کر کام کر لیا، اب اس روپیہ کے مطالبہ کا کسی وارث کو حق نہیں (۳)۔

۲..... اصل روپیہ والد کا تھا، اسی میں جدوجہد کی اور لڑکوں نے کما کر جو کچھ والد کے نام پر خریدا وہ سب والد کا ہے (۴)۔

الف..... والد کے روپیہ کا روبار کے علاوہ بکرنے اگر کوئی اور ملازمت تجارت زراعت وغیرہ سے

= الشریکۃ الفاسدۃ: ۳۲۵/۴، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الشریکۃ، الباب الرابع: ۳۲۹/۲، رشیدیہ)

(و کذا فی تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب الدعوی: ۱/۱، مکتبہ إمدادیہ کوئٹہ)

(۱) ”لأن التركة في الاصطلاح ما تركه الميت من الأموال صافيا عن تعلق حق الغير بعین من الأموال“ (رد المحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۶، سعید)

(و کذا فی دلیل الوارث علی هامش السراجی فی المیراث، ص: ۲، قدیمی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(۲) ”أن أعيان المتوفى المتروكة مشتركة بين الورثة على حسب حصصهم“ (شرح المجلة لخالد

الأتاسی، کتاب الشریکۃ، المادة: ۱۱۹۲: ۳۱/۴، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۴/۹، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح الحموی علی الأشباه والنظائر، الفن الثاني، کتاب الفرائض: ۴۹۷/۲، إدارة القرآن کراچی)

(۳) ”سئل: فی ابن کبیر ذی زوجة و عیال له کسب مستقل حصل بسببه أموالاً ومات، هل هی لوالده

خاصة أم تقسم بین ورثته؟ أجاب: هی للابن تقسم بین ورثته علی فرائض الله تعالیٰ، حیث کان له کسب

مستقل بنفسه“ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب الدعوی: ۱/۲، مکتبہ إمدادیہ کوئٹہ)

(و کذا فی الفتاویٰ الخیریۃ علی هامش تنقیح الفتاویٰ الحامدیۃ، کتاب الدعوی: ۹۲/۲، إمدادیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الشریکۃ، فصل فی الشریکۃ الفاسدۃ، مطلب اجتماع فی دار واحدة واکتسابا

..... الخ: ۳۲۵/۴، سعید)

(۴) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۵۵۳

روپیہ حاصل کیا ہو، تو وہ بکر کا ترکہ ہوگا (۱)۔ اور اس کی اولاد حق دار ہوگی (۲)۔

ب..... یہ جائیداد بھی اگر اس روپیہ سے خریدی گئی جو والد کے کاروبار کا تھا، جس کو لڑکوں نے ترقی دی تھی تو یہ بھی لڑکوں کی ملکیت نہیں، بلکہ والد کی ملک ہے (۳)۔

۳..... والد نے اگر تعمیر کرا کے اپنی اہلیہ کو وہ مکان دے دیا اور ان کا قبضہ کرادیا تو وہ اہلیہ کی ملک ہوگا (۴) وہ والد کا ترکہ نہیں (۵)، پھر اگر لڑکوں نے اس کی تعمیر میں اضافہ کیا، بالائی کمرے بنوائے اور کوئی معاملہ طے نہیں کیا تو والدہ کی صواب دید پر ہے، وہ چاہیں تو لڑکوں کو دے دیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۰/۹۹ھ۔



(۱) راجع رقم الحاشیة: ۳، ص: ۵۵۵

(۲) راجع رقم الحاشیة: ۲، ص: ۵۵۵

(۳) راجع رقم الحاشیة: ۱، ص: ۵۵۴

(۴) ”وتتم الهبة بالقبض الكامل“۔ (الدر المختار، کتاب الهبة: ۵/۶۹۰، سعید)

”لا يتم حكم الهبة إلا مقبوضة ويستوي فيه الأجنبي والولد إذا كان بالغاً“۔ (الفتاویٰ

العالمکیریة، کتاب الهبة، الباب الثانی: ۳/۳۷۷، رشیدیہ)

(و کذا فی الهدایة، کتاب الهبة: ۳/۲۸۱، شركة علمیه)

(۵) راجع رقم الحاشیة: ۲، ص: ۵۵۵

الفصل السادس في موانع الإرث (موانع ارث کا بیان)

اہل اسلام کے حق میں اختلاف دارین مانع ارث نہیں

سوال [۱۱۵۴۱]: زید ہندوستان کا شہری تھا، اس کے دو بیٹوں میں سے ایک پاکستان چلا گیا اور وہاں باضابطہ شہری بن گیا، دوسرا ہندوستان میں موجود ہے، زید کا ہندوستان ہی میں انتقال ہو گیا تو اس کے ترکہ کا حصہ شرعاً دونوں کو پہنچے گا یا صرف ہندوستانی بیٹے کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اہل اسلام کے حق میں بتاؤں دارین مانع ارث نہیں، لہذا دونوں بیٹے شرعاً وارث ہوں گے۔

”ويمنع الإرث الرق، والقتل، واختلاف الملتین، واختلاف الدارین

فیما بین الکفار حقیقة أو حکماً بخلاف المسلمین، وإن شطت دارهم

کمستأمن وحربی اھ“ (سکب الأنهر: ۷۴۸/۲) (۱)۔

فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۲/۸۶ھ۔



(۱) (مجمع الأنهر، کتاب الفرائض: ۴/۳۹۸، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

”وکذلك اختلاف الدارین سبب لحرمان المیراث..... ولكن هذا في أهل الکفر لا في حق

المسلمین، حتی إن المسلم إذا مات في دار الإسلام، وله ابن مسلم في دار الهند أو الترك يرث“.

(البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۶۵، رشیدیہ)

(وکذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الفرائض: ۶/۷۶۷، ۷۶۸، سعید)

الفصل السابع في التصرف في التركة (ترکہ میں تصرف کا بیان)

بیٹے کا والدہ کے حصے پر قبضہ کرنا

سوال [۱۱۵۴۲]: خاتون بیگم نے کچھ مکان اور کچھ زمین خود اپنے پیسہ سے اپنے دو لڑکوں کے نام خریدی تھی اور ان میں ایک لڑکا نابالغ تھا، اس نابالغ لڑکے کا انتقال ہو گیا اور وہ جائیداد بڑے لڑکے کے قبضہ میں ہے، کیا خاتون بیگم بھی شرعی اعتبار سے اس جائیداد کی مالک ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس نابالغ کے ترکہ میں سے ایک تہائی کی حق دار اس کی والدہ بھی ہے (۱)، بڑے بھائی کا سب پر قبضہ کرنا غلط ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱/۸۹ھ۔

(۱) ”والثالثة: الأم ولها ثلاثة أحوال: السدس مع الولد وولد الابن أو اثنين من الإخوة والأخوات من أي جهة

كانوا، والثالث عند عدم هؤلاء“۔ (الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الفرائض، الباب الثانی: ۶/۴۴۹، رشیدیہ)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۹/۳۷۰، ۳۷۱، رشیدیہ)

(و کذا فی السراجی فی المیراث، ص: ۱۱، ۱۲، قدیمی)

(۲) ”لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي“۔ (البحر الرائق، کتاب الحدود، باب

حد القذف، فصل فی التعزیر: ۵/۶۸، رشیدیہ)

(و کذا فی رد المحتار، کتاب الحدود، باب التعزیر: ۴/۶۱، ۶۲، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریۃ، کتاب الحدود، فصل التعزیر: ۲/۱۶۷، رشیدیہ)

(و کذا فی شرح المجلة لخالد الأتاسی، المادة: ۹۷: ۱/۲۶۳، رشیدیہ)

تقسیم میراث سے پہلے مشترک جائیداد میں سے کسی کو کچھ دینے کا حکم

سوال [۱۱۵۲۳]: زید نے ہندہ سے شادی کی، دو لڑکیاں پیدا ہونے کے بعد ہندہ انتقال کر گئی، زید نے پھر دوسری شادی کر لی زینب سے، ایک لڑکا ہے اور تین لڑکیاں ہیں، گویا کہ زید کے کل چار بچے زینب سے ہیں۔ دو لڑکیاں ہیں ہندہ مرحومہ سے اور تین لڑکیاں ایک لڑکا زینب سے ہیں، نیز زید نے کچھ جائیداد خریدنے کے لئے ایک صاحب کو روپیہ دے رکھا تھا اور جس جائیداد کے لئے یہ روپیہ دیا تھا جس شخص کو اس شرط پر کہ اگر تم مقدمہ میں کامیاب ہو گئے تو جائیداد دینا ورنہ واپس کرنا، ابھی روپیہ لینے والا شخص مقدمہ لڑ رہا تھا کہ زید کا انتقال ہو گیا اور انتقال کے بعد روپیہ لینے والا کامیاب ہو گیا، اب اس کو تو زید کے نام کرنا ہی تھا، مگر زید کے مرجانے کی وجہ سے زید کی بیوی زینب کے نام جائیداد کر دیا، پھر زینب نے دوسری شادی عمر سے کر لی، اب زینب کو عمر سے ایک لڑکا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ زینب کے پاس جو کچھ مال ہے، اس میں سے اپنے شوہر ثانی عمر کو بھی دے سکتی ہے؟ شادی کے باوجود زینب ابھی زید ہی کے گھر پر ہے، چونکہ جائیداد کی مالک ہے، عمر اپنے یہاں سے آتا ہے، کبھی کبھی دو چار دن رہتا ہے، پھر چلا جاتا ہے تو زینب نے جب دوسری شادی کر لی ہے تو اس کو حق پہنچتا ہے کہ اس زید کے مال کو خود کھائے اور اپنے شوہر عمر کو بھی کھلائے؟

۲..... کیا زینب کو یہ حق پہنچتا ہے کہ اب عمر سے جو لڑکا پیدا ہوا ہے، اس کو بھی کچھ حصہ دے دے؟

۳..... کیا زینب نکاح ثانی کے بعد زید کے مال میں حق رکھتی ہے؟

۴..... اگر ان لوگوں کو کچھ حق نہیں پہنچتا ہے تو پھر پانچ لڑکیوں، ایک لڑکا جو کہ ابھی یتیم نابالغ ہیں، زید

کے متروکہ مال میں کتنا کتنا تقسیم کیا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید نے جائیداد خریدنے کے لئے روپیہ دے کر وکیل بنایا تھا، پھر زید کا انتقال ہو گیا جس سے وہ وکالت بھی ختم ہو گئی (۱) اور جو روپیہ دیا تھا، وہ ترکہ زید کا بن گیا، جس کے مستحق سب ورثہ ہیں، اس وکالت کی وجہ سے

(۱) "وینعزل الوکیل بلا عزل بموت أحدهما". (الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الوکالة، باب

عزل الوکیل: ۵/۵۳۸، سعید)

انتقال زید کے بعد اس شخص کو اس روپیہ سے جائیداد خریدنا درست نہیں تھا، بلکہ اس کو لازم تھا کہ وہ روپیہ ورثہ کو دے دے، تاہم جائیداد خرید لی اور ورثہ کے حق میں خریداری بہتر ہے، وہ سب ورثہ کی ہے، اس جائیداد اور تمام ترکہ کی تقسیم اس طرح ہوگی کہ اگر زید کے ذمے کوئی قرض ہو، تو پہلے اس کو ادا کیا جائے، پھر اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو، تو ایک تہائی ترکہ سے شریعت کے موافق وہ پوری کی جائے، اس کے بعد آٹھ حصے بنا کر ایک حصہ زید کی زوجہ ثانیہ زینب کو اور ایک ایک حصہ پانچوں لڑکیوں میں سے ہر ایک کو اور دو حصے لڑکے کو (۱)، زینب نے اگر اپنا مہر وصول نہ کیا ہو، نہ معاف کیا ہو تو وہ مہر کی بھی حق دار ہے اور آٹھویں حصہ کی بھی حق دار ہے (۲)، اس لئے اپنے حصہ اور مہر

= ”وتبطل الوكالة بالعزل إن علم به وموت أحدهما“۔ (البحر الرائق، کتاب الوكالة، باب عزل الوکیل: ۳۱۷/۷، رشیدیہ)

(و کذا فی مجمع الأنهر، کتاب الوكالة، باب عزل الوکیل: ۳۳۸/۳، مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

(۱) نقشہ ملاحظہ ہو۔

مسئلہ ۸

بیوی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹی	بیٹا
۱	۱	۱	۱	۱	۱	۲

(۲) قال الله تعالى: ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثَّمَنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ﴾ (النساء: ۱۲)

وقال الله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ (النساء: ۱۱)

”قال علماءنا رحمه الله تعالى: تتعلق بتركة الميت حقوق أربعة مرتبة: الأول يبدأ بتكفينه وتجهيزه

من غير تبذير ولا تقتير، ثم تقضى ديونه من جميع ما بقي من ماله، ثم تنفذ وصاياه من ثلث ما بقي بعد الدين، ثم

يقسم الباقي بين ورثته بالكتاب والسنة وإجماع الأمة“۔ (السراجي في الميراث، ص: ۳-۴، قديمی)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الأول: ۴۴۷/۶، رشیدیہ)

”والعصبات: وهم كل من ليس له سهم مقدر، يأخذ ما بقي من سهام ذوي الفروض، وإذا

انفرد أخذ جميع المال“۔ (الفتاویٰ العالمگیریہ، کتاب الفرائض، الباب الثالث: ۴۵۱/۶، رشیدیہ)

”المسمى دين في ذمته وقد تأكد بالموت فيقضى من تركته“۔ (الهداية، باب المهر:

۴/۳۳۷، شرکت علمیہ ملتان)

چاہے تو اپنے دوسرے شوہر عمر کو دے دے اور چاہے تو اس سے پیدا شدہ اولاد کو دے دے (۱)، پوری جائیداد کی حق دار نہیں، نکاح ثانی کی وجہ سے اس کا مہر اور حق وراثت ساقط نہ ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱/۸۹ھ۔



(۱) ”والملك مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص“۔ (ردالمحتار، کتاب البيوع، مطلب في تعريف المال والملك الخ: ۵۰۲/۴، سعيد)
 ”كل يتصرف في ملكه كيف شاء“۔ (شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲ : ۱/۶۵۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) ”والدين الصحيح: هو في التنوير وغيره ”مالا يسقط إلا بالأداء أو الإبراء“۔ (شرح المجلة لخالد الأتاسي، کتاب الكفالة، المادة: ۶۳۱ : ۲۴/۳، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الكفالة، مطلب في كفالة المال قسماں : ۳۰۲/۵، سعيد)

(و كذا في شرح الحموي على الأشباه والنظائر، کتاب الكفالة: ۱۶۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

الفصل الثامن فی إرث المال الحرام

(مال حرام میں وراثت کا بیان)

میراث میں کسی کی چیز ناحق آجائے تو اس کا حکم

سوال [۱۱۵۴۲]: میرے ماموں تصدیق حسین کے دولڑکے اور چار لڑکیاں ہیں، بڑے لڑکے عبدالوحید کے ساتھ میری بہن کی شادی ہوئی تھی، شادی کے آٹھ سال بعد عبدالوحید کا انتقال ہو گیا تھا، اولاد کوئی نہیں ہوئی، عبدالوحید مرحوم کے نام ساٹھ بیگھہ (۱) زمین تھی، عبدالوحید مرحوم کے انتقال کے بعد ساٹھ بیگھہ زمین ان کی بیوہ کے نام ہو گئی، عبدالوحید کے انتقال کے بعد تحصیل دار گاؤں میں آئے اور عبدالوحید کے والد سے معلوم کیا کہ اس کا وارث کون ہے؟ یہ زمین کس کے نام منتقل کی جائے تو انہوں نے کہا کہ اس کی بیوہ عمس خاتون کے نام کر دی جائے، سرکاری قانون بھی یہی تھا، اب اس کے نام یہ زمین منتقل ہو گئی، اس کے چار پانچ سال بعد چک بندی ہوئی، جس میں دوسرے لڑکے سعید احمد نے بغیر عمس خاتون کو بتلائے اور دھوکہ دے کر دستخط وغیرہ کرا کے ساٹھ بیگھہ زمین اپنے نام درج کرا لیا، جس سے دونوں کے نام آدھی آدھی زمین مشترک ہو گئی، اس کے بعد جب سعید احمد نے دیکھا کہ تصدیق حسین بہت ضعیف ہو گئے ہیں تو دیکھ بھال کرنے لگا، تصدیق حسین ہمیشہ اپنے بڑے لڑکے عبدالوحید مرحوم سے بہت خوش رہے۔

اس کے برعکس چھوٹے لڑکے سعید احمد سے ہمیشہ ناخوش رہے، اسی وجہ سے مکان کا بڑا حصہ عمس خاتون کے نام پر لکھ دیا کہ بعد میں اس کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو، جب اس نے یعنی سعید احمد نے اپنا نام بیوہ کی آدھی زمین کرا لی تو اس وقت بھی بہت برا بھلا کہا اور اس کے چار پانچ سال کے بعد تصدیق حسین کا انتقال ہو گیا، خود تصدیق حسین کے نام بھی ۸۰/ بیگھہ زمین تھی، جسے اب کل زمین ستر ۷/۷ دونوں کو ملے گی، یہ سب زمین سید داری لیس زمین دار سے لگان پر کرایہ پر لی تھی، جو اب خود کاشت کا مالک ہو گیا ہے، میرے والد بھی زمین دار

(۱) ”بیگھہ: زمین کا ایک ناپ، چار کنال یا ۸۰ مرلے“۔ (فیروز اللغات، ص: ۲۷۱، فیروز سنز لاہور)

تھے، ان کی بیس بیگھہ زمین بھی لگان پر تصدیق حسین لئے ہوئے تھے۔

ہمارے والد نے تصدیق حسین سے اپنی بیس بیگھہ زمین واپس مانگی، جس پر ماموں نے جواب دیا کہ آپ نہیں لے سکتے ہیں، لہذا میں واپس نہیں کروں گا، تصدیق حسین نے لڑکیوں کو بھی حصہ نہیں دیا، اب سوال یہ ہے کہ عمس خاتون کتنی زمین لے سکتی ہے؟ اگر قانوناً زیادہ زمین حاصل کرے اور میرے والد کی زمین مجھ کو اور تصدیق حسین کی لڑکیوں کا نکال کر ان کا حصہ اس میں سے واپس کر دیں، یہاں ایک معتبر عالم مفتی بھی تھے اور حالات سے بخوبی واقف تھے، ان کا کہنا تھا کہ عمس خاتون لے سکتی ہے، دوسروں کا حصہ بھی واپس کر سکتی ہے، چار سال سے مقدمہ چل رہا ہے، چاروں لڑکیاں بھی سعید احمد کے خلاف ہیں۔

چنانچہ تین سال پہلے کی بات ہے کہ سعید احمد کے دو بھانجے عمس خاتون کا غلہ بٹوانے کے لئے کھلیان پر گئے، تو ان کو سعید احمد نے اور ان کے آدمیوں نے اتنا مارا کہ بارہ گھنٹے کے بعد وہ (اس کا بھانجہ) اللہ کو پیارا ہو گیا اور دوسرے کو بہت زیادہ چوٹیں آئیں، اس کی بیوہ یا اس کی ماں سعید احمد کے لئے یا مارنے والوں کے لئے بددعا کوئی عمل اعمال قرآن سے کر سکتی ہے یا نہیں؟ فقط والسلام۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعی وراثت مورث کے مملوکہ ترکہ میں جاری ہوتی ہے، جو چیز اس کے پاس بطور کرایہ تھی، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی (۱)، بلکہ مالک سے معاملہ رضا مندی کی ضرورت ہوگی، شرعی طور پر (بذریعہ وراثت ہبہ بیع) جس چیز پر ملک حاصل ہو جائے، مالک کو حق ہے کہ وہ پوری چیز یا اس کا کوئی حصہ دوسرے کو دے دے (۲)،

(۱) "لأن التركة في الاصطلاح متركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال"

(ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۵۹/۶، سعید)

(و کذا في البحر الرائق، کتاب الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

(و کذا في حاشية السراجي، ص: ۲، قدیمی)

(۲) "المملک مامن شأنه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص" (ردالمحتار، کتاب البيوع، مطلب في

تعريف المال الخ: ۵۰۲/۴، سعید)

"ولكل واحد منهم أن يتصرف في حصته كيف شاء" (شرح المجلة، کتاب الشراكة، الفصل

الثامن: ۶۴۳/۱، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

جو بیٹا اپنے باپ کو نالائق حرکتوں سے ستائے وہ محروم قسمت ہے، دوسرے کی چیز پر غاصبانہ ظالمانہ قبضہ کرنا کبیرہ گناہ ہے (۱)۔ پھر اس کی وجہ سے مارنا پیٹنا کہ وہ بھی اہل قرابت کو؟! اتنا شدید جرم ہے کہ مرنے سے پہلے بھی اس کا وبال ضرور ہی چکھنا ہوگا، آخرت میں سزا کہیں گئی نہیں (۲)، ظالم کے ظلم سے تحفظ کی تدبیر بھی کی جاسکتی ہے اور یہ دعا بھی کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ظلم کی سزا دے، کسی کے پاس کسی کا حصہ ناحق آجائے تو اس کو واپس کر دینا چاہیے یا اس کی رضا مندی ہو، تو اس کی قیمت دے دی جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

- = (و کذا فی شرح المجلة، الباب الثالث، المادة: ۱۱۹۲ : ۱/۶۵۴، دارالکتب العلمیۃ بیروت)
- (۱) ”الکبیرۃ السابعة والعشرون بعد المائتين: الغضب وهو الاستيلاء على مال الغير ظلماً، أخرج الشيخان عن عائشة رضي الله تعالى عنها: أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم قال: ”من ظلم قيد شبراً من أرض (أي: قدره) طوقه من سبع أرضين“. (الزواجر عن اقتراف الكبائر، باب الغضب: ۱/۴۳۴، دارالفکر بیروت)
- ”عن سعيد بن زيد رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين“. متفق عليه. (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغضب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمی)
- (و صحيح البخاري، كتاب بدء الخلق، باب ما جاء في سبع أرضين: ۱/۴۵۳، قديمی)
- (۲) ”وعن أبي بكر رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: ”ما من ذنب أحرى أن يعجل الله لصاحبه العقوبة في الدنيا مع ما يدخر له في الآخرة من البغي وقطيعة الرحم“. (مشكاة المصابيح، كتاب الآداب، باب البر والصلة: ۲/۴۲۰، قديمی)
- (وسنن أبي داود، كتاب الآداب، باب النهي عن البغي: ۴/۳۲۹، رحمانیہ)
- (وسنن الترمذي، أبواب الزهد، باب: ۲/۷۷، سعيد)
- (۳) ”قال: وعلى الغاصب رد العين المغصوبة، معناه: ”مادام قائماً“، لقوله عليه الصلاة والسلام: ”على اليد ما أخذت حتى ترد“. ولقوله عليه السلام: ”لا يحل لأحد أن يأخذ متاع أخيه لا عباً ولا جاداً، فإن أخذه فليرده عليه.....“ أو رد القيمة مخلص خلفاً؛ لأنه قاصر إذا الكمال في رد العين والمالية“. (الهداية، كتاب الغصب: ۳/۳۷۳، مكتبة شرکت علمیہ ملتان)
- (و کذا فی تبیین الحقائق، كتاب الغصب: ۶/۳۱۵، دارالکتب العلمیۃ بیروت)
- (و کذا فی ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، كتاب الغصب: ۴/۷۸، مكتبة غفاريه كوئٹہ)

باب المتفرقات

بروقت ادائیگی نہ کی جانے کی صورت میں شیء مرہونہ پر ملکیت کا حکم اور کم قیمت اشیاء کی تقسیم کا طریقہ کار

سوال [۱۱۵۴۵]: زید کا انتقال ہو گیا اور بکر اس کی جائیداد کا مالک بن گیا، ملکیت اس کے پاس جو آئی ہے اس میں ایک مکان ہے جو ایک سو سال قبل عمر نے زید کو ایک ہزار روپے میں رہن دیا تھا، شرط یہ تھی کہ اگر تین سال میں رقم ادا نہ کی گئی تو زید مکان کا مالک بن جائے گا، حکومت نے اس کو مالک تسلیم کر لیا اور زید اس کا مالک بن گیا، شرعاً اس مکان کو واپس کرنا چاہیے یا نہیں؟ دیگر یہ کہ عمر کا انتقال ہو چکا ہے اور اب اس کا کوئی وارث باقی نہیں رہا، تو اس صورت میں بکر کیا اس مکان کا مالک بن جاتا ہے؟ اس مکان کو وقف کر دیا جائے اور اگر وقف کیا جائے تو کس نیت سے کیا جائے؟

۲..... زید کے چار وارث ہیں، زید نے اپنے مرنے کے بعد کئی مختلف اشیاء چھوڑی ہیں، جس میں کچھ اشیاء وارثوں کی تعداد سے کم ہیں اور کچھ اشیاء ایسی ہیں جو گھریلو کام کی ہیں، لیکن بازار میں ان کوئی خریدار نہیں۔ مثلاً: زید کے ذاتی کپڑے، ٹوپیاں، شیروانیاں، ازار بند وغیرہ وغیرہ، آئینہ ایک عدد، موزے دو جوڑے، بنیان، فاؤنٹین پین، پینسل، کچھ برتن کالج کے اور کچھ تانبے کے، اس کے علاوہ تالے چھوٹے بڑے کئی عدد ہیں، جن کے داموں کا صحیح اندازہ نہیں ہوتا، اس کے علاوہ رضائی، تکیہ اور گدے وغیرہ بھی ہیں، جواہرات میں کچھ ایسے ہیں جن میں کچھ اصلی اور نقلی کی تمیز ناممکن ہے، جوہری بھی ان کی صحیح رہبری نہیں کر پاتے، ان کے علاوہ کچھ موتی کچھ قیمتی پتھر مثلاً: زبرجد اور جواہر، مہرہ وغیرہ، بہت قلیل تعداد میں ہیں، جن کو بازار میں اگر فروخت کیا جائے تو قیمت بہت کم آئے گی اور خریدنے جائیں تو پھر قیمت بہت بڑھ جاتی ہے، نیز اس قسم کی اور کئی چھوٹی موٹی چیزیں ہیں، لہذا شرعاً وارثوں کا ہی تقسیم کا جو آسان طریقہ ہے، وہ بتایا جائے اور تقسیم کی نسبت فرداً فرداً بتایا جائے تاکہ اس کے

مطابق مذکورہ ملکیت کو تقسیم کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

..... اس طرح رہن رکھ کر شرعاً ملکیت کا استحقاق نہیں ہوتا (۱)، اس مکان کی واپسی لازم تھی یا زید کو مالک مکان اجازت دے دیتا کہ تم اس مکان کو فروخت کر کے اپنا روپیہ وصول کر لو اور بقیہ جو قیمت کا روپیہ قرض سے زائد ہو، وہ مجھے دے دو (۲)، لیکن ایسا نہیں کیا گیا اور قانونی اعتبار سے زید کو مالک تجویز کر دیا گیا، پس اگر عمر نے اس کو تسلیم کر لیا اور رضا مندی دے دی کہ قرض کے عوض یہ مکان تمہارے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور زید نے

(۱) ”لا يجوز غلق الرهن وهو أن يشترط المرتهن أنه له بحقه إن لم يأت به عند أجله“. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۸۳: ۲/۲۸۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”عن سعيد بن المسيب أن رسول الله قال: ”لا يعلق الرهن الرهن من صاحبه الذي رهنه، له غنمه، وعليه غرمه“۔ (مشكاة المصابيح، كتاب البيوع، باب السلم والرهن، الفصل الثاني، ص: ۲۵۰، قديمي)

”(سئل) فيما إذا رهن زيد عند عمرو كرمًا معلوماً سلمه منه بدين استدانه، وقبضه منه إلى أجل معلوم على أنه إذا لم يعطه دينه عند حلول الأجل يكن الرهن بالدين، ثم حل الأجل ومات زيد عن ورثة أحضروا الدين لعمرو ليرد لهم الرهن، فامتنع زاعماً أن الرهن صار له بطريق البيع على الوجه المذكور فهل يكون البيع غير صحيح ولا عبرة بزعمه؟“

(الجواب) نعم! كما أفتى به في الخيرية من الرهن ناقلاً عن البرازية، قال للمرتهن إن لم أعطك دينك إلى كذا فهو بيع لك بما لك علي، لا يجوز، وذكر في طريقة الخلاف، قال إن لم أوفيك مالك إلى كذا، وإلا فالرهن لك بما لك بطل الشرط، وصح الرهن، وقال الشافعي: بطل الرهن أيضاً، والله تعالى أعلم۔ (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الرهن: ۲/۲۶۱، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) ”فإن وكل الراهن المرتهن أو وكل العدل أو غيرهما بيعه عند حلول الأجل صح توكيله“۔ (الدر المختار، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل الخ: ۵۰۳/۶، سعيد)

”وأما حكمه فملك العين المرهونة في حق الحبس، حتى يكون أحق بامساكه إلى وقت إيفاء الدين فإذا مات الراهن فهو أحق به من سائر الغرماء، فيستوفى دينه، فما فضل يكون لسائر الغرماء والورثة“۔ (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الرهن، الباب الأول، الفصل الأول: ۴۳۳/۵، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الرهن، باب الرهن يوضع على يد عدل الخ: ۴۷۰/۸، رشيدية)

اس کو منظور کر لیا تو زید مالک ہو گیا (۱)۔

زید کے انتقال کے بعد اگر اس کا صحیح وارث صرف بکر ہے تو اب وہ مالک ہے (۲)، زید اور عمر کے درمیان مکان سے متعلق بیع کا اگر علم نہ ہو اور یہ ظاہر ہوتا ہو کہ محض قانونی مجبوری اور بے بسی کی وجہ سے عمر کچھ چارہ جوئی نہیں کر سکا، اس لئے اس مکان پر زید کا قبضہ رہا اور اتنی مدت میں بمقدار قرض اس مکان سے آمدنی بھی حاصل کر چکا، تو بکر اب اس مکان کو عمر کی طرف سے بطور صدقہ کسی غریب کو دے دے کہ اس کا ثواب عمر کو پہونچے اور زید کو اس کے وبال سے بچالے (۳)۔

۲..... چاروں وارث ہر چیز کی قیمت اہل تجربہ سے لگوا کر چھ حصے بنالیں اور تحریر بالا کے موافق تقسیم کر لیں، جو شئی جس وارث کے لئے مناسب ہو وہ ساری اس کے حصہ میں بھی لگا سکتے ہیں (۴)، مثلاً: اس طرح

(۱) "وأما تعريفه فهو مبادلة المال بالمال بالتراضي وأما حكمه فثبت الملك في المبيع للمشتري وفي الثمن للبائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب البيوع، الباب الأول: ۲/۳، رشيدية)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب البيع: ۵/۴۳۰-۴۳۲، رشيدية)

(و كذا في تبين الحقائق، كتاب البيع: ۲/۴۷۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ويستحق الإرث بإحدى خصال ثلاث: بالنسب وهو القرابة، والسبب وهو الزوجية، والولاء".

(الفتاوى العالمكيرية، كتاب الفرائض، الباب الأول: ۶/۴۴۷، رشيدية)

(و كذا في الدر المختار، كتاب الفرائض: ۶/۷۶۲، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الفرائض: ۴/۴۹۵، مكتبة غفاريه كوثه)

(۳) "إن سبيل التوبة مما بيده من الأموال الحرام فليردها على من أربى عليه، ويطلبه إن لم يكن

حاضراً، فإن أيس من وجوده فليصدق بذلك عنه". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، البقرة: ۲۷۹:

۳/۲۴۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"أن من شرط التوبة: أن ترد الظلّامة إلى أصحابها، فإن كان ذلك في المال، وجب أدائه عينا

أو ديناً مادام مقدوراً عليه، فإن كان صاحبه قد مات دفع إلى ورثته، وإن لم يكن فإلى الحاكم، وإلا

تصدق به على الفقراء والمساكين". (القواعد للزر كشي: ۲/۲۴۵، بيروت)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء وغيره، فصل في البيع: ۶/۳۸۵، سعيد)

(۴) "ولو كان في الميراث رقيق و غنم و ثياب فأقسموا وأخذ بعضهم الرقيق وبعضهم الغنم جاز =

کہ ایک شے کی قیمت چھ سو روپے ہیں، وہ سب ایک وارث کو دے دی جائے، جو کہ ایک سو کا مستحق ہے اور پانچ پانچ سو کی مقدار جو کہ اس کے پاس دیگر ورثہ کی آگئی ہے، اس کے عوض کسی دوسری شے سے اس کا حصہ ساقط کر کے دوسروں کو دے دیا جائے، اگر کچھ چیزیں خیرات کرنا چاہیں تو سب ورثہ بعد تقسیم کے ان سب کی طرف سے خیرات کر دیں۔

جب ہر چیز کی قیمت لگا کر چھ حصہ تصور کر لئے جائیں گے تو تقسیم آسان ہوگی، پھر جو وارث چاہے اپنا حصہ دوسرے کو فروخت بھی کر سکتا ہے، مثلاً: فاؤنٹین پین کی قیمت چھ روپیہ ہے، وہ ایک لڑکی لے لے اور ایک ایک روپیہ دونوں بہنوں کو دے دے، دو روپیہ بھائی کو دے دے سب رضامندی سے اس طرح طے کر لیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۳/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: العبد نظام الدین، ۶/۳/۹۲ھ۔

رہائش مشترک ہونے کی صورت میں ایک بھائی کی کمائی میں دوسرے بھائی کا آدھا حصہ طلب کرنا

سوال [۱۱۵۴۶]: زید، خالد و عمرو یہ تینوں بکر کے حقیقی بیٹے ہیں، بکران میں سے ہر ایک کی باری باری شادی کر دیتے ہیں اور بکر نے تینوں بیٹوں کو الگ الگ کر دیا اور جائیداد کا کل حصہ برابر برابر تقسیم کر دیا، کچھ دنوں کے بعد بکر نے چھوٹے بیٹے سے کہا، کہ تم بڑے بھائی زید کے ساتھ ہو جاؤ، اس لئے کہ تمہارے افراد کی کمی کی وجہ سے زید کی امداد ہو سکے گی اور جب تم ضرورت سمجھنا، اسی تقسیم پر الگ ہو جانا۔

عمرو چونکہ زیادہ تر بمبئی میں رہنے والا اور مستقل ملازمت پیشہ ہے، اس لئے اس نے بمبئی میں ایک کمرہ رہنے کے لئے خرید لیا اور قانونی اعتبار سے جو فنڈ کارخانہ میں تنخواہ سے کٹ جاتا ہے، وہ عورت کے نام ہوتا ہے، آج دس سال سے زائد عرصہ ہو گیا، عمرو اپنی کمائی کا روپیہ اور کپڑا وغیرہ اخراجات برابر دیتا رہا، آج کسی بناء پر الگ ہو جانے کی صورت پیش آئی، تو زید نے کہا کہ فنڈ کے روپے میں اور کمرہ میں میرا آدھا حصہ ہوتا ہے، اس

= بالتراضی“۔ (خلاصۃ الفتاویٰ، کتاب القسمة، الفصل الأول: ۲۰۹/۴، رشیدیہ)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمگیریۃ، کتاب الصلح: ۲۶۸/۴، رشیدیہ)

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین﴾ (النساء: ۱۱)

لئے مجھے ملنا چاہیے۔

دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعی اعتبار سے زید کو ان اشیاء میں جو صرف عمرو کی کوشش کا نتیجہ ہے، حق حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید کا یہ مطالبہ صحیح نہیں، فنڈ کے روپیہ اور اس کمرہ میں زید کا کوئی حصہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/۱/۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱/۸۶ھ۔

کلالہ

سوال [۱۱۵۴]: ”الفاروق“ مصنفہ حضرت مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ، ص: ۱۵۷، میں لکھا

ہے: ”ورثہ کے بیان میں“ کہ خدا نے ایک قسم کے وارث کو کلالہ سے تعبیر کیا ہے، لیکن چونکہ کلام مجید میں اس کی تعریف مفصل مذکور نہیں ہے، اس لئے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف تھا کہ کلالہ میں کون کون وارث داخل ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے چند بار دریافت کیا، اس پر تسلی نہ ہوئی، تو حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک یادداشت لکھ دی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کریں،

(۱) مذکورہ کمرہ اور فنڈ چونکہ والد کے میراث میں سے نہیں ہے، بلکہ خالص عمرو کی کوششوں کا نتیجہ ہے اور ان کی اپنی ملک ہے، اس لئے اس میں زید کا کوئی حق نہیں اور نہ وہ اس میں تصرف کر سکتا ہے۔

”لأن التركة: ما تركه الميت من الأموال صافياً عن تعلق حق الغير بعين من الأموال“۔

(ردالمحتار، کتاب الفرائض: ۷۵۹/۲، سعید)

”المراد من التركة ما تركه الميت خالياً عن تعلق حق الغير بعينه“۔ (البحر الرائق، کتاب

الفرائض: ۳۶۵/۹، رشیدیہ)

”لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملك غيره بلا إذنه أو وكالة منه، أو ولاية عليه“۔ (شرح

المجلة لسليم رستم باز، رقم المادة: ۹۶: ۶۱/۱، مکتبہ حنفیہ کوئٹہ)

”ولا يجوز التصرف في مال غيره بغير إذنه“۔ (شرح الحموي، کتاب الغصب: ۴۴۴/۲،

إدارة القرآن کراچی)

پھر اپنی خلافت کے زمانہ میں تمام صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا، لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان تینوں چیزوں کی حقیقت بتلا جاتے تو مجھ کو دنیا و ما فیہا سے زیادہ عزیز ہوتا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جتنا ان تین چیزوں کے متعلق بیان فرمادیا، وہ احادیث میں مذکور ہے اور صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے اس کو سمجھ بھی لیا اور عمل بھی فرمایا (۱)، مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چاہتے تھے کہ زیادہ تفصیل سے اس کا بیان فرمادیا جاتا، تاکہ مخالفین کو انکار کی مجال نہ رہتی، ”نور الأنوار“ میں بھی ربوا کے متعلق حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی یہ شرح کی ہے (۲)۔ ”کلالہ“

(۱) ”فإذا مات الرجل وليس له ولد ولا والد، فورثته كلاله. هذا قول أبي بكر الصديق وعمر وعلي وجمهور أهل العلم. وذكر يحيى بن آدم عن شريك وزهري وأبي الأحوص، عن أبي إسحاق، عن سليمان بن عبد قال: ما رأيتهم إلا وقد تواطؤوا وأجمعوا على أن الكلاله من مات ليس له ولد ولا والد، وهكذا قال صاحب كتاب العين وأبو منصور اللغوي وابن عرفة والقتبي وأبو عبيد وابن الأنباري.“
(الجامع لأحكام القرآن للقرطبي، النساء: ۱۲: ۵۸/۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

”حدثنا الوليد بن شجاع السكوني، قال ثني علي بن مسهر، عن عاصم، عن الشعبي قال: قال أبو بكر رضي الله تعالى عنه: إني قد رأيت في الكلاله رأياً فإن كان صواباً فمن الله وحده لا شريك له، وإن يكن خطأ فمني والشيطان، والله منه برئ، إن الكلاله ما خلا الولد والوالد، فلما استخلف عمر رضي الله تعالى عنه قال إني لأستحي من الله تبارك وتعالى أن أخالف أبا بكر في رأي رآه.“
یہ اور اس طرح کی روایات کثیر تعداد میں تفسیر طبری میں علامہ محمد جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کی ہیں۔ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل مقامات کی طرف رجوع کریں۔

(تفسیر الطبری، النساء: ۱۲: ۱۹۱/۳-۱۹۲، دار المعرفۃ بیروت)

(وتفسیر الطبری، النساء تحت آية: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلْ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي الْكِلَالَةِ﴾: ۲۸/۶-۳۱،

دار المعرفۃ بیروت)

(۲) ”ولهذا قال عمر رضي الله تعالى عنه: خرج النبي عليه السلام ولم يبين لنا أبواب الربوا هكذا قالوا.

وفي قمر الأقمار: قوله: ولم يبين أي: بيانا شافياً.“ (نور الأنوار، مبحث المحمل، ص: ۹۳، سعيد)

کے سلسلہ میں شرح مؤطا میں ایسا ہی منقول ہے (۱)۔

مسئلہ خلافت کو ”ازالۃ الخفاء“ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے بڑے بسط سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ترتیب خلافت کو خوب سمجھتے تھے اور ان کے پاس دلائل موجود تھے، بلکہ مخالفین کی زبان بندی کرنے کے لئے بیان شافی ہونے کے متمنی تھے، تا کہ خوارج وغیرہ کے فتنوں کا دروازہ بند ہو جاتا (۲)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۴/۸۷ھ۔



(۱) (کشف المغطا عن وجه المؤطا علی هامش مؤطا الإمام مالک، کتاب الفرائض، میراث الکلالۃ، ص: ۶۶۳، قدیمی)

(۲) (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء، مسند عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه، ص: ۶۲، ۶۳، سهيل اكيڈمی لاہور)

